آسیب نگری
ایم اے راحت

انتساب

محترم العزیز جناب ''مظفر گل'' کے نام،
جو نہایت باغ و بہار اور مشفق شخصیت کے مالک ہیں۔
خداوند عالم انہیں عمرِ دراز، صحت
اور تندرستی عطا فرمائے۔ (آمین)

وقار عظیم
پاکستانی ڈاٹ کام

یباچہ

آسیب نگری، پُراسرار داستانوں میں انتہائی منفرد داستان ہے۔ اس میں جس عمارت
ں نشاندہی کی گئی ہے، وہ اس وقت بھی لاہور کے ایک گنجان علاقے میں، تحریر کردہ
وایات کے ساتھ موجود ہے۔ البتہ اس سے منسوب داستان کچھ حقائق کے ساتھ
تراع ہے۔

''اخبارِ جہاں'' میں یہ کہانی، ''آسیب'' کے نام سے شائع ہوتی رہی ہے اور اللہ تعالیٰ
کے کرم سے مقبولیت کے ریکارڈ قائم کر چکی ہے۔ کتابی شکل میں شائع کرتے ہوئے ہم
نے اس میں نگری اور بسا دی ہے، جو کہانی کی مناسبت سے بہت موزوں ہے۔ کیونکہ
س میں انسانوں کے ساتھ جنات کی آبادی بھی شامل ہے جو حقیقت سے دُور کی بات
نہیں ہے۔ یہ آتشی مخلوق آج بھی بے شمار عمارتوں میں انسانوں کے ساتھ آباد ہے۔ ہم
نے اس کے بارے میں ٹھوس تحقیق کے ساتھ کچھ تفصیلات بھی لکھی ہیں جو قطعی طور پر
حقیقت سے دُور نہیں ہیں۔

میں اس ناول کو اپنی بہترین کہانیوں میں سے ایک کہانی شمار کرتا ہوں اور اسے
بڑے اعتماد سے آپ کی خدمت میں پیش کر رہا ہوں۔

آپ کا

ایم اے راحت

پاپا نے پنجاب اور لاہور کی اتنی کہانیاں سنائی تھیں کہ ہم تینوں بہن بھائیوں کے دل میں اپنا وطن اور خاص طور سے لاہور دیکھنے کا بڑا اشتیاق پیدا ہو گیا تھا۔ ہم لوگ بحرین کے شہر منامہ میں پیدا ہوئے تھے اور وہیں پلے بڑھے تھے۔

پاپا نے کبھی ہمیں پاکستان نہیں جانے دیا تھا۔ جبکہ ہم تینوں بہن بھائی، خود پاپا اور ماما نہ صرف مشرقِ وسطیٰ بلکہ یورپ کے کئی ملکوں کی سیر کر چکے تھے۔ پاکستان آنے سے منع کرنے کی وجہ یہ بتائی گئی تھی کہ وہاں ان کی دشمنیاں چل رہی تھیں اور ہمیں وہاں خطرہ ہے۔ حالانکہ پاپا پنجاب سے بے پناہ پیار کرتے تھے اور انہوں نے ہمیں اس کے بارے میں اتنا بتایا تھا کہ ہمیں پنجاب کے ایک ایک گوشے سے واقفیت ہو گئی تھی۔

ہمارے خاندان کا تعلق ڈھابے سنگھ کے ایک بڑے زمیندار گھرانے سے ہے، جو اب صفدر آباد کہلاتا ہے۔ زمینداروں کی زندگی عام لوگوں سے کافی مختلف ہوتی ہے، جس کی تفصیل بھی پاپا ہی سے معلوم ہوئی تھی۔ وہ جب بھی اپنے خاندان، اپنے گھر کی باتیں کرتے تھے تو ان کے لہجے میں بہت پیار ہوتا تھا۔ انہوں نے اپنا گھر، اپنا وطن کیوں چھوڑا، اس کی تفصیل ذرا طویل ہے، جو بعد میں بتاؤں گا۔

میری ماما کا تعلق بھی پاکستان سے ہے لیکن وہ بچپن میں اپنے والد صاحب کے ساتھ انگلینڈ چلی گئی تھیں۔ وہیں اُن کی شادی میرے پاپا سے ہوئی۔ اس کے بعد بہت سے مرحلوں سے گزر کر پاپا بحرین میں سیٹل ہو گئے۔ یہاں اُنہوں نے زیتون اور مونگ پھلی کا تیل بنانے والے ایک کارخانے میں ملازمت کی اور پھر آہستہ آہستہ جنرل منیجر کے عہدے تک پہنچ گئے۔

پاکستان میں ان کا پورا خاندان موجود تھا۔ انہوں نے بے شک ہمیں پاکستان نہیں آنے دیا لیکن خود وہ باقاعدہ پاکستان جاتے تھے۔ اس کی بڑی وجہ ہماری دادی صاحبہ تھیں، جو منجھلے تایا کے پاس رہتی تھیں۔ پھر کچھ جائیداد اور زمینوں وغیرہ کے معاملات بھی تھے، جو شاید اُلجھے ہوئے تھے اور دادا صاحب کے انتقال کے بعد مزید اُلجھ گئے تھے۔

اسی دوران دادی صاحبہ بیمار ہوگئیں۔ پھر بیماری نے کچھ ایسی پیچیدگی اختیار کی کہ وہ کوما میں چلی گئیں اور اب تقریباً آٹھ سال سے وہ کوما میں تھیں۔ دادا صاحب کے انتقال کے دو سال کے بعد بڑے تایا کا بھی انتقال ہوگیا۔ پھر منجھلی تائی بھی اللہ کو پیاری ہوگئیں۔ اُن سب کی اولادیں تھیں، جن سے ہم لوگوں کی صرف ناموں کی حد تک واقفیت تھی۔

بہرحال، میں اپنے پاکستان آنے کی وجہ بتا رہا تھا۔ پاپا کوئی ڈھائی مہینے سے غائب تھے۔ وہ معمول کے مطابق پاکستان آئے تھے۔ عام طور پر وہ دس یا پندرہ دن پاکستان میں رہتے تھے لیکن اس بار اُنہیں پاکستان گئے ہوئے ڈھائی مہینے گزر گئے تھے اور اُنہوں نے اپنی کمپنی سے کوئی رابطہ کیا تھا، نہ ہم سے۔ ہماری پریشانیاں انتہا پر پہنچ گئیں تو میرے پاکستان جا کر معلومات کرنے کا فیصلہ ہوا، کیونکہ بڑے بھائی سرفراز احمد خاں کو لاکھ کوشش کے باوجود اُن کے آفس سے چھٹی نہیں ملی تھی۔ منجھلے تایا صاحب سے رابطہ کیا گیا تو اُنہوں نے بھی لاعلمی ظاہر کی۔ آخر کار میں پاکستان چل پڑا۔

لاہور ایئرپورٹ پر میرا استقبال تایا ممتاز احمد خاں اور ان کی دو نوجوان بیٹیوں حرا اور سلطانہ نے کیا۔ تایا صاحب بڑی محبت سے مجھ سے گلے ملے۔ حرا اور سلطانہ نے بھی مسرت کا اظہار کیا اور میں اُن کے ساتھ اُن کی قیمتی کار میں بیٹھ کر چل پڑا۔ سلطانہ، کار ڈرائیو کر رہی تھی، تایا صاحب بالکل خاموش بیٹھے تھے۔ ویسے بھی چہرے سے وہ مجھے حد سے زیادہ سنجیدہ محسوس ہوئے تھے۔ لڑکیاں بھی کچھ قنوطی سی لگی تھیں۔

میں پاپا کے لاہور کو دیکھتا سفر کرتا رہا۔ پھر کار طویل فاصلہ طے کر کے سمن آباد کے ایک مکان میں داخل ہوئی۔ یہ مکان خاصا روایتی سا تھا۔ اس کا تھوڑا سا حصہ بنا ہوا تھا لیکن یوں لگتا تھا، جیسے اُس کی تعمیر بھی بیس پچیس سال پہلے ہوئی ہو۔ دیواروں پر رنگ و روغن ختم ہو چکا تھا۔ جگہ جگہ سیمنٹ اُدھڑا نظر آتا تھا، جس سے بدصورت اینٹیں جھانکتی نظر آ رہی تھیں۔ کار سے اُتر کر ہم گھر میں داخل ہوگئے۔ میں نے اپنا سوٹ کیس خود اُٹھا لیا تھا۔ تایا صاحب نے لڑکیوں سے کہا۔

”تم دونوں انہیں کمرے میں پہنچا دو اور ان کی ضرورتیں ان سے پوچھ لو۔ شہاب میاں! میں اپنے کمرے میں ہوں۔ تم فریش ہو جاؤ۔ دوپہر کے کھانے پر ملیں گے۔“

یہ کہہ کر وہ میرے جواب کا انتظار کئے بغیر ایک طرف مڑ گئے۔ حرا اور سلطانہ نے مجھے ساتھ آنے کے لئے اشارہ کیا اور پھر ایک کمرے کے دروازے پر رُک گئیں۔

”یہ کمرہ آپ کے لئے منتخب کیا گیا ہے، آیئے۔“ حرا نے دروازہ کھولا اور اندر داخل ہو گئی۔

کمرہ کافی بڑا تھا، لیکن نیم تاریک اور سادہ تھا۔ فرش پر قالین تک نہیں تھا۔ ایک طرف پرانے اسٹائل کی مسہری پڑی ہوئی تھی۔ اس سے کچھ فاصلے پر ایک پرانی طرز کا صوفہ موجود تھا۔ لکڑی کی ایک خوب صورت الماری دیوار میں فٹ تھی، جس میں دیمک لگی صاف نظر آ رہی تھی۔ اس الماری میں ڈریسنگ ٹیبل بھی بنی ہوئی تھی۔ جس میں ایک بڑا آئینہ لگا ہوا تھا جس کی آب جگہ جگہ سے خراب ہو چکی تھی۔ میں نے ٹھنڈی سانس لے کر سوٹ کیس ایک طرف رکھ دیا۔

”شہاب بھائی! آپ آرام کریں۔ وہ غسل خانے کا دروازہ ہے۔ اگر غسل کرنا چاہیں تو کر لیجئے۔ میں حمیدہ کو بھیج رہی ہوں، وہ آپ کے کپڑے وغیرہ الماری میں رکھ دے گی۔“

”نہیں، غسل کی ضرورت نہیں محسوس کر رہا۔ یہ حمیدہ کون ہے؟“

”نوکرانی ہے۔“

”ابھی آپ اُسے نہ بھیجیں۔ میں ذرا تھوڑی دیر آرام کرلوں۔“ میں ایک صوفے پر بیٹھ کر بولا۔

”ٹھیک ہے، کوئی ضرورت ہو تو بتا دیجئے گا۔“ حرا نے کہا اور پھر دونوں پلٹ کر دروازے سے باہر نکل گئیں۔

میں نے نظریں اُٹھا کر دروازے کو دیکھا اور پھر جھک کر جوتوں کے فیتے کھولنے لگا۔ مجھے احساس ہوا کہ یہاں کے ماحول اور یہاں کی فضا میں کوئی ایسی خاص بات ہے، جو ذہن پر بوجھ بنتی ہے۔ لیکن اس خاص بات کا تجزیہ کرنا فوری طور پر مشکل تھا، بس ایک بوجھل سا احساس تھا۔

میں نے جوتے اُتار کر ایک طرف سرکائے ہی تھے کہ اچانک ایک عجیب سی سرسراہٹ سنائی دی اور میں چونک پڑا۔ میں نے گردن اُٹھا کر چاروں طرف دیکھا اور پھر میری نظریں ڈریسنگ کے شیشے کی طرف اُٹھ گئیں۔ میں دنگ رہ گیا۔ شیشے میں سامنے اُونچی دیوار میں بنے ہوئے روشندان کی جھلک نظر آ رہی تھی۔ اس بڑے روشندان سے دو آنکھیں مجھے دیکھ رہی تھیں۔ دوخوفناک اور بھیانک آنکھیں، جو عام آنکھوں کے سائز سے کافی بڑی تھیں۔ وہ بالکل سفید تھیں اور ان میں پتلیوں کا نشان بھی نہیں تھا۔ اس سے پہلے کہ میں کچھ اور سوچتا، اچانک وہ سرسراہٹ دوبارہ سنائی دی اور پھر روشندان سے کوئی چیز باہر نکل آئی اور میرے حلق سے چیخ نکلتے نکلتے رہ گئی۔

وہ کافی بڑی چمگادڑ تھی، جو پَر پھیلا کر کمرے میں چکرانے لگی۔ البتہ وہ چھت سے قریب تھی اور کسی قدر بے چین نظر آ رہی تھی، پھر ایک بار اس نے الماری کی طرف غوطہ لگایا

اور زوردار آواز کے ساتھ الماری سے ٹکرا کر نیچے گر پڑی۔

میں نے خوف کے عالم میں دونوں پاؤں اُوپر سمیٹ لئے اور دہشت بھری نظروں سے اُسے دیکھنے لگا، چمگادڑ زمین پر گری تھی۔ اُس کا چہرہ میرے سامنے تھا، جسے دیکھ کر درحقیقت میرے بدن کے رونگٹے کھڑے ہو گئے تھے۔ وہ سفید اور بڑی آنکھیں اسی چمگادڑ کی تھیں، جنہیں میں نے روشندان کے دوسری طرف دیکھا تھا۔ لیکن اس کا باقی چہرہ بھی ناقابلِ یقین منظر پیش کر رہا تھا۔

وہ بالکل انسانی چہرہ تھا۔ ایک چھوٹا سا انسانی چہرہ، جو نفرت بھری نگاہوں سے دیکھ رہا تھا۔ چمگادڑ ایک بار پھر فضا میں بلند ہوئی اور چھت کی بلندی تک پہنچ گئی۔ چھت کے قریب دیوار میں تین روشندان تھے، جن میں سے ایک تک وہ پہنچی اور پھر پَر سمیٹ کر باہر نکل گئی۔

میں دیر تک اس روشندان کو تکتا رہا اور پھر گہری گہری سانسیں لے کر خود کو پُرسکون کرنے لگا۔ کمال کی جگہ ہے۔ یہ گھر ہے یا بھوت گھر؟ ہر چیز نرالی ہے۔ حالانکہ ایک بارونق علاقے میں ہے۔ یہاں تک آتے ہوئے میں نے گھر کے سامنے کی رواں دواں سڑک کو دیکھا تھا، کچھ لمحے میں سوچتا رہا، پھر شانے جھٹک کر اُٹھ کھڑا ہوا۔ عجیب سی جگہ ہے، لیکن کچھ وقت تو توقف کرنا تھا۔ تایا صاحب سے پاپا کے بارے میں تفصیل معلوم کرنی تھی۔ دل میں اہلِ خاندان کے لئے بڑے جذبات لے کر آیا تھا، لیکن شاید اس گھر میں قیام نہ کر سکوں، کوئی ہوٹل وغیرہ دیکھنا پڑے گا۔

میں اپنی جگہ سے اُٹھ کر اُس بڑی کھڑکی تک پہنچ گیا، جو سامنے نظر آ رہی تھی۔ اس میں بڑے بڑے شیشوں والے پٹ تھے۔ پردہ ہٹا کر میں نے ایک پٹ کھولا اور باہر کا منظر دیکھ کر ایک بار پھر حیران رہ گیا۔ یہ جگہ تو باقاعدہ جنگل معلوم ہوتی تھی۔ سامنے بدصورت اور ٹیڑھے میڑھے درخت کھڑے ہوئے تھے۔ اُن کے سوکھے پتوں کے انبار ہر طرف بکھرے ہوئے تھے۔ بہت وسیع جگہ تھی۔

کافی فاصلے پر اینٹوں کی ایک اونچی سی دیوار نظر آ رہی تھی جو شاید دوسرے گھر کی دیوار تھی اور یہی دیوار اس گھر کے احاطے کا کام دیتی تھی۔ کھڑکی سے دُور تک نظر آتا تھا۔ درختوں کا یہ سلسلہ کافی دُور تک چلا گیا تھا۔ میں نے حیرانی سے سوچا کہ یہ اتنی وسیع و عریض زمین کیا اسی گھر کا ایک حصہ ہے؟

میرے کمرے سے کوئی بیس گز کے فاصلے پر ایک عجیب و غریب جگہ بنی ہوئی تھی۔ بہت ہی نیچی چھت والی انتہائی بوسیدہ اور پرانی۔ اس کی تعمیر کی وجہ سمجھ میں نہیں آئی۔ نجانے کیا بنایا گیا تھا۔ اس کے آس پاس کی زمین بھی سوکھے پتوں سے اٹی ہوئی تھی۔ دیر تک میں

کھڑکی سے باہر منظر دیکھتا رہا اور پھر کوئی آہٹ سن کر چونکا۔

پلٹ کر دیکھا تو ایک ملازمہ نظر آئی۔ عمر کوئی تیس بتیس سال ہو گی، رنگ سانولا اور قد لمبا تھا۔

''چھوٹے صاحب! چائے لاؤں؟'' اُس نے پوچھا۔

نہیں...... یہ چائے کا وقت تو نہیں ہے۔'' میں تے کہا۔

''کوئی اور ضرورت ہو تو بتا دیجئے۔ آپ کے کپڑے الماری میں لٹکا دوں؟''

''ابھی رہنے دو۔ تمہارا شکریہ۔ تمہارا نام حمیدہ ہے؟''

''جی چھوٹے صاحب!''

''حمیدہ! یہ پیچھے جو درخت بکھرے ہوئے ہیں، ان میں چمگادڑیں رہتی ہیں؟'' میں نے بے اختیار سوال کر لیا اور حمیدہ کے چہرے پر حیرانی نمودار ہو گئی۔

''رہتی تو نہیں ہیں، کبھی کوئی آ جاتی ہو تو مجھے معلوم نہیں۔ آپ کیوں پوچھ رہے ہیں؟''

''کچھ دیر پہلے ایک چمگادڑ اس روشندان سے اندر گھس آئی تھی۔ کافی بڑی تھی۔''

''ایسا پہلے تو کبھی نہیں ہوا، چھوٹے صاحب! میں روزانہ کمرے کی صفائی کرتی ہوں۔ میں نے کوئی چمگادڑ کمرے میں آتی نہیں دیکھی۔''

''ٹھیک ہے، تمہارا شکریہ۔ اگر کسی چیز کی ضرورت ہو گی تو تمہیں بتا دوں گا۔''

حمیدہ خاموشی سے باہر جانے کے لئے مڑ گئی۔ دروازے سے باہر نکلنے سے پہلے وہ رُکی اور پلٹ کر مجھے دیکھا۔ اُس کے ہونٹوں پر ایک شوخ سی مسکراہٹ نظر آ رہی تھی اور آنکھوں میں غیر معمولی چمک۔ پھر وہ دروازہ کھول کر باہر نکل گئی۔

میں پھر اُلجھ گیا۔ حمیدہ اس طرح معنی خیز انداز میں کیوں مسکرائی تھی، سمجھ میں نہیں آیا۔ اونہہ...... اس لنکا میں سب باون گز کے ہیں۔ دیکھتا ہوں، ان لوگوں کے رویے کو، اس کے بعد فیصلہ کروں گا کہ پاپا کی تلاش کے لئے کیا کر سکتا ہوں۔

پاپا کے تصور کے ساتھ دل میں اضطراب کی ایک لہر اُٹھی۔ نہ جانے وہ کہاں اور کس حال میں ہوں۔ تایا صاحب نے برا ریسپشن نہیں دیا تھا۔ ایئرپورٹ گئے تھے، وہاں گلے لگایا تھا۔ دونوں کزنیں بھی اچھی طرح ملی تھیں۔ لیکن تایا صاحب نے ابھی تک پاپا کا نام ایک بار بھی نہیں لیا تھا۔ جبکہ وہ جانتے تھے کہ میری آمد ہی اس سلسلے میں ہوئی ہے۔ بے شک کچھ وقت نہیں گزرا، لیکن لگن بھی کوئی چیز ہوتی ہے۔ ایئرپورٹ سے آتے ہوئے راستے میں تذکرہ ہو سکتا تھا۔ شاید یہی بات میرے ذہن میں گرہ بنی تھی اور میں کچھ عجیب عجیب سا محسوس کر رہا تھا۔

میں تھوڑی دیر انہی سوچوں میں گم رہا، پھر میں نے فیصلہ کیا کہ باہر نکلوں۔ کمرے میں گھسے رہنا بے وقوفی ہے۔ جس کام سے آیا ہوں، اس کا آغاز کروں۔ سوٹ کیس کھول کر گھر میں پہننے کا لباس نکالا اور غسل خانے کی طرف بڑھ گیا۔

قدیم طرز کا غسل خانہ تھا، لیکن شکر تھا کہ ہر چیز ورکنگ آرڈر میں تھی۔ منہ ہاتھ دھویا، بال سنوارے، لباس تبدیل کیا اور پھر تیار ہوکر غسل خانے کے دروازے کی طرف بڑھا ہی تھا کہ نسوانی ہنسی سنائی دی۔

آواز میرے عقب سے آئی تھی۔ میں بے اختیار چونک کر پلٹا۔ عقب میں کچھ نہیں تھا۔ ہاں، ایگزاسٹ فین کے نیچے سفید رنگ کی ایک چھپکلی ضرور نظر آئی، جو میرے پلٹتے ہی بجلی کی تیزی سے باہر چلی گئی تھی۔ ممکن ہے، آواز غسل خانے کے پچھلے حصے سے آئی ہو۔ حرا یا سلطانہ میں سے کوئی ہو۔ میں دروازے سے باہر نکل آیا، لیکن ایک بار پھر مجھے چونکنا پڑا۔ سلطانہ سامنے والے صوفے پر بیٹھی ہوئی تھی۔ اس نے مجھے دیکھا اور مجھے یوں لگا، جیسے اس کی آنکھوں میں میرے لئے پسندیدگی کے تاثرات اُبھرے ہوں۔

''آپ کب آئیں؟ مجھے تو آپ کے آنے کی آہٹ بھی سنائی نہ دی۔'' میں نے کہا۔
دل چاہا تھا کہ اُس سے پوچھوں کہ کیا آپ ہنسی تھیں؟ لیکن یہ سوال بالکل احمقانہ ہوتا، اس لئے یہ سوال نہ کیا۔

''ابھی ابھی آئی ہوں۔ باہر چلیں گے یا آرام کریں گے؟''

''نہیں، آرام تو میں پہلے بھی نہیں کرنا چاہتا تھا۔''

''ابو انتظار کر رہے تھے۔ مجھے یہ دیکھنے کے لئے بھیجا تھا کہ آپ آرام تو نہیں کر رہے۔ آیئے، چلیں۔''

''جی۔'' میں نے کہا اور سلیپر پہن کر اُس کے ساتھ باہر نکل آیا۔

''کیسا لگا آپ کو ہمارا گھر؟'' سلطانہ نے راہداری میں چلتے ہوئے پوچھا۔

''کچھ عجیب سا۔'' میں نے کہا۔

''ہاں، ہے تو سہی۔'' وہ مسکرا کر بولی۔

''آپ کتنے عرصے سے یہاں رہتی ہیں؟''

''بعد میں بتاؤں گی، آیئے۔'' اُس نے کہا اور ایک کمرے کا دروازہ کھول کر اندر داخل ہوگئی۔ یہاں تایا صاحب موجود تھے۔

انہوں نے مسکرا کر ہمارا استقبال کیا اور بولے۔ ''یہاں بیٹھو گے یا پہلے دادی اماں سے ملاقات کرو گے؟''

''جیسا آپ پسند کریں۔''

''آؤ، پہلے اُن سے تمہاری ملاقات کرا دوں، اس کے بعد کھانا کھائیں گے۔'' وہ اپنی جگہ سے اُٹھ گئے اور ہم تینوں کمرے سے باہر نکل آئے۔

پوری عمارت ایک سی تھی۔ ہم اندرونی حصے کی جانب چل پڑے۔ پھر ایک کمرے کا دروازہ کھول کر اندر داخل ہو گئے۔ بڑا سا کمرہ تھا، لیکن اُس کی ہیئت بھی مختلف نہیں تھی۔ فرش قالین سے بے نیاز تھا، دروازے کھڑکیوں پر پردے پڑے ہوئے تھے۔

ایک مسہری پر دادی اماں دراز تھیں، جن کے بارے میں مجھے معلوم تھا کہ آٹھ سال سے کوما میں ہیں۔ اُن کے بیڈ کے پاس میڈیکل ٹریٹمنٹ کے آلات موجود تھے۔ ایک ڈرپ اسٹینڈ، ای سی جی مشین اور اسی طرح کی دوسری چیزیں۔

میں دادی اماں کے قریب پہنچ گیا اور اُن کی صورت دیکھنے لگا۔ یہ میرے پاپا کی والدہ تھیں۔ میں نے ان کی تصویریں دیکھی تھیں اور اب اصل شکل میں پہلی بار دیکھ رہا تھا۔ دُبلی پتلی، نازک نازک سی۔ دودھ جیسا سفید رنگ، دلکش نقوش، خاموش چہرے پر ایک عجیب سی نرمی، ہونٹوں پر مدھم سی قدرتی مسکراہٹ، آنکھیں بند تھیں اور وہ بے سُدھ نظر آ رہی تھیں۔

میں اُنہیں دیکھتا رہا۔ چند ہی لمحوں کے بعد دروازے پر ہلکی سی آہٹ ہوئی اور حرا کچھ چیزیں اُٹھائے اندر داخل ہوگئی۔

''دادی اماں کو فیڈ کرانے کا وقت ہو گیا ہے۔ یہ ذمہ داری حرا نے سنبھالی ہوئی ہے۔'' سلطانہ نے کہا اور حرا کی مدد کرنے لگی۔

تایا ابو نے گہری سانس لی اور بولے۔ ''تم نے تصویروں میں تو نہیں دیکھا ہوگا۔''

''جی۔''

''بس، اللہ نے جتنی زندگی عطا کی ہے، گزار رہی ہیں بے چاری۔ بہت ہی خوش مزاج اور نیک دل خاتون تھیں۔ پوری زندگی مشکلات میں گزاری، کبھی اُف تک نہ کی۔'' تایا ابو آنکھیں خشک کرنے لگے۔

حرا اپنے کام میں مصروف تھی۔ سلطانہ ایک کھڑکی کا پردہ درست کرنے چلی گئی۔ تایا ممتاز احمد خاں آنکھیں خشک کر کے گردن جھکا کر بیٹھ گئے۔ میری نگاہیں دادی اماں کے پُر نور چہرے پر جمی ہوئی تھیں۔

اچانک ہی میں نے اُن کے پپوٹوں میں جنبش دیکھی اور پھر اُنہوں نے آنکھیں کھول دیں۔ میں پورے ہوش و حواس میں تھا اور دادی اماں کے بارے میں ہی سوچ رہا تھا، اُنہیں آنکھیں کھولتے دیکھ کر میں دنگ رہ گیا۔ میری معلومات بہت زیادہ نہیں تھیں، لیکن میں یہ

ضرور جانتا تھا کہ کوما میں جانے والا اس طرح آنکھیں نہیں کھول سکتا۔ میں حیرانی سے اُنہیں دیکھ ہی رہا تھا کہ دادی اماں کے ہونٹ بھی پھڑ پھڑائے اور پھر اُن کے ہونٹوں پر ایک پیار بھری مسکراہٹ پھیل گئی۔

اُن کی آنکھیں میری جانب اُٹھی ہوئی تھیں۔ میں آگے بڑھ کر جلدی سے اُن کی مسہری پر بیٹھ گیا اور اُن کی کلائی پکڑ لی۔ حرا، جو اُن کے لئے فیڈ تیار کر رہی تھی، میری طرف دیکھ کر مسکرائی لیکن منہ سے کچھ نہ کہا۔ البتہ دادی اماں نے جلدی سے آنکھیں بند کر لی تھیں۔

حرا اپنا کام کر کے واپس پلٹی اور اُس نے دادی اماں کی ناک میں نلکی اُتارنا شروع کر دی۔ میں نے غور سے دادی اماں کا چہرہ دیکھا، پھر حرا سے کہا۔ ''ابھی انہوں نے آنکھیں کھولی تھیں اور مسکرائی بھی تھیں۔''

حرا نے نگاہیں اُٹھا کر مجھے تعجب سے دیکھا اور بولی۔ ''کون، دادی اماں؟''

''ہاں، انہوں نے آنکھیں کھول کر مجھے دیکھا تھا۔''

میرے ان الفاظ کو سن کر تایا صاحب اور سلطانہ بھی میری طرف متوجہ ہو گئیں۔ میں نے اُن کی کلائی چھوڑ دی اور اُن کی مسہری سے اُٹھ کھڑا ہوا۔

''ابو! شہاب بھائی کہہ رہے ہیں کہ دادی اماں نے آنکھیں کھول کر اُنہیں دیکھا ہے۔''

تایا ابو نے افسردگی سے کہا۔ ''نہیں بیٹے! کاش ایسا ہو جاتا۔ یہ صرف تمہارا احساس ہے۔ اماں تو پورے آٹھ سال سے نہیں جاگیں۔ آٹھ سال ہو گئے۔''

''نہیں تایا ابو! میں آپ سے بالکل سچ عرض کر رہا ہوں۔'' میں نے پُر زور لہجے میں کہا۔

''بیٹے! یہ کسی طرح بھی ممکن نہیں ہے۔ تمہیں وہم ہوا ہے۔ ہم دن رات ان کے ساتھ رہتے ہیں۔ اگر ایسا ہو جائے تو اس سے زیادہ خوشی کی بات اور کیا ہو سکتی ہے؟ ایسے کسی عمل کا مطلب یہ ہے کہ اماں ٹھیک ہو گئیں۔ ڈاکٹر بھی یہی چاہتے ہیں۔''

''آپ دیکھ لیجئے گا، تایا ابو! یہ بہت جلد ہوش میں آ جائیں گی۔ ممکن ہے یہ ان کے ہوش میں آنے کا پہلا مرحلہ ہو۔''

''خدا کرے۔'' تایا صاحب نے بات ٹالنے والے انداز میں کہا۔ میں تو پُر جوش بہت تھا، لیکن اُن لوگوں کی سرد مہری نے مجھے خاموش کر دیا۔ میں بے وقوف تھا اور نہ ہی توہم پرست۔ میں نے پورے ہوش کے عالم میں دادی اماں کو آنکھیں کھولتے اور مسکراتے ہوئے دیکھا تھا۔

''سلطانہ! کھانا لگاؤ۔ بھوک لگ رہی ہے۔'' تایا صاحب نے کہا۔

''میں حمیدہ سے کہہ کر آئی تھی، ابو! کھانا لگ گیا ہو گا۔'' سلطانہ نے جواب دیا۔

''چلو آؤ شہاب!'' تایا ابو نے کہا، پھر حرا سے مخاطب ہو کر بولے۔ ''حرا! تم یہاں سے فارغ ہو کر کھانے کے کمرے میں آ جاؤ۔''

''جی ابو!'' حرا نے کہا۔

ہم تینوں، دادی اماں کے کمرے سے باہر آ گئے۔ کھانے کا کمرہ بھی دوسرے کمروں سے مختلف نہیں تھا۔ قدیم طرز کی ڈائننگ ٹیبل اور کرسیاں پڑی ہوئی تھیں۔ یہاں ہر چیز موجود تھی، لیکن سب ضرورت پوری کرنے کے لئے۔ کوئی چیز جدید نہیں تھی۔ اس طرح تایا صاحب کی مالی حیثیت کا بھی کوئی اندازہ نہیں ہوتا تھا۔

ایک ادھیڑ عمر ملازمہ کھانا لگا رہی تھی۔ ہم کرسیوں پر بیٹھے اور کھانا شروع ہو گیا۔ کھانا البتہ بہت اچھا تھا۔ یہ خالص پاکستانی طرز کا تھا۔ کئی سالن بنے ہوئے تھے۔ منامہ میں بھی دو تین پاکستانی ریسٹورنٹ تھے، لیکن اتنا عمدہ کھانا وہاں نہیں ہوتا تھا۔ میری ماما بھی ایسے کھانے پکانا نہیں جانتی تھیں۔ کیونکہ وہ لندن میں پلی تھیں۔

کھانے سے فراغت ہوئی تو تایا صاحب نے کہا۔ ''آؤ، میرے کمرے میں چلو۔''

میں تو خود بھی چاہتا تھا۔ چنانچہ ہم دونوں دوسرے کمرے میں پہنچ گئے۔

میں تایا صاحب کے سامنے بیٹھ گیا اور بولا۔

''تایا صاحب! میں، پاپا کے سلسلے میں بہت پریشان ہوں۔ براہِ کرم مجھے اُن کے بارے میں بتایئے۔''

''بیٹے! امتیاز احمد میرا بھی بھائی ہے۔ ہماری بدنصیبی تھی کہ ہم الگ الگ ہو گئے۔ بڑے بھائی کی موت کے بعد تو میری کمر ہی ٹوٹ گئی۔ تمہیں معلوم ہو گا کہ حرا اور سلطانہ کے علاوہ میرا کوئی نہیں ہے۔ کوئی ہوتا تو یہ تنہائی نہ ہوتی۔ امتیاز نے ہمیشہ مجھ سے رابطہ کیا۔ پاکستان آتا تھا، پہلے میرے پاس آتا تھا اور جب تک یہاں یعنی پاکستان میں رہتا، مجھ سے رابطہ رکھتا۔ اس بار بھی کوئی خاص بات نہیں تھی۔ معمول کے مطابق آیا تھا اور اپنے کاموں میں مصروف ہو گیا۔ تین چار بار میرے پاس آیا، کچھ سامان خریدا تھا یہاں سے، جو اُس نے ہمیشہ کی طرح یہاں محفوظ کر دیا۔ واپس بحرین جاتے ہوئے وہ یہ سامان یہیں پیک کر لیتا تھا۔ کوئی ڈیڑھ یا پونے دو مہینے پہلے وہ آیا تو اس نے بتایا کہ اس بار غیر متوقع دیر ہو گئی ہے۔ اور ابھی واپسی میں کچھ دن اور لگ جائیں گے۔ بس، اس کے بعد وہ واپس نہیں آیا۔ نہ ہی کہیں سے فون وغیرہ کیا۔ میں نے کچھ جگہوں سے اس کے بارے میں معلومات کیں لیکن کچھ پتہ نہیں چل سکا۔''

''آپ نے کہاں سے معلومات کیں؟'' میں نے سوال کیا۔

''بس، کچھ ایسے لوگوں سے، جن سے وہ ملتا جلتا تھا یہ کاروباری لوگ تھے۔''

''کچھ نہیں معلوم ہو سکا؟''

''کچھ بھی نہیں۔ تم نے دیکھ لیا، میرے پاس کوئی خاص ذرائع نہیں ہیں۔ بس حرا
سلطانہ کے ساتھ زندگی دھکیل رہا ہوں۔''

''کوئی اور ایسا ذریعہ، تایا صاحب! جہاں سے میں پاپا کے بارے میں معلومات حاص
کر سکوں؟''

''میرے علم میں نہیں ہے۔''

''وہ جب یہاں آتے تھے تو کن لوگوں سے ملتے تھے اور یہاں کیا کرتے تھے؟''

''جائیداد وغیرہ کی آمدنی کی دیکھ بھال وکیل ظاہر حسین کرتے ہیں، امتیاز کے حصے
رقم بھی اُنہی کے پاس ہوتی تھی۔''

''اوہ.......آپ کو ظاہر حسین کا پتہ تو معلوم ہو گا؟''

''نہیں، جب جائیداد کا بٹوارہ ہوا تھا، تب ہی میں بھی اُن سے ملا تھا۔ میرے حصے میں
یہ گھر آیا تھا۔ بلکہ میں نے خود ہی مانگ لیا تھا۔ بس اس کے بعد ان سے ملنے کی کو
ضرورت پیش نہیں آئی۔ یہ بات بہت پرانی ہے۔ ہو سکتا ہے، جہاں آراء بیگم کو اس بار
میں معلوم ہو۔''

جہاں آراء بیگم ہماری پھوپھی تھیں۔ یہ بات مجھے معلوم تھی۔ میں نے کہا۔ ''پھوپھ
جان آج کل کہاں ہیں؟''

''تمہیں نہیں معلوم؟''

''نہیں۔'' میں نے گہری سانس لے کر کہا۔

''شروع ہی سے جہاں آراء بیگم سے امتیاز کے تعلقات اچھے نہیں تھے۔ اصل میں
اُنہیں لگائی بجھائی کی بڑی عادت تھی۔ ابا جی کی منہ چڑھی تھیں۔ ہم دونوں بھائی اُن سے
خوش نہیں تھے، بٹوارے کے وقت بھی اُنہوں نے خوب بے ایمانی کی۔ اُن کے شوہر ا
اُس وقت عدالت کے پیشکار تھے، اُنہوں نے اپنے تعلقات سے فائدہ اُٹھایا۔''

''آپ اب بھی اُن سے نہیں ملتے؟''

''کوئی کسی سے نہیں ملتا۔'' تایا ابو نے طنزیہ لہجے میں کہا۔

''کیا پھوپھی جان، لاہور میں رہتی ہیں؟''

''نہیں، شیخوپورہ میں ہیں۔ بھکھی میں اُن کے میاں کی زمینیں ہیں۔''

''اُن کا پتہ بھی نہیں معلوم؟''

''ملنا جلنا ہی نہیں ہے تو پتہ کہاں سے معلوم ہو؟''

''بڑے تایا ابو کے گھر کا بھی کوئی پتہ نہیں ہے نا؟''

''کافی عرصہ وہ لوگ صفدر آباد میں رہے۔ بڑے بھائی کا انتقال بھی صفدر آباد میں ہی ہوا۔ آخری بار بڑے بھائی کے چہلم میں ہی سب جمع ہوئے تھے۔ اس کے بعد کوئی کسی سے نہیں ملا۔ کہیں سے سنا تھا کہ بڑی بھابی لاہور آ گئی ہیں۔ کہاں رہتی ہیں، ہمیں نہیں معلوم۔''

میں نے ایک ٹھنڈی سانس لی۔ ایسا خاندان میں نے کہیں نہیں دیکھا تھا۔ اتنے قریبی رشتے لیکن ایک دوسرے کی صورتوں سے بھی ناواقف۔ آخر میں نے کہا۔

''مجھے بتایئے، تایا ابو! میں پاپا کی تلاش کے لئے کیا کروں؟''

''میرا خیال تھا کہ تم لوگ امتیاز کی یہاں کی مصروفیات کے بارے میں واقف ہو گے۔ میں نے یہ بھی سوچا تھا کہ ہو سکتا ہے، فوری مصروفیت کی وجہ سے امتیاز بحرین چلا گیا ہو۔ یہاں کی صورتِ حال تو تم نے دیکھ لی، مگر تعجب ہے کہ امتیاز نے اپنے بیٹوں کو بھی اعتماد میں نہیں لیا۔ جب کہ قدرت نے اس پورے خاندان میں صرف اُسے اولادِ نرینہ سے نوازا ہے۔''

''کیا مطلب؟'' میں نے حیرت سے کہا۔

''یہ بھی نہیں معلوم تمہیں، حیرت ہے۔ بڑے بھائی ولایت احمد خاں کی صرف ایک بیٹی ہے۔ جہاں آراء بیگم بے اولاد ہیں، قدرت نے مجھے بھی بیٹے نہیں دیئے۔ یہ ہے تمہارا ددھیال۔ اچھا ایک بات بتاؤ۔''

''جی۔'' میں نے کہا۔

''امتیاز احمد خاں کبھی تم لوگوں سے اپنے خاندان کی باتیں نہیں کرتا تھا؟''

''اُنہیں پنجاب سے عشق ہے۔ یہاں کے ایک ایک گوشے کی بات کرتے تھے لیکن ہم نے جب بھی کبھی اپنے خاندان والوں کی بات کی، وہ غم زدہ ہو کر خاموش ہو جاتے تھے۔''

''اصل میں ابا جان نے اماں پر بڑے مظالم کئے تھے اور ہم لوگ زیادہ تر ابا جان سے اٹیچ رہے، اس لئے امتیاز کے دل میں سب کے لئے رنجش تھی۔ تمہیں سچ بتاؤں، اُسے مجھ سے بھی کوئی دلچسپی نہیں تھی۔ بس وہ یہاں، اماں سے ملنے آ جاتا تھا۔'' تایا ابو نے کہا۔

اس کے بعد میرے کہنے کے لئے کچھ نہیں تھا۔ میرے دل پر ایک بوجھ آ پڑا تھا۔ میں اُن سے اجازت لے کر وہاں سے اُٹھ گیا۔ اپنے کمرے میں آ کر میں تھکا تھکا سا بستر پر لیٹ گیا۔

سارے مسئلے اُلجھ گئے تھے۔ میں تو یہ سوچ کر آیا تھا کہ سارا خاندان، پاپا کی تلاش میں میری مدد کرے گا۔ تایا ابو کا گھر میرا گھر ہے۔ کیونکہ وہاں دادی اماں ہیں۔ لیکن یہ حالات سن کر احساس ہو رہا تھا کہ یہ جگہ تو میرے لئے اجنبی ہے۔ یہاں سے بس میرا واجبی سا تعلق ہے۔ اب مجھے یہ احساس ہو رہا تھا کہ پاپا کی اپنے خاندان سے بے تعلقی بھی غیر معمولی تھی۔

لوگ خاندانوں سے برگشتہ ہو جاتے ہیں، جھگڑے بھی چلتے ہیں۔ لیکن ایسے بھی نہیں کہ سب ایک دوسرے سے الگ ہو جائیں۔ پاپا جب پنجاب کی کہانیاں سنانے بیٹھتے تھے تو اُن کے لہجے سے شہد ٹپکتا تھا۔ لیکن خاندن والوں کے تذکرے سے وہ اس طرح اجتناب کرتے تھے، جیسے یہ موضوع ان کے لئے سب سے زیادہ قابلِ نفرت ہو۔ انہوں نے صرف دادی اماں کا تذکرہ دلچسپی سے کیا تھا، باقی معاملات پر انہوں نے کبھی بات نہیں کی تھی۔ ہم تینوں بہن بھائیوں نے کئی بار ضد کی تھی، کہا تھا کہ چلئے، خاندان سے ملئے، ہمیں پاکستان تو دکھا دیجئے۔ کیا پورے پاکستان میں ہمارے دشمن دندناتے پھر رہے ہیں؟ تو وہ سخت غصہ ہو جاتے تھے۔ ایک بار وہ سرفراز بھائی پر بری طرح بگڑ گئے تھے۔ انہوں نے کہا۔ ''تم جوان ہو چکے ہو، میں تمہیں کہاں روک سکتا ہوں؟ جانا چاہتے ہو تو جا سکتے ہو۔ اور تمہارے ساتھ جس کا دل چاہے، چلا جائے۔''

ہم سب کان دبا کر خاموش ہو گئے۔ اس برگشتگی کا اب کچھ اندازہ ہو رہا تھا۔ اب کیا کروں؟ کسی فیصلے پر تو پہنچنا ہوگا۔ کیا اس گھر سے کسی ہوٹل میں منتقل ہو جاؤں؟

''نہیں......'' ایک آواز آئی اور میں اُچھل پڑا۔

میں نے بے اختیار کمرے میں چاروں طرف نگاہ دوڑائی لیکن پتہ نہیں چلا کہ یہ آواز کہاں سے آئی تھی بالکل اجنبی آواز تھی۔ میں ایک بار پھر حیران ہو گیا۔ یہ آواز کہاں سے آئی تھی؟ جب کہ میں نے پورے ہوش و حواس کے عالم میں یہ آواز سنی تھی۔ ایسا لگ رہا تھا، جیسے کوئی میرے دماغ میں داخل ہو کر میری سوچ کو پڑھ رہا تھا۔ اور جیسے ہی میں نے دل میں سوچا کہ کیا اس گھر سے میں کسی ہوٹل میں منتقل ہو جاؤں تو مجھ سے پورے اعتماد کے ساتھ ''نہیں'' کہا گیا۔ لیکن یہ ''نہیں'' کہنے والا کون ہے؟

اس بار میں سچ مچ خوف زدہ سا ہو گیا۔ یہ سب کیا ہو رہا ہے؟ یہ سارا عمل بے حد پُراسرار ہے۔ اصل میں جتنی بھی عمر تھی، اس میں کچھ تجربات ہوئے تھے۔ لیکن اس طرح کے پُراسرار واقعات کا کوئی تجربہ آج تک نہیں ہوا تھا۔ اس گھر کی کیفیت دیکھ کر دل میں یہ احساس بے شک اُبھرا تھا کہ اس گھر کے مکین بہت ہی منحوس فطرت رکھتے ہیں۔ وہ زندگی نہیں گزار رہے، بلکہ زندگی انہیں گزار رہی ہے۔

پھر اس کے بعد پے در پے کئی واقعات ہوئے اور میں اپنی یہاں آمد کے پہلے ہی دن ان عجیب و غریب واقعات کا شکار ہو گیا۔ اب اس ''نہیں'' کی آواز نے مجھے پھر متجسس کر دیا اور میں کمرے سے باہر نکل آیا۔ میں اس آواز کا مرکز جاننا چاہتا تھا۔

گھر کی دو راہداریوں سے گزرا تھا کہ ایک کمرے سے مجھے سلطانہ اور حرا کی باتیں کرنے کی آواز سنائی دی اور میں اس کمرے کے دروازے پر رُک گیا۔ کچھ لمحے میں نے وہاں کھڑے ہو کر اُن کی باتیں سننے کی کوشش کی، لیکن اوّل تو یہ ایک غیر اخلاقی عمل تھا، دوئم یہ کہ ان کی باتیں سننے کا مجھے کوئی شوق بھی نہیں تھا۔ لہٰذا میں نے فوراً دروازے پر دستک دی تو اندر سے آنے والی آوازیں خاموش ہو گئیں۔ پھر حرا کی سہمی سہمی سی آواز اُبھری۔

''کون؟''

''میں ہوں، شہاب۔ اندر آنا چاہتا ہوں۔''

قدموں کی چاپ سنائی دی اور اس کے بعد دروازہ کھل گیا۔

''دروازہ بند نہیں تھا، شہاب بھائی! آیئے۔'' حرا نے کہا۔

میں اندر داخل ہو گیا۔ سلطانہ ایک مسہری پر بیٹھی ہوئی تھی۔ اس کمرے کی کیفیت بھی دوسرے کمروں سے مختلف نہیں تھی۔ کھردری دیواریں، ننگا فرش، ویسے ہی روشندان جگہ جگہ بنے ہوئے تھے، جیسے میرے کمرے میں تھے۔ دو مسہریاں، کچھ آرام کرسیاں وغیرہ۔

''آیئے شہاب بھائی! بیٹھئے۔ ہم سوچ رہے تھے کہ شاید آپ کھانے کے بعد آرام کرنے کے عادی ہوں، ورنہ ہمارا دل چاہ رہا تھا کہ ہم آپ سے باتیں کریں۔''

میں ایک آرام دہ کرسی پر بیٹھ گیا۔

''ایک بار میں پھر آپ سے وہی سوال کروں گی کہ آپ کو ہمارا گھر کیسا لگا؟'' سلطانہ نے مسکراتے ہوئے کہا۔

''اور اسی موضوع پر بات کرنے کے لئے میں آپ کے پاس آیا ہوں۔ میں نے آپ سے پوچھا تھا نا، سلطانہ! کہ اس گھر کی کیفیت کچھ عجیب سی ہے تو آپ نے کہا تھا کہ میں بعد میں بتاؤں گی۔''

''کوئی بات ہو گئی، شہاب بھائی؟'' حرا نے کہا۔

''ہاں حرا! ہو سکتا ہے، یہ صرف میرا وہم اور احساس ہو۔ اصل میں یہ بات تو آپ لوگوں کو معلوم ہے کہ میں اپنے پاپا کی تلاش میں پاکستان آیا ہوں۔ میرا دماغ ویسے ہی اُلجھا ہوا ہے کیونکہ تایا ابو سے بات کرنے کے باوجود مجھے پاپا کے بارے میں کچھ بھی نہیں معلوم ہو سکا اور اب اس سلسلے میں مجھے آپ کی تھوڑی سی مدد کی ضرورت ہو گی۔ جہاں تک گھر کا

معاملہ ہے، تو آپ یقین کریں، مجھے یہاں بڑے عجیب سے تجربات ہوئے ہیں۔"

حرا اور سلطانہ عجیب سی نگاہوں سے مجھے دیکھنے لگی تھیں۔ پھر سلطانہ نے کہا۔

"کیسے تجربات؟"

"سب سے پہلے میں نے اپنے کمرے میں چمگادڑ دیکھی تھی۔ عجیب سا چہرہ تھا۔ میں نے چمگادڑیں دیکھی ہیں، لیکن اس چمگادڑ کا چہرہ بالکل انسانی چہرہ معلوم ہوتا تھا۔ پھر اور ایک چند حیران کن باتیں، جیسے دادی اماں کا آنکھیں کھولنا اور مسکرانا۔ جب کہ آپ لوگ اسے تسلیم نہیں کرتے۔ مزید ایک ہنسی کی آواز، جو میرے کمرے میں کسی جگہ سے آئی تھی اور جب میں نے نگاہیں اُٹھا کر اوپر دیکھا تو ایک روشندان کے پاس ایک سفید چھپکلی نظر آئی، جو پھرتی سے ایگزاسٹ فین کے نیچے غائب ہوگئی۔ اس طرح کی باتیں، ان سب کا مقصد کیا ہے؟ کیا آپ لوگ میری کچھ تسلی کر سکتی ہیں؟"

یہ کہہ کر میں باری باری حرا اور سلطانہ کی صورت دیکھنے لگا۔

دونوں کے چہروں پر خوف کے آثار تھے۔ وہ ایک دیوار کو گھور رہی تھیں۔ ایک منٹ، دو منٹ، تین منٹ۔ میں سوچ رہا تھا کہ شاید وہ مجھے اس بارے میں کچھ بتائیں گی، لیکن میں نے محسوس کیا کہ ان کے جسموں پر ہلکی سی لرزش ہے۔ وہ کپکپا رہی ہیں۔ کچھ ہی لمحوں کے بعد دروازے پر آہٹ سی ہوئی اور میں نے پلٹ کر دیکھا۔ وہی ادھیڑ عمر کی عورت کمرے کے دروازے سے اندر داخل ہوئی تھی، جسے میں نے کھانا لگاتے ہوئے دیکھا تھا۔

"وہ، سلطانہ بی بی!...... شام کے کھانے کا کیا ہوگا؟ آپ مجھے بتا دیجئے تا کہ میں......" ادھیڑ عمر عورت نے مجھے دیکھا اور ایک دم خاموش ہوگئی۔

سلطانہ اور حرا جیسے اچانک چونک پڑی تھیں۔ حرا کہنے لگی۔ "آپ بتائیں، شہاب بھائی! آپ شوق سے کیا کھانا پسند کرتے ہیں؟"

میرے سوال کا جواب دینے کے بعد اُن دونوں کی کیفیت اور اس کے بعد یہ سوال مجھے بہت عجیب لگا تھا۔ تاہم ملازمہ کے سامنے اس سوال کا جواب دینا ضروری تھا۔ میں نے کہا۔ "بھئی، میں آپ لوگوں کا مہمان ہوں۔ اور سچ بتاؤں، کھانے پینے کے سلسلے میں، میں نے کبھی غور کیا اور نہ کسی سے فرمائش کی۔ آپ لوگ جو کھاتے ہیں، وہی تیار کرا لیجئے، میں بھی شوق سے کھا لوں گا۔"

"ٹھیک ہے، حمیدہ! آپ جو مناسب سمجھیں، پکا لیں۔ اب ہم کیا بتائیں۔ بس اتنا سمجھ لیں، ایک مہمان گھر میں موجود ہے۔"

سلطانہ نے کہا لیکن میں ایک بار پھر حیرت سے اچھل پڑا۔ سلطانہ نے اس عورت کا نام

حمیدہ لیا تھا۔ جب کہ وہ عورت، جو میرے کمرے میں مجھ سے چائے وغیرہ کے لئے پوچھنے آئی تھی، یہ نہیں تھی۔ وہ ایک تیس بتیس سالہ نوجوان عورت تھی اور سب سے بڑی بات یہ تھی کہ اُس کا انداز مجھے بہت عجیب لگا تھا، جب وہ دروازے کے پاس پہنچ کر رُکی تھی اور مجھے دیکھ کر مسکرائی تھی۔ اب یہ لوگ اس عورت کو حمیدہ کہہ کر پکار رہی ہیں۔ ملازمہ تو گردن ہلا کر چلی گئی، لیکن میں نے تجسس سے مجبور ہو کر یہ سوال کر ڈالا۔

"کیا آپ کے گھر میں حمیدہ نام کی دو ملازمائیں ہیں؟"

"نہیں تو۔ یہی ایک حمیدہ ہے۔"

"کوئی اور ملازمہ بھی ہے گھر میں؟"

"نہیں، شہاب بھائی! کوئی نہیں ہے۔ یہی حمیدہ خالہ ہیں۔ ہم انہیں کبھی حمیدہ خالہ کہہ دیتے ہیں اور کبھی حمیدہ کہہ دیتے ہیں۔ بس ان کے علاوہ گھر میں اور کوئی نوکر نہیں ہے۔ البتہ ہفتے میں ایک یا دو بار ایک مالی بابا آ جاتے ہیں، جو سامنے والی کیاریوں پر تھوڑا بہت کام کر کے چلے جاتے ہیں، اور بس۔"

میرے بدن میں ایک بار پھر سنسنی سی دوڑ گئی۔ "اگر یہ حمیدہ ہے تو وہ کون تھی، جو میرے کمرے میں آئی تھی؟ اس نے بھی اپنا نام حمیدہ ہی بتایا تھا اور چائے وغیرہ کے لئے پوچھا تھا؟"

میرے سوال پر اُن دونوں لڑکیوں کی کیفیت جس طرح عجیب ہوگئی تھی، اس سے ظاہر ہوتا تھا کہ یہ خود بھی خوفزدہ ہیں۔ اگر میں ان سے یہ سوال کروں تو بڑا عجیب سا ہوگا۔ میں نے ایک ٹھنڈی سانس لی اور کہا۔ "میرے سوال کے جواب میں آپ لوگوں کی کیفیت کچھ عجیب سی کیوں ہوگئی تھی؟"

"آپ براہ کرم، ہم سے ایسا کوئی سوال نہ کیجئے۔ اچھا، آپ یہ بتائیے کہ جہاں آپ رہتے ہیں، وہ کیسی جگہ ہے؟"

"بہت اچھی۔ ہر لحاظ سے رہنے کے قابل۔ بحرین کا اپنا ایک موسم اور ماحول ہے۔ لیکن مجھے صاف اندازہ ہو رہا ہے کہ اس گھر کے بارے میں، میں نے آپ سے جو سوالات کئے ہیں، آپ ان سے خوف زدہ ہوگئی ہیں اور ان سوالات کا مجھے کوئی جواب نہیں دینا چاہتیں۔"

"شہاب بھائی! ایک درخواست کریں آپ سے، آپ براہِ کرم ہم سے ایسا کوئی سوال نہ کریں۔"

"سلطانہ! آپ نے مجھ سے کہا تھا کہ بعد میں آپ مجھے اس بارے میں بتائیں گی۔"

''بخدا، مجھے بالکل یاد نہیں کہ میں نے آپ سے ایسی کوئی بات کہی تھی۔''

''ہوں........چلیں ٹھیک ہے۔ میرا خیال ہے، میں آپ لوگوں کو زیادہ تکلیف نہ دوں
مجھے کسی ہوٹل وغیرہ میں منتقل ہو جانا چاہیے۔''

''کیوں........؟'' دونوں نے بیک وقت سوال کیا۔ ان کے چہرے پر دُکھ کے تاثرات
اُبھر آئے تھے۔

میں چند لمحے خاموش رہا، پھر میں نے کہا۔ ''آپ لوگ میرا یقین کریں، میرا واسطہ
ایسے واقعات سے کبھی نہیں پڑا۔ یہاں آنے کے بعد کچھ عجیب سی باتیں ہوئی ہیں۔ اگر میں
آپ کو ان چند گھنٹوں میں گزرنے والے واقعات کے بارے میں بتاؤں تو آپ سمجھیں
کہ میں افسانہ طرازی کر رہا ہوں۔ لیکن میرا کہا ہوا ایک ایک لفظ سچ ہو گا۔ ابھی چند لمحے قبل
ہی کی بات لے لیجئے، آپ نے جس عمر رسیدہ خاتون کو حمیدہ کہہ کر پکارا ہے، میں نے انہیں
پہلی بار دیکھا ہے، جب کہ میرے آنے کے کچھ دیر کے بعد ایک جوان سی عورت میرے
کمرے میں آئی تھی اور اُس نے مجھ سے چائے وغیرہ کے بارے میں پوچھا تھا۔ میں نے
اُس سے سوال کیا کہ کیا وہ حمیدہ ہے؟ تو اُس نے اپنے آپ کو حمیدہ ہی کہا۔ اور اب حمیدہ
نام کی ایک دوسری خاتون کو میں دیکھ رہا ہوں۔ تو پھر وہ کون تھی؟ جب کہ آپ لوگ کہتی ہیں
کہ یہاں حمیدہ نام کی ایک ہی ملازمہ ہے۔''

حرا نے سوالیہ نگاہوں سے سلطانہ کو دیکھا تو سلطانہ بولی۔ ''ہم لوگ یہاں انتہائی طویل
عرصے سے رہ رہے ہیں، بلکہ یوں سمجھ لیجئے کہ ہم نے ہوش ہی اس گھر میں سنبھالا ہے
یہیں ہماری والدہ کا انتقال ہوا۔ ہم اس وقت زیادہ بڑے نہیں تھے، تب سے یہیں رہ رہے
ہیں۔ بے شک یہ گھر جیسا بھی ہے، لیکن ہمیں آج تک کوئی نقصان نہیں پہنچا۔ شہاب بھائی
ہمیں یقین ہے کہ آپ کو بھی کوئی نقصان نہیں پہنچے گا۔ آپ پلیز، یہاں سے مت جائیے
آپ کے آنے سے پہلی بار تو ہمیں خوشی ملی ہے۔ ورنہ یہاں تو کوئی کسی سے ملتا ہی نہیں
ہے۔''

''آپ لوگ پڑھتی لکھتی نہیں ہیں؟''

''ہاں، ہاں۔ پڑھتے ہیں ہم لوگ۔ فورتھ ایئر میں ہیں۔ ہمارا کالج یہاں سے تھوڑے
فاصلے پر ہے۔ بس سمجھ لیجئے، پیدل کا راستہ ہے۔ لیکن آج کل کالج کی چھٹیاں ہیں، اس لئے
ہم آپ کو گھر میں نظر آ رہے ہیں۔''

''اچھا، ایک بات بتائیے، گھر کا پچھلا حصہ اس قدر بے رونق کیوں ہے؟ وہ بری طرح
پتوں سے اَٹا ہوا ہے۔ آپ لوگ اس کی صفائی تک نہیں کراتے۔ جب کہ میں یہ محسوس کر

ہوں کہ وہ بہت قیمتی جگہ ہے۔''

''آپ کو شاید علم نہیں کہ بڑی تائی نے اس گھر کے سلسلے میں مقدمہ کر رکھا ہے اور ہم
یہاں کوئی تعمیر وغیرہ نہیں کر سکتے، نہ ہی اس میں کوئی تبدیلی کرا سکتے ہیں۔'' حرا نے کہا۔

میرا ذہن ایک دم کھل سا گیا۔ میں نے کہا۔ ''آپ لوگ میری سگی تایا زاد بہنیں ہیں۔
میرا ایک مقام بنتا ہے، آپ لوگوں کے درمیان۔ دیکھیں، بات یہ ہے کہ میرے پاپا غائب
ہو گئے ہیں اور ہمیں ان کا کوئی علم نہیں ہے۔ ہم سب گھر والے سخت پریشان ہیں۔ جب کہ
پاپا کہتے تھے کہ یہاں اُن کی دشمنیاں چل رہی ہیں۔ ہماری سمجھ میں اب تک یہ بات نہیں
آئی کہ اُن کی دشمنیاں کس سے ہیں؟ یہاں مجھے خاندان والوں کے بارے میں بھی کوئی
تفصیل نہیں معلوم ہو سکی، اور وہاں پاپا نے بھی اپنے خاندان والوں کے بارے میں کچھ نہیں
بتایا۔ آپ یہ بتائیے کہ اگر اس گھر پر بڑی تائی صاحبہ نے مقدمہ کر رکھا ہے، تو مقدمے کے
سلسلے میں آپ لوگوں کو اس کی پیروی تو کرنا ہی ہوتی ہو گی۔ میرا مطلب ہے، تایا جان کو۔
اور وہ یہ کہتے ہیں کہ اُنہیں یہ تک نہیں معلوم کہ بڑی تائی کہاں رہتی ہیں۔''

''ہاں، اس سلسلے میں تائی صاحبہ کا وکیل ہی کارروائی کرتا ہے۔''

''چلئے ٹھیک ہے، خود تائی صاحبہ کبھی منظر عام پر نہیں آئیں، لیکن اُس وکیل سے تایا
ممتاز احمد خاں صاحب کو تو کچھ معلوم ہوا ہو گا۔''

''ابو بھی کبھی عدالت نہیں جاتے۔ ہمارا بھی ایک وکیل ہے، جو اس کیس کی پیروی کرتا
ہے۔'' سلطانہ نے جواب دیا۔

''ویری گڈ۔ چلئے، اتنی معلومات تو حاصل ہوئیں۔ اچھا، ایک بات بتائیں، کبھی آپ
پھوپھی جہاں آرا بیگم یا تائی صاحبہ سے ملی ہیں؟''

''ہاں، بڑے تایا صاحب کے انتقال پر ملاقات ہوئی تھی۔ لیکن سب ایک دوسرے سے
کھنچے کھنچے سے تھے۔ کسی سے کسی کی کوئی بات نہیں ہوئی۔'' سلطانہ نے جواب دیا۔

اسی وقت حمیدہ اندر آئی اور بولی۔ ''بڑے صاحب آپ کو بلا رہے ہیں، سلطانہ بی بی اور
حرا بی بی!''

دونوں جلدی سے اُٹھ کھڑی ہوئیں اور مجھے یہ محسوس ہوا، جیسے وہ میری اس بحث سے
تنگ آ گئی ہیں۔ انہوں نے مجھے ساتھ آنے کے لئے نہیں کہا تھا بلکہ ایک ہلکا سا معذرت
خواہانہ رویہ اختیار کر کے، مجھے اکیلا چھوڑ کر کمرے سے باہر نکل گئی تھیں اور میں سوچتا رہ گیا
تھا۔

بہر حال، ایک سراغ ملا تھا، وہ یہ کہ اس گھر پر بڑی تائی صاحبہ کی طرف سے مقدمہ قائم

ہے اور دو وکیل اس میں ملوث ہیں، اور کچھ نہیں۔ ان میں سے کسی وکیل سے ظاہر حسین کا تو پتہ چل سکے گا۔ ظاہر حسین، جو میرے پاپا کے وکیل تھے۔

❁❁❁

پھر رات کو کھانے کے بعد اسی کمرے میں تایا ابو کے ساتھ نشست ہوئی۔ حرا اور سلطانہ بھی موجود تھیں۔ کھانا بالکل خاموشی سے کھایا گیا۔ اور پھر تایا ابو نے بیٹھے بیٹھے ذکر چھیڑا۔ تایا ابو نے کہا۔

''حرا اور سلطانہ بتا رہی تھیں کہ تم یہاں سے کسی ہوٹل میں منتقل ہونے کی بات کر رہے تھے؟''

''جی تایا ابو! میں یہ سوچ رہا تھا کہ اصل میں میرا آنا تو پاپا کی تلاش کے سلسلے میں ہوا ہے۔ میرے ذہن میں یہ بات تھی کہ پاپا کی تلاش کے سلسلے میں مجھے یہاں سے کچھ مدد مل جائے گی۔ لیکن میں دیکھ چکا ہوں کہ آپ کو کچھ معلوم نہیں۔ باقی حرا اور سلطانہ اس سلسلے میں کوئی خاص مدد نہیں کر سکتیں۔ مجھے کچھ نہ کچھ تو کرنا ہی ہے۔''

''تو کسی ہوٹل میں جا کر تم آسانی سے امتیاز احمد کو تلاش کر سکتے ہو؟'' تایا ابو نے سوال کیا۔

''نہیں تایا ابو! یہ بات نہیں ہے۔ میں تو بس........''

''میں جانتا ہوں، بیٹے! اس سے آگے تمہارے پاس کہنے کے لئے کچھ نہیں ہے۔ غالباً تم یہاں کے سنجیدہ اور خاموش ماحول سے کچھ پریشان ہو گئے ہو۔ بیٹے! کہیں بھی جاؤ، جدوجہد تو کرنا ہی پڑے گی۔ ہمارے سارے رشتے یوں بھی ختم ہو چکے ہیں۔ اماں کے حوالے سے ہی سہی، کم از کم امتیاز احمد یہاں آ جاتے تھے۔ اللہ اُنہیں ہر آفت سے محفوظ رکھے، لمبی زندگی عطا کرے۔ بیٹے! پتہ تو چل ہی جائے گا اُن کا، کسی نہ کسی شکل میں۔ یہاں سے جا کر تم کم از کم ہمارا مان تو نہ توڑو۔ جو کچھ کرنا ہے، یہیں بیٹھ کر کرو۔ ہاں، اگر یہ سوچتے ہو کہ امتیاز احمد کی مجھ سے جائیداد وغیرہ کے سلسلے میں کوئی رنجش تھی تو انشاء اللہ تعالیٰ، اللہ تمہیں باپ سے ملائے، معلوم کر لینا کہ ایسی کوئی بات نہیں تھی۔ میں تو شروع ہی سے امتیاز احمد کے گھر چھوڑ کر چلے جانے کا مخالف تھا۔ اس کا بھی ایک پسِ منظر ہے، جو تمہیں پتہ چل جائے گا۔ لیکن امتیاز احمد کے دل میں سب کے لئے برائی تھی، جس کی وجہ میں تمہیں بتا چکا ہوں کہ جہاں آرا بیگم تھیں۔ جنہیں اِدھر سے اُدھر کرنے کا بہت شوق ہے۔ پتہ نہیں، کس جذبے کے تحت وہ آپس میں سب کو لڑوانے کی خواہش مند رہتی تھیں۔ میں تم سے درخواست کر رہا ہوں کہ اس طرح سے بد دل ہو کر نہ جاؤ۔ مجھے بتانا کہ میں کیا کر سکتا

ہوں۔ اس کے علاوہ سلطانہ اور حرا موجود ہیں۔ دونوں لڑکیاں بہت اچھی ڈرائیونگ کر لیتی ہیں۔ تم جہاں بھی جانا چاہو گے، ان دونوں میں سے کوئی بھی تمہارے ساتھ جا سکتی ہے۔ میں اور کیا کہوں۔''

تایا صاحب کا لہجہ ایسا تھا کہ میں موم کی طرح پگھل گیا۔ اب میں اُنہیں کیا بتاتا کہ مسئلہ کوئی بھی نہیں ہے، سوائے اس کے کہ یہاں کے ماحول نے مجھے خوف زدہ کر دیا ہے۔ بہت سی ایسی انہونی باتیں ہوئی ہیں، جو ناقابلِ فہم ہیں۔ اس گھر کا پُراسرار ماحول مجھے متاثر کر رہا ہے۔

مجھے یوں لگا، جیسے تایا صاحب میری سوچ کو پڑھ رہے ہیں۔ اُنہوں نے کہا۔ ''اور باقی رہی اس گھر کی بات، تو یہ بات تمہارے علم میں آ چکی ہے کہ طاہرہ خانم نے اس گھر کی ملکیت کے بارے میں ہم پر مقدمہ کر رکھا ہے۔ طاہرہ خانم سے بھی ظاہر ہے، تمہاری ملاقات نہیں ہوئی ہے۔ اور جیسا کہ میرے علم میں ہے کہ امتیاز احمد خاں نے بھی تم لوگوں کو اپنی خاندانی شخصیتوں کے بارے میں کچھ نہیں بتایا۔ طاہرہ خانم کے بارے میں تمہیں بتا دوں کہ وہ انتہائی کینہ پرور خاتون ہیں۔ ایک ایسے گھرانے سے ان کا تعلق ہے، جسے تم سیاسی گھرانہ کہہ سکتے ہو۔ ان کے خاندان کے بہت سے افراد مدتوں سے سرکاری عہدوں پر فائز رہتے چلے آئے ہیں اور اُن کا اپنا ایک الگ مزاج ہے۔ جائیداد کی تقسیم کے سلسلے میں بھی خاصے اُلٹے سیدھے معاملے چلتے آ رہے ہیں۔ اور طاہرہ خانم نے اپنے اختیارات سے کام لے کر جائیداد کی تقسیم میں اپنی پسند کی ردّ و بدل کی ہے۔ ایک طرف اُنہوں نے اپنے عزیز و اقارب کی مدد سے ہم پر اپنی اجارہ داری قائم رکھی، تو دوسری طرف وہ جادو ٹونے اور چلّے وظیفوں کی قائل ہیں۔ پتہ نہیں، کہاں کہاں ہاتھ پھیلا رکھے ہیں۔ خود بھی چلّے کرتی رہتی ہیں۔ دولت کی بے پناہ ہوس ہے۔ حالانکہ ایک ہی بیٹی ہے۔ جیسا کہ میں نے تم سے کہا کہ ہمارے خاندان میں اولادِ نرینہ صرف امتیاز احمد کی ہے۔ اللہ تم لوگوں کو قائم و دائم رکھے۔ تو میں تم سے یہ کہہ رہا تھا کہ امتیاز احمد خاں کی تلاش کے سلسلے میں جو بھی منصوبہ تمہارے ذہن میں ہو، اگر مناسب سمجھو تو مجھ سے مشورے کر لینا۔ کوئی بہتر ذریعہ تلاش کر سکتے ہو، تو میں اس سلسلے میں بھی اپنی مدد پیش کرتا ہوں۔''

''آپ کا بہت بہت شکریہ، تایا صاحب! یہ بات میرے علم میں ہے کہ میرے پاپا یہیں آتے تھے اور اس کی وجہ دادی اماں بھی ہیں۔ میں صرف یہ سوچ رہا تھا کہ آپ خود بے وسائل ہیں، میں ہی باہر نکل کر ایسے ذرائع تلاش کرتا ہوں، جن کی مدد سے پاپا کا کچھ پتہ چل سکے۔ اس سلسلے میں ایک بات میں آپ سے ضرور معلوم کرنا چاہوں گا۔''

"ہاں، بولو۔" تایا صاحب نے کہا۔

"سلطانہ اور حرا سے میں نے جو گفتگو کی ہے، اس میں انہوں نے مجھے اس مقدمے کے بارے میں تھوڑی سی تفصیل بتائی۔ مجھے یہ پتہ چلا کہ آپ کا مقدمہ بھی آپ کے وکیل لڑ رہے ہیں۔ ظاہر حسین کا نام بھی آپ ہی کے ذریعے میرے علم میں آیا۔ میں ظاہر حسین کو تلاش کرنا چاہتا ہوں۔ ہوسکتا ہے، اُنہیں پاپا کے بارے میں کچھ معلومات حاصل ہوں۔"

ہاں، ہو سکتا ہے۔ ظاہر حسین کے بارے میں مجھے تو کچھ پتہ نہیں، لیکن نیاز علی ایڈووکیٹ کو ضرور اس بارے میں معلوم ہوگا۔ نیاز علی ایڈووکیٹ ہی میرے کیس کی پیروی کر رہے ہیں۔ سلطانہ تمہیں کل نیاز علی کے پاس لے جائے گی۔ نیاز علی سے تم ظاہر حسین کے بارے میں معلومات حاصل کر لینا۔ ضرور کچھ پتہ چل جائے گا۔ کیونکہ وکلاء ایک دوسرے کو جانتے ہیں۔"

"جی!"

"اور بیٹے! جانے کی بات مت کرو۔ جب تک پاکستان میں ہو، ہمیں ہی عزت بخشو۔ صلے میں ہم تم سے کچھ نہیں مانگیں گے۔"

"آپ کیسی باتیں کر رہے ہیں، تایا ابو! آپ میرے اپنے ہیں۔ اور آپ یقین کیجئے: بحرین میں رہ کر ہم پاکستان کی باتیں تو ضرور سنتے رہے لیکن جب بھی ہم نے یہاں آ کر اپنے خاندان والوں سے ملنے کی خواہش کا اظہار کیا تو پاپا نے یہی کہا کہ یہاں ان کی کچھ دشمنیاں چل رہی ہیں اور وہ ہمارے یہاں آنے کا رِسک نہیں لے سکتے۔"

"ہاں، دشمنیاں تو واقعی چل رہی ہیں۔ یہ کمبخت زر، زن، زمین تینوں اس دنیا میں فساد کی جڑ ہیں۔ بس یہ ہوسِ زر ہی ہے، جو رشتوں کو کھا جاتی ہے۔ بیٹا! پھر کل یہ کرتے ہیں کہ تم حرا یا سلطانہ کے ساتھ نکل جاؤ۔ ظاہر حسین کا پتہ معلوم کر لو۔ گاڑی موجود ہے، تمہیں کوئی پریشانی نہیں ہوگی۔"

"جی تایا صاحب!"

"ابو! میں چلوں، دادی اماں کو فیڈ کرا دوں۔ سلطانہ! تم کافی وغیرہ دیکھ لینا۔" حرا نے کہا اور کمرے سے نکل گئی۔

میں تھوڑی دیر خاموش بیٹھا رہا، پھر کافی پینے کے بعد اپنی جگہ سے اُٹھ گیا۔ سلطانہ نے کہا۔ "ابو! آپ آرام کریں، میں کچھ دیر شہاب بھائی سے باتیں کروں گی۔"

سلطانہ میرے ساتھ باہر نکل آئی تو میں نے کہا۔ "دادی اماں کے پاس چلیں؟"

"چلیں۔" سلطانہ نے بغیر تعرض کے کہا اور ہم دونوں دادی اماں کے کمرے میں داخل

ہو گئے۔

یہاں حرا، دادی اماں کے پاس بیٹھی ہوئی تھی۔ خوراک کی نلکیاں وغیرہ لگا دی گئی تھیں۔ میں بھی دادی اماں کے پاس جا بیٹھا۔ میرے دل میں ان کے لئے ایک عجیب سا پیار اُبھر آیا اور میں نے اُن کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے لیا۔ رُوئی کے گالے جیسا نرم و ملائم ہاتھ تھا۔ بظاہر بے جان لیکن اس میں حرارت موجود تھی، جو زندگی کا پتہ دیتی تھی۔

سلطانہ اور حرا خاموش تھیں۔ میں پاپا کے خیال میں ڈوبا ہوا، دادی اماں کا چہرہ دیکھتا رہا۔ پھر اچانک دادی اماں کے ہاتھ کی اُنگلیوں میں جنبش ہوئی اور مجھے اپنے ہاتھ پر اُنگلیوں کا دباؤ محسوس ہوا۔ یہ میرا وہم نہیں تھا۔ میں نے دادی اماں کی طرف دیکھا، اُن کے چہرے پر کوئی تاثر نہیں تھا، لیکن اب اُنہوں نے میرا ہاتھ باقاعدہ پکڑا ہوا تھا۔

حرا اور سلطانہ اس وقت متوجہ نہیں تھیں۔ اُس وقت کسی نے میری بات نہیں مانی تھی، جب میں نے دادی اماں کے آنکھیں کھولنے اور مسکرانے کی بات کی تھی۔ میں نے سوچا کہ اب اُنہیں ہاتھ پکڑنے کا یہ منظر دکھاؤں۔ ابھی میں نے یہ سوچا ہی تھا کہ دادی اماں نے جلدی سے میرا ہاتھ چھوڑ دیا۔

میں نے چونک کر اُن کا چہرہ دیکھا۔ اُن کی پیشانی پر ہلکی سی شکنیں نظر آئی تھیں۔ میں خاموش رہ گیا۔ اب کچھ کچھ صورتِ حال میری سمجھ میں آ رہی تھی۔ دادی اماں کسی کو میرے ساتھ ہونے والے عمل کے بارے میں نہیں بتانا چاہتی تھیں، لیکن...... اور اس لیکن سے آگے ایک پُراسرار خلا تھا۔ ایک سمجھ میں نہ آنے والی بات۔

حرا نے آگے بڑھ کر خوراک کی نلکیاں نکالیں، ٹشو پیپر سے اُن کا چہرہ صاف کیا، بال سنوارے، پھر پیار سے اُن کی پیشانی کو بوسہ دیا اور پھر اُنہیں کھیس اوڑھا کر بولی۔

"چلیں۔"

"چلیں، شہاب بھائی؟" سلطانہ نے پوچھا۔

میں اُن کے ساتھ واپس چل پڑا۔ میں نے ایک نگاہ دادی اماں کے چہرے پر ڈالی اور دل میں کہا۔ "ٹھیک ہے، دادی اماں! کل کسی بھی وقت آپ کے پاس اکیلا آؤں گا اور دیکھوں گا کہ آپ مجھ سے کیا کہنا چاہتی ہیں۔"

حرا اور سلطانہ کے انداز سے یوں لگا، جیسے وہ ابھی میرے ساتھ رہنا چاہتی ہوں، لیکن جھجک رہی ہوں۔ معاً میرے دل میں ایک برادرانہ پیار جاگ اُٹھا۔ وہ میری کزنیں تھیں، میری بہن دانیہ کی طرح تھیں۔ میں نے مسکرا کر کہا۔

''نیند آرہی ہے، آپ دونوں کو؟''

''نہیں۔'' حرا بولی۔

''تو پھر آیئے، میرے کمرے میں چلیں۔ تایا ابو ناراض تو نہیں ہوں گے؟''

''بالکل نہیں........ ہمیں تو آپ کے آنے کی بہت خوشی ہے۔ ہم نے یہی سوچا تھا کہ آپ آئیں گے تو آپ سے خوب باتیں کریں گے، آپ کے ساتھ خوب سیر وتفریح کریں گے۔ ابو بھی آپ لوگوں کے بارے میں خوب باتیں کرتے تھے۔'' سلطانہ نے جلدی سے کہا۔

دونوں میرے ساتھ کمرے میں آگئیں۔ کمرے میں داخل ہوتے ہی مجھ پر پھر وہی خفقان سا طاری ہونے لگا۔ ویسے درحقیقت، میں رات کی آمد سے خوف زدہ تھا۔ کمرے میں قیام کرتے ہی جو پے در پے عجیب واقعات پیش آئے تھے، انہوں نے مجھے بوکھلا کر رکھ دیا تھا اور میں سوچ رہا تھا کہ نہ جانے رات کیسی گزرے۔ سلطانہ اور حرا خوش خوش بیٹھ گئیں۔

''ایک مشکل ہے، حرا اور سلطانہ!'' میں نے کہا۔

''کیا؟'' دونوں بیک وقت بولیں۔

''میں تم لوگوں سے کچھ پوچھتا ہوں تو تم پر عجیب سی کیفیت طاری ہو جاتی ہے اور میں پریشان ہو جاتا ہوں۔''

''تو آپ ہم سے پوچھنے کے بجائے اپنے بارے میں کچھ بتایئے نا۔ ہمیں معلوم ہے، وہاں مناما میں ہماری چچی جان، ہماری کزن دانیہ، بڑے بھائی سرفراز ہیں۔ کیا کرتے ہیں آپ لوگ وہاں؟ کیسا شہر ہے وہ؟''

''بہت اچھا۔ اس کے علاوہ ہم یو اے ای کے دوسرے ملک بھی دیکھ چکے ہیں۔ دُبئی، شارجہ، مسقط وغیرہ بھی جا چکے ہیں۔ دوسری طرف انگلینڈ اور فرانس وغیرہ بھی گئے ہیں۔''

''ارے واہ! بس پاکستان ہی نہیں آئے آپ۔ اچھا، یہ بتایئے، پاکستان آ کر آپ کو کیسا لگا؟''

''بہت اچھا، حرا! لیکن آپ لوگ جانتی ہیں کہ میں ایک پریشانی کے عالم میں یہاں آیا ہوں۔ اللہ کرے، میرے پاپا مجھے زندہ سلامت مل جائیں، پھر یہاں رہنے کا مزہ آئے گا۔''

''انشاء اللہ، وہ ضرور مل جائیں گے۔ لیکن آپ ایک وعدہ کریں۔''

''وہ کیا؟'' میں نے مسکرا کر کہا۔

''اس کے بعد آپ طویل عرصہ ہمارے پاس رہیں گے۔ یہیں لاہور میں، سمن آباد میں صرف ہمارے پاس۔''

''چلئے ٹھیک ہے، وعدہ۔ ایک بات بتائیں مجھے، سلطانہ! دادی اماں آٹھ سال سے کوما میں ہیں، یہ بات ہمیں پاپا سے معلوم ہوئی تھی۔ آٹھ سال سے کیا وہ کبھی ہوش میں نہیں آئیں؟''

''کبھی نہیں۔ شروع میں وہ کچھ عرصہ ہسپتال میں رہیں، پھر ڈاکٹر صاحب نے کہا کہ انہیں گھر لے جائیں، ہسپتال میں رکھنے کی ضرورت نہیں ہے۔ ابو انہیں گھر لے آئے۔''

''انہیں کیا ہوا تھا؟''

''لائٹ برین ہیمرج۔''

''خاندان میں کسی اور نے انہیں اپنے ساتھ رکھنے کی پیشکش نہیں کی؟''

''خاندان میں تھا ہی کون۔ بڑے تایا مر چکے تھے، تائی سارے رشتے ہی ختم کر چکی ہیں۔ پھوپھی جہاں آرا بیگم، پھوپھا جان کے زیر اثر ہیں اور پھوپھا جان، بس اللہ بچائے، حرفوں سے بنے ہوئے ہیں، بے حد خود غرض اور طوطا چشم۔ ابو، دادی اماں سے بہت محبت کرتے ہیں۔ وہ خود انہیں کہیں اور رکھنے کے قائل نہیں ہیں۔ اور آپ کو سچ بتاؤں، چچا جان بھی صرف ابو پر اعتماد کرتے ہیں۔ اُن کے اور ابو کے درمیان دادی اماں کے بارے میں ہونے والی باتیں ہم نے خود سنی ہیں۔ چچا جان، دادی اماں کے علاج سے بالکل مطمئن ہیں۔''

ان پریشان کن حالات میں سلطانہ اور حرا، پاپا کے بارے میں جس طرح باتیں کر رہی تھیں، وہ مجھے بہت اچھا لگ رہا تھا۔ حرا نے کہا۔

''میں آپ کو ایک راز کی بات بتاؤں، شہاب بھائی! خود تائی بھی دادی اماں کو صحت

یا ب دیکھنا نہیں چاہتیں۔ کیونکہ اس طرح جائیداد کا ایک بہت بڑا حصہ ان کے قبضے سے نکل جانے کا خطرہ ہے۔''

''اوہ........! اُن کی طرف سے کوئی خطرناک کارروائی تو نہیں ہوئی؟''

''یہ تو پتہ نہیں، لیکن کافی عرصہ پہلے ایک رات ہمارے گھر میں ڈاکو گھس آئے تھے۔ مگر انہوں نے ایک دوسرے پر ہی اندھا دھند فائرنگ کی۔ اُن میں سے شاید ایک دو ہلاک بھی ہو گئے تھے۔ محلے والوں نے اُن کے ساتھیوں کو اُن کی لاشیں اُٹھا کر لے جاتے ہوئے دیکھا تھا۔''

''اُنہوں نے ایک دوسرے پر فائرنگ کیوں کی؟''

''پتہ نہیں........ بس خیال تھا کہ وہ ڈاکو نہیں تھے، بلکہ دادی اماں کو نقصان پہنچانے آئے تھے۔''

میں کچھ دیر سوچتا رہا، پھر میں نے کہا۔ ''دادی اماں کا علاج ہو رہا ہے؟''

''مسلسل!........ ڈاکٹر اشتیاق مرزا اُن کے معالج ہیں۔ ہفتے میں ایک بار وہ آتے ہیں اور معائنہ کر کے ہدایات جاری کرتے ہیں۔''

حرا اور سلطانہ کچھ دیر کے بعد چلی گئیں اور میرے ذہن میں بہت سے خیالات چھوڑ گئیں۔ اُن کے جانے کے بعد میں نے دروازہ بند کیا اور پھر موبائل فون پر بحرین سے رابطہ قائم کرنے لگا۔ وہ لوگ بے چینی سے میرے فون کے منتظر تھے۔ ہمارے درمیان یہ طے تھا کہ میں خود فون پر اُن سے رابطہ کروں گا۔ جب تک میں اُنہیں فون نہ کروں، وہ خود یہ کوشش نہ کریں۔ سرفراز بھائی نے بے چینی سے پوچھا۔

''تم بالکل خیریت سے ہو، شہاب؟''

''بالکل بھائی جان! سب ٹھیک ہے۔''

''پاپا کے بارے میں کچھ پتہ چلا؟''

''آج ذرا صورتِ حال کا جائزہ لے رہا ہوں، کل سے کام شروع کروں گا۔''

''اپنا پورا خیال رکھنا۔ تایا ابو کا رویّہ کیسا ہے؟''

''بہت اچھا۔ وہ مجھ سے مکمل تعاون کر رہے ہیں۔'' میں نے کہا۔ پھر ماما اور دانیہ سے بھی باتیں ہوئیں اور پھر میں نے فون بند کر دیا اور کپڑوں کی الماری کی طرف متوجہ ہو گیا، تاکہ لباس تبدیل کرلوں۔

پتہ نہیں، حرا یا سلطانہ نے میرے کپڑے سوٹ کیس سے نکال کر الماری میں سجائے تھے یا حمیدہ نے........ یا........ پھر اُس نے جس نے اپنا نام حمیدہ بتایا تھا۔ وہ کون تھی؟ اور

اس آسانی سے اس گھر میں کیسے آ کر غائب ہو گئی تھی؟ کیا پاکستان میں اس طرح کے واقعات عام ہیں؟ کیا لاہور کے گھروں میں ایسی پراسرار مخلوق عام طور پر رہتی ہیں؟ تایا ابو، حرا اور سلطانہ نے پورے وثوق سے کہا تھا کہ گھر کے حالات جو کچھ بھی ہیں، کسی کو کوئی نقصان نہیں پہنچتا۔ البتہ جب میں نے اُن سے گھر کے بارے میں پوچھا تھا تو وہ کپکپانے لگی تھیں۔

بہرحال، یہ ایک پراسرار گھر ہے۔ بے شک میں اپنے پاپا کی تلاش میں آیا ہوں لیکن اس طرح کے واقعات کا تجربہ بھی میرے لئے انوکھا تھا۔

کمرے میں ایک ہولناک سکوت طاری تھا۔ میں کروٹ بدل کر سونے کی کوشش کرنے لگا۔ کچھ بھی ہے، جب تک پاپا نہیں مل جاتے، میں تایا ابو کے پاس ہی رہوں گا۔ ان تینوں ہی نے مجھے محبت سے رُکنے کے لئے کہا تھا۔ پھر دادی اماں کا عمل بھی بے حد پراسرار لیکن محبت آمیز تھا۔ پتہ نہیں، دادی اماں کی کیا کہانی ہے؟ وہ کوما میں ہیں اور سب اس کی تصدیق کرتے ہیں۔ لیکن میرے ساتھ جو کچھ بھی ہوا، وہ بھی میرا وہم نہیں ہے۔

میں نے آنکھیں بند کر لیں اور کچھ دیر کے بعد نیند آ گئی۔ ابتدائی چند گھنٹے گہری نیند سویا، لیکن اس وقت ساڑھے چار بجے تھے، جب کمرے میں ایک انوکھا کھیل شروع ہو گیا۔ میں روشنی بند کر کے سویا تھا، کیونکہ مجھے اندھیرا کر کے سونے کی عادت تھی۔ اس وقت روشنی سے ہی میری آنکھ کھلی تھی۔ یہ روشنی ڈریسنگ ٹیبل کے پاس ہو رہی تھی۔

ڈریسنگ ٹیبل کے آئینے میں مجھے ایک چہرہ نظر آیا۔ یہ ایک نوجوان لڑکی تھی۔ روشن چاند جیسا چہرہ، لمبی لمبی پلکیں، بے حد خوب صورت آنکھیں........ میری طرف اُس کی پشت تھی اور اُس کی پشت پر جیسے بالوں کا طوفان اُمڈا ہوا تھا۔ بڑے بالوں کا بے شک ایک تصور ہے۔ لیکن اتنے لمبے اور گھرے سیاہ بال، جو اس وقت میری نگاہوں کے سامنے تھے، میں نے پہلے کبھی نہیں دیکھے تھے۔ کچھ لمحوں کے لئے مجھے یہ سب ایک خواب جیسا محسوس ہوا، لیکن پھر میں چونک گیا۔ یہ خواب نہیں ہے۔ پھر یہ لڑکی کون ہے؟ اور میرے کمرے میں کہاں سے آ گئی؟

ابھی میں یہ سوچ رہا تھا کہ لڑکی نے رُخ بدلا اور ڈریسنگ ٹیبل کی ایک دراز کھول کر اس سے پرفیوم کی ایک بوتل نکالی اور اپنے لباس پر اسپرے کرنے لگی۔ ایک اعلیٰ درجے کی خوشبو کمرے میں پھیل گئی۔

لڑکی نے بوتل واپس رکھی اور پھر اپنی جگہ سے اُٹھ گئی۔ وہ خاصی بلند قامت تھی۔ کھڑے ہو کر اُس نے ڈریسنگ کے پاس ہی دیوار پر لگے ایک الیکٹرک بٹن کو دبایا اور

کمرے میں گھپ اندھیرا ہو گیا۔ لیکن اُس کا ہیولا اب بھی میری نگاہوں میں تھا۔ میں نے
اُسے ایک دیوار کی طرف بڑھتے دیکھا۔ اور پھر وہ ہیولا با آسانی دیوار میں داخل ہو کر نظروں
سے اوجھل ہو گیا۔

میں دیر تک اسی طرح ساکت و جامد رہا، پھر ایک دم میری ساری حسیات جاگ گئیں
میں جلدی سے اپنی جگہ سے اُٹھ گیا۔ یہاں سب کچھ بعید از عقل ہو رہا تھا۔ لیکن اس سے
خوف زدہ نہ ہونا میری نا آگہی تھی۔ درحقیقت جن، بھوت اور ایسے محیر العقول واقعات سے
میرا کبھی واسطہ نہیں رہا تھا۔ یہ سارے واقعات میرے لئے حیران کن ضرور تھے لیکن خوف کی
شدت ابھی پیدا نہیں ہوئی تھی، بلکہ خوف سے زیادہ تجسس تھا۔ اسی تجسس کے تحت جلدی سے
اپنی جگہ سے اُٹھا اور تیزی سے ڈریسنگ کے پاس پہنچ گیا۔

میں نے دیوار پر اُس بٹن کو تلاش کیا اور ڈریسنگ کا بلب روشن ہو گیا۔ پھر میں نے وہ
دراز کھولی، جس سے اُس لڑکی نے پرفیوم نکالا تھا۔ لیکن وہاں کچھ نہیں تھا۔ کوئی شیشی وغیرہ
بھی نہیں تھی۔

''عجیب...... سب کچھ عجیب!...... ڈریسنگ کے پاس سے ہٹ کر اُس دیوار کے
پاس پہنچا، جس میں وہ لڑکی غائب ہوئی تھی۔ دیوار ٹھوس اور سپاٹ تھی۔ دماغ خراب ہو کر رہ
گیا، کچھ جھنجلاہٹ سی پیدا ہو گئی۔ دل چاہا کہ باہر نکلوں اور تایا ابو سے کہوں کہ کیا یہاں
میرے خلاف کوئی سازش ہو رہی ہے؟ کون کون رہتا ہے یہاں؟ اور اگر کوئی اور بھی یہاں
رہتا ہے تو مجھ سے کیوں چھپایا جا رہا ہے؟ غصے سے پاؤں پٹختا ہوا میں واپس بستر پر آ گیا
بہت سی باتیں دماغ میں آ رہی تھیں۔ پھر اسی عالم میں سو گیا۔

صبح سلطانہ اور حرا نے جگایا۔ وہ چائے کے برتن لئے اندر آ گئی تھیں۔ چہرے پر کل کی
نسبت شوخی نظر آ رہی تھی۔

''ویری بیڈ، ٹی حاضر ہے سر!''

''میں تو ابھی بیڈ ہی میں دفن ہوں۔'' میں نے کہا۔

''ستارۂ سحر غروب ہوئے دیر گزری۔ اُٹھئے، غسل خانے جائیے، واپس آئیے۔ ہم آپ
کے ساتھ چائے پئیں گے۔ اتنے عرصے بعد مراد پوری ہوئی ہے۔''

اُن دونوں کے ساتھ چائے پینا اچھا لگا تھا۔ چائے کے دوران وہ شوخ گفتگو کرتی رہی
تھیں۔ پھر میں نے کہا۔

''وکیل صاحب کے پاس کون لے جائے گا مجھے؟ اور کب چلنا ہے؟''

''ابو سے بات ہوئی تھی۔ وکیل نیاز علی شام کو چار بجے آفس آتے ہیں۔ دوپہر تک تو

کورٹ میں مصروف رہتے ہیں، اس کے بعد آفس آتے ہیں۔ میں، آپ کو اُن کے آفس
لے چلوں گی۔'' سلطانہ نے کہا۔

کافی دیر تک ہم باتیں کرتے رہے، پھر حمیدہ آ گئی۔ اُس نے ناشتہ لگ جانے کی
اطلاع دی تھی۔ تایا ابو سے بھی رسمی باتیں ہوئی تھیں۔ اُنہوں نے کہا۔

''دل چاہے تو بچیوں کے ساتھ گھومنے نکل جاؤ۔ شام کو نیاز احمد سے مل لینا۔''

''ابھی نہیں، تایا ابو! پہلے پاپا کے بارے میں کوئی تسلی بخش خبر مل جائے، اس کے بعد
سیر و تفریح اچھی لگے گی۔ ویسے ایک بات میرے لئے تعجب خیز ہے۔''

''کیا؟''

''آپ کے اور تائی طاہرہ خانم کے درمیان مقدمہ چل رہا ہے اور آپ کو اُن کا پتہ تک
نہیں معلوم۔ ٹھیک ہے، آپ لوگ ایک دوسرے سے نہیں ملتے، لیکن ایک دوسرے کے پتے
سے بھی واقف نہیں ہیں۔''

''وہ اچھی طرح اس گھر کے بارے میں جانتی ہیں۔ میں نے کبھی یہ معلوم کرنے کی
کوشش نہیں کی کہ وہ خود کہاں رہتی ہیں۔ مقدمے کے کاغذات وغیرہ نیاز علی کے پاس ہوتے
ہیں۔ اگر تم چاہو تو نیاز علی سے اُن کا پتہ لے لینا۔''

''جی۔'' میں نے کہا اور خاموش ہو گیا۔

کوئی گیارہ بجے سلطانہ اور حرا کہیں چلی گئیں۔ تایا ابو زیادہ تر اپنے کمرے میں ہوتے
تھے۔ میں نے موقع غنیمت سمجھا اور دادی اماں کے کمرے کی طرف چل پڑا۔

دادی اماں اسی کیفیت میں تھیں۔ اُن کے پاس بیٹھ کر میں نے بڑے پیار سے اُنہیں
آوازیں دیں، اُن کا ہاتھ پکڑ کر مسلا، لیکن کوئی تحریک نہیں ہوئی۔ بہت دیر تک میں کوشش
کرتا رہا، لیکن ذرا بھی کامیابی نہیں ہوئی۔ میں کسی قدر دُکھی ہو گیا تھا۔ میرا خیال تھا کہ دادی
اماں، تنہائی میں مجھ سے ضرور مخاطب ہوں گی۔

بہت دیر میں اُن کے پاس رہا، پھر وہاں سے اُٹھ گیا۔ وقت کافی تھا۔ میں نے اس گھر
کو پوری طرح دیکھنے کا فیصلہ کیا اور اس کے اُجاڑ حصوں کی طرف چل دیا۔ واقعی بڑی منحوس
جگہ تھی۔ عمارت کا سر، پاؤں ہی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا۔

پھر میں اس حصے کی طرف چل پڑا، جس کی وجۂ تعمیر میری سمجھ میں بالکل نہیں آئی تھی۔
دو تین کمرے بنے ہوئے تھے، جو بہت نیچے تھے، جن کے سامنے جھاڑ جھنکاڑ، انبار موجود
تھے۔ میں نے ایک مضبوط سی لکڑی اُٹھائی اور اس سے اندر جانے کا راستہ بنایا اور پھر اندر
داخل ہو گیا۔

اندر قدم رکھتے ہی مجھے یوں لگا، جیسے میں کسی سرد خانے میں آ گیا ہوں۔ سردی کی لہر میرے پورے بدن میں سرایت کر گئی۔ باہر سے یہ جگہ جتنی چھوٹی لگتی تھی، اندر سے چھوٹی نہیں تھی۔ تعجب کی بات یہ تھی کہ اندر کافی صفائی تھی۔ زمین کچی تھی، لیکن یوں لگ جیسے کسی نے وہاں باقاعدہ جھاڑو دی ہو۔ میں نے چند قدم آگے بڑھائے اور پھر رُک گ اچانک مجھے یوں لگا، جیسے کوئی میرے بالکل قریب سے گزرا ہو۔

میں نے اس طرف دیکھا تو دوسری طرف کھڑ کھڑ کی آواز اُبھری اور پھر کسی بلی چیخنے کی آواز سنائی دی۔ اس کے بعد اچانک ہی کسی طرف سے دو بلیاں لڑتی ہوئی آئیں اُن دونوں کا رنگ گہرا سیاہ تھا۔ اُن میں سے ایک بلی سیدھی نکل گئی، دوسری میرے پی سے ٹکرائی اور میں نے بے اختیار ہاتھ میں پکڑی ہوئی لکڑی زور سے گھما دی۔

لکڑی خاصی قوت سے گھوم گئی تھی، حالانکہ میں نے جان بوجھ کر اتنی طاقت سے لک نہیں گھمائی تھی، بس خوف کے عالم میں ضرب کی قوت کا اندازہ نہیں ہو سکا۔ بلی کافی ا اُچھلی اور پھر زمین پر آ گری۔ اُس کے حلق سے اذیت ناک غراہٹیں نکل رہی تھیں او زمین پر تڑپ رہی تھی۔ میں دہشت سے آنکھیں پھاڑے اُسے گھورنے لگا۔ بلی اُٹھنے کوشش کر رہی تھی اور قلابازیاں کھا کھا کر گر رہی تھی۔

میں نے سنا تھا کہ بلی کا بدن سخت جان ہوتا ہے، بس اُس کا سر سب سے زیادہ کم ہوتا ہے۔ اور اگر کوئی بھرپور ضرب اُس کے سر پر پڑ جائے تو اس سے وہ ہلاک بھی ہو ہے۔ اس وقت بھی شاید ایسا ہی ہوا تھا۔ دیکھتے ہی دیکھتے بلی قلابازیاں کھاتی ہوئی دروازے تک پہنچی اور اس کے بعد اس دروازے سے باہر نکل گئی۔

میرے لئے اب یہاں رُکنا ممکن نہیں تھا۔ میں یہاں آ کر بہت دہشت زدہ ہو گیا چنانچہ میں دروازے کی طرف بڑھا۔ راستے میں مجھے نیم تاریک ماحول کے باوجود خون بڑے بڑے دھبے نظر آئے اور دل ہی دل میں سخت شرمندہ ہو گیا۔ بلی کو اس طرح کرنے کا کوئی ارادہ نہیں تھا، بس ہو گیا تھا، جو ہونا تھا۔

باہر نکل کر میں نے لکڑی پھینک دی اور افسردگی کے عالم میں اپنے کمرے کی جا چل پڑا۔ سارے کام ہی نحوست بھرے ہو رہے تھے۔ پتہ نہیں، یہ گھر کس قسم کا ہے۔

"گھر کو برا مت کہو۔" کہیں سے ایک سرگوشی اُبھری اور میں اپنی جگہ ٹھٹک گیا۔ ا وقت میں اپنے کمرے سے زیادہ دُور نہیں تھا۔ یہ وہی آواز تھی، جو میں نے اس وقت ا کمرے میں سنی تھی، جب میں یہاں سے کسی ہوٹل میں منتقل ہونے کے بارے میں سوچ تھا، اور مجھ سے "نہیں" کہا گیا تھا۔

بے اختیار میرے منہ سے نکل گیا۔ "گھر کو برا نہ کہوں تو کیا کہوں؟ آخر یہ سب کیا ہو رہا ہے میرے ساتھ؟"

بے ساختہ یہ الفاظ میرے منہ سے نکلے تھے۔ حالانکہ میرے سامنے کوئی نہیں تھا۔ ایک نادیدہ وجود مجھے ہدایات دے رہا تھا۔ مگر وہ کون تھا اور کہاں تھا؟ میں نہیں جانتا تھا۔

بہرحال، میں اپنے کمرے میں واپس آ گیا۔ میرے لئے بڑی فکر انگیز بات تھی۔ کیا کرتا، کیا نہ کرتا۔ پاپا کی تلاش میں وطن آیا تھا۔ وطن سے محبت اپنی جگہ تھی، لیکن میں اپنے شہر تک سے ناواقف تھا۔ اگر ہوٹل میں منتقل ہو بھی جاؤں تو کیا کر سکوں گا؟ کمرے میں آ کر میں سر پکڑ کر بیٹھ گیا۔ بلی کے اپنے ہاتھ سے زخمی ہونے کا مجھے سخت دُکھ تھا، لیکن یہ جانا بوجھا عمل نہیں تھا۔

دوپہر تک کوئی میرے پاس نہیں آیا اور میں پریشانی کے عالم میں مختلف سوچوں میں گھرا رہا۔ آخری فیصلہ یہی کیا تھا کہ جو کچھ ہے، اسے برداشت کیا جائے اور یہیں قیام کر کے اپنے پاپا کی تلاش کی جائے۔ پھر دوپہر کے کھانے کا وقت ہو گیا۔ ماحول پر ایک سوگوار سی خاموشی طاری تھی۔ کھانے سے فراغت حاصل کرنے کے بعد تایا ابو نے کہا۔

"تو پھر تم کس وقت جا رہے ہو؟ ویسے نیاز علی کو میں نے ٹیلی فون کیا تھا۔ اُن کے اسسٹنٹ نے فون اُٹھایا تھا، اُس نے کہا کہ نیاز علی صاحب، بار کی ایک میٹنگ میں شریک ہیں، ساڑھے تین بجے تک واپس آ جائیں گے۔ میں نے اُس سے کہا کہ میرا پیغام اُنہیں دے دیں، کوئی اُن سے ملاقات کرنے آ رہا ہے۔"

"جی!"

"سلطانہ! تم تین بجے گھر سے نکل جانا۔ آج کل سڑکوں پر ٹریفک زیادہ ہونے لگا ہے۔ چار بجے نیاز علی کے دفتر پہنچ جانا۔ کوئی ضرورت پیش آئے تو مجھے فون کرا دینا۔"

"ٹھیک ہے ابو!"

❀❀❀

میں، سلطانہ کے برابر ہی سیٹ پر بیٹھ گیا اور سلطانہ نے کار اسٹارٹ کر کے آگے بڑھا دی۔ حرا خاموشی سے کھڑی ہمیں دیکھ رہی تھی۔

کار باہر نکل آئی اور میں خاموشی سے اطراف کا جائزہ لینے لگا۔ سلطانہ گنجان راستے طے کر رہی تھی۔ سڑک پر کافی ٹریفک تھا۔ سیدھے سادے لوگ ٹریفک کے اصولوں کی پروا کئے بغیر سڑک استعمال کر رہے تھے۔

راستے اور فاصلے طے ہوتے رہے اور آخر کار، کار ایک عمارت کے سامنے جا رُکی۔

اچھی عمارت تھی۔ خاص طور سے لاء چیمبر بنایا گیا تھا۔ ہم تیسری منزل پر پہنچ گئے اور پھر نیاز علی ایڈووکیٹ کے نام کی تختی والے دروازے پر رُک کر سلطانہ نے ہلکی سی دستک دی اور اندر داخل ہوگئی۔ بڑا سا صاف شفاف کمرہ تھا، جس میں اسٹاف کے لئے میزیں پڑی ہوئی تھیں۔ ان میزوں پر تین نوجوان وکیل بیٹھے کام کر رہے تھے۔ ایک چپراسی بھی موجود تھا، جس نے سامنے والا دروازہ کھولا اور ہم دونوں کو اندر جانے کا اشارہ کیا۔

نیاز علی وقت سے پہلے آفس آ گئے تھے، کیونکہ ابھی چار نہیں بجے تھے۔ یہ ایک ادھیڑ عمر کے بردبار سی شخصیت کے آدمی تھے۔ چہرے سے بہت سنجیدہ معلوم ہوتے تھے۔ انہوں نے سر کی جنبش سے ہم لوگوں کا استقبال کیا۔ میں آگے بڑھا تو انہوں نے مجھ سے ہاتھ ملایا اور بولے۔

''ہیلو، بے بی!''

''ہیلو، سر!''

''پلیز، بیٹھ جایئے۔ کیسے ہیں بیٹا! آپ کے ابو؟'' اُنہوں نے سلطانہ سے پوچھا۔

''ٹھیک ہیں، سر! آپ کو سلام کہا ہے۔''

''وعلیکم السلام۔ فون پر بات ہوئی تھی میری اُن سے۔ یہ شہاب ہیں نا؟''

''جی سر! میرا ہی نام شہاب احمد ہے۔''

''کیسے مزاج ہیں آپ کے، یہ بتایئے؟''

''ٹھیک ہوں، جناب!''

''مجھے تھوڑی سی تفصیل ممتاز احمد خان صاحب نے بتائی تھی۔ آپ مجھ سے جو بھی چاہتے ہیں، بے دھڑک بتایئے۔''

''باتیں تو جناب! بہت سی ہیں، جو میں آپ سے کرنا چاہتا ہوں، لیکن ایک بنیادی مسئلہ ایڈووکیٹ ظاہر حسین کی تلاش ہے۔ آپ یقیناً ظاہر حسین ایڈووکیٹ کو جانتے ہوں گے۔''

''ظاہر حسین؟........ ظاہر حسین صاحب ہمارے شناساؤں میں ایک ہی ہیں۔ اگر آپ کو اُن کی تلاش ہے تو آپ بالکل صحیح جگہ آئے ہیں۔ اسی چیمبر میں، ہماری ہی منزل کے عقبی حصے میں ظاہر حسین ایڈووکیٹ کا دفتر ہے۔ میرا خیال ہے، وہ ابھی آئے نہیں ہیں۔ ابھی تھوڑی دیر پہلے بار میں اُن سے ملاقات ہوئی تھی۔''

''یہ تو بہت ہی اچھی بات ہے۔ کاش، یہ وہی ظاہر حسین ہوں۔''

''بھئی میرا خیال ہے، وہی ہوں گے۔ ایک مرزا ظاہر بیگ ایڈووکیٹ ہیں، ایک ظاہر

خان نیازی صاحب تھے، جو ملک سے باہر چلے گئے ہیں۔ اس وقت یہی ایک ظاہر حسین ہیں۔ آپ اُن سے کیوں ملنا چاہتے ہیں؟''

''کچھ ذاتی معاملات ہیں۔''

''اچھا ٹھیک ہے، اور مجھ سے کیا معلوم کرنا چاہتے ہیں؟''

''بس تھوڑی سی معلومات........ اگر آپ پسند فرمائیں۔''

''ہاں، ہاں۔ کہیں۔''

''مجھے طاہرہ خانم کا پتہ درکار ہے۔''

''مل جائے گا۔ میرے پاس فائلوں میں موجود ہے۔ میں ابھی نکلوائے دیتا ہوں۔ اب یہ بتائیں، میں آپ کو کیا پلاؤں؟''

''نہیں انکل! شکریہ، ہم چائے وغیرہ پی کر آئے ہیں۔'' سلطانہ نے فوراً ہی کہا۔

''اچھا، خیر ٹھیک ہے۔ ایک منٹ۔'' نیاز علی نے کہا اور فون اُٹھا کر کسی سے بات کرنے لگے۔ اُنہوں نے طاہرہ خانم کی فائل سے اُن کے گھر کا پتہ لکھ کر لانے کے لئے کہا اور فون بند کر دیا۔

''اگر مناسب سمجھیں تو یہ بھی بتائیں کہ طاہرہ خانم کے کیس کی کیا کیفیت ہے؟'' میں نے کہا۔

''کیفیت یہ ہے کہ خود اُن کے وکیل اخلاق جاوید کا کہنا ہے کہ وہ یہ کیس ہار چکی ہیں، اب میں کیا کہوں، خود اُن کے وکیل اس سلسلے میں مایوس ہیں۔ ان شاء اللہ تعالیٰ عدالت سے جلد ہی ممتاز احمد صاحب کے حق میں فیصلہ ہو جائے گا۔ لیکن میں آپ لوگوں کو ایک بات بتا دوں، میں نے ممتاز صاحب سے بھی کہہ دیا ہے کہ طاہرہ خانم ان لوگوں میں سے نہیں ہیں، جو نچلے بیٹھ جاتے ہیں۔ وہ کیس ہار جائیں گی لیکن دوسرے ذرائع استعمال کریں گی۔ اس کے لئے ممتاز صاحب کو تھوڑا سا محتاط رہنا پڑیگا۔ انہیں اپنے بچاؤ کا بندوبست بھی کرنا ہوگا۔ میں خود بھی کسی وقت ان سے ملنا چاہتا ہوں، بلکہ سلطانہ بیٹے! آپ میرا یہ میسج اُنہیں دے دیں کہ میں اُن سے ملاقات کرنے کا خواہش مند ہوں۔ بہت ہی گوشہ نشین قسم کے انسان ہیں، لیکن میرا اُن سے ملنا بڑا ضروری ہے۔ ویسے میرا خیال ہے، اس کیس کے سلسلے میں دو تین پیشیاں اور پڑیں گی اور اس کے بعد فیصلہ ممتاز صاحب کے حق میں ہو جائے گا۔ کیونکہ طاہرہ خانم نے دعویٰ غلط کیا ہے۔ اصل میں مسئلہ یہ ہے کہ وہ زمین کروڑوں روپے ملکیت کی ہے۔ اُس وقت، جب جائیداد کا بٹوارہ ہوا تھا تو اس زمین کی اتنی قیمت نہیں تھی۔ موجودہ دور میں زمینوں کی جو قیمتیں آسمان تک پہنچی ہیں، انہوں نے اس زمین کو بھی

پتہ نہیں، کیا سے کیا بنا دیا ہے۔ اور طاہرہ خانم یہ بات جانتی ہیں کہ اگر اس زمین کا تھوڑا
حصہ بھی ان کے قبضے میں آ گیا تو وہ اس سے کروڑوں کما لیں گی۔ خیر، میرے لائق کوئی او
خدمت ہو تو بتایئے؟''

''طاہر حسین صاحب کو تلاش کرا لیا جائے۔''

''ہاں۔ میں چپراسی بھیجتا ہوں۔'' ایک بار پھر نیاز علی نے فون پر کسی کو کچھ ہدایات دیں
اور فون بند کر دیا۔

پھر چند ہی منٹ کے بعد چپراسی نے دروازے پر دستک دی اور اندر آ کر بولا کہ طاہ
صاحب کورٹ سے واپس آ چکے ہیں۔

مجھے انتہائی خوشی تھی کہ میرے دونوں کام پہلے ہی دن ہو گئے۔ یعنی طاہرہ خانم کا پتہ بھی
مل گیا اور طاہر صاحب سے بھی ملاقات کے امکانات پیدا ہو گئے۔ میں ان سے پاپا کے
بارے میں معلومات حاصل کرنے کے لئے بے چین ہو گیا اور فوراً ہی میں نے نیاز علی
ایڈووکیٹ سے اجازت مانگ لی۔

''ٹھیک ہے....... اور بیٹے، سلطانہ! میرے لائق کوئی خدمت ہو تو مجھے فون پر ب
دینا۔'' نیاز علی نے پُر اخلاق لہجے میں کہا اور ہم دونوں اُن کے کمرے سے نکل آئے۔

باہر آئے تو ایک کلرک نے ایک چٹ میرے ہاتھ میں تھما دی۔ یہ طاہرہ خانم کا پتہ تھا
میں نے وہ چٹ احتیاط سے بیگ میں رکھ لی۔ چپراسی ہمیں ساتھ لے کر طاہر حسین کے
کمرے کی جانب چل پڑا۔

طاہر صاحب کا آفس بھی سادہ سا ہی تھا۔ ایک بڑا سا کمرہ تھا، جس کے سامنے وال
حصے میں ایک کلرک بیٹھا ہوا تھا۔ دوسری میز پر ایک باریش شخص کام کر رہا تھا۔ وہ اگر کا
کوٹ نہ پہنے ہوئے ہوتا، تو کسی بھی طور وکیل نظر نہ آتا۔

ہم نے طاہر حسین کے بارے میں پوچھا۔ کلرک نے اُسی باریش شخص کی جانب اشار
کر دیا۔ میں اور سلطانہ اُس کے پاس پہنچ گئے۔ طاہر حسین نے نگاہیں اُٹھا کر ہمیں دیکھا او
بولا۔ ''تشریف رکھئے۔ آپ لوگ خیریت سے ہیں؟''

''آپ، طاہر حسین صاحب ہیں؟'' میں نے پوچھا۔

''الحمدللہ! فرمایئے، کیا خدمت کر سکتا ہوں؟''

''طاہر صاحب! میں بحرین سے آیا ہوں۔ آپ امتیاز صاحب کو جانتے ہیں، جن ک
تعلق ماضی میں صفدر آباد سے رہ چکا ہے؟''

''ہاں، کیوں نہیں۔ وہ میرے کلائنٹ ہیں اور طویل عرصے سے میں اُن کے مفادا

کی دیکھ بھال کرتا ہوں۔ فرمایئے، کیا بات ہے؟ خیریت؟''

''طاہر صاحب! یہ بات تو آپ جانتے ہیں کہ امتیاز صاحب، بحرین کے دارالحکومت
منامہ میں رہتے ہیں اور یہاں ان کی جائیداد وغیرہ ہے۔''

''ہاں بیٹے! میرے ان سے بڑے اچھے تعلقات ہیں۔ وہ صرف میرے کلائنٹ ہی
نہیں، دوست بھی ہیں۔ بات کیا ہے؟''

''تو کیا آپ کو یہ بات نہیں معلوم کہ وہ پچھلے پونے تین مہینے سے بحرین واپس نہیں
پہنچے؟''

''ایں.......؟'' طاہر حسین حیرت سے بولے۔

''جی ہاں۔ تقریباً پونے تین مہینے پہلے وہ معمول کے مطابق یہاں آئے تھے۔ عام طور
سے وہ دس پندرہ دن کے بعد واپس چلے جاتے تھے، لیکن اب پونے تین مہینے ہو گئے، ان
کی کوئی خیر خبر بھی نہیں ملی اور وہ منامہ واپس نہیں پہنچے۔''

''پونے تین مہینے سے؟'' طاہر حسین نے حیرانی سے کہا اور پھر ایک طرف رکھا ہوا رجسٹر
اُٹھا لیا اور اس کی ورق گردانی کرنے لگے۔ ایک صفحے پر رُک کر اُنہوں نے کچھ دیکھا، پھر
بولے۔

''ستائیس تاریخ کو وہ میرے پاس آئے تھے۔ اُس دن میں نے سولہ لاکھ روپے کی
ایک رسید اُن کے حوالے کی تھی۔ میرا مطلب ہے، پاس بک، جو اُن کے بینک کی ہے۔ میں
نے معمول کے مطابق وصول شدہ رقم اُن کے بینک میں جمع کرائی تھی اور پھر پاس بک اُن
کے حوالے کی تھی۔ ستائیس تاریخ کا مطلب ہے کہ آج بارہ تاریخ ہے۔ اور بارہ اور تین
پندرہ دن پہلے کی بات ہے، جب میری اُن سے ملاقات ہوئی ہے۔''

میرا دل اُچھل پڑا تھا۔ کم از کم پاپا کی زندگی کی خبر تو ملی تھی۔ ''آپ پورے وثوق سے
کہہ سکتے ہیں کہ وہ پندرہ دن پہلے آپ سے ملے تھے؟''

''یہ دستخط موجود ہیں اُن کے۔ میں اصول کا آدمی ہوں، ہر چیز کا ریکارڈ رکھتا ہوں۔ یہ
دیکھئے، یہ آپ کے والد صاحب ہی کے دستخط ہیں نا؟''

طاہر حسین صاحب نے رجسٹر میرے سامنے کر دیا اور میں نے ایک لمحے میں پاپا کے
دستخط پہچان لئے۔

میرا دل خوشی سے معمور ہو گیا تھا۔ میں نے کہا۔ ''بہت بہت شکریہ، جناب! آپ نے
میرا تردد دور کر دیا۔ مزید اُن کے بارے میں کیا علم ہے آپ کو؟ میرا مطلب ہے کہ کیا آپ
جانتے ہیں کہ اس بار اُن کی مصروفیتیں کیا ہو گئی تھیں؟ یہ سوال میں اس لئے کر رہا ہوں کہ

آپ نے مجھے بتایا ہے کہ اُن سے آپ کی دوستی بھی ہے۔"

"بالکل ٹھیک ہے۔ لیکن میں اس بارے میں کچھ نہیں جانتا۔ میں محتاط بھی ہوں
مصروف بھی۔ بے شک، کسی سے میرے تعلقات کتنے ہی اچھے ہوں، لیکن میں ذاتیات
کبھی مداخلت نہیں کرتا۔ البتہ یہ بات میرے علم میں ہے کہ یہاں اُن کی کچھ عزیز و اقا
سے چپقلش چل رہی تھی، بس اس سے زیادہ میرے علم میں نہیں ہے۔"

"کوئی ایسی بات، جو اتفاقیہ طور پر آپ کے علم میں آ گئی ہو؟"

ظاہر حسین صاحب سوچ میں ڈوب گئے، پھر اُنہوں نے کہا۔ "دو پتے دے سکتا ہو
آپ کو۔ یا پھر آپ کو اس کا علم بھی ہو۔ یہاں اُن کے بڑے بھائی ممتاز احمد صاحب ر
ہیں، سمن آباد میں اُن کا مکان ہے۔"

"جی ہاں۔ میں تایا ابو کے پاس ہی ٹھہرا ہوا ہوں۔ یہ میری کزن ہیں۔"

"اچھا! دوسرا ایک پتہ، ان کے ایک دوست ہیں، رمزی صاحب........ وہ ا
کاروباری آدمی ہیں، یہاں اُن کا ایک فلیٹ ہے، علامہ اقبال ٹاؤن میں۔ وہ فلیٹ عام
سے امتیاز احمد صاحب استعمال کرتے رہے ہیں۔ ایک بار اُنہوں نے مجھے فلیٹ پر بلایا
اس لئے مجھے اس کے بارے میں علم ہے۔"

"آپ مجھے اس کا پتہ دے سکتے ہیں؟"

"ہاں!" ظاہر حسین نے ایک ڈائری سے ایک پتہ نوٹ کر کے میرے حوالے کر د
پھر بولے۔ "میرے لائق اور کوئی خدمت ہو، تو بتایئے؟"

"یہ میرا فون نمبر رکھ لیجئے۔ میں پریشان ہو کر پاپا کی تلاش کے سلسلے میں یہاں آ
ہوں۔ اگر اُن کے بارے میں کوئی اطلاع ہو، تو براہِ کرم اس نمبر پر فوراً اطلاع دیجئے گا۔"

"ٹھیک ہے۔" ظاہر حسین نے کہا اور ایک فائل اٹھا کر اپنے سامنے رکھ لی۔ اس
مقصد تھا کہ اب اُن کے پاس سے اُٹھ جانا چاہئے۔

ہم لوگ وہاں سے اُٹھے اور باہر نکل آئے۔ سلطانہ نے کہا۔ "اقبال ٹاؤن کے ا
فلیٹوں کے بارے میں، میں جانتی ہوں۔ کیا خیال ہے، وہاں چلیں گے؟"

"ہاں سلطانہ! بہت ضروری ہے۔"

"ٹھیک ہے، چلتے ہیں۔ اب جب نکلے ہیں تو چچا جان کے بارے میں معلومات
حاصل کر کے ہی لوٹیں گے۔ خدا کرے، وہ ہمیں وہیں مل جائیں۔ ہو سکتا ہے، کسی اُلجھن کی
وجہ سے رُک گئے ہوں۔" سلطانہ نے خلوص سے کہا۔

ہم نیچے آ کر کار میں بیٹھے اور سلطانہ نے کار اسٹارٹ کر کے آگے بڑھا دی۔ ایک ذرا

سا سکون ملا تھا مجھے۔ کم از کم پندرہ دن پہلے تو پاپا خیریت سے تھے۔

بہر حال، راستے طے ہوتے رہے۔ اقبال ٹاؤن، سمن آباد سے زیادہ دُور نہیں ہے۔ ہم
لوگ مطلوبہ جگہ پہنچ گئے اور پھر اس فلیٹ پر، جس کا پتہ ہمیں دیا گیا تھا۔ لیکن فلیٹ کے
دروازے پر تالا پڑا ہوا تھا، جسے دیکھ کر ہم مایوس ہو گئے۔

"میں سامنے والے فلیٹ سے معلومات حاصل کرتی ہوں۔" سلطانہ نے کہا اور پھر اس
نے دوسرے فلیٹ کی کال بیل دبا دی۔ کچھ لمحوں کے بعد ایک صاحب باہر آئے اور ہم
دونوں کو سوالیہ نگاہوں سے دیکھنے لگے۔

"معاف کیجئے گا، یہ سامنے والے فلیٹ میں رمزی صاحب رہتے ہیں؟"

"ہاں........تو پھر؟"

"رمزی صاحب کہیں گئے ہوئے ہیں؟"

"آپ لوگ کہیں باہر سے آئے ہیں؟ آپ کو پتہ نہیں ہے، یہاں کیا ہوا ہے؟" اُن
صاحب نے کہا۔

"نہیں۔ خیریت، کیا ہوا ہے؟"

"لاش ملی ہے یہاں سے۔ لاش........رمزی صاحب کے ایک دوست عموماً یہاں آ کر
رہا کرتے تھے، کہیں باہر سے آتے تھے۔ ابھی تھوڑے دن پہلے کی بات ہے، شاید سات آٹھ
دن ہو گئے کہ اس فلیٹ سے بدبو کے بھبکے اُٹھنے لگے۔ فلیٹ بند تھا۔ ہم نے پولیس کو بلایا۔
پولیس نے دروازہ کھول کر دیکھا تو اندر ایک لاش موجود تھی۔ یہ اسی دوست کی لاش تھی، جو
یہاں آیا کرتے تھے۔ ہم نے بھی انہیں اچھی طرح دیکھا تھا۔"

میرا سر چکرانے لگا۔ سلطانہ بھی ہونق ہو گئی تھی۔ چند لمحات تک تو میں بول ہی نہیں پایا،
پھر میں نے رندھی ہوئی آواز میں پوچھا۔

"آپ اُن دوست کا حلیہ بتا سکتے ہیں، مجھے؟"

"ہاں۔ بتا سکتا ہوں، تھوڑا بہت۔" اُنہوں نے جو حلیہ بتایا، اسے سن کر میری آنکھوں
میں اندھیرا چھا گیا۔ یہ حلیہ سو فیصد پاپا کا تھا۔

"لیکن اُن کا انتقال کیسے ہوا؟" سلطانہ نے پوچھا۔

"پولیس کہاں کسی کو کچھ بتاتی ہے صاحب! ہم تو ویسے ہی مصیبت میں پڑ گئے تھے۔
تین چار بار پولیس اسٹیشن جانا پڑا اور فضول قسم کی بحث کا شکار ہونا پڑا۔ وہ تو یوں کہو کہ میرا
بیٹا عدالت میں کلرک ہے، اُس کے تعلقات ہیں، جس کی وجہ سے ہم لوگوں پر کوئی عذاب
نہیں آ سکا۔ ورنہ پولیس آسانی سے کہاں چھوڑتی ہے۔"

"جناب! یہاں کا پولیس اسٹیشن کتنی دُور ہے؟"

"آپ لوگ ہیں کون، آخر بتائیں گے نہیں؟"

"آپ اگر ہمیں پولیس اسٹیشن کا پتہ بتا دیں تو آپ کی مہربانی ہوگی۔ ہم رمزی صاح کے رشتے دار ہیں۔"

"پولیس اسٹیشن زیادہ دُور نہیں ہے۔ گاڑی شاڑی ہے آپ کے پاس؟ نہیں ہے، ت بھی پیدل جا سکتے ہو۔" اُن صاحب نے پولیس اسٹیشن کا پتہ بتایا اور ہم دونوں لڑکھڑا ہوئے وہاں سے اُتر آئے۔

سلطانہ بھی کچھ کہتے ہوئے ڈر رہی تھی اور میری بھی حالت خراب تھی۔ میرے ق لڑکھڑا رہے تھے، سلطانہ بھی خاموش تھی۔ جو کچھ معلومات حاصل ہوئی تھیں، وہ بڑی بھیا تھیں۔

ظاہر حسین کے کہنے کے مطابق پاپا، رمزی صاحب کے فلیٹ میں ٹھہرا کرتے تھے رمزی صاحب ملک سے باہر ہوتے تھے۔ فلیٹ سے اُن کے دوست کی لاش ملی تھ آہ.........کیا وہ پاپا ہی تھے؟

ڈوبتے دل اور لڑکھڑاتے قدموں کے ساتھ میں اور سلطانہ پولیس اسٹیشن میں دا ہوئے۔ ایس ایچ او ایک خوش مزاج اور نوجوان آدمی تھا۔ میں نے اپنا تعارف کرایا اور یہ کہ میں بحرین سے آیا ہوں اور اصل معاملہ کیا ہے۔ ایس ایچ او نے گردن ہلائی اور بولا "بڑی افسوس ناک بات ہے کہ وہ آپ کے پاپا تھے۔ لاش کی کچھ تصویریں ہیں میر پاس۔ اگر آپ برداشت کر سکیں تو میں دکھاؤں آپ کو؟"

"جی، دکھا دیجئے۔ اور یہ بھی بتایئے کہ وہ لاش کہاں ہے؟"

"میرا خیال ہے، چار دن تک اُس کی تشہیر کی گئی، لاش کو سرد خانے میں رکھوا دیا تھا۔ لیکن کسی طرف سے کوئی اطلاع نہیں مل سکی، چنانچہ اسے لاوارث لاش کے طور پر دفن دیا۔ یہ تصویریں دیکھ لیجئے۔"

پولیس آفیسر نے تین تصویریں نکال کر ہمارے سامنے رکھ دیں اور میں ان پر جھک گ آہ! یہ میرے پاپا ہی کی لاش تھی۔ میرے حلق سے ایک دلدوز چیخ نکلی اور اس کے بعد وہیں، پولیس اسٹیشن میں بے ہوش ہو گیا۔

یہ بے ہوشی کتنی طویل رہی، اس کا تو فوری طور پر اندازہ نہیں لگایا جا سکتا تھا۔ لیکن ج مجھے ہوش آیا تو میں سمن آباد والے گھر کے ایک کمرے میں تھا۔ یہ کمرہ میرا نہیں تھا، بلکہ شا گھر کا کوئی اور خالی کمرہ تھا۔

میرے پاس سلطانہ، حرا، تایا صاحب اور ڈاکٹر صاحب بیٹھے ہوئے تھے۔ ڈاکٹر صاحب لو میں نے اُن کی گردن میں پڑے ہوئے آلے سے پہچانا تھا۔ وہ ایک کاغذ پر کچھ لکھ رہے تھے۔ پھر اُنہوں نے کاغذ حرا کو دیتے ہوئے کہا۔

"یہ کچھ طاقت کی دوائیں ہیں۔ اعصاب کو سکون دیتی ہیں۔ ان کی حالت بہتر ہوتی بائے گی۔ اور آپ بیٹے! حوصلے سے کام لیجئے، جوان آدمی ہیں، خود ممتاز صاحب بیچارے معیف اور اعصابی مریض ہیں۔ آپ سوچ سمجھ کر عمل کیجئے، میں آپ کے دُکھ میں برابر کا ریک ہوں۔ میں چلتا ہوں، ممتاز صاحب! انشاء اللہ تعالیٰ ان کی حالت بہتر ہوتی چلی بائے گی۔ جو شاک تھا، وہ برداشت کر چکے ہیں۔"

سلطانہ نے جلدی سے بیگ سنبھالا اور ڈاکٹر صاحب میرا شانہ تھپتھپا کر کمرے سے باہر ل گئے۔ میں جلدی سے اُٹھ کر بیٹھ گیا۔

"تایا ابو! آپ کو سب کچھ معلوم ہو گیا؟"

"ہاں بیٹے!" تایا صاحب نے کہا اور رونے لگے۔

"تایا ابو! میرے پاپا......میرے پاپا مر گئے۔"

"میرا بھی بھائی مر گیا......میں تنہا رہ گیا، بیٹے! میں تنہا رہ گیا......ایک سہارا تو تھا کم از کم۔ وہ سہارا بھی ختم ہو گیا، بیٹے! حوصلے سے کام لو۔ مجھے تم سے بہت سی باتیں کرنی ہیں۔"

سلطانہ واپس آ گئی تھی۔ حرا اُٹھ کھڑی ہوئی۔ "میں دوائیں لے کر آتی ہوں۔" اُس نے کہا اور کمرے سے باہر نکل گئی۔ سلطانہ میرے پاس آ کر بیٹھ گئی۔

"سلطانہ! مجھے پولیس اسٹیشن سے کیسے لایا گیا؟" میں نے سوال کیا۔

"تھانہ انچارج نے مجھ سے تفصیلات پوچھیں۔ پہلے تو وہ کہنے لگے کہ اگر میں چاہوں تو آپ کو ہسپتال پہنچایا جا سکتا ہے، لیکن میں نے اُن سے درخواست کی کہ وہ گھر ہی پہنچا دیں۔ وہ ہمیں گھر پر ہی چھوڑ گئے ہیں اور کہہ گئے ہیں کہ آپ کی حالت بہتر ہو جائے تو اُنہیں فون کر دیا جائے، وہ آ کر آپ سے آپ کا بیان لیں گے۔ کیونکہ رمزی صاحب کے فلیٹ میں ملنے والی لاش کے سلسلے میں تفتیش چل رہی ہے۔"

"تایا ابو! یہ رمزی صاحب کون ہیں؟ آپ اُنہیں نہیں جانتے؟"

"بالکل نہیں جانتا، بیٹے! میرا بھائی مجھ سے بھی بدظن تھا۔ وہ یہاں آتا تو ضرور تھا، لیکن میرے پاس بہت کم ٹھہرتا تھا۔ اور ٹھہرتا بھی تھا تو اماں جی کی وجہ سے......سب سے دل خراب تھا اُس کا۔ بڑھاپے میں بہت سے سہاروں کی ضرورت ہوتی ہے۔ اور پھر قسم کھا کر

کہتا ہوں اور اپنے بھائی کی روح کو جواب دہ ہوں کہ میں نے اُس کے ساتھ کوئی برا
بھی نہیں تھا۔ وہ سب سے بدظن ہو گیا تھا۔ میں نہیں جانتا کہ رمزی صاحب کون ہیں،
آنے کے بعد وہ کافی دن تک یہاں چکر نہیں لگاتا تھا اور اپنے کاموں میں مصروف رہتا
بیٹے! وکیل ظاہر حسین کا بھی فون آیا تھا۔ شاید وہ بھی فرصت پا کر یہاں آئیں۔ اُنہیں
بتا دی گئی ہے۔ غالباً ایس ایچ او نے ان سے تمہارے بارے میں بات کی تھی۔"

"آہ....... پاپا نجانے کس کا شکار ہو گئے، تایا ابو! میری سمجھ میں نہیں آ رہا، میں
کروں؟"

"بیٹے! حوصلے سے کام لو۔ ڈاکٹر نے تمہیں طاقت کے انجکشن بھی لگائے ہیں۔ یہ
کہ اب جو کچھ کرنا ہے، تمہیں ہی کرنا ہے۔"

"تایا ابو! گھر اطلاع کر دی جائے؟"

"ضروری ہے بیٹے! بہت ضروری ہے۔ میں نے تمہارے انتظار میں ابھی تک
فون نہیں کیا۔ امتیاز اب اس دنیا میں نہیں ہیں۔ اگر کوئی رنجش تھی بھی تو وہ اب ختم ہو گئی
اب کیا رہ گیا ہے؟ اُنہیں اطلاع دو اور اپنے بڑے بھائی سے پوچھو کہ کیا کرنا ہے۔"

"آہ! ہمیں تو ابو کے جنازے کو کندھا دینے کی سعادت بھی نصیب نہیں ہوئی۔ اُ
لاش لاوارث سمجھ کر دفن کر دی گئی۔ کتنے بدنصیب ہیں ہم۔" میں نے گلوگیر لہجے میں
سلطانہ بھی رونے لگی تھی۔

تایا ابو بولے۔ "حوصلے سے کام لو۔ سب سے پہلے ان لوگوں کو فون کرو اور ان
پوچھو کہ کیا کرنا ہے۔"

"سلطانہ! مجھے میرا موبائل دیجئے۔" میں نے کہا اور سلطانہ نے میرا موبائل فون م
حوالے کر دیا۔ میں نے اس پر سرفراز بھائی کا نمبر ملایا اور ریسیور کان سے لگا لیا۔ د
طرف فوراً ہی فون ریسیو کر لیا گیا تھا۔

"سرفراز بھائی! میں شہاب بول رہا ہوں۔"

"ہاں شہاب! خیریت، بتاؤ۔"

"سرفراز بھائی! خیریت نہیں ہے۔" میں نے کہا اور سرفراز بھائی کو شاید میری روتی
آواز کا اندازہ ہو گیا۔

"کیا ہوا؟ مجھے بتاؤ تو سہی، شہاب!" وہ مضطربانہ انداز میں بولے۔

"پاپا مر چکے ہیں، سرفراز بھائی!" میں نے کہا اور اس کے بعد بھرائی ہوئی آوا
پوری تفصیل اُنہیں بتا دی۔

کچھ دیر سرفراز بھائی کی آواز ہی نہ اُبھری اور جب میں نے کئی بار اُنہیں آواز دی تو وہ
تے ہوئے بولے۔ "پاپا مر گئے ہمارے....... ہمارے سر سے آسمان اُٹھ گیا....... تمہیں
ین ہے شہاب! کہ وہ پاپا ہی کی لاش تھی؟"

"ہاں!....... مجھے بتائیے، میں کیا کروں، سرفراز بھائی؟ .... میں کیا کروں؟ میں
رید اعصابی دباؤ کا شکار ہوں۔"

"ہمارا انتظار کرو، ہم تینوں آ رہے ہیں۔ مجھے بس تھوڑی سی ضروری کارروائیاں کرنی
ں گی۔ زیادہ سے زیادہ میں کل تک کر لوں گا یہ کارروائی۔ ہو سکتا ہے، کل رات تک ہمیں
بھی فلائٹ ملے، ہم اس سے آ جائیں۔ میں تم سے رابطے میں رہوں گا۔ اپنے آپ کو
صلہ دو، میں آ رہا ہوں۔ تایا ابو کو سنبھالے رکھو، میں آ رہا ہوں۔"

سرفراز نے کئی بار یہ جملہ دہرایا۔ اس سے اندازہ ہوتا تھا کہ وہ بھی سخت ذہنی دباؤ کا
ار ہیں۔ اس کے بعد فون کا سلسلہ منقطع ہو گیا۔ فون بند کر کے میں نے تایا ابو کی طرف
ھا، اُن کی آنکھوں سے مسلسل آنسو بہہ رہے تھے۔ سلطانہ نے کہا۔

"شہاب بھائی! حوصلہ رکھئے۔ حوصلہ رکھئے، پلیز! کیا کہہ رہے تھے وہ لوگ؟"

"سلطانہ! وہ آ رہے ہیں۔ آنے سے پہلے ہمیں اطلاع دیں گے۔"

"اُنہیں آنا ہی چاہئے۔ ابو! اب ہم اُنہیں جانے نہیں دیں گے۔ اُن سے کہیں کہ سب
ہ چھوڑ چھاڑ کر یہاں آ جائیں۔ اللہ کا دیا یہاں سب کچھ موجود ہے۔"

"خدا کی قسم! یہ لوگ اگر مستقل یہاں آ جائیں تو میری تو زندگی کے چند سال اور بڑھ
یں گے۔"

"اب یہ بتائیے، ابو! کہ یہاں موجود لوگوں کو کوئی اطلاع دی جائے؟"

"کیسی باتیں کر رہی ہو، سلطانہ؟ یہ ہمارے لئے اجنبیوں سے بدتر ہیں۔ کیا اطلاع
سی کو؟ میرا بھائی مجھ سے جدا ہو گیا، کس کو آواز دوں؟ بہن کو، جو صرف نام کی بہن
؟ کون ہے ہمارا، بیٹے؟ ہمیں اپنے غم خود ہی سنبھالنے پڑیں گے۔" تایا ابو نے کہا اور اس
بعد وہ پھر زار و قطار رو پڑے۔

کوئی ایک گھنٹے کے بعد دانیہ کا فون آیا۔ وہ بھی زار و قطار رو رہی تھی۔ اُس نے ہچکیوں
درمیان پاپا کی موت کی تصدیق طلب کی۔ بڑا درد بھرا لہجہ تھا اُس کا۔

"بھائی جان! کیا اب ہم کبھی پاپا کو نہیں دیکھ سکیں گے؟" اُس نے کہا اور میری بھی
یاں بندھ گئیں۔ میرے بھی منہ سے کوئی آواز نہیں نکل سکی تھی۔

"ہائے بھائی جان! ہم تو زندہ درگور ہو گئے....... ہماری سمجھ میں نہیں آ رہا کہ ہم کیا

کریں۔"

"دانیہ! سرفراز بھائی کہاں ہیں؟"

"وہ پاکستان آنے کی کوششوں میں لگے ہوئے ہیں۔ کمپنی کے بڑے بڑے لوگو
بات کر رہے ہیں۔ دیکھیں کیا ہوتا ہے۔"

"ماما...... ماما کہاں ہیں؟"

"اُنہیں نیند کے انجکشن دے کر سلا دیا گیا ہے۔ اُن کی طبیعت بہت خراب ہے۔"

"سرفراز بھائی آئیں تو مجھے فون کرا دینا۔"

"جی بھائی جان! آپ اپنا خیال رکھیے۔ وہاں دشمنوں نے آپ کو تو کوئی
پہنچانے کی کوشش نہیں کی؟"

"نہیں دانیہ! یہاں تو کسی دشمن کا کوئی پتہ ہی نہیں ہے۔ چلو، اب ملو گی تو بات ہو

"پاپا کے بغیر......؟" دانیہ نے کہا اور پھر رو پڑی۔ بمشکل تمام میں نے تسلی
اُسے خاموش کیا تھا۔

کوئی آدھے گھنٹے کے بعد پولیس اسٹیشن کا انچارج اور ظاہر حسین ایڈووکیٹ ایک
آئے تھے۔ انچارج ایک نوجوان آدمی تھا، پہلے بھی اُس نے میرے ساتھ بہت اچھا
کیا تھا اور اب بھی وہ بڑے اخلاق سے پیش آیا۔

"مجھے سخت رنج ہے کہ آپ کے پاپا اس طرح حادثے کا شکار ہوئے۔ ہماری
تو تقریباً رُک ہی گئی تھیں، آپ کے آنے سے ہمیں کافی مدد ملے گی۔"

"میری طرف سے بھی تعزیت قبول کرو، بیٹے! یہ مت سمجھنا کہ امتیاز احمد اس
نہیں رہے تو ہمارا کوئی تعلق نہیں رہا۔ ویسے بھی جائیداد وغیرہ کے بارے میں پوری
میرے علم میں ہیں۔ اور میں وہ تمام حسابات بھی تمہیں اطمینان سے پیش کروں گا۔
آپ کو حوصلہ دو۔ کیا مناما میں تمہارا اپنی ماما وغیرہ سے رابطہ ہوا؟"

"جی ہاں! وہ یہاں آنے کی تیاریاں کر رہے ہیں۔ ظاہر ہے، ایک دم تو اُٹھ
سکتے تھے۔"

"ظاہر ہے۔"

پھر ایس ایچ او نے کہا۔ "آپ کے اہلِ خاندان آجائیں تو کچھ تفصیلات
رمزی صاحب کے بارے میں کوئی پتہ نشان نہیں مل سکا، وہ کون تھے؟ اور ملک
کیوں رہتے تھے؟ ظاہر حسین صاحب! آپ اس سلسلے میں کوئی مدد فرما سکتے ہیں؟
میں آیا ہے کہ آپ امتیاز احمد کے تمام امور کے نگران تھے۔"

ظاہر حسین بولے۔ "تعجب کی بات ہے، آپ نے فلیٹ سیل نہیں کیا۔ یہ تو ایک غیر قانونی عمل ہے۔ ہوسکتا ہے، کوئی چیز آپ کی نگاہوں سے اوجھل رہ گئی ہو۔"

"آپ بالکل فکر نہ کریں، ظاہر صاحب! پہلے بھی اچھی طرح تلاشی لے لی گئی تھی اور اب فلیٹ کو فوراً ہی دوبارہ سیل کرا دیا گیا ہے۔"

تھوڑی دیر تک یہ لوگ بیٹھے رہے اور اس کے بعد چلے گئے۔ رات کے کوئی پونے آٹھ بجے سرفراز بھائی کا فون آیا۔

"ہاں شہاب! کیا حال ہے؟"

"ٹھیک ہوں، بھائی جان!"

"تمام تیاریاں ہوگئی ہیں۔ میں کل ساڑھے بارہ بجے دن کی فلائٹ سے ماما اور دانیہ کے ساتھ پہنچ رہا ہوں۔ براہِ کرم ہمیں ایئر پورٹ سے لے لینا۔"

"ٹھیک ہے بھائی جان!" میں نے جواب دیا۔

گھر کے ماحول پر بڑا سوگ طاری تھا۔ رات کا کھانا بھی کسی نے نہیں کھایا۔ رات کو ایک بجے تک ہم لوگ بیٹھے باتیں کرتے رہے اور پھر میں اُٹھ کر اپنے کمرے کی جانب چل پڑا۔ میرے دل میں غم و اندوہ کا طوفان تھا۔ میں اپنے بستر پر آکر لیٹ گیا اور تمام روشنیاں بجھا دیں۔ میرا دماغ سنسنا رہا تھا۔ دل پر شدید دباؤ تھا۔ بہت دیر تک سوچوں میں ڈوبا لیٹا رہا۔

پھر اچانک کہیں سے رونے کی آواز اُبھری۔ ایک آواز، دوسری آواز اور پھر بہت سی آوازیں، جو کہیں دُور سے آرہی تھیں...... میں گھبرا کر اُٹھ بیٹھا۔

ذہن سیدھا تایا ابو، سلطانہ اور حرا کی طرف گیا تھا۔ ہوسکتا ہے، پاپا کے سلسلے میں کوئی بات ہوئی ہو اور یہ سب بے اختیار ہو گئے ہوں۔ میں بستر پر پاؤں لٹکا کر بیٹھ گیا اور آوازوں پر غور کرنے لگا۔ لیکن کچھ ہی لمحوں کے بعد یہ اندازہ ہوا کہ رونے پیٹنے کی یہ آوازیں تایا ابو، حرا اور سلطانہ کی نہیں ہیں۔ آوازیں تین افراد سے زیادہ کی تھیں۔ اُن میں دو تین مردانہ آوازیں بھی شامل تھیں اور باقی نسوانی تھیں۔ ہوسکتا ہے، پڑوس میں کوئی حادثہ ہو گیا ہو۔ ویسے بھی آوازیں ذرا دور سے آتی ہوئی لگ رہی تھیں۔

پھر بھی تجسس نے مجبور کیا اور میں نے دیوار کے قریب پہنچ کر تیز روشنی والا بلب جلا دیا پھر سلیپر پہن کر کمرے کے دروازے سے باہر نکل آیا۔ باہر نکل کر میں ان آوازوں پر غور کرنے لگا۔ آوازوں کی سمتیں تبدیل ہو رہی تھیں۔ کبھی وہ دائیں سمت سے آتیں، کبھی بائیں سمت سے اور کبھی یوں لگتا، جیسے کہیں بلندی سے یہ آوازیں آ رہی ہوں۔

میں کمرے کے سامنے والی راہداری میں آگے بڑھا اور پھر راہداری کے کھلے ہوئے حصے سے داہنی سمت دیکھا۔ باہر بے کراں رات پھیلی ہوئی تھی۔ ہولناک سناٹے میں لمبے لمبے درخت گہری تاریکی میں ڈوبے ہونے کے باوجود بھیانک ہیولوں کی شکل میں نظر آ رہے تھے۔ پھر میری نگاہ اس طرف اُٹھ گئی، جہاں وہ عجیب وغریب جگہ تھی۔ میں نے وہاں روشنی دیکھی، پیلی مدھم اور بے رونق روشنی، جبکہ وہاں کوئی بلب وغیرہ تھے، نہ روشنی کا کوئی اور انتظام...... میں نے دن کے اُجالے میں وہ جگہ دیکھی تھی، لیکن اس وقت وہاں سے اُبھرنے والی پیلی روشنی بڑی عجیب لگ رہی تھی۔

ایک لمحے کے لئے دل میں خیال آیا کہ وہاں جا کر دیکھوں۔ ہوا کے دوش پر رونے کی آوازیں یقینی طور پر اُسی سمت سے آ رہی تھیں۔ لیکن پھر ہیرو بننے کا ارادہ فوراً ترک کر دیا۔ کیونکہ جس طرح کے جھاڑ جھنکاڑ، ٹوٹی ہوئی لکڑیوں کے انبار، سوکھے ہوئے پتے پڑے ہوئے تھے، وہاں کوئی سانپ وغیرہ بھی ہوسکتا تھا۔

رونے پیٹنے کی آوازیں اب بھی آ رہی تھیں۔ میں نے سوچا کہ دوسری راہداری میں

جاؤں، جہاں تایا ابو وغیرہ کے کمرے تھے۔ یقیناً یہ آوازیں اُنہوں نے بھی سنی ہوں گی۔ ابھی میں کھڑا یہی سوچ رہا تھا کہ اچانک اس ویران جگہ روشنی تیز ہوگئی، جہاں میں نے پیلی، مدھم روشنی دیکھی تھی۔ میری نگاہیں اُدھر جم گئیں۔

تب میں نے مدھم مدھم سی بھنبھناہٹیں سنیں، جو انسانوں ہی کے بولنے کی آوازیں تھیں۔ تیز روشنی متحرک تھی۔ اور پھر وہاں سے لمبے لمبے، سفید سائے نمودار ہونے لگے۔ سو فیصد انسانی جسم ہی تھے۔ قد وقامت بہت زیادہ، سفید لمبے لمبے چغوں میں ملبوس...... اُن کے چہرے بھی سفید کپڑے سے ڈھکے ہوئے تھے، تعداد کوئی اٹھارہ اور بیس کے درمیان ہو گی۔

پھر اُنہی میں سے چند افراد نے جھک کر ایک جنازہ اُٹھایا۔ گہوارہ تھا، جس پر سفید کپڑا پڑا ہوا تھا۔ یہ جنازہ اسی انوکھی عمارت سے نمودار ہوا تھا، جس کی وجۂ تعمیر اور طرزِ تعمیر ناقابلِ یقین تھی۔ میں حیرت سے منہ اور آنکھیں پھاڑے اُس انوکھے منظر کو دیکھتا رہا۔ وہ لوگ کشاں کشاں اُس بغلی دروازے کی طرف جا رہے تھے، جو مستقل طور پر بند رہتا تھا۔

میں نے اس دروازے کو بھی دیکھا تھا، جو ایک خاصے بڑے پھاٹک کی شکل میں تھا۔ لیکن اُس کے آس پاس جھاڑ جھنکاڑ کے ڈھیر تھے اور وہ ناقابلِ استعمال نظر آتا تھا۔ اس کی کنڈی میں ایک بڑا سا، پرانے طرز کا تالا بھی پڑا ہوا تھا، جو خاصا زنگ آلود تھا۔

جنازہ اسی سمت بڑھ رہا تھا۔ پھر میں نے وہ پھاٹک بھی کھلتے ہوئے دیکھا۔ جنازہ لے جانے والے اُس پھاٹک سے باہر نکل گئے تھے اور انہی میں سے ایک نے پھاٹک اندر سے بند کر دیا تھا۔

پھر اس عمارت کی پیلی، مدقوق روشنی بجھ گئی۔ رونے پیٹنے کی آوازیں ایک دم بند ہوگئی تھیں۔ مجھے حیرت اس بات پر تھی کہ تایا ابو، حرا اور سلطانہ وغیرہ نہیں جاگے تھے۔

میں واپس پلٹا تو مجھے ایک کمرے میں ایک روشنی سی لرزتی نظر آئی۔ یہ کمرہ دادی اماں کا تھا۔ میں دادی اماں کے کمرے کی جانب چل پڑا۔ کمرے کا دروازہ آدھا کھلا ہوا تھا اور اندر روشنی ہو رہی تھی۔ میں نے دروازے پر ہلکی سی دستک دی اور اندر داخل ہو گیا۔ لیکن دادی اماں کا بستر دیکھ کر میرا دل اُچھل کر حلق میں آ گیا۔ دادی اماں کا بستر خالی تھا۔ میں نے پھٹی پھٹی نگاہوں سے چاروں طرف دیکھا، پھر دوڑ کر بستر کے دوسری جانب پہنچ گیا۔ میرے دل میں فوراً ہی یہ خیال جاگا تھا کہ کہیں دادی اماں بستر کے دوسری طرف گر تو نہیں گئیں۔ لیکن دادی اماں وہاں نہیں تھیں۔ اب کمرہ اتنا بڑا بھی نہیں تھا کہ دادی اماں کے کہیں چھپ جانے کا خیال آئے۔

واش روم میں بھی اندھیرا چھایا ہوا تھا، پھر بھی میں دوڑ کر واش روم کی طرف گیا۔ حالانکہ یہ ایک احمقانہ عمل تھا۔ دادی اماں کومے میں تھیں اور کسی بھی طرح یہ ممکن نہیں تھا کہ وہ اپنے قدموں سے چل کر واش روم گئی ہوں۔ سارے کام حرا ہی کرتی تھی۔ اور بقول تایا ابو کے، دادی اماں کے وجود میں کوئی جنبش تک نہیں ہوتی تھی۔ حالانکہ اس سلسلے میں میرا تجربہ کچھ اور تھا، لیکن ان میں سے کوئی ماننے کو تیار نہیں تھا۔

پھر دادی اماں کہاں گئیں؟ میں پریشانی سے چاروں طرف دیکھتا رہا۔ اب اس کے علاوہ اور کوئی چارہ کار نہیں تھا کہ میں جلدی سے تایا ابو کے کمرے میں جا کر دادی اماں کے بارے میں بتاؤں۔

میں پھرتی سے باہر نکلا، لیکن نجانے کیوں چار پانچ قدم چلنے کے بعد ہی میرے پاؤں رک گئے۔ مجھے یوں لگا، جیسے کسی نے میرا راستہ روک لیا ہو۔ میں نے ایک بار پھر حیرانی سے اِدھر اُدھر دیکھا، پھر میرے ذہن میں خیال آیا کہ یہاں ہر کام انوکھا ہو رہا ہے۔ مجھے خاموشی اختیار کرنی چاہئے۔ کہیں وہ لوگ مجھے پاگل نہ سمجھنے لگیں۔ دادی اماں نے بھرپور طریقے سے آنکھیں کھول کر مجھے دیکھا تھا، مسکرائی بھی تھیں اور پھر دوبارہ انہوں نے میرے ہاتھ پر اپنی انگلیوں پر گرفت بھی کی تھی۔ لیکن یہ لوگ کہتے تھے کہ ان کے اندر ذرا بھی جنبش نہیں ہے۔ دل نے کہا کہ بہت آگے بڑھنے کی کوشش نہ کرو، ورنہ نقصان اُٹھاؤ گے۔ اور میرے قدم واپسی کے لئے اُٹھ گئے تھے۔ میں اب تک جو کچھ دیکھتا رہا تھا، وہ ناقابلِ یقین تھا، لیکن بہرطور یہ سب کچھ میرے سامنے ہوا تھا۔

میں پریشان پریشان سا واپس اپنے کمرے میں پہنچا۔ دروازے پر پہنچ کر میں ایک بار حیران ہو گیا۔ کیونکہ یہاں سے باہر نکلنے سے پہلے میں نے تیز روشنی والا بلب جلا دیا تھا، لیکن اس وقت یہاں گھپ اندھیرا تھا۔ لائٹ بھی نہیں گئی تھی، کیونکہ دوسری جگہیں روشن تھیں اور میں اس روشن راہداری سے گزر کر اپنے کمرے تک آیا تھا۔ پھر میرے کمرے کا بلب کس نے بجھا دیا؟

میں چند لمحات کے لئے دروازے پر رُکا اور پھر اپنے کمرے میں داخل ہو گیا۔ لیکن دوسرے لمحے چٹاخ کی ایک آواز آئی اور ایک زوردار تھپڑ میرے منہ پر پڑا۔ تھپڑ اتنا زوردار تھا کہ میرا چہرہ دوسری طرف گھوم گیا۔ ایک لمحے کے لئے تو میرے پورے بدن کے رونگٹے کھڑے ہو گئے۔ لیکن دوسرے ہی لمحے اس زوردار تھپڑ نے میری کھوپڑی گھما دی۔ میرا خون کھول گیا۔

”کون ہے؟ سامنے آؤ۔ میں تمہیں گالی نہیں دینا چاہتا، مگر دیکھوں تو سہی کہ تم ہو

کون؟“ میں نے اندازے سے دیوار کی طرف ہاتھ بڑھا کر روشنی کر دی۔ میرا چہرہ غصے سے سرخ ہو گیا تھا۔ میں نے چاروں طرف دیکھا۔ اس وقت واقعی اگر مجھے کوئی نظر آ جاتا تو جانے کیا ہو جاتا۔ میں نے خونی نگاہوں سے چاروں طرف دیکھا اور کہا۔

”سامنے آؤ، میں ایک ایک کو دیکھ لوں گا۔ کیا سمجھتے ہو اپنے آپ کو؟ تم کتنے ہی نادیدہ وجود کیوں نہ ہو، اگر تم یہ سمجھتے ہو کہ مجھے دہشت زدہ کر لو گے تو سنو، میں تم سے ڈرنے والا نہیں ہوں۔ میں تمہارا وہ حشر کروں گا کہ تم دیکھتے رہ جاؤ گے۔“

میں غصے سے چیختا رہا، آواز بھی اچھی خاصی تیز تھی۔ کسی طرف سے کوئی جواب نہیں ملا اور میں کمرے کے درمیان کھڑے ہو کر دانت پیسنے لگا۔ پھر میں نے دوبارہ کہا۔

”لعنت ہے تم پر۔ بس چوری چھپے ہی سب کچھ کرنا جانتے ہو۔ اگر ہمت ہے تو میرے سامنے آؤ، ورنہ تھو ہے تم سب پر۔“ یہ کہہ کر میں دروازے کی طرف مُڑا اور دروازہ بند کیا اور پھر اپنے بستر کی جانب بڑھ گیا۔ بستر پر بھی میں لیٹا نہیں تھا، بلکہ پاؤں لٹکا کر بیٹھا رہا تھا۔ میں اس نادیدہ وجود سے خوف زدہ نہیں تھا، جس نے مجھے تھپڑ مارا تھا، بلکہ میری خواہش تھی کہ کوئی سامنے آئے اور میں اس سے دو دو ہاتھ کروں۔

اس طرح بیٹھے ہوئے کافی دیر ہو گئی۔ تب میں گہری سانس لے کر لیٹ گیا۔ لیکن دل میں یہی فیصلہ کیا تھا کہ اب میرے اور ان پراسرار قوتوں کے درمیان جنگ چلے گی۔ تب میں نے ان نادیدہ قوتوں کو مخاطب کر کے کہا۔

”پہلے میرے دل میں کچھ اور تھا، لیکن اب میں یہ رہائش گاہ نہیں چھوڑوں گا۔ میں یہاں ہی رہوں گا اور دیکھوں گا تمہیں کہ تم کون ہو اور میرا کیا بگاڑ سکتے ہو۔ سمجھے!“

کہیں سے کوئی جواب نہیں ملا۔ پھر رفتہ رفتہ میرا یہ غصہ کم ہوتا چلا گیا۔ نیند بالکل نہیں آ رہی تھی۔ جو کچھ دیکھ چکا تھا، اب اس کے بارے میں سوچنا بھی نہیں چاہتا تھا۔

میری ذہنی رو پھر پاپا کی جانب منتقل ہو گئی۔ نجانے وہ کون سے حالات تھے، جن کی بنا پر پاپا کو زندگی سے محروم ہونا پڑا۔ غلطی اُن کی بھی تھی۔ وہ دو جوان بیٹوں کے باپ تھے، بیٹوں کو اعتماد میں لینا چاہئے تھا، اپنا رازدار بنانا چاہئے تھا۔ پتہ تو چلتا کہ دشمن کون تھے، جن کی دشمنی آخر کار اُن سے زندگی چھین لینے کا باعث بن گئی۔

ہم لوگ بھی ہاتھوں میں چوڑیاں پہن کر نہیں بیٹھے تھے۔ ہم دیکھتے کہ پاکستان میں ہمیں نقصان پہنچانے والے کون ہیں اور کتنے پانی میں ہیں۔ اور تو کوئی سامنے نہیں تھا، تایا ابو نے طاہرہ خانم کے بارے میں بتایا تھا، جو ولایت احمد خان کی بیوہ تھیں اور ہماری تائی اماں تھیں۔ ابھی تک اُن سے ملاقات نہیں ہوئی تھی اور نہ ہی پاپا نے کبھی اُن کے بارے میں

کوئی خاص تفصیل بتائی تھی۔ لیکن اُنہیں ان دشمنوں میں شمار کیا جا سکتا تھا، جن کے ذریعے پاپا کو نقصان پہنچ سکتا تھا۔ میں نے اپنی خیالی فہرست میں سب سے پہلے ان کا نام لکھا۔

اب یہاں ہمیں اپنا کام شروع کرنا تھا۔ جو لوگ ہمیں ہمارے باپ سے محروم کرنے کا باعث بنے تھے، اُنہیں زندگی کے سکون سے محروم کرنا ہمارا فرض تھا۔ دوسرے نمبر پر پھوپھی اماں آتی تھیں۔ یہ پھوپھی جان، جن کا نام جہاں آراء بیگم تھا، اُنہیں بھی دیکھنا ہوگا۔ ان میں سے کسی کو اگر پاپا کے دشمنوں کے بارے میں کچھ معلوم ہوا یا یہ لوگ خود پاپا کے دشمنوں میں سے نکلے تو خدا کی قسم میں ان کا جینا حرام کر دوں گا۔ دیکھوں گا، وہ لوگ کتنے پانی میں ہیں۔

پھر میرے دل میں پاپا کے لئے گداز پیدا ہوا۔ بہت اچھے تھے۔ بس ایک چھوٹی سی شکایت پیدا ہوگئی تھی اُن سے کہ وہ ہمیں پاکستان کیوں نہیں لاتے تھے۔ اب ہم اتنے بچے تو نہیں ہیں، اُنہوں نے ہمیں اپنی مشکلوں کا ساتھی کیوں نہیں بنایا۔ پاپا! اچھا نہیں کیا آپ نے۔ اس طرح کہیں کوئی اپنی اولادوں کو چھوڑ کر جاتا ہے؟ اس تصور سے آنکھیں بھیگ گئیں اور بہت دیر تک میں روتا رہا۔

پتہ نہیں، یہ دل کا غبار نکل جانے والی بات تھی، یا پھر وقت ہی اتنا زیادہ ہوگیا تھا کہ آنکھوں میں نیند آ گئی اور میں دنیا سے بے خبر ہوگیا۔ اور پھر یہ نہیں کہہ سکتا کہ کتنی دیر سویا تھا، یا اس وقت کیا بجا تھا، جب مجھے سینے کے قریب ایک عجیب سی چبھن اور دباؤ کا احساس ہوا۔ یہ احساس کچھ غیر معمولی ہی تھا، جس نے میری نیند اُڑا دی تھی۔

میں نے ماحول کا جائزہ لینے کی کوشش کی تو احساس ہوا کہ سینے کے عین درمیان ایک دباؤ سا پڑ رہا ہے اور وہیں چبھن بھی ہے۔ اور پھر جب آنکھیں کھلیں تو تھوڑے ہی فاصلے پر میں نے کچھ دیکھا۔ شعور آہستہ آہستہ جاگا تو مجھے دو آنکھیں نظر آئیں۔ ہاں، وہ دو آنکھیں ہی تھیں۔ کیونکہ ان آنکھوں کے سفید سفید ڈیلے اِدھر سے اُدھر گردش کر رہے تھے۔ ان آنکھوں کی سفیدی میں پتلیوں کا کوئی نشان نہیں تھا، البتہ دو سیدھی سیاہ لکیریں ڈیلوں کے عین درمیان میں تھیں۔ ایک دم سے میرے ذہن میں روشندان سے چمکتی ہوئی وہ آنکھیں یاد آ گئیں، جو بعد میں ایک چمگادڑ کی آنکھیں ثابت ہوئی تھیں۔ تب مجھے فوراً ہی یہ احساس ہوا کہ میرے سینے کے درمیان جو چبھن ہو رہی ہے، وہ چمگادڑ کے پنجوں کے ناخنوں کی وجہ سے تھی۔ چمگادڑ مجھ سے کچھ انچ کے فاصلے پر میرے سینے کے عین درمیان بیٹھی ہوئی، خونی نگاہوں سے مجھے گھور رہی تھی۔

تب میں نے اپنا داہنا ہاتھ پوری قوت سے گھمایا۔ میرا ہاتھ چمگادڑ سے ٹکرایا۔ کچھ اس

قدر زوردار ضرب تھی کہ چمگادڑ اُچھل کر دیوار سے ٹکرائی اور اُس کے حلق سے کئی بھیانک آوازیں نکلیں۔ دوسرے لمحے وہ پھڑپھڑاتی ہوئی فضا میں بلند ہوئی۔ اُس کی سفید آنکھوں کا رنگ اب چمکتی ہوئی سرخ آنکھوں میں تبدیل ہوگیا تھا۔ اُس کی آنکھوں میں خون اُتر آیا تھا۔ میں پھرتی سے مسہری سے نیچے اُتر آیا اور میں نے دانت کچکچا کر چمگادڑ کی طرف چھلانگ لگائی لیکن وہ ایک دم اُونچی ہوکر چھت کے قریب پہنچ گئی۔

وہ بھی غالباً مجھ سے مقابلے پر آمادہ تھی۔ میرے رونگٹے کھڑے ہو رہے تھے۔ سارے بدن پر شدید سردی سی طاری ہوگئی تھی، لیکن غصے کی ایک لہر مجھے دیوانہ کئے ہوئے تھی اور مجھے کسی سردی وغیرہ کا احساس نہیں تھا۔ میں بس یہ کوشش کر رہا تھا کہ کسی طرح میرے ہاتھ چمگادڑ تک پہنچ جائیں اور میں اس کی گردن دبوچ لوں۔

چمگادڑ نے غوطہ لگایا اور بالکل عقب سے آ کر میرے اوپر حملہ کیا۔ اُس کے خونی پنجے میرے شانے کو چھوتے ہوئے گزر گئے۔ قمیض تھوڑی سی پھٹ بھی گئی اور بہت ہی معمولی سی خراش میرے شانے پر آئی۔ لیکن ساتھ ہی میں نے گھوم کر اُس پر ہاتھ مارنے کی کوشش کی، لیکن اس بار میں اس کوشش میں کامیاب نہیں ہو سکا تھا۔

چمگادڑ نے پلٹ کر ایک بار پھر مجھ پر حملہ کیا۔ اس بار اُس نے میرے چہرے کو نشانہ بنانے کی کوشش کی تھی۔ میں نے دونوں ہاتھ ایک مخصوص انداز میں لہرائے اور وہ ان ہاتھوں کی زد میں آتے آتے بچی۔ وہ میرے چہرے تک نہیں پہنچ سکی تھی، لیکن میں نے محسوس کرلیا تھا کہ وہ میری آنکھوں کو نشانہ بنانا چاہتی ہے۔ میں نے اِدھر اُدھر دیکھا کہ کوئی چیز میرے ہاتھ آ جائے، لیکن بدقسمتی سے اس وقت ایسی کوئی چیز میرے آس پاس موجود نہیں تھی۔

تقریباً دو یا ڈھائی منٹ تک میرے اور چمگادڑ کے درمیان یہ جنگ ہوتی رہی، اس کے بعد وہ کریہہ چیخیں نکالتی ہوئی اُسی روشندان کی طرف چلی گئی، جہاں پہلے بھی ایک بار میں نے اُسے دیکھا تھا۔ وہ پَر سمیٹ کر روشندان سے باہر نکل گئی تھی اور میں مسہری پر چڑھ کر اُس کی جانب جھپٹنے کی کوشش میں ناکام ہوکر نیچے آ گیا۔

میرے اور چمگادڑ کے درمیان یہ ڈھائی منٹ کی جنگ بہت ہی خوفناک تھی۔ اگر چمگادڑ میرے ہاتھ آ جاتی تو میں درحقیقت اس کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیتا۔ لیکن بہرحال وہ پرندہ تھی اور میں ایک انسان......! میں فضا میں پرواز کر کے اُسے نہیں پکڑ سکتا تھا۔ لیکن میرے دل میں یہ آرزو تھی کہ وہ کسی بھی طرح میرے ہاتھ آ جائے۔ یہ اتنا آسان کام نہیں تھا اور اس بارے میں سوچنا حماقت ہی تھی۔ لیکن میں یہ سوچ رہا تھا کہ آخر ان بدروحوں نے مجھ سے جنگ کا آغاز کر دیا تھا۔

آپ یقین کریں یا نہ کریں، ایسے کسی مسئلے میں کوئی دلیر سے دلیر انسان بھی ہو، خوفزدہ ہو ہی جاتا ہے۔ ایسی نادیدہ قوتیں، جو اچانک ہی حملہ آور ہوں اور ان کے بارے میں یہ اندازہ نہ ہو کہ وہ کہاں سے آئی ہیں اور کہاں چلی جائیں گی، ان سے میرے دل میں اب کوئی خوف نہیں تھا۔ بلکہ ایک انتقام کا سا جذبہ پیدا ہو گیا تھا۔ غالباً پاپا کی موت نے میرے اندر جنون پیدا کر دیا تھا۔ بہت دیر تک میں کمرے کے وسط میں کھڑا سوچتا رہا کہ اب مجھے کیا کرنا چاہئے۔ اس وقت اگر میرے پاس کوئی لکڑی وغیرہ ہوتی تو شاید میں اس چمگادڑ کو آسانی سے بچ کر نہ نکلنے دیتا۔ کچھ نہ کچھ ہونا چاہئے تھا میرے پاس۔ پھر مجھے وہ لکڑی یاد آئی، جس سے میں نے بلی کو مارا تھا۔ مجھے معلوم تھا کہ میں نے لکڑی کہاں پھینکی ہے۔ اور شاید کوئی بھی ہوش مند انسان، رات کے اس حصے میں اُس ہولناک جگہ جانے کی ہمت نہ کرتا جہاں لکڑی پڑی ہوئی تھی۔ لیکن میرا جنون مجھے کمرے سے باہر لے آیا اور اس کے بعد طویل فاصلہ طے کر کے میں جھاڑ جھنکاڑ اور ہولناک ویرانے میں نکل آیا۔

وہ لکڑی اُسی جگہ پڑی ہوئی تھی، جہاں میں نے اسے پھینکا تھا اور اس پر خون بھی لگا ہوا تھا۔ میں نے غضب ناک انداز میں اِدھر اُدھر دیکھتے ہوئے وہ لکڑی اپنے ہاتھوں میں اُٹھا لی اور پھر میری غرائی ہوئی آواز اُبھری۔

''کوئی ہے؟ آؤ ذرا سامنے آؤ۔ میں بتاؤں تمہیں کہ دشمنی کیا چیز ہوتی ہے۔ بلاوجہ تم لوگ مجھے تنگ کر رہے ہو۔ کیا بگاڑا ہے میں نے تمہارا؟''

میں لکڑی ہاتھ میں لئے وہاں منتظر کھڑا رہا کہ کسی طرف سے کوئی آہٹ سنائی دے، کوئی نکل کر سامنے آئے۔ لیکن کہیں سے کوئی سرسراہٹ تک نہ اُبھری۔

میں لکڑی ہاتھ میں لئے واپس چل پڑا اور کچھ دیر کے بعد اپنے کمرے میں پہنچ گیا۔ میں نے ابھی تک کمرے میں روشنی نہیں کی تھی۔ اندر آ کر روشنی جلائی اور پھر چاروں طرف دیکھا۔ لکڑی پر خون کے دھبے اب بھی نظر آ رہے تھے۔ میں نے کسی چیز کی پروا نہیں کی، دروازہ بند کیا، لکڑی اپنے بستر کے پاس رکھی اور اس کے بعد بستر پر دراز ہو گیا۔

صبح حمیدہ نے آ کر مجھے جگایا تھا۔

''معافی چاہتی ہوں، صاحب جی! بڑے صاحب نے کہا ہے کہ اگر آپ سو رہے ہو تو میں اُٹھا کر اُن کے پاس لے آؤں۔''

''ٹھیک ہے، میں منہ ہاتھ دھو کر آ رہا ہوں۔''

''جی اچھا!'' حمیدہ نے ادب سے کہا اور میں واش روم میں داخل ہو گیا۔

گزرے لمحوں کا تکدر میرے ذہن پر سوار تھا۔ نیند بھی بس واجبی سی ہی آئی تھی۔ بھلا

ان خوف ناک واقعات کے بعد سونا کیا معنی رکھتا تھا۔ لیکن یہ میری بے خوفی ہی تھی، جس نے مجھے دوبارہ سلا دیا تھا۔ منہ ہاتھ دھو کر بال وغیرہ سنوارے، لباس درست کیا اور اس کے بعد باہر نکل آیا۔ حمیدہ کمرے کے دروازے کے باہر میرا انتظار کر رہی تھی۔

''میں آ رہا تھا۔ تم کیوں انتظار کر رہی ہو؟''

''صاحب جی! وہ لوگ دوسری طرف ہیں۔''

''دوسری طرف........کیا مطلب؟''

''وہ جی، دوسرے حصے میں۔''

حمیدہ کی بات میری سمجھ میں نہیں آئی تھی۔ بہرحال میں اُس کے ساتھ چل پڑا اور پھر اس رہائش گاہ کے بالکل ایک ایسے حصے میں، جہاں ابھی تک میں نہیں آیا تھا، پہنچ کر میں نے حیرانی سے اس دروازے کو دیکھا جو کھلا ہوا تھا۔ حمیدہ اسی کھلے دروازے کی جانب جا رہی تھی۔ میں اس کے پیچھے اندر داخل ہو گیا اور یہ دیکھ کر حیران رہ گیا کہ اسی احاطے کے اندر یہ ایک دوسرا رہائشی حصہ ہے اور ادھر بھی اچھی خاصی عمارت بنی ہوئی ہے۔

میں نے ابھی تک اس طرف کا رخ نہیں کیا تھا۔ ویسے بھی یہاں آئے ہوئے کون سا بہت زیادہ وقت گزرا تھا۔ جو بھی گزرا تھا، انہی ہنگامہ خیزیوں میں گزرا تھا۔ اور میں نے بھی پوری عمارت کو دیکھنے کی کوشش نہیں کی تھی۔ جبکہ اس کے بارے میں، میں نے یہ سن لیا تھا کہ یہ بہت ہی قیمتی جگہ ہے۔

حمیدہ آگے بڑھتی ہوئی ایک کمرے کے دروازے کے سامنے رک گئی۔ اس نے دروازہ کھولا اور مجھے ساتھ آنے کا اشارہ کیا۔ اندر سے آوازیں اُبھر رہی تھیں اور یہ آوازیں تایا ابو، سلطانہ اور حرا کی تھیں۔ اندر ایک چھوٹی سی میز، چند کرسیاں تھیں اور ان پر وہ تینوں بیٹھے ہوئے تھے اور میز پر چائے کے برتن سجے ہوئے تھے۔

تایا ابو بولے۔ ''آؤ بیٹا! پہلے چائے پی لو، اس کے بعد یہ جگہ دیکھ لینا۔''

میں حیران حیران سا اُن کے قریب جا کر کرسی پر بیٹھ گیا اور پھر میں نے کہا۔ ''مجھے بالکل پتہ نہیں تھا کہ یہاں اس رہائش گاہ کے علاوہ ایسی اور کوئی جگہ بھی موجود ہے۔''

''ہم لوگ ہیں ہی کتنے، محض تین افراد اور ایک ملازمہ، حمیدہ۔ شروع سے ہم لوگ ادھر رہتے ہیں۔ یہ جگہ چونکہ بہت بڑی ہے، اس لئے اسے بند ہی رکھا گیا تھا۔ لیکن اب بھائی اور بچے آ رہے ہیں، میں نے فیصلہ کیا ہے کہ انہیں اس جگہ رکھا جائے تاکہ تم لوگوں کو آزادی محسوس ہو اور تم یہ نہ سمجھو کہ تم لوگ مہمان ہو۔ صبح پانچ بجے ہی اُٹھ گئے تھے ہم لوگ........ حرا، سلطانہ اور حمیدہ نے دیکھو، ایک ایک کمرہ صاف کر دیا ہے۔ یہاں تمام ضرورت کی

چیزیں پہنچا دی جائیں گی۔ اندر بہت سا فرنیچر ایک اسٹور میں پڑا ہوا ہے، اس میں مسہریاں بھی ہیں، کرسیاں بھی ہیں، صوفہ سیٹ بھی ہے۔ چائے پی لو، اس کے بعد میں تمہیں سارے کمرے دکھائے دیتا ہوں۔ اپنے لئے رہائش گاہیں منتخب کر لینا۔ مزدوروں کو بلا کر میں یہاں فرنیچر وغیرہ لگوا دوں گا۔ ویسے اس کی اتنی جلدی نہیں ہے۔ دوسری طرف بھی سب کچھ موجود ہے۔ تم اپنی پسند کے مطابق انتظام کر لینا۔"

تایا ابو، جن جذبوں کے ساتھ بول رہے تھے، انہیں میں اچھی طرح محسوس کر رہا تھا۔ مختصر وقت میں جو کچھ ہوا تھا اور جو کچھ سنا تھا، اس نے سبھی کی طرف سے مشکوک کر دیا تھا۔ تایا ابو کی کچھ باتوں میں بھی ایسی کیفیت تھی، جیسے پاپا یہاں سے مطمئن نہ ہوں۔ خود تایا ابو نے یہ بات کہی تھی کہ وہ صرف دادی اماں کے لئے یہاں آتے ہیں، مستقل قیام اُنہوں نے یہاں بھی نہیں رکھا تھا۔ لیکن اس وقت تایا ابو جس لہجے میں بول رہے تھے، حرا اور سلطانہ کے انداز میں جو اپنائیت تھی، اس پر شک کرنا بھی بڑا غیر مناسب تھا۔ ہو سکتا ہے، پاپا کے دل میں تایا ابو کے لئے کھوٹ ہو، لیکن کسی کو بھی عقلِ کل نہیں کہا جا سکتا۔

الغرض تایا ابو کے ساتھ یہاں کافی دیر تک رہا۔ کوڑے والا آیا تو تایا ابو نے سب سے پہلے یہاں جمع شدہ کوڑا اُٹھوایا۔ تایا ابو نے کہا۔

"اب تم لوگ تیار ہو جاؤ۔ میں بھی نہا لیتا ہوں۔ اس کے بعد ایئر پورٹ جانے کی تیاریاں کریں گے۔ ویسے بھی نیا ایئر پورٹ بہت فاصلے پر ہے، پہنچتے پہنچتے کافی وقت لگ جائے گا۔ فلائٹ کا وقت ساڑھے بارہ بجے ہے، میں نے فون کر کے انکوائری سے معلوم کر لیا تھا، فلائٹ رائٹ ٹائم پہنچ رہی ہے۔"

"ٹھیک ہے، ابو! حمیدہ چائے لا رہی ہو گی، چائے پی کر چلتے ہیں ہم لوگ۔"

حمیدہ چائے لے آئی اور ہم سب چائے پینے میں مصروف ہو گئے۔

"چلیں؟" تایا ابو نے چائے پینے کے بعد مجھ سے سوال کیا۔

"آپ جائیے، میں ذرا کچھ دیر یہاں رہوں گا۔" میں نے کہا۔

"ٹھیک ہے......" تایا ابو مطمئن لہجے میں بولے۔ حرا اور سلطانہ بھی جانے کے لئے تیار ہو گئی تھیں۔

تایا ابو نے کہا۔ "ذرا اچھی طرح یہاں کا جائزہ لے لو، جیسا کہو گے، ویسا انتظام کر دیا جائے گا۔"

"جی، جی۔" میں نے کہا۔

وہ تینوں چلے گئے تو میں نے ایک گہری سانس لی۔ وطن واپسی بھی ہوئی تو پاپا کے

بغیر۔ پاپا کے ساتھ اگر ہم یہاں آتے تو کیا ہی اچھا ہوتا۔ بہت سے لوگ بکھرے ہوئے تھے، ہر ایک سے ملاقات کرتے۔ خصوصاً میں یہ جاننے کی کوشش کرتا کہ آخر پاپا ان سب سے اس طرح ناراض ہو کر کیوں گئے تھے۔ میں نے اور بھائی سرفراز نے گفتگو کے دوران کئی بار یہ بات معلوم کرنے کی کوشش کی تھی، لیکن پاپا نے ہمیشہ ٹال دیا تھا۔ یہاں تک کہ اُنہوں نے ماما کو بھی صحیح صورتِ حال نہیں بتائی تھی۔ پتہ نہیں، دل میں کیا راز چھپائے ہوئے تھے۔ ایک آدھ بار بس اتنا ہی کہا تھا کہ جائیداد وغیرہ کے سلسلے میں تھوڑی سی نا اتفاقی ہو گئی تھی، میں ان لوگوں سے ملنا نہیں چاہتا۔ یہ تمام باتیں ذہن میں گردش کر رہی تھیں۔

اس دوسرے رہائشی حصے کو دیکھ کر میں تھوڑا سا حیران ہوا تھا۔ کیونکہ مجھے یہ اندازہ بھی نہیں ہو سکا تھا کہ اتنا بڑا ایک رہائشی حصہ ادھر بھی ہو گا۔ پانچ بڑے بڑے کمرے تھے، دو تین کوریڈور تھے، اینٹوں سے بنا ہوا خاصا وسیع صحن تھا، جس کی اینٹیں دُھوپ، شبنم اور بارش سے کالی ہو گئی تھیں۔ ان پر بے شک کائی نہیں جمی تھی، لیکن دیواروں اور زمین کا ایک ہی جیسا انداز تھا۔ یہ پوری عمارت ہی اسی شکل وصورت کی تھی۔ لگتا تھا، جیسے یہاں کبھی رنگ و روغن کرانے کی کوشش ہی نہ کی گئی ہو۔

بہت دیر تک میں ان کمروں کا جائزہ لیتا رہا، پھر مجھے ایک دم خیال آیا کہ جو پراسرار واقعات اُدھر پیش آئے ہیں، کیا اس طرف بھی ویسی ہی کیفیت ہو گی؟

"تمہیں اس سے متاثر نہیں ہونا چاہئے۔" میرے کانوں میں آواز اُبھری۔

مجھ پر پھر وہی کیفیت طاری ہو گئی۔ میں نے چاروں طرف دیکھا اور پھر کہا۔ "دیکھو، تم جو کوئی بھی ہو، مجھے ہدایات تو دے رہے ہو، یا دے رہی ہو، میرے سامنے آ کر مجھے تسلی دو۔ میں جاننا چاہتا ہوں کہ تم کون ہو؟"

لیکن آواز ندارد........ کہیں سے کچھ سنائی نہیں دیا۔ البتہ میں نے اچھی طرح غور کر لیا تھا کہ یہ وہی آواز تھی، جو میں نے اپنے کمرے میں سنی تھی، جس نے مجھے ہوٹل کی رہائش اختیار کرنے سے روکا تھا۔ میں نے ایک ٹھنڈی سانس لی اور دل میں سوچا کہ اب جو کچھ بھی ہے، فی الحال تو گزارہ کرنا ہی پڑے گا۔ پاپا کا سایہ بھی سر سے اُٹھ گیا تھا، البتہ اس بات پر ضرور غور کرنا تھا کہ سرفراز بھائی، ماما اور دانیہ کو یہ تفصیلات بتائی جائیں یا نہیں، جو مجھے یہاں پیش آئی ہیں۔ میں اس پر غور کرتا رہا اور کوئی صحیح فیصلہ نہیں کر سکا۔

پھر میں نے خود کو حالات کے دھارے پر چھوڑ دیا۔ جو کچھ ہو گا، آگے دیکھا جائے گا۔ وہ لوگ یہاں آ جائیں تو اس کے بعد وہ صحیح فیصلہ کر سکیں گے۔ اور پھر یہ بھی سوچنا ہو گا کہ ہمیں واپس کب جانا ہے۔

میں انہی سوچوں میں گم تھا۔ پورا گھر دیکھ چکا تھا۔ بڑی اچھی جگہ تھی۔ بلکہ اگر یہ کہا جائے تو غلط نہیں ہو گا کہ اُس طرف سے زیادہ بہتر تھی۔ ابھی میں انہی سوچوں میں گم تھا کہ دروازے سے حمیدہ اندر داخل ہوئی۔

''بڑے صاحب کہتے ہیں، آپ نہا دھو لیجئے۔ وقت تیزی سے گزر رہا ہے، آپ تیار ہو جائیں تو فوراً ایئر پورٹ چل پڑیں گے۔''

''ٹھیک ہے۔'' میں نے کہا اور وہاں سے واپس آ گیا۔ اپنے کمرے میں آ کر میں نے غسل وغیرہ کیا، کپڑے تبدیل کئے اور پھر باہر نکل آیا۔ سامنے ہی حرا اور سلطانہ نظر آئیں تو میں نے ہنس کر کہا۔ ''اس سے پہلے کہ تم دونوں میرے کمرے میں داخل ہوتیں، میں خود ہی باہر آ گیا۔''

سلطانہ عجیب سے لہجے میں بولی۔ ''ہمارا کمرے میں آنا آپ کو برا لگتا ہے؟''

''جی نہیں۔ گھر میرے باپ کا نہیں ہے، آپ کا ہے۔ ایسی باتیں نہ کریں۔''

پھر تایا ابو بھی آ گئے۔ ''چلیں بھئی چلیں۔ ٹھیک ہے، تیار ہو گئے؟''

''ہم سب جائیں گے؟''

''ہاں بھئی۔ جانا ہے ہم سب کو۔ میرا بچھڑا ہوا خاندان واپس آ رہا ہے۔ کاش، کاش......'' تایا ابو کی آواز گلوگیر ہو گئی۔ اُن کے بدن میں ہلکی سی لرزش پیدا ہو گئی اور آنکھوں کے گوشے بھیگ گئے۔ میں نے ماحول بدلنے کے لئے کہا۔

''اور تایا ابو! دادی اماں کے پاس کون رہے گا؟''

''ہم لوگ تینوں کبھی کہیں ایک ساتھ چلے جاتے ہیں تو حمیدہ، اماں کو سنبھال لیتی ہے۔'' تایا ابو نے کہا۔

سلطانہ کے ہاتھ میں چابی نظر آ رہی تھی۔ پھر ہم تینوں باہر آ گئے اور تھوڑی دیر کے بعد سلطانہ کی کار سڑکوں پر فراٹے بھر رہی تھی۔ سبھی خاموش تھے۔

میں غمزدہ انداز میں سوچ رہا تھا کہ پاپا کی موت کے بعد اب ہماری زندگی کا رُخ کیا ہو گا۔ کتنا بڑا سہارا ہوتا ہے ماں، باپ کا......اور جب یہ سہارے ہی نہ ہوں تو انسان کو بس بلندی پر آسمان ہی نظر آتا ہے۔ کوئی سائبان سر پر نہیں ہوتا۔ ماما، سرفراز بھائی اور دانیہ کی نجانے کیا کیفیت ہو گی، یہ سوچ کر کہ پاپا اب اس دنیا میں نہیں ہیں۔

ہم ایئر پورٹ پہنچ گئے۔ فلائٹ کی آمد میں تھوڑا سا وقت باقی تھا۔ خوش قسمتی سے وہ صحیح وقت پر پہنچ گئی۔ اس کی آمد کے بارے میں اناؤنسمنٹ ہو گیا اور کچھ دیر کے بعد میں نے ماما، سرفراز بھائی اور دانیہ کو دیکھا۔ تینوں ہی نڈھال نظر آ رہے تھے۔ دانیہ، ماما کا بازو پکڑے

ہوئے تھی۔

کسٹم وغیرہ سے فراغت کے بعد وہ لوگ باہر نکلے تو میں تیز قدموں سے آگے بڑھتا ہوا ماما کے پاس پہنچ گیا۔ ماما نے مجھے دیکھا اور لڑکھڑا گئیں۔ میں نے اُنہیں سنبھال لیا۔ سب کی آنکھوں میں آنسو تھے، لیکن ایئر پورٹ پر ہم نے تماشا بننا مناسب نہیں سمجھا۔ تایا ابو خاموش نگاہوں سے ان تینوں کو دیکھ رہے تھے۔ سرفراز بھائی نے آگے بڑھ کر تایا ابو کو سینے سے لگا لیا اور تایا ابو بے اختیار ہو گئے۔

بڑی مشکل سے انہوں نے اپنے آپ کو سنبھالا تھا۔ سلطانہ، ٹیکسی کے لئے لابی سے باہر نکل گئی۔ اُس نے ایک ٹیکسی والے سے بات بھی کر لی۔ پھر اس کے بعد سلطانہ نے اپنی کار میں ماما، دانیہ، سرفراز بھائی اور مجھے بٹھایا اور تایا ابو اور حرا کو ٹیکسی میں بٹھا کر روانہ کیا۔ اس کے بعد سلطانہ نے ڈرائیونگ سیٹ سنبھال لی اور ہم گھر کی سمت چل پڑے۔

سب خاموش تھے۔ دانیہ آہستہ آہستہ رو رہی تھی۔ طویل فاصلہ طے ہوا اور آخر کار ہم سمن آباد میں داخل ہو گئے۔

تایا ابو کی ٹیکسی پہلے پہنچ گئی تھی۔ پھر کار گیٹ کے اندر داخل ہو گئی اور پھر سب اُتر کر اندر آ گئے۔ تایا ابو کے بڑے کمرے میں سب اکٹھا ہوئے۔ ماما غم سے نڈھال تھیں۔ حرا اور سلطانہ سامان وغیرہ رکھوا کر کمرے میں آ گئیں۔ حرا پانی کا جگ اُٹھائے ہوئے اندر آئی تھی۔ سرفراز بھائی نے تایا ابو سے کہا۔

''تایا ابو! ہمارے پاپا اس دنیا سے چلے گئے۔''

یہ الفاظ جیسے کسی بند کو توڑنے کے لئے تھے۔ آہ و زاری کے دلدوز مناظر رونما ہوئے۔ ماما روتے روتے نڈھال ہو گئیں۔ دانیہ بھی رو رہی تھی، حرا اور سلطانہ بھی آنسو بہا رہی تھیں۔ تایا ابو ایک ایک کو سنبھال رہے تھے۔ پھر انہوں نے کہا۔ ''بیٹے! پتہ نہیں، امتیاز نے آپ لوگوں کو نجانے کیا کچھ بتایا ہے۔ میں تو کہتا ہوں، اس خاندان کو کسی کی نظر کھا گئی۔ ابا میاں نے کچھ ایسے عمل کئے تھے، جن کی وجہ سے یہ انتشار برپا ہوا۔ اصل میں یہاں زمینداروں اور وہ بھی پشتینی زمینداروں کا مزاج کچھ اس طرح بن جاتا ہے کہ وہ اپنے آپ میں گم ہو جاتے ہیں۔ مرحوم ابا میاں کو میں اب کیا کہوں، بس یوں سمجھ لو کہ بنیاد وہیں سے غلط ہو گئی۔ بہرحال ان باتوں کا فی الحال وقت نہیں ہے، اللہ تعالیٰ امتیاز کو غریق رحمت کرے، اُن کی مغفرت فرمائے۔ بیٹے! میں صرف ایک بات کہوں گا، اگر میرے خلوص پر شبہ ہو تو مجھ سے منہ موڑ لینا۔ میں عمر کی آخری منزل پر ہوں، میں چاہتا ہوں کہ جو لوگ جڑ گئے ہیں، وہ جڑے رہیں۔ بیٹے! میرے پاس اللہ کا دیا بہت کچھ ہے اور امتیاز احمد بھی بہت کچھ چھوڑ گئے

ہیں، کم نہیں تھا اُن کے پاس بھی۔ وہ چلے گئے تھے، اپنی کسی کیفیت کا شکار ہو کر۔ اب تم یہاں سے کہیں مت جانا۔ خدا کی قسم، کوئی لالچ نہیں رکھوں گا تم سے۔ کبھی یہ نہیں کہوں گا کہ جائیداد میں تمہارا حصہ کیا تھا اور میرا کیا تھا۔ شہاب اس گھر کا دوسرا حصہ دیکھ چکے ہیں، میں چاہتا ہوں کہ وہ دوسرا حصہ تم لوگوں سے آباد ہو جائے۔ میرا کوئی بیٹا نہیں ہے، بالکل مجبور نہیں کروں گا تمہیں اس بات پر کہ کوئی ایسا عمل قبول کرو، جو تمہارے ذہن و دل کے خلاف ہو۔ بس میری آرزو ہے کہ میرا ساتھ نہ چھوڑنا۔''

یہ کہہ کر وہ رو پڑے اور خوب روئے۔

ماما بہت صابر خاتون تھیں۔ اُن کے چہرے کے تاثرات سے پتہ چلتا تھا کہ اُن کی کیا کیفیت ہے۔ لیکن اُنہوں نے رونے پیٹنے کا عمل شروع نہیں کیا۔ مدھم مدھم آواز میں روتی اور آنسو بہاتی رہیں۔ دانیہ بھی اپنے آپ کو سنبھالے ہوئے تھی۔ سرفراز بھائی بھی تدبر کا ثبوت دے رہے تھے۔

حمیدہ سب کے لئے چائے بنا کر لے آئی۔ تایا ابو نے کہا۔ ''ہم سب جس کیفیت کا شکار ہیں، کسی کو کچھ کہنے کی ضرورت نہیں ہے۔ لیکن بیٹے! زندگی کے معمولات آج نہیں تو کل جاری ہو جائیں گے۔ ہمیں تدبر سے کام لینا ہوگا۔ بہت سے مرحلے ہیں، جن میں ہم سب کو مل کر چلنا ہوگا۔ تمہیں خدا کا واسطہ سرفراز بیٹے! اور شہاب بیٹے! اور بھابی صاحبہ!...... میری کسی بھی بات پر مجھے غیر مخلص نہ سمجھیں۔ ہاں، اگر کبھی یہ محسوس کر لیں کہ میں کسی چالاکی سے کام لے رہا ہوں تو آپ لوگوں کا جو بھی رویہ ہوگا، مجھے قبول ہوگا۔''

تایا ابو جتنی عاجزی سے بات کر رہے تھے، اس کا جواب دینا ضروری تھا۔ میں نے اور سرفراز بھائی نے آگے بڑھ کر ان کے پاؤں پکڑ لئے اور کہا۔ ''نہیں تایا ابو! پاپا کی موت کے بعد اب آپ ہی ہمارے بزرگ ہیں۔ ہمارے دل میں آپ کے لئے کوئی برائی نہیں ہے۔ اور آپ یقین کریں کہ کبھی پاپا نے بھی آپ کے لئے کوئی ایسی بات ہم سے نہیں کہی، جو ہمارے ذہن میں کسی تکدر کا باعث بنتی۔''

رسمی باتوں کا اختتام ہوا۔ حمیدہ کی لائی ہوئی چائے بہت ہی مزیدار تھی۔ ماحول بدلنے کے لئے میں نے بھی کوشش کی۔ سلطانہ اور حرا بھی آ گئیں۔ چائے کے بعد ماما نے کہا۔ ''میں اماں سے ملنا چاہتی ہوں۔''

''میں بھی۔'' سرفراز نے کہا۔ اور ہم سب مل کر دادی اماں کے کمرے کی جانب چل پڑے۔ دوسرے لوگوں کے ذہن میں جو خیالات ہوں، ان کے بارے میں کچھ نہیں کہہ سکتا لیکن دادی اماں کے کمرے کی طرف جاتے ہوئے مجھے ہر بات یاد آ رہی تھی۔ اگر میں ان

لوگوں کو یہ بتا دیتا کہ میں نے دادی اماں کو ان کے کمرے سے غائب دیکھا ہے تو یہ سب لوگ مجھے پاگل سمجھ سکتے تھے۔ جبکہ پہلے میں نے دادی اماں کے آنکھیں کھولنے، مسکرانے اور اپنا ہاتھ پکڑنے کی بات کی تھی تو سب نے اس کی تردید کرتے ہوئے کہا تھا کہ دادی اماں آٹھ سال سے اسی طرح بے حس و حرکت ہیں۔ مجھے یہ بھی فیصلہ کرنا تھا کہ ماما، سرفراز بھائی یا دانیہ کو اس بارے میں بتاؤں یا نہ بتاؤں۔ ابھی اور بھی کئی مرحلے تھے، جن سے نمٹنا تھا۔ اگر ابھی سے میں ان لوگوں کو یہ ساری باتیں بتا دوں تو ممکن ہے یہ پریشان ہو جائیں۔ بہتر ہے کہ اس عمارت کی پراسرار کہانیوں کو میں اپنے دل میں ہی رکھوں اور پہلے اپنے آپ کو یقین دلا لوں کہ اب تک جو کچھ میرے ساتھ پیش آیا ہے، کہیں وہ میرے توہمات میں سے تو نہیں ہے۔ حالانکہ اس کی قطعی گنجائش نہیں تھی۔ لیکن ہر چیز کی گنجائش رکھنا ضروری ہوتا ہے۔

دادی اماں اسی طرح بے حس و حرکت اپنے بستر پر پڑی ہوئی تھیں۔ ماما بہت ہی نیک خاتون تھیں۔ انہوں نے جذباتی لہجے میں کہا۔ ''اماں! پہلی بار دیکھا ہے آپ کو۔ نجانے کیوں ایک بات میرا ایمان بن رہی ہیں کہ آپ ہم سے دُور نہیں جائیں گی، ہم سے باتیں کریں گی، ہمارے سروں پر ہاتھ رکھیں گی۔''

میں نے تو خیر پہلے بھی دادی اماں سے بڑا پیار محسوس کیا تھا، لیکن دانیہ اور سرفراز بھائی کی کیفیت بھی مجھ سے مختلف نہیں تھی۔ کافی دیر تک ہم دادی اماں کے کمرے میں رہے۔ حرا نے دادی اماں کی خدمت گزاری میں کوئی کسر نہیں چھوڑی تھی۔ وہ ہمیشہ صاف شفاف لباس میں ملبوس نظر آتی تھیں۔ ان سے متعلق چند باتیں تایا ابو نے سرفراز بھائی اور ماما کو بتائیں، جس میں دادی اماں کے علاج کی تفصیلات بھی تھیں۔ سرفراز بھائی نے دادی اماں کی رپورٹیں بھی دیکھیں۔ بڑی باقاعدگی سے سب کچھ ہو رہا تھا۔ پھر ہم وہاں سے واپس آ گئے۔

تایا ابو نے کہا۔ ''سرفراز! میں نے تم لوگوں کے قیام کے لئے برابر کی عمارت منتخب کی ہے۔ اگر چاہو تو ایک چکر وہاں کا بھی لگا لیتے ہیں۔ لیکن میں یہ چاہتا ہوں کہ کچھ دن تک تم یہیں رہو، بیٹے! آپ لوگ اپنی رہائش گاہ دیکھ لیجئے۔ ادھر تین کمرے مزید خالی ہیں۔ ایک کمرے میں شہاب میاں کا قیام تھا، مزید دو کمرے اور موجود ہیں۔ میرا خیال ہے، میں عارضی طور پر سرفراز کا بستر بھی شہاب ہی کے کمرے میں ڈلوائے دیتا ہوں۔ بھابی اور دانیہ بیٹی دوسرے کمرے میں منتقل ہو جائیں گی۔ ویسے سب لوگوں کو مل جل کر ہی رہنا ہے۔ بس رات کو اپنے اپنے کمروں میں سونے کی زحمت کرنا ہوگی۔''

''جیسا آپ مناسب سمجھیں، بھائی جان! ہم آپ ہی کے پاس آئے ہیں۔''

''ہاں بھابی! آپ مطمئن رہیں، ہمیں بہت سے فیصلے کرنا ہوں گے۔''

اور اس کے بعد ہم سب عمارت کے دوسرے حصے کی جانب چل پڑے۔ سرفراز بھائی اور دانیہ کو یہ جگہ بہت پسند آئی تھی۔

''یہ سب کچھ بہت آئیڈیل ہے۔ میں نے کئی ملک دیکھے ہیں، حرا اور سلطانہ! لیکن آپ لوگ یقین کریں کہ یہاں آ کر جس دلی سکون کا احساس ہوا ہے، کہیں بھی ایسا محسوس نہیں ہوا۔ کاش! پاپا بھی ہمارے ساتھ ہوتے۔ کاش! وہ ہمیں پہلے اپنی زندگی میں ہی پاکستان لے آتے۔''

دانیہ کی آنکھیں پھر آنسوؤں سے لبریز ہو گئیں۔ حرا اور سلطانہ اس سے بڑے پیار سے پیش آ رہی تھیں۔ حرا نے اپنے دوپٹے سے اس کی آنکھیں خشک کیں اور بولی۔

''ہاں! ہم نے چچا جان کو بہت اچھی طرح دیکھا ہے۔ گو وہ ہم سے بھی کھنچے کھنچے سے رہتے تھے، لیکن یقین کرو دانیہ! جب وہ آ جاتے تھے تو ہمیں یوں لگتا تھا، جیسے کوئی ہمارا اپنا آ گیا ہو۔ ہم نے ان سے بہت بار کہا کہ چچا جان! آپ جب بھی پاکستان آئیں، ہمارے ساتھ رہا کریں، لیکن.......'' سلطانہ یہ الفاظ کہہ کر خاموش ہو گئی۔

اس کے بعد ہم واپس تایا ابو والے حصے میں آ گئے۔ تایا ابو نے کہا۔ ''تم لوگ اگر آرام کرنا چاہو، تو......''

''نہیں، آرام کیسا؟ فلائٹ ہی کتنی دیر کی تھی۔ بس یوں لگا، جیسے ہم نے ایک جگہ سے دوسری جگہ قدم رکھ دیا ہو۔''

اسی وقت نادر خان ایس ایچ او کا فون آ گیا۔ تایا ابو کا نمبر اُس کے پاس تھا۔ اُس نے کہا۔ ''بحرین سے مہمان آ گئے، جناب؟''

''ہاں، خان صاحب! مہمان آ گئے ہیں۔''

''تو آپ کی اگر اجازت ہو تو شام کو چھ بجے کے قریب میں گھر آ جاؤں؟ کچھ قانونی کارروائی کرنی ہے۔''

''اگر ممکن ہو سکے تو آج رہنے دیں۔ کل کسی بھی وقت آپ فون کر کے تشریف لے آئیں۔''

''ٹھیک ہے، کوئی حرج نہیں ہے۔ میں کل آپ کو فون کر کے آ جاؤں گا۔'' نادر خان نے کہا۔

تمام امور سے فرصت ہو گئی تھی۔ میں نے اور تایا ابو نے یہاں کے معاملات کی تفصیل مختصر الفاظ میں ماما وغیرہ کو بتا دی تھی۔ سرفراز بھائی نے خود بھی یہ بات کہی تھی کہ بات پُراسرار ہے۔ یہ رمزی صاحب کون تھے؟ اور ابو سے اُن کا کیا واسطہ تھا؟ اور وہ کہاں

سب سے پہلی تحقیق تو یہ ہونی چاہئے۔ سرفراز بھائی چاہتے تھے کہ نادر خان سے آج ہی ملاقات کر لی جائے، لیکن تایا ابو نے کچھ مناسب باتیں کہی تھیں۔ انہوں نے کہا تھا کہ پہلے ہم لوگ اپنے طور پر یہ طے کر لیں کہ ہمیں کرنا کیا ہے، اس کے بعد نادر خان وغیرہ سے بات کر لی جائے گی۔ اور اس وقت تقریباً سات بجے تھے، جب ہم اس سلسلے میں جمع ہوئے۔

تایا ابو نے کہا۔ ''ظاہر حسین کو طلب کر کے سب سے پہلے یہ معلوم کیا جائے کہ امتیاز احمد کے اثاثے کہاں کہاں ہیں، کون کون سی جائیداد ان کے نام ہے۔ امتیاز کو کم از کم اپنے بیٹوں کو اپنے اعتماد میں رکھنا چاہئے تھا۔ لیکن بہرحال، اب اُس پر کوئی تنقید بالکل غیر مناسب ہے۔ ظاہر حسین کو البتہ یہ ظاہر کیا جائے گا کہ جائیداد وغیرہ کی تمام تفصیل بھابی صاحبہ کے علم میں ہے۔ دیکھیں، اصل میں بات یہ ہے کہ دنیا بہت بری ہو چکی ہے۔ ہمارے سامنے اصلی شکلیں آنے ہی نہیں پاتیں۔ مختصر الفاظ میں یہ کہوں گا کہ ظاہر حسین کو یہ پتہ نہیں چلنا چاہئے کہ امتیاز احمد کے تمام اثاثوں کی تفصیل ہمارے پاس نہیں ہے۔''

''آپ بالکل ٹھیک کہتے ہیں، تایا ابو! میں آپ سے پوری طرح اتفاق کرتا ہوں۔ کیسے اُلجھے ہوئے معاملات ہیں۔ خاندانوں میں اتنا انتشار ہوتا ہے، ایک ساتھ پلنے والے اس طرح ایک دوسرے سے جدا ہو جاتے ہیں، یہ بات بڑی عجیب سی ہے۔ ابو نے اپنے خاندان کے بارے میں کبھی زیادہ تفصیل ہمیں نہیں بتائی۔ ہاں، پاکستان کے چپے چپے کی تعریف کرتے اور جب بھی کبھی اہلِ خاندان کا ذکر آتا، وہ آزردہ ہو جاتے۔''

''میں نے تمہیں بتایا تھا کہ ہمارے ابا میاں خالص زمینداروں والا مزاج رکھتے تھے۔ بس کچھ ایسی داستانیں منسلک تھیں اُن سے کہ بتاتے ہوئے افسوس ہوتا ہے۔'' تایا ابو نے اس سے زیادہ اور کوئی بات نہیں کہی۔

ذہن میں بہت سے سوالات تھے لیکن ان کا احترام بھی مانع تھا۔ پھر بالکل غیر متوقع طور پر رات کو آٹھ بجے کے قریب ظاہر حسین ایڈووکیٹ آ گئے۔ سب سے ان کی ملاقات ہوئی۔ ظاہر حسین نے کہا۔ ''معذرت خواہ ہوں کہ پہلے نہیں آ سکا۔ آج کا دن اصل میں بڑا مصروف تھا، ورنہ آپ لوگ یقین کیجئے، میں نے سوچا تھا کہ ایئرپورٹ پر آپ کا استقبال کروں گا۔ خیر، سنائیے خیریت سے سفر طے ہو گیا؟''

''سفر ہی کتنا تھا، ظاہر صاحب! آپ کا غائبانہ تعارف ہو چکا ہے، آپ یہاں تشریف لائے، آپ کا شکریہ۔'' سرفراز بھائی نے پُروقار انداز میں ظاہر حسین سے مصافحہ کرتے ہوئے کہا۔

"بہت زیادہ وقت نہیں لوں گا، آپ لوگوں کا۔ بس ایک کپ چائے پیوں گا، آ
لوگوں کے ساتھ۔ براہِ کرم بندوبست کر لیجئے۔"

ظاہر حسین کی بے تکلفی سب کو پسند آئی تھی۔ سلطانہ اپنی جگہ سے اُٹھ کر باہر نکل گ
ظاہر حسین نے کہا۔ "جو کچھ ہوا ہے، وہ اس قدر افسوس ناک ہے کہ ہم الفاظ میں اس
اظہار نہیں کر سکتے۔ میں جانتا ہوں کہ آپ لوگ کتنے دُکھ کا شکار ہوں گے۔ صرف اتنا
عرض کر سکتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ آپ کو صبر عطا کرے اور مرحوم کی مغفرت کرے۔ بہت
ڈرامے کیئے جا سکتے ہیں، میں کہہ سکتا ہوں کہ وہ تو میرے جگری دوست تھے اور اُن کے
مجھے دنیا تنہا تنہا محسوس ہوتی ہے۔ وہ بے شک، میرے بہت اچھے دوست تھے۔ امتیاز
خان کی فطرت میں ایک خاموشی تھی۔ وہ ایک اچھے انسان ہونے کے باوجود کافی محتاط
اور کسی کو اپنے راز سے آگاہ نہیں کرتے تھے۔ خیر، میں یہ کہہ رہا تھا کہ آپ لوگوں کا آگے
بھی پروگرام ہو، جو کچھ بھی آپ کرنا چاہتے ہوں، وہ بالکل آپ کی مرضی پر منحصر ہے۔
جس وقت بھی آپ طلب کریں گے، ان کی جائیداد کے کاغذات اور ان کے اثاثوں کی
تفصیل آپ کو پیش کر دوں گا۔ اور اس کے بعد یہ آپ پر منحصر ہو گا کہ آپ مجھے ا
معاملات میں شریک رکھنا پسند کریں یا نہ کریں۔"

"میں چاہتا ہوں، ظاہر حسین صاحب! کہ پاپا کے قتل کی پوری تحقیقات کراؤں
تفصیلات مجھے یہاں معلوم ہوئی ہیں، ان سے یہ صاف ظاہر ہے کہ پاپا کو قتل کیا گیا۔
میں جاننا چاہتا ہوں کہ آخر وہ رمزی صاحب کون ہیں، کیا کرتے ہیں، بزنس مین
اسمگلر؟...... آخر وہ کس سلسلے میں ملک سے باہر رہتے ہیں؟ اور کہاں رہتے ہیں؟ سب
زیادہ حیرانی کی بات یہ ہے کہ ان کے فلیٹ سے کچھ بھی پتہ نہیں چلا۔ ان کی کوئی تصویر
تک وہاں نہیں ملی۔ آخر کسی رمزی صاحب کا وجود ہے بھی یا نہیں؟ اور اگر ہے تو کہیں
پاپا کے قاتل نہیں ہیں؟ پڑوس میں کوئی نہ کوئی تو ایسا ہوگا، جس نے رمزی صاحب کو د
گا۔ تحقیقات کرنے سے ایسی کسی شناسائی کا پتہ تو چل ہی سکتا ہے، جو رمزی صاحب
متعلق ہو۔"

"اصل میں پولیس کو پڑوسیوں نے اطلاع دی کہ سامنے والے فلیٹ سے بدبو اُٹھ
ہے۔ پولیس وہاں پہنچی، فلیٹ سے لاش نکلی لیکن کچھ پتہ نہیں چل سکا کہ یہ لاش کس کی
پولیس نے اپنے طور پر رسمی کارروائی کی۔ آپ جانتے ہیں کہ کون کسی کی گہرائی میں
ہے۔ فلیٹ کے بارے میں کچھ معلوم نہیں ہو سکا۔ لاش کی تشہیر کی گئی، کوئی وارث سا
آ سکا۔ جب کوئی مدعی نہ ہو، تو پھر اس طرح کے کیس بے جان ہو جاتے ہیں اور پولیس

زیادہ توجہ نہیں دیتی۔ لیکن آپ مطمئن رہیں، اب میں پوری تفصیل معلوم کروں گا۔"

"ہاں، ظاہر حسین صاحب! میرے پاپا کچھ دشمنوں کا تذکرہ بھی کرتے تھے۔ یہاں اُن
کے جو بھی دشمن ہیں، اُنہیں منظرِ عام پر آنا چاہئے۔ یقیناً اُن میں کوئی نہ کوئی پاپا کا قاتل بھی
ہوگا۔ ہمیں پوسٹ مارٹم رپورٹ بھی درکار ہوگی۔"

"بالکل ٹھیک کہہ رہے ہیں، آپ۔ لیکن آپ یہ جانتے ہیں کہ اس میں میرا قصور بھی
نہیں ہے۔ میں بھی امتیاز صاحب کی موت سے ناواقف تھا۔"

"لیکن اب میں چاہتا ہوں کہ ایک ایک نکتے پر غور کر کے اس کیس کی مکمل پیروی کی
جائے۔ آپ بے شک ہماری جائیداد اور اثاثوں کی تفصیل ہمیں بتائیے، لیکن اس کے ساتھ
ساتھ ہی ہمیں مکمل طور پر پاپا کی موت کی تفصیل چاہئے۔ میرا ذہن تو یہی کہتا ہے کہ پاپا کو
ہلاک کیا گیا ہے۔ لیکن اگر ان کی موت قدرتی اور واقعاتی ہوئی ہے تو پھر اسے اللہ کا حکم ہی
کہا جا سکتا ہے۔ یہ تو سب کچھ بعد میں دیکھیں گے اور سوچیں گے کہ ہمیں آگے کیا کرنا
ہے۔"

سرفراز بھائی پُر اعتماد لہجے میں بول رہے تھے۔ اور تایا ابو اُن سے پوری طرح متفق نظر
آ رہے تھے۔

ماما بے چاری اپنا غم چھپائے ہوئے سب لوگوں کے ساتھ مصروف تھیں۔ لیکن میں جانتا
تھا کہ اُن پر کیا بیت رہی ہوگی۔

رات کا کھانا کھایا گیا۔ سلطانہ اور حرا، رشتوں کا حق ادا کر رہی تھیں۔ ماما، حرا کے ساتھ
دادی اماں کے کمرے میں پہنچ گئی تھیں۔ اُنہیں پتہ چلا تھا کہ حرا، دادی اماں کو فیڈ کراتی ہے۔
ماما نے اتنے پیار اور اتنی محبت سے دادی اماں کا چہرہ، گردن وغیرہ صاف کیا کہ تایا ابو کی
آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ اُنہوں نے زبان سے کچھ نہیں کہا تھا، لیکن اُن کے چہرے سے یہ
احساس ہو رہا تھا کہ اُنہیں اس اپنائیت سے بہت خوشی ہو رہی ہے اور شاید کچھ یاد کر کے وہ
آبدیدہ بھی ہو گئے ہیں۔

سارے مرحلے طے ہو گئے۔ خوب دیر تک باتیں ہوتی رہیں۔ ماحول میں تھوڑی سی
خوشگوار کیفیت بھی پیدا ہو گئی تھی، جس کے لئے میں نے، حرا اور سلطانہ نے سب سے زیادہ
کوششیں کی تھیں۔ ماما اور دانیہ کے لئے ایک الگ کمرہ تیار کر دیا گیا تھا، وہاں بستر وغیرہ لگوا
دیئے گئے تھے۔ لیکن تمام معاملات سے فارغ ہو کر جب میں سرفراز بھائی کے ساتھ اپنے
کمرے کی طرف چلا تو میرے ذہن میں ماضی کے گزرے ہوئے تمام واقعات تازہ ہو
گئے۔

ایک لمحے کے لئے میرے قدم ٹھٹکے تو سرفراز بھائی نے پوچھا۔ ''کیوں، کیا بات ہے کچھ دیکھ رہے ہو؟''

''نہیں، نہیں۔ آیئے۔'' میں نے اپنے اس فیصلے پر عمل درآمد کرتے ہوئے کہا، جس کے تحت میں ابھی سرفراز بھائی کو اس کمرے کی پُراسرار نوعیت اور اس گھر کے سنسنی خیز معاملات بتانا نہیں چاہتا تھا۔ ویسے سرفراز بھائی نے دو تین بار اس انوکھے اور پُراسرار مکان کی تعریف کی تھی۔

میں بستر پر آ گیا۔ سرفراز بھائی بھی تھک گئے تھے۔ اُنہوں نے لیٹ کر آنکھیں بند کر لیں۔ لیکن میرے ذہن میں یہاں، اس کمرے میں پیش آنے والے واقعات چکرانے لگے تھے۔

کیسی انوکھی باتیں ہوئی تھیں۔ وہ چمگادڑ، جو مجھے روشندان میں نظر آئی تھی، اُس کی آنکھیں اور انسانی چہرہ، نہ وہ کوئی خواب تھا، نہ میرا وہم......! وہ لڑکی، جو ڈریسنگ ٹیبل پر بیٹھی ہوئی میک اپ کر رہی تھی۔ اور پھر اُٹھ کر ایک دیوار میں غائب ہو گئی تھی۔ چمگادڑ، جو میرے سینے پر، میرے چہرے کے بالکل سامنے بیٹھی ہوئی تھی۔ یہ تمام باتیں مجھے یاد آ رہی تھیں۔ پھر بیرونی حصے میں نجانے کیا کچھ ہوا تھا۔ سب خوف کا باعث تھا۔ یہی کہا جا سکتا ہے کہ اس وقت تک میں اس خوف کی گہرائیوں سے آشنا نہیں تھا۔ بس اُلجھنیں زیادہ تھیں اور یہ سوچتا رہتا تھا کہ آخر یہ سب کیا ہے؟ بھوت، پلید، آسیب وغیرہ سے زیادہ شناسائی نہیں تھی، بس سرسری طور پر اُن کے بارے میں سنا تھا، لیکن کبھی واسطہ نہیں پڑا تھا، اور نہ ہی اس طرف کوئی توجہ دی تھی۔

سرفراز بھائی ہمیشہ سے گہری نیند سونے کے عادی تھے۔ حالانکہ یہ نئی جگہ تھی، اور پھر بہت سی اُلجھنیں بھی دامن گیر تھیں، لیکن وہ آرام سے سو گئے تھے۔ میں بھی آنکھیں بند کر کے سونے کی کوشش کرنے لگا۔

ذہن جب مختلف خیالات میں ڈوبا ہوتا ہے تو خواب بھی ویسے ہی نظر آتے ہیں۔ میں نے خواب میں دیکھا کہ میں مسہری پر گہری اور بے خبر نیند سو رہا ہوں کہ اچانک کچھ آہٹوں سے میری آنکھ کھل جاتی ہے۔ یہ آہٹیں درازے کی طرف ہوئی تھیں۔

میں چونک کر سرفراز بھائی کی طرف دیکھتا ہوں تو وہ کروٹ بدلے سو رہے ہیں۔ اور اسی وقت دروازے سے چند سیاہ پوش اندر داخل ہوتے ہیں۔ ان سب نے لمبے لمبے چغے پہنے ہوئے ہیں، ان کے چہرے بھی ڈھکے ہوئے ہیں، صرف آنکھیں کھلی ہوئی ہیں۔ وہ آہستہ آہستہ آگے بڑھتے ہیں اور میں ایک دم خوف زدہ ہو جاتا ہوں۔ میں چیخنا چاہتا ہوں

مگر میرے حلق سے آواز نہیں نکلتی۔ اُٹھنا چاہتا ہوں، مگر میرا بدن جیسے مفلوج ہو چکا ہے۔ سائے آہستہ آہستہ میری مسہری کے چاروں طرف آ جاتے ہیں۔ پھر ان میں سے ایک جھک کر میرے منہ پر ہاتھ رکھ دیتا ہے اور سختی سے اسے بھینچ لیتا ہے۔ میں اپنے ہاتھوں سے اس کی کلائی پکڑ کر اُس کا ہاتھ اپنے منہ سے ہٹانا چاہتا ہوں، لیکن دو سائے جھک کر دونوں طرف سے میری کلائیاں پکڑ لیتے ہیں اور پھر باقی بھی مل کر مجھے اپنے قابو میں کر لیتے ہیں۔ میں ہاتھ پاؤں مار رہا ہوں، لیکن اُن کی گرفت سے نکلنے میں ناکام رہتا ہوں۔ وہ مجھے مسہری سے اُٹھا لیتے ہیں اور مجھے اسی طرح اُٹھائے ہوئے دروازے کی طرف بڑھ جاتے ہیں۔ میں سخت جدوجہد کر رہا ہوں، لیکن میری جدوجہد کامیاب نہیں ہوتی اور وہ مجھے دروازے سے باہر نکال لے جانے میں کامیاب ہو جاتے ہیں۔

میری بہت بری حالت ہے۔ بدن خوف سے تھر تھر کانپ رہا ہے۔ لیکن اُن کی گرفت بھی بہت مضبوط ہے۔ اُنہوں نے میرا منہ بدستور بھینچا ہوا ہے۔ ایک راہداری عبور کرنے کے بعد وہ باہر نکل جاتے ہیں اور اب اُن کا رُخ اسی ویران اور بدنما عمارت کی طرف ہے، جو اس پورے پُراسرار گھر میں سب سے انوکھی حیثیت کی حامل ہے۔

میں مسلسل جدوجہد کر رہا ہوں، میرے پاؤں زمین پر گھسٹ رہے ہیں، پتے اچھی خاصی کھڑکھڑاہٹ پیدا کر رہے ہیں۔ آخر وہ لوگ مجھے لے کر اس بدنما اور بدصورت عمارت کے چھوٹے سے دروازے سے اندر داخل ہو جاتے ہیں۔ یہ جگہ میں نے اس وقت دیکھی تھی، جب بلی میرے ہاتھوں مری تھی۔ اس وقت بھی یہ جگہ بالکل صاف ستھری تھی اور یہاں اچھی خاصی روشنی ہو رہی تھی۔

مجھے لانے والے سیاہ پوش ایک دیوار کے پاس پہنچے۔ دیوار میں ایک زنگ آلود کنڈا لگا ہوا تھا، جس کی یہاں موجودگی کا بظاہر کوئی جواز نہیں تھا۔ ان میں سے ایک نے کنڈے میں ہاتھ ڈال کر اسے اپنی طرف کھینچا اور ایک دروازہ کھل گیا، جو کافی چوڑا تھا۔ اندر تیز روشنی تھی اور اس روشنی میں دروازے کی دوسری جانب سیڑھیاں نظر آنے لگیں۔ کسی نے مجھے پیچھے سے آگے دھکیلا اور میں اُن کے ساتھ سیڑھیاں اُترنے لگا۔

سیڑھیاں طے کر کے وہ لوگ مجھے لئے ہوئے جس جگہ داخل ہوئے، یہ ایک وسیع اور کشادہ کمرے جیسی جگہ تھی، جہاں سرکنڈوں کے مونڈھے پڑے ہوئے تھے اور ان مونڈھوں پر دس گیارہ افراد بیٹھے ہوئے تھے۔ یہ ویسے ہی سیاہ پوش تھے، جیسے مجھے لے کر اندر آئے تھے۔ لیکن ان کے چہرے کھلے ہوئے تھے اور اندر موجود تیز روشنی میں نمایاں نظر آ رہے تھے۔ بڑی عجیب سی شکلیں تھیں۔ عام انسان نہیں معلوم ہوتے تھے۔

مجھے ایک بڑے اور چوڑے مونڈھے پر بٹھا دیا گیا۔ میں نے اُٹھنے کی کوشش کی تو آس پاس کھڑے لوگوں نے مجھ پر دباؤ ڈال کر پھر بٹھا دیا اور اُن میں سے ایک نے پہلی بار غرائی ہوئی آواز میں کہا۔

”خاموش بیٹھے رہو۔ ورنہ رسیوں سے باندھ دیا جائے گا۔“

عجیب سی بھیانک آواز تھی۔ میرے حواس جواب دینے لگے۔ مجھے یوں لگا، جیسے میرے بدن سے جان نکل رہی ہو۔ بہرحال، میں بیٹھ گیا۔ میری نگاہیں خوف زدہ انداز میں اس ماحول کا جائزہ لے رہی تھیں۔

سامنے ہی ایک اور دروازہ تھا، جس پر پرانی طرز کا ایک بوسیدہ سا پردہ لٹکا ہوا تھا۔

اچانک ہی پردے کے پیچھے کچھ ہلچل سی نمودار ہوئی اور پھر ایک بھاری بدن کی عورت اندر سے دوڑتی ہوئی آئی اور آتے ہی اُس نے میرے بال نوچنے کی کوشش کی، میرے لباس کو کھینچا۔ لیکن وہ سیاہ پوش، جو میرے پیچھے کھڑے ہوئے تھے، جلدی سے آگے بڑھے اور انہوں نے عورت کو کھینچ لیا۔

سامنے مونڈھے پر بیٹھے ہوئے ایک شخص نے اُٹھ کر کہا۔

”ہوش سے کام لو، گورنی! تمہیں اس لئے یہاں نہیں بلایا گیا تھا۔ ہم تو حاجی صاحب کے کہنے پر تمہارے اور اس کے درمیان صلح کرانا چاہتے تھے۔“

”ارے تم پر لعنت ہو۔ اس نے میری بچی مار دی اور تم اس کے اور میرے درمیان صلح کرانے لائے ہو۔ میں اسے نہیں چھوڑوں گی، اس سے اپنی بچی کا بدلہ لے کر رہوں گی، میں اسے فنا کر دوں گی۔ میں اس کے خاندان کو تباہ و برباد کر دوں گی، سمجھے۔“ عورت پھر مجھ پر جھپٹی۔

”میں تو اب کسی جدوجہد کے قابل ہی نہیں رہا تھا۔ خاموشی سے بیٹھا پھٹی پھٹی نگاہوں سے اس پورے ماحول کو دیکھ رہا تھا۔ مجھے یوں لگتا تھا، جیسے مجھے سکتہ ہو گیا ہو۔ عورت نے کئی بار مجھ پر حملہ کرنے کی کوشش کی لیکن یہاں موجود لوگوں نے اُسے کامیاب نہیں ہونے دیا۔

”دیکھو گورنی! جو کچھ ہوا ہے، دھوکے سے ہوا ہے۔ حاجی صاحب یہی کہتے ہیں۔ حاجی صاحب نے تمہیں تسلی دینے کے لئے کہا ہے۔“

”کچھ نہیں جانتی میں۔ اسے میرے حوالے کر دو۔ تم لوگ اپنا انصاف اپنے پاس رکھو۔ فیصلہ میں خود کروں گی۔“

”اور حاجی صاحب تمہیں چھوڑ دیں گے؟“

”تم ڈرو حاجی صاحب سے۔ میں کسی سے نہیں ڈرتی....... کسی کو نہیں مانتی۔“

”دیکھو، ہماری حاجی صاحب سے بات چیت چل رہی ہے۔ وہ جو فیصلہ دیں گے، اس کا احترام کرنا ہوگا۔“

”میں نے کہا نا، میں کسی کا فیصلہ نہیں مانتی۔ میری بچی اس دنیا سے چلی گئی۔ میں اس سے انتقام لوں گی....... میں اسے چھوڑوں گی نہیں۔“

عورت نے ایک بار پھر لمبی چھلانگ لگائی اور پوری قوت سے مجھ سے ٹکرائی۔ میں نیچے گر گیا تھا اور اس کے بعد میری آنکھیں خود بخود بند ہو گئیں۔ ایک لمحے تک میری آنکھیں بند

رہیں، پھر کہیں سے سورج کی روشنی نے میری پلکوں کو گدگدایا اور میں جاگ گیا۔

میں اپنے بستر پر لیٹا ہوا تھا۔ دن نکل آیا تھا اور نجانے اس وقت کیا بجا تھا۔ خوف سے میرے رونگٹے کھڑے تھے۔ پورا بدن پسینے میں ڈوبا ہوا تھا۔ میں نے زور سے لاحول پڑھی۔ کیسا بھیانک خواب تھا۔ ظاہر ہے، جو کچھ یہاں ہو رہا تھا، یہ خواب اسی کا ایک حصہ تھا۔ کئی بار لاحول پڑھ کر میں نے سرفراز بھائی کی مسہری کی طرف دیکھا، وہ اپنی مسہری پر موجود نہیں تھے۔ میں چونک گیا اور اُٹھ کر مسہری پر پاؤں لٹکا کر بیٹھ گیا۔ میں گہرے گہرے سانس لے رہا تھا اور میرا دل تیزی سے دھڑک رہا تھا۔ کچھ لمحے اسی طرح گزر گئے، اس کے بعد دروازے پر آہٹ ہوئی۔ اندر آنے والے سرفراز بھائی ہی تھے۔ مجھے بیٹھے دیکھ کر دھیرے سے مسکرائے اور بولے۔

''جاگ گئے؟''

''جی، آپ کہاں چلے گئے تھے؟''

''بس، کچی پکی ہی نیند آئی۔ پہلے گہری نیند سو گیا تھا، مگر ایک دو گھنٹے کے بعد آنکھ کھل گئی۔ تم بستر پر نہیں تھے۔ کہاں چلے گئے تھے؟''

''میں تو کہیں نہیں گیا۔'' میں نے کہا اور سرفراز بھائی معنی خیز نگاہوں سے مجھے دیکھنے لگے۔ پھر بولے۔

''کہاں چلے گئے تھے؟ تم تو کبھی مجھ سے جھوٹ نہیں بولتے۔ مجھے بتاؤ تو سہی۔''

''بھائی جان! میں کہیں نہیں گیا تھا۔''

''پتہ نہیں کیوں، مجھ سے چھپا رہے ہو۔ یار! میں تمہارا دوست بھی تو ہوں۔ بھئی میں پورے ہوش و حواس کے عالم میں یہ بات کہہ رہا ہوں کہ میں جاگا تو تم کمرے میں اپنے بستر پر موجود نہیں تھے۔ تمہیں کمرے میں نہ پا کر مجھے تشویش ہوئی۔ میں یہاں سے نکلا، ماما کے کمرے کی طرف گیا، حرا اور سلطانہ کے کمرے کی طرف بھی گیا۔ وہ دونوں اپنے کمرے میں سو رہی تھیں۔ یہی کیفیت تایا ابو کے کمرے کی تھی۔ راہداریوں میں گھومتا پھرا ہوں رات کو آدھے گھنٹے تک۔ واپس آیا، تب بھی تم اپنی مسہری پر موجود نہیں تھے۔ کافی دیر تک سوچتا رہا کہ کہاں جا سکتے ہو۔ پھر جب روشنی ہوئی تو میں نے تمہیں اپنے بستر پر دیکھا اور میں ماما کے کمرے کی طرف چلا گیا۔ وہ لوگ جاگ گئے ہیں۔ تایا ابو بھی جاگ گئے ہیں اور ان کے پاس بیٹھے ہوئے ہیں۔ کہتے ہیں کہ چائے کے لئے تمہیں بھی وہیں بلا لاؤں۔''

سرفراز بھائی بول رہے تھے اور میرے رونگٹے کھڑے تھے۔ سرفراز بھائی کا کہنا ہے کہ میں مسہری پر موجود نہیں تھا۔ تو پھر کیا واقعی مجھے وہ سیاہ پوش اُٹھا کر لے گئے تھے؟ اور جو کچھ

میں نے دیکھا، وہ خواب نہیں حقیقت تھا؟ اچانک ہی مجھے اپنے شانے کے پاس ایک ہلکی سی سوزش کا احساس ہوا اور میرا ہاتھ بے اختیار شانے پر پہنچ گیا۔ مجھے یاد آ گیا کہ جب پہلی بار اُس عورت نے مجھ پر حملہ کیا تھا تو اُس کا ناخن میرے شانے میں لگا تھا۔ میں نے دوبارہ اس پر ہاتھ پھیر کر اس سوزش کو محسوس کیا، لیکن سرفراز بھائی کو ابھی کچھ بتانا غیر مناسب تھا۔ مجھے یوں لگا، جیسے کسی غیر مرئی قوت نے میری زبان کھلنے سے روک دی ہو۔

''چلو بھئی، منہ ہاتھ دھو لو۔ کیا سوچ رہے ہو؟ منہ ہاتھ دھو کر آ جاؤ۔'' سرفراز بھائی نے کہا اور واپس دروازے سے باہر نکل گئے۔ میں بری طرح اُلجھا ہوا تھا کہ رات کے واقعات خواب نہیں تھے۔ اگر خواب تھے تو پھر میں اپنی مسہری سے کیوں غائب تھا؟ سرفراز بھائی جس انداز میں بتا رہے تھے، وہ غلط نہیں تھا۔

غسل خانے میں جا کر میں نے قمیض کے بٹن کھولے اور اپنے اس شانے کو دیکھنے لگا۔ شانے پر ناخن کا نشان واضح تھا۔ کھال اُدھڑ گئی تھی اور ہلکا ہلکا خون نمودار ہو گیا تھا۔ بظاہر اس جگہ چوٹ لگنے کی کوئی وجہ نہیں تھی۔ اس کا مطلب ہے کہ رات کی کہانی کوئی خواب نہیں تھی۔

منہ ہاتھ دھو کر باہر نکل آیا۔ طبیعت میں کھویا کھویا سا پن تھا۔ لیکن باہر آ کر میں نے سوچا کہ اگر ابھی سے ماما، دانیہ اور سرفراز بھائی کو اس کہانی میں لپیٹ لوں تو دوہری مشکل ہو جائے گی۔ فی الحال ہم یہ گھر چھوڑنے کی پوزیشن میں نہیں تھے۔ تایا ابو وغیرہ کی محبت، حرا اور سلطانہ کی اپنائیت کو چھوڑنے کو دل نہیں چاہتا تھا۔ اور پھر یہاں رہ کر ہی ہم پاپا کے بارے میں ساری تفصیلات معلوم کر سکتے تھے۔ لاہور میں ہمارا کوئی اور ٹھکانہ تھا بھی کہاں۔ یہ بات میں پوری طرح محسوس کر چکا تھا اس لئے میں نے یہی فیصلہ کیا کہ ان لوگوں کو ابھی اس کہانی میں نہ اُلجھایا جائے۔ ہاں، خود میرا ذہن بہت سے فیصلے کر رہا تھا۔ مثلاً یہ کہ وہ پُراسرار عمارت اب میرے لئے باعث توجہ بن چکی تھی۔ دیکھوں تو سہی کہ اس عمارت کے کیا اسرار ہیں۔

تایا ابو، ماما، حرا، سلطانہ اور دانیہ بیٹھے ہوئے باتیں کر رہے تھے۔ چائے آ چکی تھی اور میرا انتظار کیا جا رہا تھا۔ میں اُن کے درمیان جا کر بیٹھ گیا تو تایا ابو نے مسکرا کر مجھے دیکھتے ہوئے کہا۔

''ہم لوگوں کے درمیان ایک معاہدہ طے پایا ہے۔ دیکھو، شہاب بیٹے! ہمارے دلوں کی جو بھی کیفیت ہے، اللہ جانتا ہے اور ہم جانتے ہیں۔ لیکن آخری فیصلہ یہی کیا گیا ہے کہ حوصلے سے کام لینا ہو گا۔ ہم لوگ سوچ سمجھ کر فیصلہ کریں گے کہ آگے ہمیں کیا اقدامات

کرنے ہیں۔ حمیدہ!......حمیدہ! کہاں ہو بھئی؟ آؤ، چائے بناؤ۔'' یہ کہہ کر اُنہوں نے
کو آواز دی۔

''میں بناتی ہوں، ابو!''

حرا نے کہا۔ دانیہ اُس کے ساتھ ہی اُٹھ گئی تھی۔ بے شک، پاپا کی موت کا غم سب
سینوں میں موجود تھا، لیکن صبر بنیادی چیز ہوتی ہے۔ دانیہ نے بھی اپنے آپ کو سنبھال لیا
چنانچہ چائے بنا کر سب کو دی گئی اور اس کے بعد تایا ابو چائے کے چھوٹے چھوٹے گ
لیتے ہوئے بولے۔

''بھائی صاحبہ! ایک درخواست کرنا چاہتا ہوں، آپ سے۔ بے شک آپ میری
ہیں، لیکن کبھی کبھی چھوٹوں کو بھی ان کی مرضی کے خلاف مجبور کرنے کے لئے عا
درخواست کرنا پڑتی ہے۔''

ماما چونک کر تایا ابو کی طرف متوجہ ہو گئیں۔ ویسے بھی وہ اس ماحول سے کافی
ناآشنا تھیں۔ تایا ابو کچھ لمحے خاموش رہے، پھر اُنہوں نے کہا۔

''میں اس وقت آگے کے لئے ایک لائحہ عمل چاہتا ہوں۔ سرفراز بیٹے! آپ
ہیں، شہاب بھی بردبار اور سنجیدہ ہیں۔ میں آپ تینوں سے یہ سوال کرتا ہوں کہ کیا
واپس بحرین جائیں گے؟''

اس سوال سے سرفراز بھائی کسی قدر بے چین ہو گئے۔ اُنہوں نے کہا۔ ''تایا ابو
وہاں نوکری کرتا ہوں۔''

''بیٹے! آپ دونوں ہونہار ہیں۔ یہاں کئی علاقوں میں آپ کی زمینیں ہیں اور
سے خاصی آمدنی ہو جاتی ہے۔ اس کے علاوہ بھی بہت کچھ ہے، جو بے شک میرے علم
نہیں ہے۔ تم یوں کرو، سرفراز میاں! کہ ظاہر حسین سے ملنے کے بعد جب تمہاری جائیدا
امتیاز احمد کے بینک بیلنس کے بارے میں ساری معلومات حاصل ہو جائیں، تب فیص
لینا۔ میرا خیال ہے، تم بحرین میں جو نوکری کر رہے ہو، وہ بالکل غیر ضروری ہو جائے
اللہ کا دیا ہمارے پاس بہت کچھ ہے۔ بحرین یا پاکستان سے باہر امتیاز احمد صرف ایک اخ
عمل کے تحت چلے گئے تھے۔ اُن کی کوئی معاشی مجبوری نہیں تھی۔ میرا مطلب تم سمجھ ر
گے۔ بیٹے! اب تمہیں وہاں رہنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ پاکستان تمہارا اپنا ملک
اپنے دیس کی بات ہی کچھ اور ہے۔ بھائی صاحبہ! میرے پاس اللہ کا دیا اتنا کچھ ہے کہ
آپ سے ایک پیسے کا طلب گار نہیں ہوں گا۔ بس ایک سہارا مل جائے گا میری اس آخر
کو۔ پاکستان تم دونوں کا گھر ہے۔ یہاں رہو بیٹا! سب ٹھیک ہو جائے گا۔ جو تم سے

سے ملے، اس سے پیار سے ملو۔ اور جو تمہاری آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر کھڑا ہو تو اُس کی
پلکیں جھکوا دو۔ تم ایسا کر سکتے ہو۔''

''تایا ابو! آپ یقین کریں، ہم بے شک بُرے حالات میں یہاں آئے ہیں اور ہمیں
پاپا کی موت کی خبر ملی ہے۔ ہم غم میں ڈوبے ہوئے ہیں، لیکن اس کے باوجود مجھے یہاں کی
ہوائیں اپنی اپنی سی لگتی ہیں اور میں کھل کر یہ بات کہتا ہوں کہ میرا دل پاکستان میں رہنے کو
چاہتا ہے۔ دیکھ لیں گے۔ بس ایک بار مجھے مناما جانا پڑے گا۔ پاپا کے بھی وہاں کچھ حسابات
ہیں۔ طویل عرصہ انہوں نے ایک بڑی پوسٹ پر نوکری کی ہے۔ اُن کے واجبات وہاں سے
وصول کرنے ہوں گے۔ یہاں سے ان کے لئے ڈیتھ سرٹیفکیٹ بھی حاصل کرنا ہوگا۔ یہ تمام
کرنے کے بعد مجھے بحرین جانا پڑے گا۔ میں نے اپنے مالکان سے یہی کہا ہے کہ مجھے پاپا
کی موت کی خبر ملی ہے اور میں وہاں جا کر اس سلسلے میں تحقیقات کرنا چاہتا ہوں۔ اُنہوں نے
مجھے ہر طرح کی مدد دینے کا وعدہ کیا ہے۔ اب یہ تمام معاملات ہمارے سامنے آئے ہیں،
ان سے نمٹنے کے بعد مزید فیصلے کئے جا سکتے ہیں۔''

''ہاں، ہاں۔ بالکل......ایسا ہے۔ بس تم یہ سمجھ لو کہ اب میں تمہیں جانے نہیں دوں
گا۔ اور پھر بیٹے! تمہاری دادی اماں بھی یہاں موجود ہیں، سارا خاندان یہاں ہے۔ نہ جاؤ
پلیز!''

''نہیں، تایا ابو! آپ ایسی بات نہ کریں۔ آپ کا عاجزانہ لہجہ ہمیں شرمندہ کرتا ہے۔''

''تو بس ایک بار کہہ دو کہ تم مجھے چھوڑ کر نہیں جاؤ گے۔'' تایا ابو، لرزتی ہوئی آواز میں
بولے۔

''انشاء اللہ تعالیٰ۔ ہم یہیں رہیں گے۔'' سرفراز بھائی نے کہا۔

میرے دل سے بھی یہ آواز نکلی تھی۔ ماما بے چاری ہم دونوں کی صورت ہی دیکھا کرتی
تھیں اور اب یہ معلوم ہونے کے بعد کہ پاپا اس دنیا میں نہیں ہیں، وہ بالکل ہی نڈھال ہو گئی
تھیں، جیسے سوچتی ہوں کہ اب دنیا اُن کے لئے ایک بیکار سی جگہ رہ گئی ہے۔

دن کے کوئی ساڑھے گیارہ بجے کے قریب ایس ایچ او نادر خان کا فون موصول ہوا، جو
تایا ابو نے ہی ریسیو کیا تھا۔

''میں ایک کیس کی تفتیش میں مصروف تھا، اسی لئے فون نہیں کیا۔ کیا کہتے ہیں آپ
لوگ، اب میں آنا چاہتا ہوں۔ ظاہر حسین صاحب سے بھی میں نے بات کی تھی۔ آج اُن
کے پاس کوئی کیس نہیں ہے۔ اُنہوں نے بھی کہا ہے کہ اگر میں آپ لوگوں کے بیانات لینے
کے لئے یہاں آؤں تو اُنہیں بھی ساتھ لے لوں۔''

”آپ آ جایئے۔ ہم بھی آپ سے ملنا چاہتے ہیں۔“

”بس، تو پھر ٹھیک ہے۔ میں پہنچ رہا ہوں۔“ نادر خان نے کہا۔

پھر کوئی سوا بارہ بجے کے قریب نادر خان اور ظاہر حسین ایڈووکیٹ ہمارے گھر آ گئے۔ نادر خان شریف آدمی تھا، سادہ لباس میں آیا تھا اور اپنے ساتھ ایک محرر کو لے کر آیا تھا۔

”میں، آپ لوگوں کا دل سے احترام کرتا ہوں۔ اگر کوئی بات غلط محسوس ہو تو براہِ کرم مجھے معاف کر دیجیے گا۔ ضروری کارروائی کے دوران کچھ لفظ غلط بھی نکل جاتے ہیں۔ میں بھابی صاحبہ سے کچھ سوالات کرنا چاہتا ہوں۔“ نادر خاں نے کہا۔

ماما کچھ گھبرا سی گئیں۔ ویسے بھی وہ بہت زیادہ بولنے کی عادی نہیں تھیں، کم گو تھیں اور پیچیدگیوں سے گھبراتی تھیں۔ تاہم تایا ابو نے کہا۔

”ہاں، آپ پوچھ لیجیے، جو بھی پوچھنا چاہتے ہیں۔“

”بھابی صاحبہ! اولاد سے والدین کا گہرا رشتہ ہوتا ہے، لیکن بعض چیزیں ایسی ہوتی ہیں جو صرف بیگمات تک محدود رہتی ہیں۔ کیا آپ بتا سکتی ہیں کہ امتیاز صاحب کے ملک چھوڑ جانے کی وجوہات کیا تھیں؟ جبکہ آپ لوگ کافی دولت مند اور صاحب جائیداد ہیں۔ باہر دنیا کتنی ہی حسین کیوں نہ ہو، کم از کم یہ تو کہا جا سکتا ہے کہ امتیاز صاحب نوکری کی تلاش میں یا ضرورت کے تحت ملک سے باہر نہیں گئے تھے۔“

”جی...... جائیداد ہی کے سلسلے میں شاید اُن سے کچھ اختلافات اپنے اہلِ خاندان سے تھے۔ انہی کی بناء پر وہ پاکستان چھوڑ کر چلے گئے تھے۔ پہلے وہ لندن آئے تھے، وہاں اُن کی ملاقات میرے والد سے ہوئی۔ خاصے دن وہ میرے والد کے ساتھ رہے اور میری اُن سے شادی ہو گئی۔ میرے والد صاحب کا انتقال ہو گیا۔ مناما کی کمپنی سے اُن کے معاملات لندن ہی میں چل رہے تھے۔ اس کمپنی نے اُنہیں طلب کر لیا۔ پہلے وہ پروڈکشن سپروائزر رہے اور اس کے بعد ترقی کرتے کرتے جنرل منیجر کے عہدے تک پہنچ گئے۔ ایک معقول تنخواہ اور ایک عزت کا مقام اُنہیں ملا ہوا تھا۔ پاکستان میں چونکہ ہماری جائیدادیں تھیں۔ وہ اکثر یہاں آتے رہتے تھے اور اپنے حسابات وصول کر کے دس پندرہ دن کے اندر واپس لوٹ جاتے تھے۔“

”اس کی تصدیق بھی میں کرتا ہوں۔“ ظاہر حسین نے کہا۔

”جی۔“ نادر خان نے اپنے ساتھ آئے ہوئے محرر کو اشارہ کیا اور محرر تیز رفتاری سے ماما کا یہ بیان لکھنے لگا۔ پھر نادر خان نے کہا۔ ”یہاں اُنہوں نے اپنے اختلافات کے بارے

میں کوئی تفصیل آپ کو بتائی؟“

”نہیں...... میں نے کبھی اُن کے ذاتی معاملات میں مداخلت کی اور نہ ہی اُنہوں نے کبھی ہمیں اپنے خاندان کے بارے میں بتایا۔ ایک دفعہ ایسے ہی رواداری میں، میں نے اُن سے یہ بات پوچھ لی تو اُنہوں نے سنجیدگی سے کہا کہ بیگم! بہت سے معاملات ایسے ہیں، جو میں نے آپ کو نہیں بتائے اور نہ بتانے کی کچھ وجوہات ہیں۔ میری درخواست ہے کہ آپ بھی مجھ سے اس بارے میں سوالات نہ کریں۔ میں نے اس دن کے بعد سے پھر اُن سے کبھی کچھ نہیں پوچھا۔“

”ٹھیک ہے...... میرا خیال ہے، آپ کا بیان مکمل ہو گیا ہے۔ بیٹے! آپ لوگ اس سلسلے میں کوئی مدد کر سکتے ہیں، میری؟“

”نہیں، نادر صاحب! پاپا نے مجھے بھی اپنی کمپنی میں ہی ملازمت دلا دی تھی اور میں اب بھی وہاں کام کر رہا ہوں۔ اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے ہماری اتنی آمدنی تھی وہاں پر کہ کبھی پاپا سے دولت یا جائیداد وغیرہ کے بارے میں کوئی بات ہی نہیں ہوئی۔ ہاں، جب ہم اُن سے پاکستان آنے کی بات کرتے تھے تو وہ کسی قدر تکدر کا شکار ہو جاتے تھے۔ وہ کہتے تھے کہ پاکستان میں ان کی دشمنیاں چل رہی ہیں اور وہ نہیں چاہتے کہ ان کے دشمن ہمیں کوئی نقصان پہنچا دیں۔“

”کسی دشمن کی انہوں نے کبھی کوئی نشاندہی نہیں کی؟“

”بالکل نہیں۔“

”ٹھیک۔ تو پھر اب ظاہر حسین صاحب! ہمیں کیا کرنا چاہیے؟“

”ان لوگوں کی طرف سے امتیاز احمد کی موت کی رپورٹ درج کیجیے اور اس لاش کے سلسلے میں کارروائی کی تفصیل بھی۔“

”میں نے جیسا کہ آپ کو بتایا تھا کہ آپ لوگوں کی اس نشاندہی کے بعد میں نے فلیٹ کو دوبارہ سیل کرا دیا ہے۔ میں چاہتا ہوں، ظاہر حسین صاحب! کہ میں آپ کے اور ان دونوں حضرات کے سامنے فلیٹ کی تلاشی لوں۔ حالانکہ اس سلسلے میں ذمے داری میری ہی ہے، لیکن میں آپ کو ان معاملات میں شریک رکھنا چاہتا ہوں۔“

”یہ آپ کی بڑائی ہے، ایس ایچ او صاحب! میں جانتا ہوں کہ آپ حیرت انگیز طور پر ہمارے ساتھ تعاون کر رہے ہیں۔“ ظاہر حسین نے کہا۔

”کچھ چیزیں ہیں، جنہیں اب خاص طور سے دیکھنا ہو گا۔ میں فنگر پرنٹس ایکسپرٹ کو فلیٹ پر طلب کر لوں گا۔ پوسٹ مارٹم رپورٹ میں لے کر آیا ہوں۔ اگر آپ چاہیں تو دیکھ

سکتے ہیں۔"

"ہاں، ضرور۔" سرفراز نے کہا۔

"اس کے علاوہ میں دیکھوں گا کہ کن ذرائع سے میں، رمزی صاحب کے بارے
معلومات حاصل کرسکتا ہوں۔ مثلاً جس کمپنی نے یہ فلیٹ بنائے ہیں، اس کمپنی میں اس فل
کی رجسٹری کس کے نام سے ہے؟ یا اور بہت ساری باتیں۔ رمزی صاحب کا پتہ چ
ضروری ہے۔ یہ ابتدائی کام ہم کر لیتے ہیں، پھر اس کے بعد دیکھیں گے کہ کیا صورتِ حا
ہوتی ہے۔"

"میں، آپ سے ایک درخواست کروں گا، ایس ایچ او صاحب!" تایا ابو نے کہا۔

"ہاں، بتایئے۔"

"کیا اُس قبر کی نشاندہی ہو سکے گی، جہاں لاوارث لاش کے طور پر ہی سہی، میر
بھائی کو دفن کیا گیا ہے؟"

"ہسپتال سے پتہ چل جائے گا۔ میں معلومات حاصل کر کے آپ کو اُس قبر تک
جاؤں گا۔" ایس ایچ او نے کہا۔

اس دوران، میں اور سرفراز بھائی، پوسٹ مارٹم رپورٹ کو دیکھتے رہے تھے۔ حالانک
میڈیکل لینگویج میں تھی، لیکن تھوڑی بہت ہماری سمجھ میں بھی آ رہی تھی۔ رپورٹ میں م
کی وجہ دم گھٹنا بتایا گیا تھا۔ گردن وغیرہ پر کسی دباؤ کے نشانات نہیں ملے تھے، جسم پر کوئی
نہیں تھا۔ بس، دم گھٹنے سے موت واقع ہو گئی تھی۔

یہ رپورٹ نادر خان کو واپس کر دی گئی۔ نادر خان نے کہا۔ "لاش میں نے فلیٹ
اُٹھوائی تھی۔ کوئی ایسی صورتِ حال نظر نہیں آ رہی تھی، جس سے یہ اندازہ ہوتا کہ امتیاز
صاحب کی کسی سے کوئی جدوجہد ہوئی ہو، یا کسی سے ہاتھا پائی کے دوران اُن کی موت و
ہوئی ہو۔ ہارٹ اٹیک وغیرہ کی بھی کوئی نشاندہی نہیں کی گئی۔ بہرحال، یہ ساری با
ہمارے درمیان ہو گئی ہیں۔ اب آپ یہ بتایئے کہ آپ اُس فلیٹ تک جانا پسند کریں گے؟

"ہاں، نادر صاحب! جب آپ اتنی مہربانیاں کر رہے ہیں تو براہِ کرم یہ تکلیف او
ڈالیئے۔"

"ٹھیک ہے، آپ تیار ہو جایئے۔"

میں نے اور سرفراز بھائی نے لباس تبدیل کیا۔ تایا ابو نے خود ہمارے ساتھ جا
کوشش نہیں کی تھی۔ تھوڑی دیر کے بعد ہم نادر خان کی کار میں چل پڑے۔

ظاہر حسین کے آفس کے سامنے نادر خان نے کار روکی اور ظاہر حسین، برابر رابطہ ر

کا وعدہ کر کے اپنے آپس چلے گئے اور ہماری کار اُس فلیٹ کی طرف چل دی، جہاں پاپا کا
انتقال ہوا تھا۔

کچھ دیر کے بعد کار اُس عمارت کے سامنے رُک گئی، جس میں فلیٹ واقع تھا۔ نادر خان
کے پاس چابی تھی۔ اُس نے محرر کو اشارہ کیا اور محرر نے سیل توڑ کر تالا کھول لیا۔ نادر خان
کے ساتھ ہم اندر داخل ہو گئے۔ فلیٹ میں قدم رکھتے ہی ہمیں ایک سنسنی کا سا احساس ہونے
لگا تھا۔ یوں لگ رہا تھا، جیسے کوئی اور بھی یہاں موجود ہو۔ باہر کی نسبت فلیٹ میں سردی بھی
زیادہ لگ رہی تھی۔

"دروازہ بند کر دو۔" نادر خان نے محرر کو اشارہ کیا۔ پھر سرفراز بھائی سے بولا۔

"آیئے۔"

وہ ہمیں لے کر ایک کمرے میں پہنچا۔ پھر ایک طرف اشارہ کر کے بولا۔ "لاش یہاں
پڑی ہوئی تھی۔"

میں نے اور سرفراز بھائی نے اس جگہ کو دیکھا۔ دل پر ایک دباؤ سا محسوس ہوا اور
آنکھوں میں آنسو ڈبڈبا آئے۔ میں گھٹنوں کے بل اس جگہ بیٹھ گیا اور فرش پر ہاتھ پھیرنے
لگا۔ میں جیسے اپنے باپ کے لمس کو محسوس کر رہا تھا۔ دوسرے ہاتھ سے میں نے ڈبڈبائی
آنکھوں کو صاف کیا اور پھر میری نگاہ فرش پر پڑی۔ کوئی ڈھائی انچ لمبے قالین کی رنگت سے
ملتے ہوئے کچھ بال زمین پر پڑے نظر آئے۔ میں نے ہاتھ بڑھا کر وہ بال اُٹھا لیئے اور
اُنہیں ہتھیلی پر رکھ کر اُونچا کرتے ہوئے کہا۔

"یہ بال کیسے ہیں؟ دیکھیئے، نادر صاحب!"

"ایں......" نادر خان نے چونک کر میری طرف دیکھا۔ اس دوران اُس کی نگاہیں
اِدھر اُدھر بھٹک رہی تھیں۔ پھر اُس نے چٹکی سے وہ بال ہتھیلی میں اُٹھا لیئے۔

"یہ کہاں سے ملے تمہیں؟"

"اس جگہ پڑے ہوئے تھے۔"

"یہ تو اِدھر بھی ہیں۔" محرر نے ایک طرف اشارہ کر کے کہا اور ہم اس طرف متوجہ ہو
گئے۔ کمرے کے مختلف حصوں میں تھوڑے تھوڑے ایسے بال نظر آ رہے تھے۔ ایس ایچ او
نے حیران لہجے میں کہا۔

"بالکل کسی جانور کے بال معلوم ہوتے ہیں۔ کون سے جانور کے ہو سکتے ہیں؟ کیوں،
آفاقی! کچھ اندازہ لگا سکتے ہو؟" نادر خان نے محرر کی طرف رُخ کر کے کہا۔

محرر، بالوں کو توجہ سے دیکھنے لگا، پھر بولا۔ "نہیں صاحب! بڑے عجیب بال ہیں۔

بالکل سخت۔ جیسے...... جیسے کسی...... کچھ نہیں کہا جا سکتا۔ گھوڑے کی ایال کے بال ا
چھوٹے نہیں ہو سکتے۔ جبکہ یہ کٹے ہوئے بھی نہیں معلوم ہوتے۔ بس ایسا لگتا ہے، جیسے
جانور کے بدن سے جھڑے ہوں۔"

"اور تلاش کرو۔ بلکہ دوسرے کمروں میں بھی دیکھو۔" نادر خان نے محرر سے کہا اور
وہاں سے نکل گیا۔

"مجھے تعجب ہے۔ میں پورے اعتماد کے ساتھ یہ بات کہہ سکتا ہوں کہ اس وقت،
میں نے فلیٹ کی تلاشی لی تھی، یہ بال یہاں موجود نہیں تھے۔" نادر خان بولا۔

"پھر یہ کہاں سے آ گئے؟" سرفراز بھائی نے کہا۔

"اور یہ اندازہ بھی نہیں ہو پا رہا کہ یہ کون سے جانور کے بال ہیں۔ آپ لوگ اس
چپے چپے کی تلاشی لے ڈالیں۔ میں بھی دیکھتا ہوں۔" نادر خان نے کہا۔

سرفراز بھائی تو ایس ایچ او کے ساتھ ہی رہے، لیکن میں کمرے سے باہر نکل آیا۔ م
دوسرے کمروں کی تلاشی لے رہا تھا۔ وہ مجھے ایک کمرے سے باہر نکلتا ہوا نظر آیا تو میں
کہا۔

"کچھ پتہ چلا؟"

"بالکل نہیں۔ اور کمروں میں ایسے بال نہیں ہیں۔ بس اسی کمرے میں تھے۔ تھانے
صاحب اندر ہی ہیں؟"

"ہاں۔"

محرر اُس کمرے میں چلا گیا، جہاں سرفراز بھائی اور نادر خان موجود تھے۔ میں ایک
کمرے میں داخل ہو گیا۔ صاف ستھرا سا، شفاف سا فلیٹ تھا۔ میں جس کمرے میں دا
ہوا، وہاں پہنچ کر میں نے روشنی کر دی اور پھر چاروں طرف نگاہیں دوڑانے لگا کہ کوئی
سامنے آئے۔

دیوار میں ایک بہت ہی خوب صورت الماری بنی ہوئی تھی۔ اس کے قریب پہنچ کر
نے ہینڈل پر ہاتھ رکھا اور دروازہ کھول لیا۔ الماری میں پاپا کے کپڑے لٹکے ہوئے تھے۔
نے اُن کے سوٹ صاف پہچان لئے۔ ہر بات پر دل بھر آ رہا تھا۔ بہت ہی شفیق اور
کرنے والے پاپا تھے۔ ہم لوگوں کے درمیان کبھی کوئی تلخ کلامی نہیں ہوئی تھی۔ ہر مسئلے
ہم ایک دوسرے کے معاون رہے تھے۔ بس، پاپا سے جب بھی اُن کے اہلِ خاندان
بارے میں پوچھتا تو ایک ہلکی سی ناگواری اُن کے چہرے پر نمودار ہو جاتی اور وہ بڑی بیز
سے کہتے۔ "سب برے ہیں یار! چھوڑو، دل بھی دُکھتا ہے۔ مت پوچھا کرو۔ مجھ سے

بارے میں۔"

کسی خیال کے تحت میں نے پاپا کے سوٹوں کی تلاشی لینا شروع کر دی۔ شاید کوئی ایسا نشان مل جائے۔ حالانکہ یہ پولیس کا کام تھا۔ اگر پولیس نے کیا بھی ہے تو اس نے پاپا کی جیبوں میں کیا چھوڑا ہوگا۔ البتہ نادر خان جیسا نفیس انسان کچھ چھپانے کی کوشش نہیں کر سکتا تھا۔ اگر اُسے کچھ مل جاتا تو وہ ضرور ہمیں اس بارے میں بتاتا۔ پہلے ہی سوٹ کی جیب میں ہاتھ ڈالا تھا کہ ایک لفافہ سا کھڑکھڑاتا ہوا محسوس ہوا اور میرا دل تجسس سے دھڑک اُٹھا۔

میں نے جلدی سے وہ لفافہ نکال لیا۔ براؤن رنگ کا لفافہ تھا اور اس میں کوئی سخت سی چیز محسوس ہو رہی تھی۔ میں نے فوراً ہی وہ سخت چیز لفافے سے نکالی۔ یہ ایک فوٹوگراف تھا۔ یہ ایک بہت ہی خوب صورت لڑکی کی تصویر تھی۔ لیکن اسے دیکھ کر میرے ذہن کو ایک گہرا شاک لگا۔ یہ چہرہ میرے لئے نا آشنا نہیں تھا۔ مجھے اپنی یادداشت پر بھی بھروسہ تھا اور اپنی بینائی پر بھی۔ یہ تصویر اُس لڑکی کی تھی، جسے اُس رات میں نے اُس ڈریسنگ ٹیبل کے سامنے دیکھا تھا۔ وہ میک اپ کر رہی تھی۔ اور پھر اپنی جگہ سے اُٹھ کر ایک دیوار میں غائب ہو گئی تھی۔

بعد میں اس ڈریسنگ ٹیبل سے بھی مجھے میک اپ کی کوئی چیز نہیں ملی تھی۔ اس پُراسرار لڑکی کی تصویر، پاپا کے کوٹ کی جیب میں کہاں سے آ گئی؟ اس کا پاپا سے کیا تعلق؟ اور پھر سب سے بڑی بات یہ کہ میں نے اُسے عجیب و غریب عالم میں دیکھا تھا۔ رات کا پچھلا پہر، ڈریسنگ ٹیبل کے پاس روشنی۔ وہ میک اپ کرنے کے بعد ایک دیوار میں داخل ہو کر گم ہو گئی تھی۔ مطلب تو اس کا یہ تھا کہ وہ کوئی مافوق الفطرت شخصیت ہے۔ پھر پاپا سے اس کا کیا تعلق؟

ایک لمحے میں، میں نے فیصلہ کیا کہ تصویر کو ابھی دوسرے لوگوں سے پوشیدہ ہی رہنے دوں۔ یہ فیصلہ میں نے کیوں کیا تھا؟ میں خود بھی نہیں جانتا تھا۔ میں نے اسے اپنے لباس کی اندرونی جیب میں رکھ لیا۔ اس کے بعد میں نے دوسرے لباسوں کی تلاشی بھی لی، لیکن اس کے علاوہ مجھے اور کوئی چیز دستیاب نہیں ہو سکی۔

کمرے کا جائزہ لے کر میں باہر نکل آیا۔ جب میں اُن کے پاس پہنچا تو وہ کچھ اور کارروائیاں کر چکے تھے۔ نادر خان نے مجھے بتایا کہ اُس نے فنگر پرنٹس ایکسپرٹس کو بھی طلب کر لیا ہے۔ اُس نے کہا۔

"فلیٹ کا کام ہم ختم کر لیتے ہیں۔ میں نے ہسپتال سے قبر کے بارے میں تفصیل بھی طلب کر لی ہے۔ وہ بندہ مل گیا ہے، جو ہماری رہنمائی اُس قبر کی طرف کر سکتا ہے۔ کیا آپ

لوگ اسی وقت وہاں جانا پسند کریں گے؟''

''نادر صاحب! ہم آپ کے دلی شکر گزار ہیں کہ آپ نے ہمارے ساتھ گھر والوں ج
ہی تعاون کیا ہے۔ اور جب انسان کو ایسا کوئی سہارا مل جاتا ہے تو وہ بہت ساری باتیں ا
پر چھوڑ دیتا ہے۔ آپ جیسا پسند فرمائیں۔''

''میرا خیال ہے، اس سلسلے میں تفتیش میں تیزی آنی چاہئے۔ اگر خدانخواستہ ام
صاحب کو ہلاک کیا گیا ہے تو اُن کا قاتل کون ہے؟ آپ بے فکر رہیں، میں پورے خلو
کے ساتھ، امتیاز صاحب کے سلسلے میں اپنا فرض پورا کروں گا۔''

ہم دونوں واقعی اس شخص کے شکر گزار ہو گئے تھے۔

تھوڑی دیر کے بعد فنگر پرنٹس کے ماہر آ گئے اور اپنے طور پر ایک جگہ پر پرنٹس تلا
کرنے لگے۔ کئی جگہوں کی اُنہوں نے تصویریں بھی بنائی تھیں۔

پھر باہر دروازے پر دستک ہوئی اور نادر خان نے محرر کو بھیجا۔ ''جاؤ، قدسی صاح
ہوں گے۔ میں نے اُنہیں بلایا تھا۔''

یہ قدسی صاحب وہی پڑوسی تھے، جن سے ہمیں پاپا کی موت کا علم ہوا تھا۔ نادر خ
نے اُنہیں بلایا تھا اور وہ غالباً لباس وغیرہ تبدیل کر کے آئے تھے۔ سلام دعا ہوئی۔ انہو
نے نادر خان کو پہچان لیا۔

''آپ، انسپکٹر صاحب ہیں نا؟ اصل میں اُس وقت میں نے آپ کو وردی میں د
تھا، لیکن میں چہروں کو یاد رکھتا ہوں۔''

''جی، آپ کا نام قدسی ہے؟''

''جی ہاں، میں سامنے والے فلیٹ میں رہتا ہوں۔''

''قدسی صاحب! ہم اس گھر میں ملنے والی لاش کے سلسلے میں تفتیش کر رہے ہیں۔ ج
صاحب کی لاش ملی تھی، اُن کا نام امتیاز احمد خاں تھا۔ یہ دونوں ان کے بیٹے ہیں۔ یہ لوگ
ملک سے باہر رہتے ہیں۔''

''جی، جی۔'' قدسی نے کہا۔

''قدسی صاحب! آپ ہمیں رمزی صاحب کے بارے میں بتائیے، یہ رمزی صاح
کون ہیں؟''

''جناب! کبھی نہیں دیکھا ہم نے اُنہیں۔ ایسا لگتا ہے، جیسے وہ کبھی یہاں آئے ہی نہ
ہوں۔ بس، اس فلیٹ کی صفائی کرنے ایک نوکر آ جایا کرتا تھا، جس کا نام چاند خاں تھا۔ چا
خاں ہی نے بتایا تھا کہ یہ فلیٹ رمزی صاحب کا ہے اور وہ ملک سے باہر رہتے ہیں۔ ب

کبھی کبھی پاکستان آتے ہیں۔ کوئی کاروباری آدمی ہیں، جنہوں نے اپنی رہائش کے لئے یہ فلیٹ خریدا ہے۔ پھر چاند خاں ہی نے بتایا کہ رمزی صاحب کے ایک دوست آج کل فلیٹ میں قیام کر رہے ہیں۔ اُنہیں ہم نے دیکھا تھا، مگر کبھی اُن سے تعارف نہیں ہوا۔ یہ صاحب اکثر مہینے دو مہینے کے بعد یہاں آ جاتے تھے، چار چھ دن رہتے تھے۔ بڑے خاموش سے انسان تھے۔ ایک دو بار بس سلام دعا ہوئی۔ لیکن ایسے نظر انداز کر کے گزر گئے، جیسے اس تعارف کو آگے نہ بڑھانا چاہتے ہوں۔ جب کوئی بندہ اس طرح کا رویہ رکھے تو کسے پڑی ہے کہ کسی کے پیچھے رہے۔''

''تو آپ کا مطلب ہے، رمزی صاحب کبھی اس فلیٹ میں نہیں آئے؟''

''اگر آئے بھی ہوں گے تو ہم نے اُنہیں دیکھا نہیں کبھی۔ کوئی ملاقات ہی نہیں ہوئی۔ بس نام کی حد تک جانتے ہیں۔''

''ہوں...... یہ صاحب اندازاً کتنی بار یہاں آئے ہوں گے، جن کی لاش اس فلیٹ سے دستیاب ہوئی تھی؟''

''اصل میں پڑوسیوں کی کھوج میں رہنا میری فطرت میں شامل نہیں ہے۔ بس ایک دو بار دیکھا ہو گا۔ چاند خاں نے یہ بتایا تھا کہ یہ رمزی صاحب کے دوست ہیں۔''

''یہ چاند خاں، کیا یہیں کہیں آس پاس ہوتا ہے؟''

''نہیں، بس فلیٹ کی صفائی کرنے کبھی کبھی آ جاتا ہے۔ اب تو وہ بھی بہت دن سے نہیں آیا۔ وہ بڑا باتونی آدمی تھا۔ اس کے علاوہ کچھ کھانے پینے کے لئے مانگ لیا کرتا تھا۔ اس طرح اُس سے رمزی صاحب کا نام اور اُن کے دوست کے بارے میں معلوم ہوا تھا۔ وہ خود کہاں ہوتا ہے، کہاں کام کرتا ہے، اس کا کچھ پتہ نہیں ہے۔''

بہت دیر تک ہم لوگ فلیٹ پر رہے۔ نادر خان بڑے ماہرانہ انداز میں فلیٹ کی ایک ایک چیز کا جائزہ لے رہا تھا۔ اس کے بعد اُس نے کہا۔

''یہاں کام ختم ہو گیا ہے۔ بہرحال، معلومات کراؤں گا کہ رمزی صاحب کا کیا چکر ہے۔ دیکھیں، کس حد تک معلومات حاصل ہوتی ہیں۔ کیا خیال ہے، آیئے تھوڑی دیر کے لئے تھانے چلتے ہیں۔ میں ہسپتال کے بندے کو اُدھر ہی بلا لوں گا۔ قبر کی نشاندہی بھی ہو جائے گی۔''

''ٹھیک ہے۔'' پھر اس کے بعد ہم لوگ، نادر خان کے ساتھ تھانے چل پڑے۔ تھانے پہنچ کر نادر خان نے ہمیں چائے وغیرہ پلائی۔ ہسپتال کا وہ بندہ آ گیا تھا، جس نے پاپا کی تدفین کی تھی۔

نادر خان نے ہمارے لئے ٹیکسی منگوائی اور بولا۔

''آپ، اس کے ساتھ چلے جائیے گا۔ میں، ظاہر حسین صاحب کو ساری تفصیلات دوں گا۔ بعد میں جو بھی صورتِ حال ہوئی، ہم لوگ ایک دوسرے سے رابطہ رکھیں گے۔''

ہم نے نادر خان سے اتفاق کر لیا تھا۔ ہسپتال کے آدمی کے ساتھ ہم ٹیکسی میں بیٹھ چل پڑے۔ خاصا فاصلہ طے کرنے کے بعد ٹیکسی ایک قبرستان کے سامنے رُک گئی۔ ٹیکسی سے اُترنے کے بعد ہم قبرستان کے گیٹ سے اندر داخل ہو گئے۔ وہ شخص ہماری رہنمائی کرتا ہوا آخر اس قبر تک پہنچ گیا، جو اُس کے خیال میں پاپا کی تھی۔ اُس نے کہا۔

''یہ قبر ہے، صاحب!''

سرفراز بھائی نے اُسے دیکھتے ہوئے کہا۔ ''تمہیں یقین ہے؟''

''دن رات یہی کام کرتے ہیں، جناب! ہم نے خود اُنہیں لحد میں اُتارا تھا۔''

''ٹھیک ہے۔'' سرفراز بھائی نے کہا اور اس کے بعد ہم، پاپا کی قبر کو دیکھنے لگے۔

دماغ میں ایک ریل سی چل گئی تھی۔ پاپا ہمارے ساتھ بیٹھے ہوئے ہنس بول رہے ہیں۔ ہم اُن کے ساتھ سیر و تفریح کر رہے ہیں۔ ماما بھی ساتھ ہیں۔ پاپا بہت خوش مزاج آدمی تھے۔ بس اُن پر جب کبھی سنجیدگی کا دورہ پڑتا تھا تو صرف اپنے وطن کو یاد کرتے وقت۔ اور پھر وہ کافی دیر تک سنجیدہ رہتے تھے۔ زبان سے کچھ نہیں کہتے تھے۔ لیکن اندازہ ہوتا تھا کہ اپنوں کو یاد کر رہے ہیں۔ بہت سی یادیں، پاپا سے وابستہ تھیں۔ ہماری آنکھوں سے آنسو بہہ رہے تھے اور ہم یہ سوچ رہے تھے کہ یہ پاپا کی آخری آرام گاہ ہے۔ وہ پاپا، جو اپنا ایک الگ مقام اور معیار رکھتے تھے۔ کون جانتا تھا کہ یہاں اس طرح آ کر سو جائیں گے۔ بہت دیر تک ہم غم و اندوہ میں ڈوبے رہے اور پھر سرفراز بھائی نے کہا۔

''چلو...... یہ جگہ یاد رہے گی؟''

''ہاں، یہ ایک جو قبر ہے، اس پر خواجہ فاروق بیگ لکھا ہوا ہے، اس کے برابر والی قبر ہے۔''

سرفراز بھائی اور میں نے آخری نظر قبر پر ڈالی اور ہم واپس چل پڑے۔ قدم بوجھل ہو رہے تھے۔ بس، یوں لگ رہا تھا، جیسے اپنا سب کچھ یہاں چھوڑے جا رہے ہوں۔ ایک داستان، ایک طویل کہانی۔

ہسپتال کا ملازم ہمارے ساتھ تھا۔ اُس نے کہا۔ ''صاحب جی! وہی ٹیکسی کھڑی ہوئی ہے۔ اُسی سے بات کر لوں۔ سمن آباد جائیں گے نا، آپ؟''

''ہاں۔''

''میں بات کئے لیتا ہوں۔'' اُس نے جا کر ٹیکسی والے سے بات کی اور اُسے پتہ وغیرہ سمجھا دیا۔ سرفراز بھائی نے اُسے سو روپے کا ایک نوٹ دینا چاہا، لیکن اُس نے انکار کرتے ہوئے کہا۔

''نہیں صاحب! تھانے دار صاحب کو پتہ چلا تو وہ ناراض ہو جائیں گے۔''

''رکھ لو۔ تمہیں بھی تو گھر جانا ہوگا۔ کرائے کے لئے پیسے بھی چاہئے ہوں گے۔ رکھ لو۔ تھانے دار صاحب کو ہم بتانے تھوڑی جائیں گے کہ ہم نے تمہیں یہ دیا ہے۔''

تھوڑی سی رد و قدح کے بعد اُس نے نوٹ رکھ لیا اور ہم لوگ ٹیکسی میں بیٹھ کر چل پڑے۔ ڈرائیور نے آخر کار ہمیں ہماری منزل پر اُتار دیا اور ہم دونوں بوجھل بوجھل سے اندر داخل ہو گئے۔

بڑے گیٹ سے رہائش گاہ کا فاصلہ اچھا خاصا تھا۔ سرفراز بھائی نے کہا۔ ''کیسی عجیب و غریب جگہ ہے۔ جب بھی یہاں قدم رکھتا ہوں، مجھے یوں محسوس ہوتا ہے، جیسے کچھ پُراسرار آنکھیں میری نگرانی کر رہی ہیں۔ پتے اس طرح اُڑتے ہوئے میرے آگے آگے جاتے ہیں، جیسے کوئی ہم سے چند قدم کے فاصلے پر چل رہا ہو۔''

میں نے سرفراز بھائی کی بات پر کوئی تبصرہ نہیں کیا۔ وہی منصوبہ زیرِ عمل تھا۔ یعنی یہ کہ ابھی سرفراز بھائی کو اس بارے میں یہ تفصیل نہ بتائی جائے۔ پتہ نہیں، ان پر کیا ردِ عمل ہو۔ ابھی تو ہمارے ساتھ ویسے ہی دوسرے واقعات پیش آ رہے ہیں۔

تایا ابو، سامنے نظر آ گئے۔ وہ جلدی سے ہماری جانب بڑھے اور بولے۔

''کیا رہا؟ آؤ، آؤ...... اندر آؤ۔''

ہم لوگ اُن کے ساتھ برآمدے میں جا بیٹھے۔ انہوں نے ہمارے چہروں سے ہماری افسردگی کا اندازہ لگایا اور بولے۔

''کیا قبرستان بھی ہو آئے؟''

''جی، تایا ابو! ہم پاپا کی قبر دیکھ کر آ رہے ہیں۔''

''ارے، یہ تم نے جلد بازی کر ڈالی۔ میں بھی ساتھ جانا چاہتا تھا۔''

''کوئی بات نہیں، ہم دیکھ آئے ہیں۔ اب آپ ہمارے ساتھ چلئے گا۔''

''ہاں، میں ضرور چلوں گا۔ دیکھوں گا، تمہارے ساتھ چل کر۔ اور اگر ہو سکا تو حکومت سے درخواست کر کے دوسری قبر بنواؤں گا اور وہاں امتیاز احمد کو منتقل کروں گا۔'' تایا ابو جذباتی ہو رہے تھے۔ تھوڑی دیر ہم لوگ خاموش بیٹھے رہے اور اس کے بعد اُنہوں نے پوچھا۔

''فلیٹ پر پہنچے؟''

"ہاں، تایا ابو! بہت ساری باتیں معلوم ہوئیں۔ کچھ عجیب سی کیفیت تھی وہاں کی۔ رمزی صاحب کا کوئی پتہ نہیں چل سکا کہ وہ کون تھے۔ پڑوسیوں نے بھی اُنہیں نہیں دیکھا تھا۔"

تایا ابو، گہری سانس لے کر خاموش ہو گئے۔

اس وقت میں نے چند افراد کو اُس دوسرے دروازے سے اندر جاتے ہوئے دیکھا، جس کے دوسری جانب ہماری رہائش کا انتظام کیا گیا تھا تو تایا ابو نے کہا۔

"سب کچھ پہنچ چکا ہے وہاں۔ سارا سامان سیٹ کر دیا گیا ہے۔ لیکن ابھی تمہیں وہاں جانے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ اور پھر دیکھ لینا، اگر تمہارا دل چاہے تو اُدھر جا کر رہنا۔ اصل میں وہ جگہ میں نے اس لئے صاف ستھری کرا دی ہے کہ تمہیں یہ احساس نہ ہو کہ تم یہاں ہمارے مہمان ہو۔ بلکہ تم لوگ یوں سمجھو کہ تم اپنے گھر میں آ گئے ہو۔"

"جی، تایا ابو!......کیا، کیا ہے آپ نے وہاں؟"

"سارا فرنیچر پہنچا دیا گیا ہے۔ پھر جس کسی چیز کی ضرورت ہو گی، منگوا لی جائے گی۔" تایا ابو نے کہا۔

ہم اُن کے خلوص کو محسوس کر رہے تھے۔ بہرحال، اس وقت ایک عجیب سی بوجھل کیفیت طاری تھی۔ تایا ابو کہنے لگے۔ "اچھا، اب یہ بتاؤ، کوئی کام کی بات معلوم ہو سکی؟ میرا مطلب ہے، ایسی جو کارآمد ہو؟"

"نہیں، تایا ابو! ابھی تک ایسی کوئی بات نہیں پتہ چل سکی۔ لیکن یہ نادر خان صاحب بہت اچھے انسان ہیں۔ اس طرح سے تعاون کر رہے ہیں، جیسے گھر کا کوئی فرد ہو۔"

"ہاں بیٹے! دنیا میں اچھے برے لوگ سبھی ہوتے ہیں۔ یہ بتاؤ، تم مجھے قبر پر کب لے جاؤ گے؟"

"دیکھ لیں آپ، آج چلنا چاہیں، آج ہی چلیں۔"

تایا ابو بضد ہو گئے کہ اُنہیں قبر پر لے جایا جائے۔ میں نے ماما کو بھی ساری تفصیل بتائی اور محسوس کیا کہ ماما بھی ہمارے ساتھ جانا چاہتی ہیں۔ لیکن تایا ابو نے کہا۔

"نہیں بیٹے! خواتین اس طرح قبروں پر نہیں جاتیں۔ اگر تم برا نہ مانو تو میں تم سے بھی کہوں گا کہ یہیں فاتحہ خوانی کر لینا۔ قبر پر جانا مناسب نہیں ہو گا۔"

"جی، بھائی جان!" ماما نے سعادت مندی سے کہا۔

ہم، تایا ابو کو لے کر باہر نکل آئے اور پھر اُن کے ساتھ قبرستان پہنچ گئے۔ تایا ابو، پاپا کی قبر پر بیٹھ کر فاتحہ خوانی کرتے رہے اور آنسو بہاتے رہے۔ پھر اُنہوں نے کہا۔

"قبر کو یہاں سے منتقل کروں گا میں۔ یہ جگہ مجھے اچھی نہیں لگی۔ میں اسے پکا کراؤں گا۔" تایا ابو اپنی محبت میں بولتے رہے۔ بہرحال، بڑا بوجھل دن گزرا تھا۔

❀❀❀

دانیہ کو سلطانہ اور حرا نے سنبھال لیا تھا۔ دونوں بہت اچھی لڑکیاں تھیں۔ ماما کی بھی بڑی دیکھ بھال کر رہی تھیں۔ دانیہ نے حرا سے کہا تھا کہ دادی اماں کی خدمت کا موقع اُسے بھی دیا جائے۔ دانیہ نے باقاعدہ نرسنگ کورس کیا تھا۔ اُس نے حرا کے ساتھ کافی وقت دادی اماں کے پاس گزارا۔

رات کا کھانا کھانے کے بعد ہم لوگ، تایا ابو سے اجازت لے کر اپنے کمرے میں آ گئے۔ ماما اور سرفراز بھائی بیٹھ کر باتیں کرنے لگے۔ دانیہ کے چہرے پر مجھے کوئی خاص بات محسوس ہوئی۔ میں نے اشارے سے اُس سے پوچھا کہ کیا بات ہے تو وہ بولی۔

"آئیے، بھائی جان! ذرا باہر راہداری میں ٹہلتے ہیں۔"

سرفراز بھائی اور ماما نے چونک کر دانیہ کو دیکھا لیکن میں نے دانیہ کا ہاتھ پکڑا اور باہر نکل آیا۔ "کوئی خاص بات ہے دانیہ؟"

"ہاں، بھائی جان!" دانیہ بولی اور میں پُرتجسس نگاہوں سے اُسے دیکھنے لگا۔ دانیہ کے چہرے پر حیرت تھی۔ اُس نے کہا۔ "بھائی جان! آپ کو ایک بات بتاؤں، یقین کر لیں گے، میری بات پر؟"

"ہاں، کیوں نہیں؟"

"آپ کو معلوم ہے کہ میں نے ملتان کے ایک بہت ہی معتبر ہسپتال سے نرسنگ کورس کیا ہے؟"

"مجھے نہیں معلوم کیا؟" میں نے کہا۔

"تھوڑی بہت معلومات مجھے ایسے مریضوں کے بارے میں ہیں، جو کسی دماغی عارضے کا شکار ہوتے ہیں اور کوما میں چلے جاتے ہیں۔ دادی اماں کے بارے میں ان لوگوں نے مجھے بتایا ہے کہ آٹھ سال سے کوما میں ہیں۔"

"ہاں......" میں پھٹی پھٹی آنکھوں سے دانیہ کو دیکھنے لگا۔

"کوما کا مریض اگر ہوش میں آ جائے تو آپ یوں سمجھ لیجئے کہ وہ صحت یاب ہو جاتا ہے۔ اُس کی بیماری اسی وقت تک ہوتی ہے، جب تک کہ اُس کے وجود میں کوئی جنبش نہ ہو۔ دادی اماں ہوش میں آئی تھیں۔ آپ یقین کریں، شہاب بھائی! اُنہوں نے میرا ہاتھ پکڑ کر

اسے اپنے ہونٹوں سے چوما تھا۔ پیار بھری نگاہوں مجھے دیکھا تھا۔ میرا ہاتھ چومنے کے بعد انہوں نے چھوڑ دیا اور پھر آنکھیں بند کر کے پہلے جیسی کیفیت میں آ گئیں۔ میں نے انہیں بہت آوازیں دیں، ہر طرح سے کوشش کی کہ وہ دوبارہ ہوش میں آئیں، لیکن اب اُن کے اندر تمام علامات کوما کے مریض کی تھیں۔ آپ یقین کیجئے، میں نے پورے ہوش و حواس کے عالم میں سب کچھ دیکھا ہے۔''

''کیا اُس وقت حرا تمہارے ساتھ موجود تھی؟''

''نہیں۔ میں اکیلی گئی تھی، اُن کے پاس۔'' دانیہ نے کہا اور میں عجیب سی کیفیت کا شکار ہو گیا اور یہ سوچنے لگا کہ دانیہ کو اپنے کسی تجربے کے بارے میں کچھ بتاؤں یا نہیں۔ لیکن پھر وہی خیال دامن گیر ہوا کہ دانیہ کو کچھ بتانا مناسب نہیں ہے۔ ورنہ وہ خوف زدہ ہو جائے گی۔ اور ابھی ہم بالکل اس پوزیشن میں نہیں تھے کہ تایا ابو کا گھر چھوڑ کر کہیں اور جائیں۔ اگر میں دانیہ کو صورتِ حال بتا دیتا تو وہ کسی بھی طرح اس گھر میں نہ ٹکتی۔ البتہ یہ سوچ ضرور میرے دل میں تھی کہ دانیہ ٹھیک کہہ رہی ہے۔ خود میرے ساتھ بھی یہی سب کچھ پیش آ چکا ہے۔

میں نے چہرے پر تعجب کے تاثرات پیدا کر کے کہا۔ ''یہ ممکن تو نہیں ہے۔ لیکن تم اتنے اعتماد سے کہہ رہی ہو تو ماننا پڑے گا۔ البتہ یہ بات ابھی خود تک رکھنا اور دیکھنا کہ دوبارہ ایسا ہوتا ہے یا نہیں۔''

دانیہ نے گردن ہلا دی تھی۔

وہ کمرے میں چلی گئی اور میں نے اپنے کمرے کا رخ کیا۔ سرفراز بھائی، ماما کے پاس بیٹھے باتیں کر رہے تھے۔ میں واش روم جانا چاہتا تھا، اس لئے اپنے کمرے کی طرف چل پڑا۔

پھر میں کمرے کے دروازے سے اندر داخل ہونے ہی والا تھا کہ مجھے احساس ہوا کہ کمرے میں کوئی موجود ہے، اور میں ٹھٹک گیا۔ ماما اپنے کمرے میں تھیں، سرفراز بھائی بھی اُن کے پاس تھے۔ دانیہ میرے سامنے کمرے میں گئی تھی۔ پھر اندر کون ہے؟

میں اندر داخل ہو گیا۔ کوئی عورت تھی، جو دیوار کے پاس ایک کھونٹی میں لٹکی ہوئی، میری قمیض ٹٹول رہی تھی۔

میرے قدموں کی آہٹ پر اُس نے چونک کر مجھے دیکھا اور پھر جلدی سے غسل خانے کی طرف بھاگی، جس کا دروازہ کھلا تھا۔

اُس کے ہاتھ میں کوئی چیز تھی۔ لیکن میں نے اُسے پہچان لیا۔ یہ وہی عورت تھی، جسے میں نے اُس دن دیکھا تھا اور جس نے خود کو حمیدہ کہا تھا، مگر وہ حمیدہ نہیں تھی۔ وہ پھرتی سے

غسل خانے کے دروازے سے اندر داخل ہو گئی۔

میں کچھ لمحے حیران کھڑا رہا، پھر آگے بڑھ کر غسل خانے کے پاس پہنچ گیا اور میں نے کہا۔ ''سنو!...... تم جو کوئی بھی ہو، باہر آ جاؤ۔ میں تمہیں کچھ نہیں کہوں گا۔ آؤ...... باہر آ جاؤ۔'' میں جواب کا انتظار کرنے لگا۔

میرے کان اندر آہٹوں پر لگے ہوئے تھے، لیکن واش روم میں بالکل سناٹا طاری تھا۔ کوئی ہلکی سی آواز بھی سنائی نہیں دی۔ تھوڑی دیر میں نے انتظار کیا، اس کے بعد دروازے پر ہلکی سی دستک دی اور کہا۔

"دیکھو، میں تم سے وعدہ کر چکا ہوں کہ تم جو کوئی بھی ہو، میرے ہاتھوں تمہیں ذرہ برابر نقصان نہیں پہنچے گا۔ باہر آؤ، ورنہ میں دروازہ کھولتا ہوں۔"

میں نے دروازے کا ہینڈل پکڑا اور اُسے دبایا۔ وہ اگر چاہتی تو اندر سے دروازہ بند کر سکتی تھی۔ لیکن ایسا نہیں ہوا تھا۔ ہینڈل گھوم گیا اور میرے ہلکے سے دباؤ ڈالنے پر دروازہ کھل گیا۔ مجبوراً میں اندر داخل ہوا تھا۔ لیکن یہ دیکھ کر حیران رہ گیا کہ اندر کوئی نہیں تھا۔

میں نے ایک ٹھنڈی سانس لی۔ اس پُراسرار عمارت میں سارے کردار ایسے ہی بھرے ہوئے تھے۔ وہ پُراسرار وجود، جس کے بارے میں سلطانہ اور حرا نہیں جانتی تھیں، نجانے کون تھا۔ میں اس لڑکی کے خدوخال پر غور کرنے لگا۔ اسے لڑکی نہیں کہا جا سکتا تھا، تیس بتیس سال کی ایک سنجیدہ سی عورت تھی۔

مجھے یاد آیا کہ وہ میرے لباس سے کچھ نکال رہی تھی اور میں نے اُس کے ہاتھ میں کوئی چیز دیکھی تھی۔ کیا نکال رہی تھی وہ؟....... میں نے سوچا اور غسل خانے سے باہر نکل آیا اور اس کے بعد اپنے لباس کے پاس پہنچ گیا۔ ایک لمحے کے اندر مجھے پتہ چل گیا کہ اُس نے وہ تصویر نکالی تھی، جو مجھے رمزی صاحب کے فلیٹ میں پاپا کے سوٹ کی جیب سے ملی تھی۔ لیکن اس عورت کا اُس تصویر سے کیا تعلق؟ اور تصویر والی لڑکی کا پاپا سے کیا تعلق؟ اور پاپا کی موت کا رمزی صاحب سے کیا ربط تھا؟

دل چاہا کہ دونوں ہاتھوں کی مٹھیوں سے بال نوچ لوں۔ سر میں سوچ سوچ کر درد ہو رہا تھا۔ مجھ سے تھوڑی سی غلطی ہو گئی۔ اس تصویر کے سلسلے میں سلطانہ اور حرا سے پہلے ہی بات کرنی چاہئے تھی۔ ممکن تھا کہ وہ کوئی روشنی ڈال سکتیں۔ لیکن اب کیا ہو۔ وہ پُراسرار وجود غائب ہو گیا تھا۔

دوسرے دن ماما اپنے کمرے میں اُداس اور نڈھال سی لیٹی ہوئی تھیں۔ دانیہ اور سرفراز بھائی اُن کے پاس بیٹھے اُنہیں سمجھا رہے تھے۔ میں بھی پہنچ گیا اور ماما کے پاس جا بیٹھا۔

"کیا ہوا دانیہ! کیا بات ہے؟"

دانیہ کی آنکھیں آنسوؤں سے لبریز تھیں۔ سرفراز بھائی نے کہا۔

"سمجھانے کے سوا، ماما سے اور کیا کہا جا سکتا ہے؟ پاپا سے یہ اُمید تو کسی کو بھی نہیں تھی کہ وہ اس طرح داغِ مفارقت دے جائیں گے۔ کچھ بھی تو نہیں کہا اُنہوں نے ہم سے ہمارے بارے میں کہ ہمیں زندگی گزارنے کے لئے کیا طریق کار اختیار کرنا ہوگا۔ ویسے میں سچ بتاؤں، اب میرا بحرین واپس جانے کو دل نہیں چاہ رہا۔ یہاں کم از کم اپنے سے لگنے والے چہرے تو ہیں۔ وہاں بھی پاکستانی کافی تعداد میں موجود ہیں۔ لیکن ہمارے لئے تو سب کے سب اجنبی ہی ہیں۔ کم از کم، یہاں تایا ابو، حرا، سلطانہ اور پھر سب سے بڑی بات دادی اماں ہیں۔ میں ابھی ماما سے یہی باتیں کر رہا تھا کہ ماما! اب ہم کیا کریں؟ تو ماما رونے لگیں۔ ظاہر ہے، پاپا کا سائبان اچانک ہمارے سر سے اُٹھ گیا ہے...... شہاب! تم کیا کہتے ہو؟ ویسے یہاں ہمیں اپنا ایک سیٹ اپ بنانا ہوگا۔ جائیداد وغیرہ کے سلسلے میں ظاہر حسین صاحب سے تفصیل معلوم کرنا ہوگی۔ ہم خاندان والوں سے بھی ملیں گے۔ ہو سکتا ہے کہ ہم اس خاندان کو یکجا کرنے میں کامیاب ہو جائیں۔ ویسے ماما! یہ حیرانی کی بات ہے کہ پاپا نے آپ کو بھی کبھی اس بارے میں مکمل تفصیل نہیں بتائی کہ خاندان والوں سے یہ چپقلش آخر کیوں چلی۔ جہاں تک جائیداد کا معاملہ ہے، تو لگتا ہے، اچھی خاصی جائیداد ہمارے حصے میں ہے۔ پھر پاپا یہاں سے کیوں باہر چلے گئے؟"

ماما نے آنکھیں خشک کر لیں اور اُٹھ کر بیٹھ گئیں۔

"میں بھی اب یہاں سے نہیں جانا چاہتی۔ وہاں جا کر اور تنہائی کا احساس ہوگا۔ بیچارے بھائی جان یہاں بڑی محبت سے پیش آتے ہیں۔" ماما نے اپنے آپ کو سنبھال لیا۔

پورا دن گھر میں ہی گزر گیا۔ آج کوئی خاص کام کرنے کو نہیں تھا۔ رات کو البتہ تھوڑی سی گڑبڑ ہوئی۔ ماما اپنے کمرے میں تھیں، میں اور سرفراز بھائی اپنے کمرے میں۔ سرفراز بھائی معمول کے مطابق سو گئے تھے۔

اچانک ہی باہر سے کسی بلی کے رونے کی آواز سنائی دی۔ نجانے کیوں، اب یہ آوازیں مجھے ایک دم چونکا دیا کرتی تھیں۔ کسی بلی کا چیخنا یا رونا کوئی انوکھی بات نہیں۔ لیکن یہ بات صرف میں جانتا تھا کہ کوئی گڑبڑ ہے۔ پھر کوئی دوسری بلی روئی اور اس کے بعد تو بلیوں نے ایسا واویلا مچایا کہ میں پریشان ہو کر بیٹھ گیا۔

میں نے سرفراز بھائی کی طرف دیکھا، کمال کے انسان تھے۔ ایسی گہری نیند سوتے تھے کہ اگر اُن کے سر پر نقارے بھی بجائے جائیں تو آنکھ نہ کھلے۔ اس وقت بھی وہ آرام سے سو رہے تھے۔ بلیاں آدھی رات تک روتی رہیں اور میں جاگتا رہا۔ پتہ نہیں، ماما اور دانیہ ان آوازوں سے ڈرتی ہیں یا نہیں۔ لیکن دوسری صبح جب میں نے دانیہ اور ماما سے بلیوں کے بارے میں پوچھا تو ماما نے کہا۔

''نہیں...... ہمیں تو کوئی آواز نہیں سنائی دی۔ کیوں، دانیہ؟''

''ہاں، ماما! ویسے یہاں بلیاں بہت ہیں۔ اور اتفاق کی بات یہ کہ ساری کی ساری کالی ہیں۔ جو جھاڑ جھنکاڑ میں پھرتی رہتی ہیں۔ ویسے ماما! باہر نکلو تو یوں لگتا ہے، جیسے یہ درخت، یہ پتے ہمیں گھور رہے ہوں۔ کبھی کبھی تو ماما! آپ یقین کریں، میں نے یہ محسوس کیا ہے کہ ان پتوں پر کوئی دبے پاؤں چل رہا ہے۔ پتوں کے دبنے اور چرمرانے کی آوازیں سنائی دیتی ہیں۔ ایسا کیوں نہ کریں سرفراز بھائی! کہ اب تو ہم یہاں رہ ہی رہے ہیں، پھر کیوں نہ اس پورے علاقے کو صاف شفاف بنالیا جائے۔ کیا کہتے ہیں، آپ؟''

''ہاں، یہ ہوسکتا ہے۔ تایا ابو سے اجازت لے لیں گے، پھر یہاں کچھ کام کریں گے۔ لیکن ابھی نہیں۔ پہلے میں کمپنی سے اپنے معاملات طے کرلوں، اس کے بعد دیکھیں گے۔''

اسی دن دوپہر کو ظاہر حسین صاحب کا فون آیا۔ وہ آنا چاہتے تھے۔ تایا ابو سے بات ہوئی تھی۔ تایا ابو نے سرفراز بھائی سے پوچھا تو اُنہوں نے کہا۔

''اگر وہ آنا چاہتے ہیں تو آپ انہیں بلالیں۔''

کوئی ساڑھے چار بجے ظاہر حسین صاحب پہنچ گئے۔ اپنے ساتھ ایک ملازم کو بھی لائے تھے، جو کچھ فائلیں اُٹھائے ہوئے تھا۔

''چائے پیوں گا۔ اور اس کے ساتھ ہی میں، امتیاز صاحب کی جائیداد کی تفصیلات لایا ہوں۔ کل رات سے یہی کام کر رہا تھا۔''

''یہ آپ نے اچھا کیا۔ ویسے سرفراز میاں! میں پورے خلوص کے ساتھ کہہ رہا ہوں کہ تم جائیداد کی تفصیل اگر خفیہ رکھنا چاہتے ہو، تو میں یہاں سے باہر چلا جاتا ہوں۔'' تایا ابو نے کہا۔

''تایا ابو! آپ ایسی باتیں نہ کریں...... اس بات سے کچھ غیریت کی بُو آنے لگتی ہے۔ آپ ہمارے بزرگ ہیں، دولت جائیداد اپنی جگہ، لیکن ہمیں آپ کی رہنمائی سب سے زیادہ عزیز ہے۔''

''بس بیٹے! یہ سارا چکر کچھ ایسا ہی ہے کہ ساری محبتیں ایک سمت سمٹ جاتی ہیں۔''

''نہیں، آپ تشریف رکھئے اور ہماری رہنمائی کیجئے۔''

ظاہر حسین صاحب کے لئے چائے آگئی اور چائے کے دوران وہ جائیداد کے بارے میں تفصیل بتاتے رہے۔ میں اور سرفراز بھائی دنگ رہ گئے۔ ہم تو کافی دولت مند لوگ تھے۔ بینک بیلنس بھی زبردست تھا، جو کروڑوں تک جا پہنچتا تھا۔ ظاہر حسین صاحب نے ساری تفصیلات بتانے کے بعد کہا۔

''بلا تکلف یہ ذمہ داری آپ لوگ اپنے شانوں پر لے سکتے ہیں۔ مجھے شامل رکھنا چاہتے ہیں تو میں حاضر ہوں۔ مجھے تھوڑا سا معاوضہ ملتا تھا، اسے جاری رکھنا چاہیں تو جاری رکھیں، ورنہ میں اپنے دوست کے لئے مفت بھی ہر خدمت کے لئے حاضر ہوں۔''

''جو طریق کار چل رہا ہے، ظاہر حسین صاحب! اسے اسی طرح چلنے دیں اور ہماری رہنمائی بھی کرتے رہیں۔''

''ٹھیک ہے۔''

کافی دیر تک ظاہر حسین ہمارے ساتھ رہے اور اس کے بعد چلے گئے۔ مجھے یوں لگ رہا تھا، جیسے ہم ذہنی طور پر یہاں کے سارے ماحول سے ہم آہنگ ہوتے جا رہے ہوں۔ حالانکہ اس عمارت میں پے در پے ایسے واقعات ہوئے تھے، جن کی بنا پر ہم اجنبی لوگوں کو فوراً ہی یہاں سے بھاگ جانا چاہئے تھا۔ میں اجنبی اپنے آپ کو اس لئے کہہ رہا ہوں کہ تایا ابو، حرا اور سلطانہ اپنے ماحول میں آرام سے ضم ہو چکے تھے۔ یقینی طور پر کچھ پُراسرار حالات سے ان کا بھی واسطہ پڑتا ہوگا، لیکن ان میں سے کسی نے یہاں کسی خوف کا اظہار نہیں کیا تھا۔

حرا اور سلطانہ کے بارے میں بس یہی کہا جاسکتا ہے کہ ممکن ہے، وہ بہت سی باتوں سے واقف ہوں، لیکن بتانا پسند نہ کرتی ہوں۔ مجھے اُن کی اس انوکھی کیفیت کا بھی احساس تھا۔ جب میں نے اُن سے اس گھر کے بارے میں پوچھا تھا تو وہ کپکپانے لگی تھیں۔ ادھر ماما بھی یہاں سے خاصی متاثر نظر آتی تھیں۔ وہ سیدھی سادی خاتون تھیں۔ انہوں نے خاص طور سے حرا کے ساتھ مل کر دادی اماں کے معاملات سنبھال لئے تھے۔ اس وقت بھی دانیہ، دادی اماں کے کمرے کی طرف جارہی تھی کہ مجھے نظر آگئی۔ سرفراز بھائی، مکان کے اس دوسرے حصے میں تایا ابو کے ساتھ کچھ کرنے گئے تھے۔ میں، دانیہ کے ساتھ دادی اماں کے کمرے میں داخل ہوگیا۔

ماما، دادی اماں کا چہرہ صاف کر رہی تھیں۔ اُنہوں نے ایک نرم تولیے سے اُن کا چہرہ اور گردن خشک کی۔ غالباً اُن کے سر کے بال دھوئے گئے تھے۔ بہت ہی خوب صورت بال

تھے۔ ویسے بھی دادی اماں کے چہرے کے نقوش بے مثال تھے۔ ہم اُن کے بارے میں باتیں کرنے لگے۔

"دادی اماں اپنی جوانی میں کتنی خوب صورت ہوں گی؟"

"ابو نے ایک بار کہا تھا کہ میری ماں اتنی خوب صورت ہیں کہ ان کا بڑھاپا بھی بے حد حسین معلوم ہوتا ہے۔"

"لگ رہا ہے نا۔"

ہم لوگ بہت دیر تک دادی اماں کے بارے میں باتیں کرتے رہے۔ رات کے کھانے پر تایا ابو کے ساتھ انتہائی خوش گوار موڈ میں بات چیت ہونے لگی تھی۔ ماما کا موڈ بھی بہت اچھا تھا۔ دانیہ، حرا اور سلطانہ سے باتیں کر رہی تھیں۔

سرفراز بھائی کہنے لگے۔ "تایا ابو! کل یہ کاغذات وغیرہ دیکھتے ہیں، جو ظاہر حسین دے کر گئے ہیں۔ ان کاغذات سے ہمیں معلومات حاصل کرنی ہیں اور دیکھنا ہے کہ آگے یہاں کیا سیٹ اپ بنایا جا سکتا ہے۔"

"بالکل بیٹے! یہ بہت ضروری ہے۔"

"تو پھر آج کا کام کل پر کیوں چھوڑا جائے؟" میں نے پہلی بار اُن کی گفتگو میں مداخلت کی اور سرفراز بھائی مجھے دیکھنے لگے۔ پھر انہوں نے تایا ابو کو دیکھا اور بولے۔

"کیوں، تایا ابو! کیا خیال ہے؟"

"بھئی میں تو ہر طرح تم لوگوں کے ساتھ ہوں۔ جیسا تم پسند کرو۔"

"تو پھر آئیے، بڑے کمرے میں بیٹھیں گے۔ تم لوگ بھی آ جاؤ، یا پھر الگ کوئی پروگرام ہے تو تم اپنا پروگرام بنالو۔" سرفراز بھائی نے دانیہ سے کہا۔

"آپ لوگ اپنا کام کیجئے، ہم گپیں لگائیں گے۔ آئیے، چچی جان!" حرا نے ماما سے کہا۔

حرا اور سلطانہ نے ماما کو بھی اپنا ہم عمر بنا لیا تھا۔ ہر قسم کی باتوں میں اُنہیں شامل رکھتی تھیں۔ ماما کا دل بھی بہلتا جا رہا تھا۔ اب وہ اس قدر اُداس نظر نہیں آتی تھیں۔

میں، سرفراز بھائی اور تایا ابو بڑے کمرے میں آ کر بیٹھ گئے۔ حمیدہ سے کافی بنانے کے لئے کہہ دیا گیا تھا۔

سرفراز بھائی وہ تمام فائلیں نکال لائے، جو ظاہر حسین اُنہیں دے کر گئے تھے۔ اور پھر فائلوں کی ورق گردانی ہونے لگی۔ پہلے بھی اُن کا تھوڑا بہت جائزہ لے لیا گیا تھا اور لوگ اتنی ساری جائیداد کے بارے میں جان کر حیران رہ گئے تھے۔

اس وقت کافی تفصیل سے ایک ایک فائل دیکھی تھی۔ یہاں لاہور میں بھی ہماری کافی جائیداد تھی۔ ایک کمرشل پلازہ تھا، جس کا نام سن رکھا تھا۔ لیکن تایا ابو کو اس بات کا علم نہیں تھا کہ یہ پلازہ امتیاز احمد کی ملکیت ہے۔ پاپا نے یہ پلازہ خود خریدا تھا اور اب اس میں بڑے بڑے، شاندار دفاتر اور نیچے کئی بڑے بڑے اسٹور واقع تھے۔

"کیا اندازہ لگا سکو گے کہ مارکیٹ میں اس پلازے کی کیا قیمت ہوگی؟"

"تایا ابو! ہمیں تو کچھ بھی نہیں معلوم۔"

"اربوں روپے کی ملکیت ہے یہ، اربوں روپے کی۔ سمجھے، میں نے غلط تو نہیں کہا تھا۔ اور یہ بات میں پورے دعوے سے کہتا ہوں کہ امتیاز احمد نے یہ جگہ بہت زیادہ مہنگی نہیں خریدی ہوگی۔ اور پھر...... ارے ہاں، مجھے یاد آیا، ایک بار اُس نے تذکرہ کیا تھا کہ گلبرگ میں وہ تعمیراتی کام کرا رہا ہے۔ بس اتفاقی طور پر ہی کہہ دیا تھا اُس نے۔ ورنہ وہ ہمیں اپنے معاملات سے آگاہ نہیں رکھتا تھا۔ یقیناً یہ وہی پلازہ ہوگا۔ لیکن جو کچھ میں کہہ رہا ہوں، تم لوگ بھی یقین کر لو۔ یہ اتنی ہی مالیت کا ہے۔"

پھر دوسری فائلیں دیکھی جانے لگیں۔ تین بنگلے موجود تھے ہمارے۔ دو ڈیفنس میں تھے، ایک ماڈل ٹاؤن میں تھا۔ اس کے علاوہ زمینوں کی پوری تفصیل تھی۔

"تم لوگ تو ارب پتی ہو۔ اپنے آپ کو جانتے ہی نہیں تھے۔ بڑا غلط کرتے ہیں وہ لوگ، جو اپنے بچوں کو اپنے ذاتی معاملات سے اتنا دُور رکھتے ہیں۔ زندگی موت کا کیا بھروسہ، اپنے غلط فیصلوں پر انہیں پچھتانے کا موقع بھی نہیں ملتا اور وہ اپنی تمام محنت کی کمائی اپنی اولاد اور اپنے اہلِ خاندان سے خفیہ رکھنے کے چکر میں دوسروں کی نذر کر جاتے ہیں۔ خدا، امتیاز احمد کی مغفرت کرے۔"

پھر زمینوں کی فائلیں دیکھی جانے لگیں۔ بھکھی نامی جگہ پر کافی زمینیں تھیں۔ سانگلہ ہل میں بہت ساری زمینیں تھیں۔ اور پھر گکھڑ نامی ایک جگہ میں ایک رائس مل تھا، جو سرفراز رائس ملز کے نام سے جانی جاتی تھی۔ یہ سب ہماری ملکیت تھی۔ ہم لوگ تو خود ان فائلوں کو دیکھ کر حیران تھے۔ بہت دیر تک فائلیں دیکھی جاتی رہیں۔ اسی دوران حرا، سلطانہ، دانیہ اور ماما بھی ہمارے پاس ہی آ گئی تھیں۔ حمیدہ نے سب کو کافی سرو کر دی اور ہم کافی کے چھوٹے چھوٹے گھونٹ لینے لگے۔

"تو جناب، شہاب صاحب! اور محترم بھائی سرفراز صاحب! آپ لوگوں نے اپنی جائیدادوں سے واقفیت حاصل کر لی؟" سلطانہ نے کہا۔

"لڑکیو! احترام کرو ان دونوں کا۔ یہ ارب پتی ہیں، ارب پتی۔ طاہرہ خانم پتہ نہیں،

اپنے آپ کو کیا سمجھتی ہوں گی۔ بے شک، اُنہوں نے بڑی چالاکی سے جائیداد اور دولت
کے حصے بخرے کیے ہیں، لیکن انہوں نے کتنا ہی بنا لیا ہو، امتیاز احمد نے جو کچھ کیا ہے، اس
کے مقابلے میں وہ کچھ بھی نہیں ہیں۔ اگر یہ تمام تفصیلات اُن کے سامنے آ جائیں تو شاید ان
کے دل کی حرکت ہی بند ہو جائے۔''

''چلئے، تائی اماں کا غرور تو ٹوٹے گا۔'' سلطانہ نے کہا۔

''جانتی ہو، وہ بڑا پلازہ، جس کے بارے میں ایک بار ہم وہاں سے گزرتے ہوئے
باتیں کر رہے تھے، امتیاز احمد کی ملکیت ہے۔''

''ارے وہ...... کیا واقعی؟'' دونوں لڑکیوں کے منہ حیرت سے کھل گئے اور پھر وہ چپ
چپ سی ہو گئیں۔

سرفراز بھائی نے کہا۔ ''تایا ابو! ایک اجازت لینا چاہتا ہوں، آپ سے۔''

''گھر چھوڑنے کی بات کر رہے ہو؟'' تایا ابو نے کہا۔

''نہیں، تایا ابو! آپ ہماری کسی بات سے غلط فہمی کا شکار نہ ہوں۔ ہم آپ کا یہ گھر کبھی
نہیں چھوڑیں گے، جب تک کہ آپ خود ہمیں یہاں سے نہیں نکال دیں گے۔''

''وعدہ کرتے ہو؟'' تایا ابو، لرزتی ہوئی آواز میں بولے۔

''جو قسم آپ چاہیں، لے لیں۔ میں جانتا ہوں، میرے بہن بھائی اور میری ماما میری
بات کی کبھی مخالفت نہیں کریں گے۔'' سرفراز بھائی نے جذباتی لہجے میں کہا۔

''مجھے یقین ہے...... اور تم جس چیز کی اجازت لینا چاہتے ہو، میری طرف سے اُس
کی اجازت ہے۔''

''بغیر پوچھے؟'' میں نے مسکرا کر کہا۔

''ہاں، شہاب! بس یہاں سے جانے کی بات مت کرنا۔'' تایا ابو کی آنکھوں میں آنسو
ڈبڈبا آئے۔

ہم بہت دیر تک اُنہیں دلاسے دیتے رہے۔ سلطانہ اور حرا حیرت انگیز طور پر خاموش
تھیں۔ میں نے کہا۔ ''تم لوگوں کو کیا ہوا؟''

''بھئی، دنیا اسی کا نام ہے۔ دولت اچھے اچھوں کی زبان بند کر دیتی ہے۔''

''سلطانہ اور حرا! تم ہمارا خاندان ہو، ہمارے لئے انتہائی قیمتی ہو۔ ہم پر اعتبار کرنا۔
تمہیں کبھی اپنے آپ سے الگ نہیں سمجھیں گے۔ یہ جائیداد اور دولت، جو کچھ بھی ہے، میں
نہیں جانتا کہ پاپا نے اس کو ہم سے خفیہ کیوں رکھا تھا۔ بہر حال، ساری باتیں اپنی جگہ، لیکن
تم لوگ کبھی ہم سے الگ نہیں رہو گی۔''

حرا اور سلطانہ، سسکیاں لینے لگیں۔

''چلو بھئی، اب یہ جذباتی مناظر ختم کرو۔ وہ اجازت والی بات درمیان میں رہ گئی۔''
تایا ابو نے کہا۔

''تایا ابو! میں سوچ رہا ہوں، ایک گاڑی خرید لوں۔ اب یہاں ہم لوگوں کی مصروفیت
بڑھ جائے گی۔ اب یہ ضروری تو نہیں ہے کہ ہم سلطانہ ہی کو پریشان کرتے رہیں۔ میں ایک
ڈرائیور بھی فوری طور پر رکھ لوں گا، اس طرح ہمیں آسانی ہو جائے گی۔''

تایا ابو نے ایک لمحے کے لئے کچھ سوچا، پھر بولے۔

''دیکھو، ویسے تو یہاں گاڑی موجود ہے۔ تم اطمینان سے اسے اپنی تحویل میں رکھو۔ ہم
لوگ اسے استعمال ہی کہاں کرتے ہیں؟ لیکن اگر تم یہ سمجھتے ہو کہ ایسا ضروری ہے تو چلو ٹھیک
ہے، ایک سے دو ہو جائیں گی۔ کوئی حرج نہیں ہے۔ مجھے کوئی اعتراض نہیں ہے۔''

''مجھے ہے۔'' سلطانہ فوراً بولی اور سب لوگ چونک کر اُسے دیکھنے لگے۔ ''جنابِ عالی!
نئی گاڑی کی ڈرائیور میں ہوں گی۔ باہر کے کسی ڈرائیور کو نہیں رکھنے دوں گی۔ اگر ذرا بھی غلط
گاڑی چلاؤں تو مجھے نوکری سے نکال دیا جائے۔''

''نہیں سلطانہ! تم سر آنکھوں پر۔ لیکن کیا یہ اچھا لگے گا کہ بھائی برابر بیٹھے ہوں اور بہن
گاڑی چلائے۔ تو تایا ابو! آپ کی طرف سے یہ بات طے۔ اور ویسے بھی یہ تمام جگہیں دیکھ
کر ان کا کنٹرول بھی سنبھالنا ہو گا۔ میں اپنی زمینوں پر بھی جانا چاہتا ہوں۔ اس کے لئے
ڈرائیور انتہائی ضروری ہو گا۔ ظاہر حسین صاحب سے بھی بات کروں گا۔ البتہ گاڑی کے سلسلے
میں ذرا ان خواتین کی رائے لینا ہو گی کہ کون سی گاڑی لی جائے۔''

سرفراز بھائی نے حرا اور سلطانہ کی طرف اشارہ کر کے کہا۔ حرا، بچگانہ انداز میں بولی۔

''ہائے، کوئی عمدہ سی گاڑی۔ بہت ہی اچھی۔ لیکن اس شرط کے ساتھ کہ کبھی کبھی مجھے
بھی چلانے کو دی جائے گی۔''

بہر حال، یہ بات طے ہو گئی اور بہت دیر تک ہم لوگ مختلف موضوعات پر باتیں کرتے
رہے۔ پھر دوسرے ہی دن سے اس مہم کا آغاز ہو گیا۔ سلطانہ سے میں نے خود فرمائش کی
تھی۔

''سلطانہ! آج تمہیں ڈرائیونگ کرنا ہو گی۔''

''ضرور جناب! ہم حاضر ہیں۔''

''تایا ابو، میں اور بھائی جان آج اپنی جائیداد وغیرہ دیکھنے جائیں گے۔''

''ہاں ہاں، کیوں نہیں۔''

تایا ابو نے بڑی خوشی سے دونوں بیٹیوں کو ساتھ جانے کی اجازت دے دی۔ دانی
خیر تھی ہی ہمارے ساتھ۔ چنانچہ گاڑی کے پچھلے حصے میں، میں، حرا اور دانیہ بیٹھے۔ آ
سلطانہ اور سرفراز بھائی۔

سلطانہ نے سب سے پہلے ہمیں گلبرگ کا پلازہ دکھایا، جو واقعی انتہائی خوب صورت تھ
"ہمیں اس پلازہ کی سیر کرنا ہو گی۔" حرا نے تجویز پیش کی۔ دانیہ نے اُس کا سا
دیا۔ چنانچہ ہم گاڑی پارک کر کے باہر آ گئے اور اس کے بعد اپنے اس پلازہ کی سیر کر
لگے، جو کئی منزلہ تھا۔ جدید ترین عمارت تھی۔

ہم لوگ ایک عجیب سی کیفیت میں اس پلازہ کی سیر کرتے رہے۔ یہاں موجود لوگو
کے وہم و گمان میں بھی نہیں ہو گا کہ اس وقت جو یہ چند لوگ نظر آ رہے ہیں، وہ اس پلا
کے مالک ہیں۔ ہمیں عام گاہک ہی سمجھا جاتا رہا ہو گا۔ بہرحال اس طرح کے بچگا
احساسات کم از کم میرے دل میں تو تھے، باقی لوگوں کی کیا کیفیت تھی، اس کا کوئی اندا
نہیں تھا۔

بہت دیر تک ہم اس پلازہ کی سیر کرتے رہے اور اس کے بعد وہاں سے نکل آئے۔
اور سلطانہ کے چہروں سے خاص طور سے یہ احساس ہوتا تھا کہ وہ بہت زیادہ متاثر ہیں۔
اس کے بعد ہم دوسری جگہوں کو دیکھتے رہے۔ جن بنگلوں کی نشاندہی کی گئی تھی، وہاں
پہنچے۔ بے مثال عمارتیں تھیں۔ پاپا نے واقعی اپنے وطن میں بہت کچھ کر ڈالا تھا۔ پتہ نہیں
خاندان والوں کو اس کے بارے میں کچھ معلومات تھیں یا نہیں۔

وہاں سے واپس پلٹے، گلبرگ کے بنگلے پر آئے، اُسے دیکھا۔ پھر سرفراز بھائی نے
اور سلطانہ سے کہا۔

"ہاں بھئی، یہ بتاؤ، تمہیں ہوٹل وغیرہ میں کھانا کھانے کی اجازت ہے یا نہیں؟"

حرا نے مسکرا کر سلطانہ کو دیکھا اور بولی۔

"کبھی نوبت نہیں آئی۔ ہمارے کون سے بھائی بیٹھے تھے، جو ہمیں ہوٹلوں وغیرہ
کھانا کھلاتے۔ اب اللہ نے آس بنا دی ہے۔"

میں اور سرفراز بھائی ہنسنے لگے۔ پھر سرفراز بھائی نے کہا۔

"تایا ابو کو اعتراض تو نہیں ہو گا؟"

"نہیں...... ابو نے ہمیں اجازت دے رکھی ہے کہ ہم جب بھی چاہیں، گھومنے پھر
جا سکتے ہیں۔ اب یہ الگ بات ہے کہ ہم کبھی کسی ہوٹل وغیرہ میں کھانا کھانے کی ہمت نہ
کر سکے۔ البتہ اگر کوئی شادی کی تقریب ہوٹل وغیرہ میں ہوئی تو ہم ضرور گئے ہیں۔ ہم

تمام بڑے ہوٹل دیکھ رکھے ہیں۔"

"تو پھر آؤ، کہیں بیٹھ کر کھانا کھاتے ہیں۔"

ایک عمدہ سے ہوٹل کا انتخاب کیا گیا اور وہاں بیٹھ کر کھانا طلب کر لیا گیا۔ کھانے سے
فراغت ہوئی تو سرفراز بھائی نے کہا۔

"تم لوگ بیٹھو، ہم ابھی آئے۔ کہیں دُور نہیں جا رہے، ہوٹل ہی میں ہیں۔ آؤ شہاب!
ذرا میرے ساتھ آؤ۔"

میں خاموشی سے اُٹھ گیا۔ سرفراز بھائی، ہال سے باہر نکل کر ہوٹل کے ایک ایسے حصے
میں پہنچ گئے، جہاں بڑے بڑے شیشوں سے باہر کی بڑی سڑک نظر آتی تھی۔

سرفراز بھائی ایک طرف کھڑے ہو گئے اور شیشوں کے دوسری طرف دیکھنے لگے۔ پھر
انہوں نے کہا۔

"شہاب! خود کو قابو میں رکھنا، ایک انکشاف کرنا چاہتا ہوں تم پر۔"

سرفراز بھائی کا لہجہ بڑا سنجیدہ سا تھا۔ میں چونک کر اُن کی جانب متوجہ ہو گیا۔

"خیریت؟"

"وہ، سڑک کے دوسری طرف اُس بلیک لینڈ کروزر کو دیکھ رہے ہو؟" انہوں نے ایک
گاڑی کی طرف اشارہ کیا اور میں اُس طرف دیکھنے لگا۔ بڑی شاندار گاڑی تھی۔ میں نے
کہا۔

"ہاں...... خیریت؟"

"شہاب! یہ لینڈ کروزر اُس وقت سے ہمارے پیچھے ہے، جب ہم سمن آباد کے
دوسرے گول چکر سے آگے بڑھے تھے۔"

"پیچھے ہے؟ یعنی تعاقب میں؟"

"ہاں...... یہ لینڈ کروزر کافی دیر سے ہماری گاڑی کے پیچھے لگی ہوئی ہے۔ جہاں
جہاں ہم گئے، میں نے اسے اپنے پیچھے دیکھا۔ اور اب بھی یہ یہاں موجود ہے۔"

"کیا واقعی بھائی جان؟" میرا لہجہ تجسس میں ڈوبا ہوا تھا۔

"ابتداء میں تو میں نے غور نہیں کیا۔ لیکن پھر میں نے اُسے پلازہ کے سامنے دیکھا،
اس کے بعد یہ 'ڈیفنس' کے ایک بنگلے کے پاس بھی مجھے نظر آئی۔ تب مجھے ذرا سا تعجب ہوا کہ
یہ گاڑی ہمارے ساتھ کیوں لگی ہوئی ہے۔ بس اس کے بعد سے میں نے اس پر نگاہ رکھی۔
اب یہ پھر ہمارے سامنے ہے۔"

"تعجب ہے...... کون ہو سکتا ہے، اس میں؟"

"اس موضوع پر ابھی بات نہیں کر سکتے۔ لیکن یہ چیز ہمیں احساس دلا رہی ہے کہ پاپا کا
خیال بالکل ٹھیک تھا۔ یہاں ہمارے دشمن موجود ہیں، اور ہمیں اُن سے محتاط رہنا ہے۔ ظاہر
ہے، کسی نہ کسی کو تو ہماری آمد کے بارے میں علم ہوا ہوگا۔ میرے ذہن میں ایک اور بات
بھی آتی ہے۔"

"کیا؟"

"نہیں چھوڑو...... اس موضوع پر بعد میں بات کریں گے، ذرا اطمینان سے بیٹھ کر۔
کیا سمجھے؟"

"ٹھیک ہے، بھائی جان! لیکن اگر آپ کہیں تو میں کسی بہانے سے باہر نکل کر اسے
دیکھوں؟"

"بچوں جیسی باتیں مت کرو۔ میں نے کہا نا، ہمیں محتاط رہنا ہوگا۔"

میں نے ایک بار پھر اس لینڈ کروزر پر نگاہ ڈالی، جس کے تمام شیشے تاریک تھے۔ وہ
ایک بہت شاندار گاڑی تھی۔ اس کا مطلب ہے کہ اگر واقعی کوئی ہمارا تعاقب کر رہا ہے، تو
کوئی صاحب حیثیت انسان ہی ہے۔ مگر کون؟

ہم لوگ واپس ان لوگوں کے پاس آ گئے۔ حرا اور سلطانہ خوشی سے دیوانی ہوئی جا رہی
تھیں۔ کھانوں کی تعریفیں ہو رہی تھیں۔ پھر ہم واپس چل پڑے۔

گھر کا ماحول بہتر ہی تھا۔ تایا ابو ہم سے ہماری اس بھاگ دوڑ کی تفصیل پوچھتے رہے۔
پھر موقع پا کر میں اور شہاب بھائی گھر کے اس دوسرے حصے میں آ گئے، جہاں ہمارے قیام
کے لئے تایا ابو نے شایانِ شان بندوبست کیا تھا۔

بھائی جان بہت سنجیدہ تھے۔ میں نے افسوس بھرے لہجے میں کہا۔ "ایک گڑبڑ ہو گئی،
بھائی جان!"

"کیا؟" وہ چونک کر مجھے دیکھنے لگے۔

"اُس لینڈ کروزر کا نمبر ہمیں دیکھنا چاہئے تھا۔"

"میں نے دیکھ لیا ہے۔" بھائی جان نے مسکرا کر کہا۔

"ارے واہ۔ تب تو ہمیں اس کے بارے میں پتہ چل سکتا ہے۔ رجسٹریشن آفس سے
معلومات حاصل کرنا ہوں گی۔" میں نے کہا اور بھائی جان ایک دم کسی سوچ میں ڈوب
گئے۔ تھوڑی دیر تک سوچتے رہے، پھر اُنہوں نے کہا۔

"شہاب!...... میں تم سے خاص طور پر کچھ باتیں کرنا چاہتا ہوں۔ میری یہی خواہش
تھی کہ ذرا سا الگ بیٹھنے کا موقع مل جائے۔ اس وقت اگر ہم یہاں نہ آتے تو رات کو میں تم

سے یہ باتیں کرتا۔"

"کیا، بھائی جان؟"

"نہیں...... کوئی ایسی بات نہیں ہے کہ اُلجھانے والی یا پریشان کن ہو۔ تم نے دیکھ لیا
کہ اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے پاپا نے اتنا کچھ کر لیا ہے کہ وہاں مناما میں تو ہم سوچ بھی
نہیں سکتے تھے۔ پھر زمینوں اور جائیدادوں کی جو تفصیل ہمارے سامنے آئی ہے، اس کا بھی
تمہیں علم ہے۔ میں سوچ رہا ہوں کہ اتنی ساری جائیداد کو سنبھالنے کے لئے، اس کا مکمل
کنٹرول کرنے کے لئے ہم دونوں کافی نہیں ہیں۔ دوسری ایک بات یہ ہے شہاب! کہ دنیا
میں کوئی بھی ہو، اُس پر مکمل اعتماد کر کے بیٹھ جانا مناسب نہیں۔ ہمیں جو کچھ کرنا ہے، اپنے
طور پر ہی کرنا ہوگا۔ میری مراد اس وقت ظاہر حسین سے ہے۔ بہت نفیس انسان ہیں اور
انہوں نے بڑی دیانتداری کے ساتھ ہمیں ہمارے اثاثوں کی تفصیل بتا دی ہے۔ ہم صرف
ان پر بھروسہ کر کے سارے کام نہیں کر سکتے۔ ہمیں ایک چھوٹا سا آفس بنانا ہوگا، جس میں
ہمیں اپنے ساتھ کام کرنے والے چند ایسے لوگوں کی ضرورت بھی ہوگی، جو ہمارے مفادات
کی نگرانی کر سکیں۔ آج اس لینڈ کروزر کے تعاقب سے یہ احساس بھی ہو گیا کہ ہم مکمل طور پر
محفوظ نہیں ہیں اور کوئی ہماری ٹوہ میں لگا ہوا ہے۔ وہ کون ہے، یہ تو بعد میں معلوم ہوگا، لیکن
پاپا کے الفاظ بار بار یاد آتے ہیں کہ وہاں ہماری کچھ دشمنیاں چل رہی ہیں۔ شہاب! اللہ تعالیٰ
ہم سب کو محفوظ رکھے، میں غیر محتاط نہیں رہنا چاہتا۔ بہت زیادہ تجربے کار تو نہیں کہتا اپنے
آپ کو، لیکن دنیا سے تھوڑا تجربہ ضرور حاصل ہوا ہے۔ وہ یہ کہ صرف وقت پر انحصار کرنے
والے کبھی اپنا تحفظ کرنے میں کامیاب نہیں ہو پاتے۔ انسان کو خود آگے بڑھ کر بہت کچھ کرنا
ہوتا ہے۔ اور ہمارے لئے بھی یہ بہت ضروری ہے۔ کیا سمجھے؟"

"بھائی جان! آپ بالکل ٹھیک کہہ رہے ہیں۔ میں آپ سے اس بات پر مکمل اتفاق
کرتا ہوں کہ ہمیں کچھ کارکن درکار ہوں گے۔ اور اُن کی کھوج ہم خود کریں گے۔ بڑے
آرام سے ہم اخبارات میں اشتہار دے کر اپنے لئے ضروری لوگوں کا انتخاب کر سکتے ہیں۔"

"لیکن ہمیں یہ بھی سوچنا ہوگا کہ اگر اخبار کا اشتہار ہماری طرف سے ہوا تو ہمارے
درمیان غلط لوگ بھی بھیجے جا سکتے ہیں۔"

میں نے مسکراتی نگاہوں سے سرفراز بھائی کو دیکھا اور کہا۔ "تسلیم کر لیا کہ آپ کی سوچ
اور آپ کا تجربہ مجھ سے بہت آگے ہے۔"

سرفراز بھائی مسکرانے لگے، پھر بولے۔ "پاپا کو قتل کیا گیا ہے، کم از کم اس بات پر مجھے
تو کوئی شبہ نہیں ہے۔ پاپا کے قاتلوں کی تلاش بھی ہماری زندگی کا اہم مقصد ہے۔ ہمیں بہت

سے محاذوں پر ایک ساتھ کام کرنا ہوگا۔ میں بس آخری بار منانا جانا چاہتا ہوں، تاکہ وہاں جا کر کمپنی سے ایک دیانت دارانہ سمجھوتہ کرلیا جائے۔''

''بالکل، بھائی جان!''

''مگر اب مجھے ذرا سی تشویش ہوگئی ہے کہ ہمارے دشمنوں کو شاید ہماری یہاں آمد کا علم ہوگیا ہے۔ یہ وہ لوگ بھی ہوسکتے ہیں، جنہوں نے پاپا کو قتل کیا ہے۔ کیا سمجھے؟''

میں پُر خیال انداز میں گردن ہلانے لگا۔ اسی وقت حمیدہ اندر آگئی اور اس نے کہا۔

''بڑے بھائی! آپ کو بڑے سرکار بلا رہے ہیں۔'' سرفراز کو وہ بڑا بھائی کہہ رہی تھی۔

سرفراز بھائی نے کہا۔ ''آؤ، چل رہے ہو؟''

''آپ جائیے، میں ذرا یہاں بیٹھتا ہوں۔'' میں نے کہا اور سرفراز بھائی گردن ہلا کر چلے گئے۔

میں اپنی جگہ بیٹھا سرفراز بھائی کی باتوں پر غور کرتا رہا۔ ان کا کہنا بالکل درست تھا۔ ہمیں کچھ لوگوں کو اپنے مددگار کے طور پر اپنے ساتھ شامل کرنا تھا، لیکن اس کے لئے ہمیں کوئی اُلجھا ہوا طریق کار اختیار کرنا ہوگا۔ آفس بھی بنانا ضروری ہوگیا ہے۔ کیونکہ زمینوں وغیرہ کے چکر بھی لگانے ہوں گے۔ ایک باقاعدہ سیٹ اپ بنانا ہوگا۔

ہم سب اس بات پر متفق تھے کہ ہماری رہائش یہیں، اسی گھر میں ہونی چاہئے۔ تایا ابو کو بھی نہیں چھوڑا جاسکتا تھا، اور دادی اماں کو بھی نہیں۔ ماضی میں جو کچھ بھی ہوا ہو، لیکن اب تو وہ شخص بھی دنیا میں موجود نہیں تھا، جس سے ان لوگوں کا بگاڑ ہوا تھا۔ چنانچہ ہم ذرا رشتے داروں کو بھی دیکھیں گے۔ اگر یہ آفس یہیں کسی جگہ بنا دیا جائے تو کیسا رہے گا۔ ظاہر ہے، ہمیں کوئی کاروبار تو کرنا نہیں ہے، صرف اپنی جائیداد کی دیکھ بھال کے لئے کچھ لوگوں کو اپنے پاس بٹھانا ہوگا۔ میں نے اس حصے کو دیکھا تھا، لیکن اس نگاہ سے نہیں دیکھا تھا۔ چنانچہ اٹھ کر اس رہائشی حصے کے ایسے حصوں کو دیکھنے لگا، جن کا تعلق باہر کے دروازوں سے براہِ راست ہو اور وہاں آفس بنایا جاسکے۔

دو تین کمروں کو دیکھ کر میں اس آخری کمرے میں پہنچا، جو کسی قدر نیم تاریک تھا۔ یہ ایک ایسا کمرہ تھا، جس سے نکلنے کے بعد بیرونی پھاٹک تک جایا جاسکتا تھا۔ میں دیوار پر سوئچ تلاش کرنے لگا تاکہ کمرے کو روشن کرکے اس کا جائزہ لے سکوں، کہ اچانک ہی مجھے ایک بلی جیسی غراہٹ سنائی دی۔ اور میری نگاہیں اس گوشے کی جانب اُٹھ گئیں، جو پورے کمرے کا سب سے تاریک گوشہ تھا۔

وہاں میں نے دو آنکھیں دیکھیں۔ دو بھیانک سفید آنکھیں...... جن میں پُتلیاں نہیں

تھیں۔ لیکن اس وقت یہ آنکھیں کسی چمگادڑ یا بلی کی نہیں تھیں، بلکہ اس نیم تاریک ماحول میں، میں نے بھاری بدن کی ایک عورت کو دیکھا، جو کالی بھجنگ اور فربہ جسم کی مالک تھی اور جس کے سفید سفید دانت غراہٹ کے انداز میں باہر نکلے ہوئے تھے۔

میں ایک دم ٹھٹھک گیا۔ اسی وقت اس عورت نے ایک خوف ناک غراہٹ کے ساتھ مجھ پر جھپٹا مارا اور اپنا منہ کھول کر میری گردن کو اپنے دانتوں کی گرفت میں لینے کی کوشش کرنے لگی۔ جو کچھ ہوا تھا، بالکل غیر متوقع تھا۔

میں نے ایک بھرپور گھونسہ اُس کے منہ پر مارا، جو اُس کے جبڑوں اور گردن کے درمیانی حصے پر لگا۔ عورت کی گردن گھوم گئی۔ جیسے ہی اُس کی گردن گھومی، میں نے ایک زوردار لات اُس کے رسید کی اور وہ کئی فٹ پیچھے ہٹ گئی۔ لیکن اُس نے اپنے دونوں ہاتھ پھیلا دیئے تھے۔

میں نے دیکھا کہ اُس کے ہاتھوں کی اُنگلیوں سے اچانک لمبے لمبے ناخن باہر نکل آئے ہیں۔ میں بہت زیادہ دلیر نہیں تھا، نہ ہی میں نے کبھی اس طرح کی لڑائی لڑی تھی۔ ہم لوگ تو بہت ہی امن پسند تھے۔ لیکن اس وقت زندگی اور موت کا سوال تھا۔ خوف سے اپنے اعصاب کو نڈھال کرنے کے بجائے مجھے اپنی زندگی بچانی تھی۔ چنانچہ میں نے اِدھر اُدھر نگاہیں دوڑائیں۔

عورت پھر اسی وحشیانہ آواز کے ساتھ مجھ پر حملہ آور ہوئی تھی۔ وہ ذرا بھاری بدن کی تھی اور میں ہلکے پھلکے، ورزشی جسم کا مالک۔ چنانچہ میں پھرتی سے ایک جانب ہوگیا۔ لیکن اسی وقت میرا بایاں پاؤں ایک چھوٹی سی میز سے ٹکرایا، جس پر ایک پیتل کا گلدان رکھا ہوا تھا۔

گلدان لڑھکا تو میں نے اسے بے اختیار اپنے ہاتھوں میں پکڑ لیا۔ لیکن ساتھ ہی مجھے اس کے وزن کا احساس ہوا اور فوراً ہی یہ ترکیب میرے ذہن میں آگئی کہ اس وقت میں اس گلدان کو اپنا ہتھیار بنا سکتا ہوں۔ اس دوران عورت دانت نکوستی ہوئی تیسری بار میرے قریب پہنچ چکی تھی۔

میں نے پوری قوت سے گلدان والا ہاتھ اُس کی طرف گھمایا، جو اُس کے شانے پر لگا اور عورت کے حلق سے بالکل ایسی غراہٹ نکلی، جیسے کسی بلی کو چوٹ لگ گئی ہو۔ لیکن اس نے ہار نہیں مانی تھی۔ اس نے اپنے بازو کی چوٹ کی پروا کئے بغیر پھر مجھ پر حملہ کیا اور اس وقت ممکن تھا کہ میرا داہنا شانہ اُس کے دانتوں کی گرفت میں آجاتا کہ میں نے پھر گلدان گھمایا اور اس وقت یہ گلدان اس کے سر پر پڑا۔ دوسرے لمحے میں نے اُس کا چہرہ خون سے سرخ ہوتے ہوئے دیکھا۔ لیکن اس نے پھر بھی ہار نہیں مانی تھی۔ اب اس کی غراہٹ انسانی

آوازوں میں بدل گئی تھی۔

''نہیں چھوڑوں گی......نہیں چھوڑوں گی تجھے۔ یا میں رہوں گی، یا تُو۔ نہیں چھوڑ
گی۔'' یہ کہہ کر وہ پھر مجھ پر حملہ آور ہوئی۔

میرے پاس اب اس کے سوا کوئی چارہ نہیں تھا کہ میں اس گلدان کو اپنا ہتھیار بنا
اس سے جنگ کرتا رہوں۔ میں نے پھر اپنے دونوں ہاتھ گھمائے۔ گلدان اب میں
دونوں ہاتھوں سے پکڑ لیا تھا، تاکہ ضرب کی قوت بڑھ جائے۔ اس بار گلدان اُس کے سینے
پڑا اور اُس کے حلق سے ہائے کی آواز نکلی۔

وہ چند قدم پیچھے ہٹی تو میں نے آگے بڑھ کر پاؤں کی ٹھوکر اُس کی پنڈلی پر ماری اور
ایک ٹانگ سے اُچھلنے لگی۔ اُس کا رُخ خود بخود تبدیل ہو گیا تھا۔ وہ کافی زخمی ہو گئی تھی
چنانچہ وہ تیزی سے بھاگی اور اس کے بعد میں نے اُسے ایک دیوار میں گم ہوتے ہو
دیکھا۔

میں خاموشی سے اپنی جگہ کھڑا خونی نگاہوں سے اُدھر دیکھ رہا تھا۔ نجانے کہاں سے ا
میرے اندر یہ ہمت پیدا ہو گئی تھی کہ میں نے فوراً یہاں سے بھاگنے کی کوشش نہیں کی، ب
اُس کی واپسی کا انتظار کرتا رہا۔ اور پھر میرے حلق سے آواز نکلی۔

''دیکھو! میں یہاں کسی سے دشمنی کے لئے نہیں آیا۔ لیکن اگر تم نے مجھ سے دشمنی کی
مجھے نقصان نہیں پہنچا سکو گے۔ جب تمہارا دل چاہے، کھل کر میرے سامنے آ جانا، میں
سے مقابلہ کروں گا۔'' یہ کہہ کر میں واپس پلٹا۔

گلدان کو اس کی جگہ رکھ کر میں دروازے سے باہر نکل آیا، پھر انتہائی پُر اعتماد قدمو
سے چلتا ہوا میں دروازے تک آیا اور باہر نکل کر اپنے کمرے کی جانب بڑھ گیا۔ اور کچھ د
کے بعد میں غسل خانے کے آئینے میں اپنا جائزہ لے رہا تھا۔ میرے جسم پر خون کی کو
چھینٹ نہیں پڑی تھی اور بظاہر لباس پر کوئی ایسا نشان بھی نہیں تھا، جو کسی کی توجہ کا باعث بن
جاتا۔ میں نے اس روشن دان کی طرف دیکھا، جہاں مجھے چمگادڑ نظر آئی تھی۔

پھر میں نے ڈریسنگ ٹیبل میں لگے آئینے کی طرف دیکھ کر کہا۔ ''کسی سے تمہار
بارے میں کچھ نہیں کہوں گا۔ آؤ، باہر آؤ۔ میں دیکھتا ہوں، تم کس طرح مجھ پر قابو پا سک
ہو۔''

بڑی احمقانہ باتیں تھیں، لیکن مجھے یہ لگ رہا تھا، جیسے یہ میں نہیں بول رہا، میری آوا
میں کوئی اور بول رہا ہے۔

تھوڑی دیر بعد میں اپنے کمرے سے باہر نکل آیا اور ماما کے کمرے میں پہنچ گیا۔

بھی کمرے میں موجود نہیں تھیں۔ لڑکیاں بھی نظر نہیں آ رہی تھیں۔ اُن لوگوں کو تلاش کرتا ہوا
میں بیرونی حصے میں نکل آیا۔ ہفتے وار کام کرنے والا مالی آیا ہوا تھا اور کیاریوں پر کام کر رہا
تھا۔ سب لوگ وہیں موجود تھے اور اپنے اپنے مشورے دے رہے تھے۔

ماما کو پھول بہت زیادہ پسند تھے اور وہ تایا ابو سے فرمائش کر رہی تھیں کہ پھولوں کے اور
بہت سے گملے لگائے جائیں۔ ماما نے باغبانی کا کورس بھی کیا ہوا تھا اور وہ اپنی معلومات کا
اظہار کر رہی تھیں۔ میں بھی اُن کے درمیان پہنچ گیا۔ بھائی جان موجود نہیں تھے۔ میں اُن کی
باتوں میں دلچسپی لینے لگا۔ میں نے ماما سے کہا۔

''ماما! وہ دوسری طرف والا حصہ جو ہے نا، وہاں پر بھی کافی گملے وغیرہ لگے ہوئے ہیں،
سامنے والے دروازے سے اندر داخل ہونے والے دروازے تک کیاریاں بنی ہوئی ہیں۔
میرا خیال ہے، ہم صفائی کرا کے وہاں نئے پھولوں کے بیج ڈالیں گے۔''

''یہ مالی بابا بہت تجربہ کار ہیں۔ تم ان سے مشورے کر کے وہاں جو دل چاہے، لگوا لو۔''

''تایا ابو! ایک بات بتایئے۔'' مجھے اچانک کچھ یاد آ گیا اور میں نے تایا ابو کو مخاطب
کیا۔

''ہاں، بولو۔''

''تایا ابو! یہ پچھلے حصے کی صفائی کیوں نہیں کرائی جاتی؟ پچھلا حصہ جھاڑ جھنکاڑ سے بھرا
ہوا ہے۔ میرا خیال ہے، قرب و جوار کے لوگ بھی وہاں ناکارہ چیزیں پھینک دیتے ہیں۔
اگر ہم چاہیں تو اس گھر کو اسی شکل میں کافی صاف ستھرا کر سکتے ہیں۔ میں چاہتا ہوں کہ وہ
تمام جھاڑ جھنکاڑ صاف کرا دیئے جائیں، مالی بابا سے۔''

اتنا کہہ کر میں نے تایا ابو کے چہرے کی طرف دیکھا۔

مجھے ایک دم یہ احساس ہو گیا کہ تایا ابو کے چہرے پر کوئی خاص بات ہے۔ وہ عجیب سی
نگاہوں سے مجھے دیکھ رہے تھے۔ میں نے آگے بولنا چاہا تو اُنہوں نے ہاتھ اُٹھا کر مجھے
روک دیا اور پھر مالی بابا سے بولے۔

''وہ، اُدھر جو چار گملے رکھے ہوئے ہیں، انہیں خاص طور سے دیکھو، رمضان بابا! بڑے
اچھے پھول ہیں وہ۔ لیکن خراب ہو رہے ہیں۔''

''صاحب جی! ان کا موسم نہیں ہے۔ ابھی وہ ایسے ہی رہیں گے۔ لیکن اپنے موسم میں
تروتازہ ہو جائیں گے۔ میں گملوں کی صفائی کیے دیتا ہوں، نئی کھاد بھی ڈال دیتا ہوں۔ لیکن
اگر آپ یہ سوچو کہ ان میں پھول نکلنا شروع ہو جائیں گے تو یہ موسم ان پھولوں کا نہیں
ہے۔''

"اچھا، اچھا......تم ذرا اِدھر آؤ، شہاب!" تایا ابو نے کہا اور خواتین کو اُن کی باتوں میں مصروف چھوڑ کر مجھے ساتھ لئے ہوئے وہاں سے آگے بڑھ گئے۔ پھر انہوں نے کہا۔

"اس جھاڑ جھنکاڑ کو صاف کرانے کی اجازت نہیں ہے، شہاب! اگر اس میں کوئی رکاوٹ نہ ہوتی تو میں کبھی کا وہاں صفائی کرا چکا ہوتا۔"

"اجازت نہیں ہے، کیا مطلب؟......کیا اس طرف......"

"بیٹے! تم سے ایک درخواست کروں، اُدھر کے بارے میں یہاں موجود تمام افراد میں سے کسی سے کوئی سوال مت کرنا۔ کچھ باتوں کی تفصیل میں جانا مناسب نہیں ہوتا۔ یہ میری تم سے درخواست ہے۔ لیکن میں ایک بات اور بتا دوں، وہاں جو کچھ بھی ہے، ہمیں اس سے کوئی نقصان کبھی نہیں ہوگا۔ بس، پلیز! آ جاؤ۔"

تایا ابو نے کہا اور واپسی کے لئے مڑ گئے۔ اُن کا انداز بے حد عجیب تھا۔ اور مجھے یوں لگا، جیسے وہ بھی حرا اور سلطانہ کی طرح کسی انجانے خوف کا شکار ہو گئے ہوں۔ بہرحال، اب مجھے اندازہ ہوتا جا رہا تھا، یہاں اس عظیم الشان اور کئی کنالوں پر محیط احاطے میں صرف یہ تین یا چار افراد نہیں رہتے تھے، بلکہ کوئی پُراسرار مخلوق بھی یہاں قیام پذیر تھی اور اس کی یہاں اجارہ داری تھی، جسے توڑنا آسان کام نہیں تھا۔ اس کے لئے خاموشی ہی اختیار کرنا ضروری تھی۔ یہی بات حرا اور سلطانہ نے بھی کہی تھی۔ اور یہی بات آج تایا ابو نے بھی کہہ ڈالی تھی۔ لیکن میں چونکہ یہاں کی اصل حقیقت سے ناواقف تھا، اس لئے ان سے متفق نہ تھا اور میں نے بات اپنے دل میں رکھ لی۔

اسی وقت سرفراز بھائی اس حصے کی طرف آتے ہوئے نظر آئے، جو ہمارے لئے تیار کیا گیا تھا اور جہاں میں ایک سنسنی خیز واقعے سے دوچار ہو چکا تھا۔ بھائی جان کا چہرہ سرخ ہو رہا تھا۔ میں نے اِدھر اُدھر دیکھا اور پھر خود ہی بھائی جان کی جانب بڑھ گیا۔ باقی لوگوں نے اُن کی جانب کوئی توجہ نہیں دی تھی۔

میں بھائی جان کے قریب پہنچا تو انہوں نے پُرتجسس لہجے میں کہا۔

"شہاب! ذرا اِدھر آؤ۔" وہ مجھے ایک دوسرے گوشے میں لے گئے اور کہا۔ "میں اُس طرف سے آ رہا ہوں، ابھی۔"

"جی......میں نے دیکھا تھا۔"

"ایک عجیب بات بتاؤں، وہاں بیرونی کمرے میں خون کے بڑے بڑے دھبے پڑے ہوئے ہیں اور خون بھی بالکل تازہ تازہ ہے۔ پتہ نہیں، وہاں کیا ہوا ہے۔ اس کے علاوہ وہاں کا ایک گلدان خون سے سرخ ہے۔ وہ ایک تپائی پر رکھا ہوا ہے، لیکن یوں لگتا ہے، جیسے اسے

کسی کو زخمی کرنے کے لئے استعمال کیا گیا ہو۔ یہ کیا چکر ہے؟......تم آؤ ذرا، خود دیکھ لو، خون بالکل تازہ ہے۔"

میرے پورے بدن میں سرد لہریں دوڑ گئی تھیں۔ اب کیا کروں؟ کیا بھائی جان کو تمام صورتِ حال بتاؤں؟ اتنا سوچا ہی تھا کہ میرے کانوں میں ایک آواز گونجی۔

"نہیں۔"

اور میری پھر وہی کیفیت ہوئی۔ اندر سے دل ہول گیا تھا۔ یہ وہی آواز تھی، جو مجھے تیسری بار سنائی دی تھی اور اس آواز کا میں کوئی تعین نہیں کر سکا تھا کہ یہ مردانہ ہے یا زنانہ۔ یہ آواز مجھے خاص خاص موقعوں پر اپنا حکم سناتی تھی۔ چند لمحات خاموش رہنے کے بعد میں نے کہا۔

"ہو سکتا ہے، کوئی جانور وغیرہ ہو۔ یہ تو دیکھا ہے آپ نے کہ یہاں بلیاں کیا کیا حرکتیں کرتی پھرتی ہیں۔ پورا گھر ہی بلیوں سے بھرا ہوا ہے۔"

"مگر بلیاں کسی کو زخمی کرنے کے لئے گلدان تو استعمال نہیں کر سکتیں۔ تم ذرا چل کر دیکھو تو سہی۔ کیا کچھ کر رہے ہو یہاں؟"

"نہیں، کچھ بھی نہیں کر رہا۔" میرے اندر پہلے تو ہچکچاہٹ پیدا ہوئی اور اس کے بعد میں بھائی جان کے ساتھ چل پڑا۔

خون کے ان دھبوں کا راز مجھے معلوم تھا۔ گلدان پر لگے ہوئے خون کے بارے میں بھی میں جانتا تھا۔ لیکن وہاں پہنچنے تک میں یہ فیصلہ نہیں کر سکتا تھا کہ بھائی جان کو کیا بتاؤں۔ بہرحال، ہم اس حصے میں داخل ہو گئے اور بھائی جان مجھے سیدھے اسی کمرے میں لے گئے، جہاں اس منحوس پُراسرار وجود سے میرا مقابلہ ہوا تھا۔

بھائی جان نے اندر داخل ہو کر پُرجوش لہجے میں کہا۔ "دیکھو ذرا اِدھر......اِدھر دیکھو۔"

لیکن پھر جس طرف اُنہوں نے اشارہ کیا تھا، وہاں دیکھ کر خود حیران رہ گئے۔ "ارے، یہیں تو دیکھے تھے میں نے وہ دھبے۔ ارے، یہ کیا چکر ہے بھئی؟" وہ زمین پر جھک گئے۔ اور پھر تیزی سے اپنی جگہ سے اُٹھ کر پیتل کے اُس گلدان کی جانب لپکے۔ لیکن گلدان بھی بالکل صاف شفاف تھا۔ وہ اسے اُٹھا کر دیکھنے لگے۔ اور پھر اُنہوں نے سیٹی بجانے والے انداز میں ہونٹ سکوڑ لئے۔

"اتنی بڑی غلط فہمی تو نہیں ہو سکتی، یار! پورے ہوش وحواس کے عالم میں یہ بات کہہ رہا ہوں کہ میں نے یہاں خون کے دھبے دیکھے تھے۔ اور گلدان بھی دیکھا تھا، جو خون سے سرخ تھا۔ نہیں بابا! اپنی کھوپڑی میں تو یہ بات نہیں آ رہی، یہ دھبے کس نے صاف کر دیئے۔ پھر

صفائی کے نشانات بھی نہیں مل رہے۔ کوئی تو چیز رہنی چاہئے تھی۔"

"آپ نے روشنی جلائی تھی، بھائی جان؟"

"ہاں یار! روشنی ہی میں تو نظر آئے تھے وہ مجھے۔ یہ کیا چکر ہے؟"

"میں کیا عرض کر سکتا ہوں؟" میں نے شانے ہلاتے ہوئے کہا۔

بھائی جان بہت دیر تک سوچ میں ڈوبے کھڑے رہے، پھر گردن جھٹک کر بولے۔

"چھوڑو یار! یہاں ویسے ہی بے شمار مسئلے سر پر سوار ہیں۔ آؤ، واپس چلتے ہیں۔"

میں خاموشی سے بھائی جان کے ساتھ باہر نکل آیا تھا۔ کیاریوں میں مالی بابا کام تھا، جبکہ باقی لوگ اندر واپس جا چکے تھے۔ میں، سرفراز بھائی کے ساتھ ماما کے کمرے پہنچ گیا۔ تایا ابو، حرا اور سلطانہ موجود نہیں تھے، البتہ دانیہ، ماما کے پاس بیٹھی ہوئی تھی دونوں بھی وہیں جا کر بیٹھ گئے۔

ماما نے کہا۔

"تو پھر اب کیا سوچا تم لوگوں نے؟ میں یہاں بالکل مطمئن ہوں اور میرا بحرین جا کو بالکل دل نہیں چاہتا۔ اب ہم یہیں رہیں گے۔ خاندان میں دوسرے لوگوں کو بھی کرتے ہیں۔ ہو سکا تو پھر اس ٹوٹے ہوئے خاندان کو جوڑنے کی کوشش کریں گے۔ ناتے تو زندگی کے لئے بڑے ضروری ہوتے ہیں۔ پتہ نہیں، کون لوگ ہیں، جو اپنوں علیحدہ رہنا پسند کرتے ہیں۔ تمہارا کیا پروگرام ہے، سرفراز؟"

"ماما! میں یہی سوچ رہا ہوں کہ کیا کرنا چاہئے۔ یہاں ظاہر حسین صاحب کاغذات وغیرہ ملے ہیں، ان کے بارے میں مختصر تو میں آپ کو بتا چکا ہوں، لیکن ایک میں جانتا ہوں کہ ہمیں کچھ لوگوں کو اپنے لئے تلاش کرنا ہوگا، جو معقول معاوضے پر ہما لئے کام کر سکیں۔ ماشاء اللہ، بہت بڑا سیٹ اپ ہے، سب کچھ دیکھنا ہوگا۔ میں یہ سو تھا، پہلے بحرین چلا جاؤں یا پہلے یہاں کا انتظام کسی کے سپرد کر دوں۔"

"دیکھو، میں تمہیں ایک بات بتاؤں۔ تمہارے پاپا بھی یہ سارے معاملات خو ہینڈل کر رہے تھے۔ اگر وہ ضرورت محسوس کرتے تو یہاں کوئی آفس وغیرہ بنا لیتے۔ حسین صاحب اچھے آدمی ہیں، عارضی طور پر ابھی یہ معاملات انہی کے سپرد رہنے دو۔ تم یہ محسوس کرتے ہو کہ ہم یہاں مالی طور پر بہتر زندگی گزار سکتے ہیں، تو پھر اب بحرین بالکل بے کار ہے۔ بس، تم اس مقصد کے لئے جاؤ کہ وہاں اپنا چارج کسی اور کو دے دو اخلاقی فرض بھی ہے۔"

"میں نے یہی سوچا ہے، ماما! کہ پہلے تو ان لوگوں کو بتا دوں کہ میرا پاکستان سے

آنے کا کوئی ارادہ نہیں ہے۔ وہ پاپا اور میری جگہ نئے لوگوں کا انتخاب کر لیں۔"

ہم لوگ ابھی یہی باتیں کر رہے تھے کہ دروازے پر دستک ہوئی اور تایا ابو اندر آ گئے۔

"نادر خان صاحب کا فون ہے۔ بات کر لو۔" اُنہوں نے موبائل فون، سرفراز بھائی کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔

سرفراز بھائی اور میں اس سلسلے میں تجسس کا شکار تھے۔ ہو سکتا ہے، نادر خان نے یہ رابطہ پاپا کے قتل کے بارے میں کوئی سنسنی خیز انکشاف کرنے کے لئے کیا ہو۔

❀

نادر خان، اب تک ہمارے لئے فرشتہ ثابت ہوا تھا اور ہمارا متفقہ فیصلہ تھا کہ
کے قتل کے سلسلے میں مجرموں تک پہنچنے میں نادر خان ایک اہم کڑی ثابت ہوگا۔

سرفراز بھائی نے فون، تایا ابو کے ہاتھ سے لے لیا، سلام دعا ہوئی، پھر سرفراز بھائی کہا۔

''جی نادر خان صاحب!''

''میں نے ساری کارروائی مکمل کر لی ہے۔ ہر اس ممکن جگہ سے، جہاں سے اس فلیٹ کے بارے میں معلومات ہوسکتی تھیں، معلوم کرلیا ہے۔ کسی رمزی صاحب کا کوئی وجود نہیں ہے۔ اس نام کا کوئی شناختی کارڈ ہے اور نہ کوئی تفصیل مہیا کی گئی ہے۔ سارا سلسلہ فرضی سلسلہ ہے۔ اس سے یہ ثابت ہوا ہے کہ کسی مصلحت کی بنا پر خود امتیاز احمد صاحب نے فلیٹ کسی رمزی کے نام سے خریدا ہے۔ دیکھیں، اگر رمزی نام کے کسی شخص کا وجود ہوتا وہاں کوئی ایسی چیز ضرور ملتی، جس کا تعلق رمزی سے ہوتا۔ بات یہاں ختم ہو جاتی ہے۔''

''جی۔'' سرفراز بھائی نے کہا۔

''بہرحال، یہ معمہ، معمہ ہی رہے گا۔ ہاں، ان بالوں کا بھی کوئی تجزیہ نہیں ہو سکا۔ پتہ نہیں چل سکا کہ وہ بال کس جانور کے ہیں اور اُن کی وہاں موجودگی کیا معنی رکھتی ہے بہت سے ایسے واقعات ہوتے ہیں، سرفراز صاحب! جن کی کوئی تفصیل کبھی سامنے نہیں آتی۔ اب ہم لوگ بھی انسان ہیں۔ جادوگری تو نہیں کر سکتے۔ تاہم جیسا آپ کا حکم میری ضرورت جب بھی محسوس کریں، میں حاضر ہوں۔''

''ٹھیک ہے، نادر صاحب! مزید کیا کہا جا سکتا ہے، اس بارے میں۔''

''بہتر ہے، خدا حافظ!'' نادر خان کی آواز اُبھری اور سلسلہ منقطع ہو گیا۔

سرفراز بھائی نے نادر خان سے ہونے والی ساری گفتگو بتائی۔ میں بھی اس سلسلے کوئی مشورہ نہیں دے سکتا تھا۔ بہرحال، یہ طے ہو گیا کہ سرفراز بھائی پہلے بحرین جائیں اور وہاں سے واپس آ کر ہم لوگ آگے کے معاملات کے بارے میں فیصلہ کریں گے۔

سرفراز بھائی نے تنہائی میں مجھ سے کہا۔

''البتہ شہاب! میں یہ چاہ رہا ہوں، کہ بحرین جانے سے پہلے گاڑی خرید لی جائے۔ تایا ابو کی پیشکش سر آنکھوں پر، وہ ہمارے ساتھ بہت ہی مخلصانہ رویہ اختیار کئے ہوئے ہیں، لیکن ظاہر ہے، سلطانہ کو ہر جگہ تکلیف نہیں دی جا سکتی۔ وہ لڑکی ہے۔ اور یہ تم دیکھ چکے ہو کہ ہم باہر نکلے تو ہمارا تعاقب کیا گیا۔ وہ پُراسرار لینڈ کرزور کس کی تھی اور اس میں کون تھا؟ اس کا پتہ لگانا میرے خیال میں ممکن نہیں ہے۔ لیکن سڑکوں پر ہمارے ساتھ کوئی بھی واقعہ پیش آ سکتا ہے۔ اس لئے سلطانہ کو خطرے میں نہیں ڈالا جا سکتا۔''

''بالکل ٹھیک ہے، بھائی جان!''

''گاڑی کا بندوبست کر لیتے ہیں۔ بلکہ میں ظاہر حسین صاحب ہی سے بات کرتا ہوں۔''

سرفراز بھائی نے اُن سے بات کی اور ظاہر حسین نے یہاں بھی بھرپور تعاون کیا۔ کہنے لگے۔ ''یہ انتظام میں کر لیتا ہوں۔ میرے ایک دوست کا جیل روڈ پر گاڑیوں کا بہت بڑا شو رُوم ہے۔ میں ابھی اُن سے بات کر کے آپ کو بتاتا ہوں۔ کون سی گاڑی لینا پسند کرو گے؟''

''میرے خیال میں کوئی بھی سادہ گاڑی۔''

''میں بات کر کے ابھی بتاتا ہوں۔ اور سنو، ڈرائیونگ خود کرو گے؟''

''نہیں، ظاہر صاحب! اس سلسلے میں بھی آپ ہی کی مدد درکار ہو گی۔ ہمیں ایک ڈرائیور چاہئے۔''

''میں بھی یہ کہنے والا تھا۔ ایک ڈرائیور ہے۔ قیصر خان ہے اُس کا نام۔ بہت ہی بھروسے کا آدمی ہے۔ ان دنوں بیکار بھی ہے۔ بہت ہی تجربے کار ڈرائیور ہے۔ بس یوں سمجھ لو، گاڑی سے پہلے ڈرائیور کا بندوبست ہو گیا۔'' ظاہر حسین نے کہا اور پھر تقریباً ایک گھنٹے کے بعد اُن کا فون موصول ہوا۔

''چیک بُک لے کر آ جاؤ، گاڑی کا انتظام ہو گیا ہے۔ حاضر اسٹاک میں تھوڑی سی کچھ رقم زیادہ دے کر گاڑی مل جائے گی۔''

اور پھر اس کے بعد قیصر خان ہی ہماری نئی گاڑی چلا کر گھر لایا تھا۔ سلطانہ، حرا اور دانیہ بڑی بے چینی سے نئی گاڑی کا انتظار کر رہی تھیں۔ سفید رنگ کی ایک خوب صورت کرولا دیکھ کر اُن کی باچھیں کھل اُٹھیں۔ سب کو گاڑی بہت پسند آئی تھی اور ساتھ ہی ڈرائیور بھی۔ سرخ و سفید چہرہ، بڑی نورانی داڑھی، پیشانی پر نماز کا نشان۔ چہرے ہی سے شریف آدمی معلوم

ہوتا تھا۔ اس کے بارے میں ظاہر حسین نے بتایا تھا کہ وہ ان کے آفس کے ایک کمرے میں
ہی سوتا ہے۔ انہوں نے یہ بھی کہا تھا کہ ماشاء اللہ، ہمارا گھر کافی بڑا ہے۔ کسی گوشے میں
اسے جگہ دے دی جائے۔ اس بات کو تایا ابو نے بڑی خوشی سے قبول کیا تھا۔ چنانچہ قیصر خان
کا بندوبست بھی ایک بہتر حصے میں کر دیا گیا۔ اُس نے کہا۔

''صاب! ہم آپ کے گھر کا چوکیداری بھی کرے گا۔''

''تم ہمارے ایک ساتھی ہو، قیصر خان! اس گھر میں تم جس طرح کی سہولت چاہو گے
تمہیں ملے گی۔''

''بس، صاب! روٹی اور کپڑے کے علاوہ ہمیں اور کوئی سہولت نہیں چاہئے۔ ہمارا بیوی
بچہ لوگ زلزلے میں ختم ہو گیا۔ صرف ایک بیوہ بہن ہے، جو اپنا بچہ لوگ کے ساتھ بالاکوٹ
میں رہتا ہے۔ ہم اُس کو تھوڑا بہت پیسے بھیج دیتا ہے، باقی ہم اُدھر نہیں جاتا۔ کیونکہ ہم اُدھر
جاتا ہے تو اپنا بیوی بچہ لوگ یاد آتا ہے۔'' قیصر خان کی آواز بھرا گئی۔

ہم لوگ تھوڑا سا ماحول بدلنے کے لئے دونوں گاڑیوں میں بیٹھ کر لاہور پارک گئے اور
وہاں جا کر خوب ہنگامہ کیا۔

تایا ابو اور ماما بھی ساتھ تھے اور وہ ایک طرف بیٹھ کر ہمیں دیکھ کر خوش ہو رہے تھے۔
دادی اماں کے لئے حمیدہ کافی ہوا کرتی تھی۔ اور جب بھی کبھی سب لوگوں کو باہر جانا ہوتا تھا
حمیدہ اُنہیں آرام سے سنبھال لیتی تھی۔

میں نے ابھی تک کسی کو کچھ نہیں بتایا تھا۔ بلکہ ایک دو بار جب میرے دل میں خیال
بھی کہ میں کسی کو کچھ بتاؤں تو یوں لگا، جیسے قدرتی طور پر میری زبان روک دی جاتی ہو۔ یہ
دل میرے اس ارادے کی نفی کرنے لگتا تھا۔ اور ویسے بھی مجھے ایک خفیہ آواز ہدایت دیا گیا
تھی۔

❀❀❀

چار یا پانچ دن کے بعد ایک صبح قیصر خان میرے پاس آیا۔ میں صبح اُٹھنے کا عادی تھا
اور جاگ کر چہل قدمی کیا کرتا تھا۔ میرے علاوہ اور کسی کو ہوا خوری سے کوئی دلچسپی نہیں تھی
یہاں تک کہ لڑکیاں بھی اب دیر تک سونے لگی تھیں۔ حرا اور سلطانہ کا پہلے کا معمول مجھے
نہیں تھا، لیکن بس وہ اپنی مرضی کی مالک تھیں۔

میں باہر نکلا تو قیصر خان پھولوں کے پاس کھڑا کسی خیال میں گم تھا۔ مجھے دیکھ کر میری
طرف پلٹا، سلام کیا اور بولا۔

''صاب! صبح کو چلنے والی ہوائیں اللہ کا خزانہ ہوتی ہیں، جو وہ ہم لوگ پر لٹاتا ہے

کو جاگ کر تھوڑا سا سیر کرنے والا بندہ کبھی بیمار نہیں ہوتا۔ یہی ہمارا تجربہ ہے۔''

''آپ ٹھیک کہتے ہو، قیصر خان!''

''صاب! چائے پلائیں آپ کو؟'' قیصر خان نے پوچھا۔

''کہاں ہے؟ کس نے بنائی ہے چائے؟ کیا حمیدہ، صبح کو تمہیں چائے دے دیتی
ہے؟''

''نہیں صاحب! ہم زیادہ تر اپنا مدد آپ ہی کرتا ہے۔ ابھی ادھر دیکھو، ادھر تو ہمارا
مطلب کا بہت سا جگہ ہے۔ اُدھر دیکھو، صاب!''

قیصر خان نے ایک طرف اشارہ کیا اور میں نے دیکھا کہ اُس نے لال اینٹوں کا ایک
چولہا بنا رکھا ہے، اس چولہے پر دیگچی چڑھی ہوئی ہے۔ ایک چھوٹی سی کیتلی، جس کا رنگ نیلا
تھا اور چھوٹی چھوٹی کچھ پیالیاں وہاں رکھی ہوئی تھیں۔

''ارے، واہ قیصر خان! تم چائے خود بنا لیتے ہو؟''

''صاب! آؤ، آپ تھوڑا سا پی کر دیکھو، آپ کو مزہ آ جائے گا، پشاوری چینک میں۔''

''اور باقی سامان کدھر سے لاتے ہو؟'' میں دلچسپی سے اُس کے ساتھ آگے بڑھتے
ہوئے بولا۔

''بازار سے، صاب! اُدھر دیکھو، ہمارا جنرل اسٹور اُدھر بنا ہوا ہے۔''

قیصر خان نے چند ہی دنوں میں اپنے لئے ہر طرح کا بندوبست کر لیا تھا۔

''بس صاب! صبح اُٹھ کر نماز پڑھتا ہے، خود چائے بنا کر پیتا ہے اور اس کے بعد تھوڑا
سیر کرتا ہے اور خوش رہتا ہے۔ چھوٹا بیگم صاب نے ہمارے لئے اُدھر بالٹی اور مگّے کا
بندوبست بھی کر دیا ہے۔ اُدھر نلکے کے پاس بیٹھ کر نہا لیتا ہے۔ بس اس کے علاوہ اور کیا
چاہئے زندگی میں۔ آؤ صاب! بیٹھو!'' قیصر خان نے اپنی چارپائی کی طرف اشارہ کیا اور میں
مسکراتا ہوا اُس کے ساتھ بیٹھ گیا۔

اُس نے نیلے رنگ کی چائے دانی میں سچ مچ بہت ہی اعلیٰ قسم کی چائے مجھے پیش کی۔
بے مثال چائے تھی۔ میں نے پیالی خالی کر کے اُس سے مزید مانگی تو وہ بولا۔

''ابھی بہت ہے صاب! میں تو چار پانچ پیالی پی چکا ہے، آپ پیو۔''

وہ میرے پاس بیٹھ گیا۔ نجانے کیوں مجھے بہت غور سے دیکھ رہا تھا، پھر اُس نے کہا۔

''صاب! ایک بات بولے آپ کو؟'' اُس کے لہجے میں ایک تجسس تھا۔

''ہاں، قیصر خان! بولو۔''

''صاب! میں آپ کو بتائے، اِدھر کا کھیل کچھ اور ہے۔''

میں نے چونک کر قیصر خان کو دیکھا، قیصر خان سوچ میں ڈوبا ہوا تھا۔

''کیسا کھیل، قیصر خان؟''

''دیکھو صاب! ڈرنے کا بات نہیں ہے۔ اور ابھی کسی اور کو نہیں بولے گا آپ۔ ا
کچھ اور اللہ کا مخلوق رہتا ہے۔ آپ کو یہ بات تو معلوم ہے کہ ایک گھر میں کوئی ایک جا
نہیں ہوتا، کیڑا مکوڑا، پرندہ اور نجانے کیا کیا۔ اللہ کا زمین سب کے لئے ہوتا ہے۔ ادھر
اللہ کا دوسرا مخلوق رہتا ہے۔ ہم چار پانچ دن سے ادھر ہے۔ اللہ کا یہ مخلوق، رات کا تا
میں کام سے نکلتا ہے۔ گیٹ سے باہر آ جاتا ہے، چلتا پھرتا نظر آتا ہے۔ یہ دن کا روشنی
نظر نہیں آتا۔''

''تم نے خود دیکھا ہے، قیصر خان؟''

''صاب! تبھی تو بولتا ہے۔''

''اس کے بارے میں کچھ پتہ چلے گا؟''

''میں کیا بتا سکتا ہے؟ بس میں نے جو دیکھا، آپ کو بول دیا۔ لیکن آپ کو خدا کا قسم
ایسا بات ہر آدمی کو نہیں بولنا۔ اور پھر ادھر لڑکی لوگ بھی ہے، اس نے سن لیا تو ڈرے گا
ویسے اگر آپ کو اس بات سے دلچسپی ہے تو باقی تفصیل میں، آپ کو مرشد سے پوچھ کر بتا
گا۔''

''مرشد کون ہیں؟''

''ہمارے پیر ہیں۔ ادھر واہگہ بارڈر کے پاس رہتا ہے۔ بہت پرہیزگار آدمی ہے۔
نے اس کو بہت بڑا علم دیا ہے، لیکن وہ اپنے علم سے کبھی اپنے لئے کوئی فائدہ نہیں اُٹھاتا۔''

''کیا تم مجھے اُس کے پاس لے جا سکتے ہو، قیصر خان؟''

''کیوں نہیں، صاب! آپ سلام کرنے جائے گا تو وہ بھی خوش ہوئے گا۔''

''مجھے کسی وقت ضرور ان کے پاس لے چلو۔''

''میں چلے گا، صاب! ضرور چلے گا۔''

''اچھا، ایک بات بتاؤ، قیصر خان! تم نے یہاں کیا دیکھا؟''

''نہیں صاب! دیکھو، آپ کے لئے ہمارا دل چاہا تو ہم نے آپ کو بتا دیا، پر مرشد
ہے کہ اس مخلوق کو اس کے حال پر چھوڑ دینا چاہئے۔ نہ اس کو چھیڑو، نہ وہ آپ کو چھیڑ
گا۔''

''ٹھیک ہے، مگر تم مجھے مرشد کے پاس ضرور لے جانا، میں اُن سے معلومات حا
کروں گا۔''

''ٹھیک ہے، صاب! ایک دو دن آپ رک جاؤ، میں، میں آپ کو لے کر چلے گا۔''
قیصر خان نے کہا۔

بڑا اچھا لگا تھا مجھے وہ۔ میں نے اس سے کہا۔ ''تو پھر قیصر خان! آپ کو ایک کام کرنا ہوگا۔''

''بولو صاحب! تابعدار ہے، آپ کا۔''

اُس نے سینے پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔

''نہیں، تابعدار نہیں، دوست کی طرح سے، بڑے بھائی کی طرح سے۔''

''آپ کا مہربانی، صاب! یہ آپ نہیں بولتا، آپ کا اچھا خون بولتا ہے۔''

''بہت چھوٹی سی بات کر رہا ہوں، قیصر خان! وہ یہ کہ اب تم مجھے بھی صبح کی چائے میں یاد رکھا کرو گے۔ میں بھی چہل قدمی کرنے کے لئے آتا ہوں۔ چائے تمہارے ساتھ پیوں گا۔''

''خدا کا قسم، میرے کو خوشی ہو گا۔''

قیصر خان نے سینے پر ہاتھ رکھ کر جھکتے ہوئے کہا۔

دُور تایا ابو نظر آئے تو میں اُٹھ کر اُن کی جانب چل دیا۔ میں اُن کے قریب پہنچا تو اُنہوں نے محبت بھری نگاہوں سے مجھے دیکھتے ہوئے کہا۔

''مجھے پتہ ہے، سب سے پہلے تم ہی جاگتے ہو۔ میں خود بھی صبح جلدی اُٹھ جاتا ہوں۔ حمیدہ نے چائے بنا دی تھی۔ میں تمہاری تلاش میں نکل آیا۔ چلو، چائے پئیں۔''

میں نے تایا ابو سے انکار نہیں کیا تھا۔ کیونکہ اُن کے خلوص کو نہیں ٹھکرا سکتا تھا۔

پھر کوئی دس بجے کے قریب مجھے ماما اور دانیہ دوسرے حصے کی طرف جاتی ہوئی نظر آئیں تو میں بھی ان کے پیچھے پیچھے چل پڑا۔ ابھی تک اُن کے ذہن کے کسی گوشے میں کوئی ایسی بات نہیں آئی تھی، جو اُن کے لئے باعثِ خوف ہوتی۔ اس لئے وہ آزادانہ طور پر ہر طرف آتی جاتی تھیں۔ ویسے میں بھی انہیں کسی خوف کا احساس دلا کر دہشت زدہ نہیں کرنا چاہتا تھا۔ کیونکہ ابھی تو ہمارے سامنے لاتعداد اُلجھنیں تھیں۔

میں اُن کے پیچھے پیچھے گھر کے دوسرے حصے میں داخل ہو گیا۔ وہ میرے قدموں کی آہٹ پر چونک کر مجھے دیکھنے لگیں۔

''آ جاؤ، آ جاؤ، شہاب! میں اور دانیہ یہ جائزہ لینے کے لئے اِدھر آئے ہیں کہ ممّا سے جب ہمارا سامان آئے گا تو ہم اُسے کہاں کہاں ایڈجسٹ کریں گے۔ حالانکہ سرفراز تو اس بات کے مخالف ہیں کہ فرنیچر وغیرہ وہاں سے لایا جائے۔ کہہ رہے تھے کہ ماما! جتنا سرمایہ

اسے وہاں سے لانے میں خرچ ہوگا، اتنے میں تو یہاں اعلیٰ سے اعلیٰ درجے کا فرنیچر جائے گا۔ بس، میں اور دانیہ ہی ذرا جذباتی ہو گئے تھے۔ چونکہ بے شمار چیزوں سے تمہار پاپا کا گہرا لگاؤ تھا۔ میں اُن کی نشانیوں کو خود سے دور نہیں کرنا چاہتی۔ میں نے سرفراز کہا کہ نہیں، وہاں کی ایک ایک چیز لے آؤ۔ چاہے کتنے ہی پیسے خرچ ہوں۔"

"ٹھیک ہے، ماما! اگر آپ کی یہ خواہش ہے تو ضرور پوری ہونی چاہئے۔" میں نے ک

پھر کافی دیر تک ماما وغیرہ کے ساتھ میں اس حصے کے ایک ایک گوشے کا جائزہ لیتا ر اس کمرے میں بھی گیا، جہاں میرا معرکہ اس عورت سے ہو چکا تھا۔ اس کمرے میں دا ہوتے ہی ایک عجیب سی سردی کا احساس ہوتا تھا۔ مگر میں نے ماما اور دانیہ سے کچھ نہیں اور خاموشی سے اُن کے ساتھ چلتا رہا۔

آج کوئی خاص معروفیت نہیں تھی۔ البتہ سرفراز بھائی، قیصر خان کے ساتھ کسی کام باہر نکل گئے تھے۔ میں گھر پر ہی رہا۔ تھوڑے وقت کے لئے دادی اماں کے کمرے میں گیا۔ ایک ایک فرد میرے لئے یہاں پُراسرار حیثیت رکھتا تھا اور اس بات پر مجھے حیر ہوتی تھی کہ سارے کے سارے معاملات میرے ساتھ ہی کیوں پیش آئے تھے۔ جبکہ سرف بھائی نے اس کمرے میں خون کے دھبے اور گلدان پر بھی خون دیکھا تھا۔ باقی لوگ پُرسکو تھے، البتہ حرا اور سلطانہ کے چہرے پر مجھے کبھی کبھی کچھ پُراسرار تحریریں نظر آجاتی تھیں، لیک اُنہوں نے جو معذرت کی تھی، اُسے بھی ذہن میں رکھنا تھا۔ کیونکہ میں اُنہیں پریشان نہیں سکتا تھا۔

دن گزر گیا، معمولات میں کوئی تبدیلی نہیں ہوئی شام کو کوئی چھ بجے کے قریب سرف بھائی واپس آ گئے اور معمولات جوں کے توں گزرتے رہے۔ رات کو وہ لوگ اپنے ا کمروں میں چلے گئے اور میں اور بھائی جان اپنے کمرے میں آ گئے۔ بھائی جان تو بستر لیٹتے ہی سو جانے کے عادی تھے۔ میں کافی دیر جاگتا رہا، پھر میری پلکیں جڑنے ہی لگی تھ کہ اچانک ہی مجھے اپنے کمرے کے دروازے کے باہر کچھ سرگوشیاں سنائی دیں، جیسے ک آپس میں باتیں کر رہا ہو۔ میں اُٹھ کر بیٹھ گیا۔ سرگوشیوں کے ساتھ قدموں کی آہٹیں تھیں۔

میں سلیپر پہن کر اُن آہٹوں کا راز جاننے کے لئے کمرے سے باہر نکل آیا۔ لیکن ج میں نے دروازے سے باہر قدم رکھا، اچانک ہی سیاہ رنگ کا ایک کمبل مجھ پر آ پڑا اور طاقتور ہاتھوں نے میرا منہ بھینچ لیا۔ شاید اُن کی تعداد خاصی تھی۔ میری جدوجہد بے اثر گئی۔ اُنہوں نے مجھے بالکل بے دست و پا کر دیا تھا اور میری آواز بھی کمبل سے باہر نہیں

سکتی تھی۔

پھر اُنہوں نے مجھے اُٹھا لیا اور کمبل میں لپیٹے لپیٹے چل پڑے۔ نجانے اُنہوں نے کتنا فاصلہ طے کیا اور اس کے بعد کسی جگہ مجھے دھپ سے زمین پر پھینک دیا۔ میں نے جلدی جلدی اپنے آپ پر سے کمبل ہٹایا۔ میرا چہرہ غصے سے سرخ ہو رہا تھا۔

میں نے دانت بھینچ کر وہاں کے ماحول کو دیکھا اور پھر اس ماحول کو دیکھ کر میرے غصے کی شدت میں کچھ کمی محسوس ہونے لگی۔ بہت ہی وسیع و عریض جگہ تھی۔ تیز روشنی ہو رہی تھی اور اس تیز روشنی میں مجھے بے شمار افراد نظر آئے۔ میرے بائیں سمت سیاہ لبادہ پوش موجود تھے، جن کے چہرے تک سیاہ لبادوں میں ڈھکے ہوئے تھے، بس آنکھیں کھلی ہوئی تھیں۔ اُن کی تعداد بیس پچیس سے کم نہیں تھی۔ داہنی سمت مجھے بالکل اسی انداز کے لباس میں ملبوس سفید پوش نظر آئے۔ میں اس عجیب و غریب منظر کو حیرانی سے دیکھتا رہا، تب ہی ایک آواز اُبھری۔

"انہیں بیٹھنے کے لئے کرسی پیش کرو۔" بڑی گونج دار آواز تھی۔ ایک سیاہ پوش نے بہت ہی خوب صورت کرسی لا رکھی۔

"تم لوگ جو کوئی بھی ہو، جس انداز میں مجھے لایا گیا ہے، اس کے نتیجے میں، میں اور کچھ کر سکوں یا نہ کر سکوں، لیکن تم میں سے ایک کو ضرور ختم کر دوں گا۔ چاہے باقی مل کر میری تکا بوٹی ہی کیوں نہ کر ڈالو۔ کیا حق پہنچتا ہے، تمہیں میرے ساتھ یہ بدسلوکی کرنے کا؟"

میری اس کرخت آواز کا کوئی جواب نہیں دیا گیا تھا۔ پھر کچھ دیر کی خاموشی کے بعد سیاہ پوشوں میں سے ایک شخص اُٹھا اور اُس نے کہا۔

"تابوت سامنے لایا جائے۔" یہ الفاظ اُس نے ایک طرف بیٹھے سیاہ پوشوں کو مخاطب کر کے کہے تھے۔ اور کچھ ہی لمحوں کے بعد وہی سیاہ پوش ایک تابوت اُٹھائے اُس ہال نما جگہ کے ایک حصے سے نمودار ہوئے اور اُنہوں نے وہ تابوت مجھ سے کچھ فاصلے پر رکھ کر اُس کا ڈھکن کھول دیا۔

تابوت کے اندر سفید کفن میں لپٹی کوئی لاش تھی۔ پھر ہلکی ہلکی سسکیوں اور کراہٹوں جیسی آواز سنائی دی اور اسی سمت سے وہی عورت نمودار ہوئی، جس کے سر پر اس وقت بھی پٹی بندھی ہوئی تھی۔ اس کی آنکھوں سے آنسو بہہ رہے تھے۔ وہ سسکیاں لیتی ہوئی ایک طرف آ کر کھڑی ہو گئی۔

سیاہ لبادوں میں ملبوس لوگ تابوت رکھ کر پیچھے ہٹ گئے تھے۔ پھر ایک سیاہ پوش نے آگے بڑھ کر لاش کے چہرے سے کپڑا ہٹا دیا اور غیر اختیاری طور پر میری نگاہ اس چہرے پر

پڑی۔ میرے سارے وجود کو اتنی زور کا جھٹکا لگا کہ چند لمحوں کے لئے میرا ذہن بالکل
بے قابو ہو گیا۔

یہ لاش اسی لڑکی کی تھی، جسے اُس رات میں نے اپنے کمرے میں میک اپ کرتے
ہوئے دیکھا تھا اور جس کی تصویر مجھے پاپا کے سوٹ کی جیب سے ملی تھی، جو بعد میں میرے
لباس سے نکال لی گئی تھی۔ یہ اسی لڑکی کی لاش تھی۔

سیاہ لبادے والے شخص نے کہا۔

”تم نے اسے ضرور پہچان لیا ہوگا۔ تم اس کے قاتل ہو، یہ تمہارے ہاتھوں ماری گئی
ہے۔ یہ گورنی کی بیٹی ہے اور گورنی نے ایک قدیم معاہدے کے تحت اسے قبر سے نکالا ہے
یہ تم سے کچھ چاہتی ہے۔ جبکہ اسے یہ اجازت نہیں دی گئی کہ یہ تمہیں کوئی جسمانی یا جانی
نقصان پہنچائے اور تمہارے ہی ہاتھوں یہ زخمی بھی ہوئی ہے، لیکن قصور اسی کا تھا۔ یہ اپنے
جنون میں تمہاری دشمن بن گئی تھی۔ اب تم سنو، یہ لاش گورنی کی بیٹی کی ہے۔ گورنی کہتی ہے
کہ وہ اس کے بغیر زندہ نہیں رہنا چاہتی۔ ایک روایت کے تحت گورنی اپنا وجود اپنی بیٹی کو
دے سکتی ہے۔ وہ اپنی بیٹی کے جسم میں زندہ رہنا چاہتی ہے۔ لیکن یہ اسی شکل میں ممکن ہے
کہ تم اسے اپنا لو، اس سے شادی کر لو۔ بات اگر تمہاری سمجھ میں نہ آئی ہو تو تمہیں دوبارہ بتا
دی جائے۔ گورنی اس کے مردہ وجود میں داخل ہو کر اسے فعال کر لے گی، مگر یہ اسی صورت
میں ممکن ہے، جب اس کا قاتل اسے اپنی زندگی کا حصہ بنا لے گا۔ اور چونکہ یہ تمہارے
ہاتھوں ماری گئی ہے، اس لئے یہ کام تمہیں ہی کرنا ہوگا۔ سارے معمولات ہم لوگ مل
طے کریں گے اور تمہیں کوئی تکلیف نہیں ہوگی۔ بس تمہارے اس عمل سے گورنی کی یہ بیٹی
اپنے وجود میں نئی حیات حاصل کر لے گی۔ گو، وہ اندر سے گورنی ہوگی۔“

میں رفتہ رفتہ اپنے حواس پر قابو پاتا جا رہا تھا اور اب مجھے اس دلچسپ صورت حال سے
لطف آنے لگا تھا۔ میں نے کہا۔

”تم سب کا دماغ خراب ہے۔ آخر تم ہو کون؟ اور دوسری بات یہ ہے کہ میں نہیں جانتا
کہ یہ لڑکی کس طرح میرے ہاتھوں ہلاک ہوئی؟“

”ایسا مت کہہ...... میں، تیرے خون کا ایک ایک قطرہ چاٹ جاؤں گی۔ یہ مت بھول
کہ مجھے زخمی کر کے تُو نے مجھ پر قابو پا لیا تھا۔ میں تجھے ہلاک نہیں کرنا چاہتی تھی۔ دیکھ
دیکھتی کہ کس طرح تُو میرے ہاتھوں سے بچتا ہے۔ تجھے یہ کرنا ہوگا، سمجھا۔ تجھے یہ کرنا ہو
گا۔“ خوف ناک عورت دانت پیستے ہوئے آگے بڑھی، مگر اسی وقت سفید پوشوں میں سے
ایک میں غصے کے آثار نمودار ہوئے۔

”کیا یہ ممکن تھا، خراتون! کیا حاجی صاحب کے سامنے اسے یہ جرأت کرنی چاہئے
تھی؟“ سفید پوشوں میں سے ایک نے غرائی ہوئی آواز میں کہا۔

تب ہی سیاہ پوشوں میں سے ایک شخص بولا۔ ”گورنی! اپنی حد سے تجاوز نہ کر۔ تیری یہ
جرأت کہ تُو نے حاجی صاحب کے سامنے زبان کھولی۔“

”ارے، میرے دل میں آگ بھڑکی ہوئی ہے، میرے اندر جہنم سلگ رہا ہے۔ میں
نے تم سے کہا تھا کہ سب کچھ میں کر لوں گی۔ تم لوگ مجھے میرے حال پر چھوڑ دو۔“

”ٹھیک ہے، خراتون! اگر یہ اپنے آپ کو آزمانا چاہتی ہے تو آزمانے دو۔ تمہیں معلوم
ہے، یہ لڑکا کس خاندان سے ہے اور اس کی پشت پر کون ہے؟“ یہ کہہ کر سفید پوش نے اپنے
ساتھ موجود سفید لباس میں لپٹی ہوئی ایک ہستی کے شانے پر ہاتھ رکھ دیا اور میری نگاہیں اس
جانب اُٹھ گئیں۔

وہ کوئی عورت تھی، جس نے بے شک سفید لبادہ پہنا ہوا تھا اور اُس کا چہرہ بھی سفید
لبادے میں لپٹا ہوا تھا، لیکن اُس کے لمبے حسین بال کمر تک بکھرے ہوئے تھے۔ ان بالوں
میں سیاہی کے ساتھ سفیدی تھی، لیکن ان بالوں کے حُسن کا کوئی مقابلہ نہیں تھا۔ اور یہ
بال...... ابھی کچھ دن پہلے میں نے ان بالوں کو بہت غور سے دیکھا تھا۔ یہ بال بالکل دادی
اماں کے بالوں جیسے تھے۔

میرا ذہن شدید جھٹکے محسوس کر رہا تھا اور بے اختیار میرے دل میں یہ خواہش اُبھری تھی
کہ میں اس نقاب کے پیچھے موجود چہرے کو دیکھوں۔ لیکن اسی وقت اس سیاہ پوش کی آواز
اُبھری، جسے خراتون کے نام سے مخاطب کیا گیا تھا۔

”حاجی صاحب! تھوڑا سا انصاف کیجئے۔ اگر ایک ماں اپنے آپ کو اپنی اولاد کے لئے
قربان کرنا چاہتی ہے تو قربانی کا یہ جذبہ تو ممتا کی دلیل ہے اور ہر صاحب دل اس سے
متاثر ہو سکتا ہے۔“

”مگر تم لوگوں نے اس کا فیصلہ سن لیا۔ اس کا مؤقف بھی بالکل ٹھیک ہے۔ ایسا کیسے
ممکن ہو سکتا ہے۔ گورنی کی بیٹی خوب صورت ہے اور اس کی زندگی کی داستان میں بہت سے
الٹ پھیر ہیں، جن کی تفصیل اس وقت بیان نہیں کی جا سکتی۔ لیکن یہ اس بات کو قبول نہیں کر
رہا۔ سنو گورنی! جو ہوا، ایک حادثہ تھا۔ تجھے صبر کرنا چاہئے تھا۔ صبر کر۔“

”صبر نہیں ہوتا حاجی صاحب!...... صبر نہیں ہو سکتا۔ میرے دل میں جہنم سلگ رہا
ہے۔“

”تو ٹھیک ہے، پھر جو تیرا دل چاہے، کر۔ کیا سمجھی؟“ یہ کہہ کر وہ سفید پوش اپنے ساتھی

دوسری سفید پوش کے شانے پر ہاتھ رکھ کر واپس مڑ گئے اور ایک بار پھر میں نے ان بال[...] دیکھا، جو میرے دل پر نقش ہو گئے تھے۔

پھر ایک دم جیسے روشنیاں بجھ گئیں۔ میرے بدن کو ایک جھٹکا سا لگا اور میں نے [...] ہوئی نگاہوں سے چاروں طرف دیکھا۔ آہ، میں اپنے کمرے میں اپنے بستر پر تھا۔ [...] والے بستر سے سرفراز بھائی کے خراٹے اُبھر رہے تھے۔ دروازہ ندر سے بند تھا، جو میں خود اپنے ہاتھوں سے بند کیا تھا۔ میرا دماغ چٹخنے لگا۔ یہ کوئی خواب تھا، نہ کوئی سوچ اور وہ ساری باتوں کا تعلق حقیقت سے تھا۔ اور میں اپنی چارپائی پر موجود تھا۔

البتہ پہلی بار مجھ پر ایک انکشاف ہوا تھا کہ وہ لڑکی، جسے میں نے اس دن اپنے کمر[ے] میں میک اپ کرتے دیکھا تھا، گورنی کی بیٹی تھی۔ اور یہ سیاہ پوش اور سفید پوش نجانے ک[ون] تھے، جنہوں نے میرے لئے عدالت لگائی تھی۔ پھر گورنی کی بیٹی کی وہ تصویر، پاپا کے کوٹ[کی] جیب میں کہاں سے آئی تھی؟ اور اسے نکال کر لے جانے والی وہی عورت تھی، جس نے ا[پنا] آپ کو حمیدہ کے نام سے روشناس کرایا تھا۔

یہ حالات دماغ چٹخا دینے والے تھے۔ کسی بھی نکتے پر کوئی سوچ مرکوز نہیں کی جا [سکتی] تھی۔ ایک بات ضرور تھی، میرے اندر ان تمام باتوں سے کسی خوف اور پریشانی کے بجا[ئے] دلچسپی بڑھ رہی تھی اور میں نے سوچ لیا تھا کہ اس مسئلے میں بھرپور دلچسپی لوں گا اور جدوج[ہد] کروں گا۔

اس کے بعد میں نے ایک انگڑائی لی اور آنکھیں بند کر کے سونے کی کوشش کرنے لگا خیالات کی یلغار میں نیند تو کیا آتی، بس ہلکی سی غنودگی طاری ہو گئی تھی۔ سرفراز بھائی [کے] خراٹے بدستور جاری تھے۔ آخر کار روشن دانوں سے روشنی کی کرنیں اندر گھس آئیں۔ اب اس کے بعد بستر پر پڑے رہنا بے معنی تھا۔ البتہ سرفراز بھائی بدستور گھوڑے بیچ کر سو رہے تھے۔

میں خاموشی سے اٹھا، واش روم میں جا کر منہ ہاتھ دھویا اور اس کے بعد باہر نکل آیا سیدھا قیصر خان کی جانب رخ کیا تھا۔ قیصر خان میرا انتظار کر رہا تھا۔ اُس نے بڑے احتر[ام] سے مجھے چارپائی پر بیٹھنے کی پیشکش کی۔ لیکن میں نے کہا۔

"قیصر خان! میرا خیال ہے، پہلے میں ایک چکر لگا لوں گا، تھوڑی سی چہل قدمی ہو جائے گی، پھر آ کر چائے پیوں گا۔"

"ٹھیک ہے صاب! میں بھی چلے گا۔"

"ہاں، ہاں۔ آ جاؤ۔ کیا حرج ہے؟" میں نے کہا اور قیصر خان میرے ساتھ چل پڑا۔

پہلے ہم نے احاطے کی دیوار کے ساتھ ساتھ چکر لگایا اور اس کے بعد اس طرف چل پڑے، جہاں جھاڑ جھنکاڑ پھیلا ہوا تھا۔

میں نے قیصر خان سے کہا۔ "تم نے یہ سارا علاقہ تو دیکھ لیا ہو گا؟"

"جی صاب!" قیصر خان نے جواب دیا۔

"یہ جگہ بہت عجیب نہیں ہے، قیصر خان؟ میں تو جب بھی ادھر سے گزرتا ہوں، مجھے بہت عجیب سا لگتا ہے۔"

قیصر خان نے گردن جھکا لی۔ جب وہ دیر تک کچھ نہ بولا تو میں نے چونک کر اسے دیکھا۔ "کیوں قیصر خان! تمہارا کیا خیال ہے اس بارے میں؟"

"صاب! مرشد نے میرے کو بولا کہ روحانی معاملات میں جتنا کم بولو، اچھا ہوتا ہے۔"

"ڈرتے ہو، قیصر خان؟"

"اللہ جانتا ہے، صاب! ہم ڈرپوک نہیں ہے۔ اگر ڈرپوک ہوتا تو ایک دن ادھر برآمدے میں نہیں سو سکتا تھا۔"

"کیا مطلب؟" میں نے چونک کر قیصر خان کو دیکھا۔

"خدا کا قسم، صاب! میرے کو معاف کرو۔ ایسا کوئی بات مت بولو۔ بس میں آپ کو یہ بولتا ہے کہ ادھر بہت کچھ ہوتا ہے...... بہت کچھ۔ ابھی مرشد سے مل لیتے ہیں، پھر اس کے بعد باقی کام دیکھیں گے۔"

مجھے یوں لگا جیسے قیصر خان واقعی کچھ دیکھ چکا ہو، لیکن زبان نہ کھولنا چاہتا ہو۔ میں نے ایک ٹھنڈی سانس لی اور دور سے اس عمارت کو دیکھنے لگا، جہاں میرے ساتھ بہت سے انوکھے واقعات پیش آ چکے تھے اور ان میں سب سے زیادہ انوکھا واقعہ گزری رات کا تھا۔

قیصر خان سے اس کے بعد ہم نے اور کوئی بات نہیں کی اور ایک لمبا چکر لگا کر عمارت کے برآمدے کے پاس آ گئے، جہاں قیصر خان نے اپنا ٹھکانہ بنایا ہوا تھا۔ اس نے بڑے ادب سے مجھے چائے پیش کی۔

میں نے اس سے مرشد کے بارے میں پوچھا تو اس نے کہا۔ "بس، ہم ہفتے کی رات کو اُدھر چلیں گے۔ مرشد اس دن زیادہ آسانی سے مل جاتے ہیں۔ جمعرات اور جمعہ کے دن ان کی بہت مصروفیت ہوتی ہے۔ بہت سے حاجت مند اُن کے پاس دعا کرانے آتے ہیں۔" میں نے خاموشی اختیار کر لی تھی۔

اس کے بعد ناشتے کی میز پر بھائی جان نے اطلاع دی کہ بحرین سے رابطہ قائم ہو گیا ہے اور وہاں اُن کے افسرانِ بالا نے پاپا کی موت پر بہت افسوس کا اظہار کیا ہے اور کہا ہے

کہ اس سلسلے میں اُن کا ہر طرح کا تعاون حاضر ہے۔ بہر حال، مجھے اب بحرین روانہ ہونا ہے۔ باقی کام وہاں سے آنے کے بعد ہوں گے۔ میں جس قدر جلد ممکن ہو سکا، واپس آ جاؤں گا۔

پھر بھائی جان کی روانگی کے انتظامات ہونے لگے۔ اُنہیں غالباً ٹکٹ وغیرہ کا انتظار تھا۔ دوسرے دن یہ کام مکمل ہو گیا۔ گزری رات بالکل پُرسکون تھی اور کوئی بھی قابلِ ذکر واقعہ نہیں ہوا تھا۔ میرا دل چاہ رہا تھا کہ اس رات میں ماما کے کمرے میں سو جاؤں، لیکن یہ بزدلی کی بات ہوتی۔ چنانچہ میں نے اپنی اس خواہش کو دبا لیا۔ دوسرے دن بھائی جان روانہ ہو گئے تھے اور میں اُنہیں چھوڑنے کے لئے ایئر پورٹ گیا تھا۔ قیصر خان واپسی میں بھی مجھ سے بہت سی باتیں کرتا رہا۔

مغرب کا وقت تھا۔ تایا ابو نماز پڑھنے چلے گئے تھے۔ میں یونہی ٹہلتا ہوا دادی اماں کے کمرے کے سامنے سے گزرا تو معاً میرے ذہن میں وہ گزرے ہوئے لمحے آ گئے، جب سفید پوشوں کے ساتھ میں نے ایک پُراسرار وجود کو دیکھا تھا، جس کے بال دادی اماں سے ملتے جلتے تھے۔ یہ بال میرے ذہن میں پوری طرح نقش تھے۔

میں اس خیال کے تحت دادی اماں کے کمرے میں داخل ہو گیا کہ ذرا پاس جا کر ان کے بال دیکھوں۔ دادی اماں بدستور بے ہوشی کی حالت میں آنکھیں بند کئے لیٹی ہوئی تھیں۔ میں اُن کے پاس پہنچ گیا اور پھر میں نے انتہائی غور سے اُن کے بال دیکھے۔ یہ بات میں قسم کھا کر کہہ سکتا ہوں کہ یہ وہی بال تھے، جو میں نے اس تہہ خانے میں دیکھے تھے۔

میں، دادی اماں کے سامنے آیا اور ایک بار پھر میرا دل دھک سے ہو گیا۔ دادی اماں کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیلی ہوئی تھی۔ بے شک اُن کی آنکھیں بند تھیں، لیکن اُن کی مسکراہٹ میں کوئی شک نہیں تھا۔ میں نے اُن کا ہاتھ پکڑ لیا۔

''دادی اماں! آپ کے بارے میں، میں کیا کہوں۔ آپ وہ ہیں، جن کے بارے میں گفتگو کرتے ہوئے پاپا کے پیار کا اندازہ ہوتا تھا۔ دادی اماں! میں بھی آپ سے اتنا ہی پیار کرتا ہوں۔ اگر آپ کی ذات میں کوئی پُراسرار بات پوشیدہ ہے تو براہِ کرم مجھ سے ہرگز نہ چھپائیے۔ اگر آپ وہی ہیں، جنہیں میں نے رات دیکھا تھا تو آپ مجھے اپنے بارے میں بتائیے۔ دادی اماں! مجھے آپ کی مدد کی ضرورت ہے۔'' میں بے اختیارانہ انداز میں دادی اماں کا ہاتھ پکڑے ہوئے تھا اور مجھے دادی اماں کے ہاتھ میں جنبش محسوس ہوئی تھی۔

مجھے یوں لگا، جیسے وہ میرے ہاتھ کو تھپکی دے رہی ہوں۔ میں نے جلدی سے چونک کر ہاتھ کو دیکھا۔ دادی اماں نے بس دو بار تھپکی دی تھی۔ اس کے بعد اُن کا ہاتھ ساکت ہو گیا

تھا۔ البتہ مسکراہٹ اُن کے ہونٹوں سے چپکی ہوئی تھی۔

''بولئے، دادی اماں! آنکھیں کھولئے۔ آپ مجھے آنکھیں کھول کر دیکھ چکی ہیں۔ آپ مسکرا رہی ہیں، دادی اماں! مجھے بتائیے...... مجھے بتائیے، میں کیا کروں؟''

لیکن اس کے بعد نہ تو دادی اماں کے ہاتھ میں کوئی تحریک ہوئی، نہ اُنہوں نے آنکھیں کھولیں اور چند ہی لمحوں کے بعد اُن کی مسکراہٹ بھی غائب ہو گئی۔ اب وہ پہلے کی مانند ساکت ہو گئی تھیں۔

میں بہت دیر تک ان کے پاس بیٹھا رہا، پھر باہر قدموں کی آہٹ ہوئی اور میں نے چونک کر دروازے کی جانب دیکھا۔ ماما اور دانیہ تھیں۔ ماما کچھ لے کر دادی اماں کے پاس آئی تھیں۔ اُنہوں نے مجھے دیکھا تو بولیں۔

''میں تمہیں تلاش کرتی پھر رہی تھی۔ مجھے نہیں معلوم تھا کہ تم ادھر آئے ہوئے ہو۔''

''بس، ایسے ہی، دادی اماں کو دیکھنے کو دل چاہا۔''

''بیٹھو۔''

''نہیں، میں چلتا ہوں۔'' میں نے جواب دیا اور باہر نکل آیا۔

❀❀❀

بحرین سے سرفراز بھائی کا فون آ گیا۔ انہوں نے بہت سی باتیں کی تھیں۔ انہوں نے بتایا تھا کہ یہاں، ہمارے گھر میں موجود سامان میں بہت سی چیزیں ایسی ہیں، جو لے جائی نہیں جا سکتیں، وہ ان کی روانگی کا بندوبست کر رہے ہیں۔ اور اس سلسلے میں ان کی فرم کے افسران ان کی مدد کر رہے ہیں۔

پھر ہفتے کے دن میں نے تایا ابو سے اجازت لی اور کہا کہ میں ذرا گھومنے جا رہا ہوں۔ سلطانہ اور حرا نے کہا۔

''جنابِ عالی! یہ اکیلے اکیلے گھومنا غلط ہے۔ اب ڈرائیور مل گیا ہے تو ہماری کوئی حیثیت ہی نہیں رہی؟''

''یقین کرو، سلطانہ! میں کام سے جا رہا ہوں۔ بناتے ہیں کوئی پروگرام۔ ویسے بھائی جان آ جائیں تو زیادہ اچھا لگے گا۔''

یہ کہنے کے بعد میں قیصر خان کے ساتھ روانہ ہو گیا۔

قیصر خان ڈرائیونگ کر رہا تھا اور میں سوچوں میں ڈوبا ہوا تھا۔ ہم نہر کے راستے آگے بڑھتے رہے اور پھر لاہور کے خوب صورت مقامات کی سیر کرتے ہوئے آخر کار اس جگہ پہنچ

گئے، جہاں قیصر خان کے مرشد سے ملاقات ہوسکتی تھی۔ کچی آبادی تھی۔ واہگہ بارڈر دوسری جانب تھا۔ یہ آبادی اس کے بائیں سمت کافی آگے جا کر تھی۔ دوسری طرف ہندوستان کی سرحد لگتی تھی۔ لیکن اس سرحد کے ساتھ یہ کچی آبادی نظر آرہی تھی۔ یہیں، ایک بہت بڑے درخت کے نیچے ایک چھوٹا سا گھر نظر آیا، جو کچا پکا بنا ہوا تھا اور یہیں ہماری ملاقات مرشد سے ہوئی۔

سرخ و سفید رنگ، لمبا قد، لمبی داڑھی۔ بڑا پُر وقار چہرہ تھا۔ بڑے نرم اور مشفق انداز میں مجھ سے ملے اور گھر کے سامنے پڑے ہوئے ایک تخت پر بیٹھنے کا اشارہ کیا۔ پھر قیصر خان سے بولے۔ ”ٹھیک تو ہے، قیصر خان! کیسی گزر رہی ہے؟ نوکری لگ گئی تمہاری؟“

”جی، مرشد! یہ سب بہت اچھا لوگ ہے۔ ان کے ساتھ کام کر رہا ہوں۔“ قیصر خان نے جواب دیا۔

”کیا نام ہے، آپ کا؟“

”جی، میرا نام شہاب ہے۔“

”بہت خوشی ہوئی، آپ سے مل کر۔ میرے لائق کوئی خدمت ہو تو بتاؤ۔“

”میں خود انہیں آپ کے پاس لے کر آیا ہوں، مرشد! اور اس وقت کا انتخاب اس لئے کیا کہ آپ کو فرصت ہو۔“

”مہمان کے لئے فرصت ہو یا نہ ہو، میں ہر وقت حاضر ہوں۔ آرام سے بیٹھو اور بتاؤ کیا بات ہے؟“

مرشد کی شخصیت نے مجھ پر بڑا اثر کیا تھا۔ بعض چہرے اور بعض کردار اسی طرح کے ہوتے ہیں کہ ان کے لئے کسی سفارش یا سوچ کی ضرورت نہیں ہوتی۔ مرشد کی شخصیت بھی ایسی ہی تھی۔ البتہ ایک بات میں نے اور محسوس کی۔ میں نے جب حرا اور سلطانہ سے اس گھر کے بارے میں پوچھا تو ان کی کیفیت بدل گئی۔ یا پھر جب میں نے وہاں کے حالات کے بارے میں زبان کھولنے کی کوشش کی تو بعض دفعہ مجھے منع کیا گیا اور ایک پُراسرار آواز نے مجھے روکا۔ لیکن یہاں، ان بزرگ کے سامنے صورتِ حال بیان کرنے میں مجھے کوئی قباحت نہیں ہوئی اور میں نے شروع سے لے کر آخر تک ساری تفصیل ان کے گوش گزار کر دی۔

مرشد آنکھیں بند کئے بیٹھے میری باتیں سن رہے تھے۔ جب میں خاموش ہوا تو چند لمحات انہوں نے بھی خاموشی اختیار کی اور اس کے بعد بولے۔

”وہاں، اس گھر میں تم یا تمہارے تایا تنہا نہیں ہیں، بلکہ یوں لگتا ہے، جیسے وہاں اجنہ کی پوری آبادی ہے۔ انسان اشرف المخلوقات ہے اور مٹی کی اس تخلیق کو اوّلیت عطا کی گئی ہے۔

لیکن روحانی مخلوق کی تین قسمیں ہیں۔ ایک قسم وہ ہے، جو سراپا خیر ہی خیر ہے۔ وہ فرشتے ہیں۔ دوسری قسم ان کی ہے، جو سراپا شر ہی شر ہیں، وہ شیاطین ہیں۔ تیسری وہ ہے، جس میں کچھ نیک اور کچھ شریر ہوتے ہیں، وہ جن ہوتے ہیں۔ یہ لوگوں کی آنکھوں سے پوشیدہ ہوتے ہیں۔ ان کی تخلیق آگ سے کی گئی ہے، جیسے آدم کی مٹی سے۔ ان میں نر، مادہ سب ہی ہوتے ہیں۔ ان کے ہاں اولاد بھی پیدا ہوتی ہے، لیکن فرشتے نر و مادہ نہیں ہوتے۔ جنات، شیاطین اور ملائکہ کا وجود شریعت سے ثابت ہے۔ اللہ نے جنات کو اس بات پر قدرت دی ہے کہ وہ اپنی اشکال تبدیل کرسکیں۔ انسانوں کے درمیان وارد ہونے کے لئے اپنی شکل بھی انسانوں جیسی ہی بنا لیتے ہیں۔ وہ آرام سے انسانوں اور جانوروں کی شکل اختیار کر لیتے ہیں۔ وہ سانپ، بچھو، اونٹ، گائے، گھوڑے، خچر، گدھے اور پرندوں کی شکل میں سامنے آ سکتے ہیں۔ یہ تمام صورتِ حال جنوں کے بارے میں ہے۔ تمہارے ساتھ جو واقعات پیش آئے ہیں، ان سے یہی ثابت ہوتا ہے کہ وہاں ایک باقاعدہ آبادی ہے اور اس کے سلسلے میں کچھ ہدایات دی گئی ہیں کہ جب شام کا آغاز ہو تو اپنے بچوں کو باہر جانے سے روک دو۔ شیاطین اس وقت منتشر ہوتے ہیں۔ ہاں، جب رات کا کچھ حصہ گزر جائے تو بچوں کو باہر جانے دو۔ رات کو سوتے وقت اپنے دروازے بند رکھو اور اللہ کو یاد کرو۔ کیونکہ شیطان بند دروازے نہیں کھولتا۔ اپنی پانی کی جگہوں کے سرے بند کر کے رکھو اور اپنے چراغ بجھا دو۔ یہ تمام تفصیلات موجود ہیں۔“

”مرشد! اس کے لئے ہماری طرف سے کوئی کارروائی ہوسکتی ہے؟“

”صرف، سورۂ جن کا ورد کرو، جو اللہ تعالیٰ نے انسانوں کو جنوں کی حقیقت سے آگاہ کرنے کے لئے نازل فرمائی ہے اور قرآن کریم کے انتیسویں پارے میں موجود ہیں۔ زیادہ تر اس سورۃ کا ورد رکھو۔ اللہ تعالیٰ تمہارا محافظ ہوگا۔“

”مرشد! میں نے جو واقعات آپ کو سنائے ہیں، ان کے لئے کوئی ایسی تجویز عطا فرمائیے، جس سے میں اور میرے اہلِ خاندان اس مشکل سے محفوظ رہ سکیں۔“

”میں نے عرض کیا نا، کہ سورۂ جن کا ورد سب سے بہتر ہے۔ باقی اگر آپ یہ چاہتے ہیں کہ میں ان جنوں کے خلاف کوئی محاذ آرائی کر کے آپ کی مدد کرسکوں، تو آپ یقین کرو، میں کوئی عالم نہیں ہوں۔ میں ایک اَن پڑھ آدمی ہوں۔ اللہ تعالیٰ آپ کو محفوظ رکھے گا۔ ویسے میں خود بھی آپ کے لئے رہنمائی حاصل کروں گا۔“

”اور اس سلسلے میں اپنے اہلِ خاندان کو میں تفصیل بتاؤں یا نہ بتاؤں؟“

”بہتر ہے کہ خاموشی اختیار کرو۔“

"ایک بات اور۔ میں اپنے والد صاحب کی موت کے بارے میں کچھ جاننا چاہتا ہوں۔"

"بیٹے! میں نے آپ سے ذکر کیا کہ میں روشن ضمیر نہیں ہوں۔ بس، اللہ کو یاد کرو، وہی رہنما ہے اور وہی تمہارے راستے منتخب کرے گا۔" مرشد نے حتمی لہجے میں کہا۔

"مرشد! اگر اجازت ہو تو کبھی کبھی میں، آپ کے پاس حاضری دے دیا کروں۔ ذرا سی رہنمائی ہو جائے گی۔" میں نے پوچھا۔

"کیوں نہیں، میں بھرپور کوشش کروں گا۔"

بہر حال، اس ملاقات سے تھوڑی سی دل کو تقویت ہوئی تھی۔ اس خیال کی تصدیق ہو گئی تھی کہ وہاں جنوں کا بسیرا ہے۔ لیکن کچھ اور باتیں بھی پتہ چل گئی تھیں۔ اس سلسلے میں مرشد سے دوبارہ بھی ملاقات کی جا سکتی تھی۔

واپسی میں قیصر خان نے کہا۔ "میں نے تمہارے کو بتایا کہ مرشد تمہیں کام کی باتیں بتائیں گے۔ لیکن وہ اور کوئی ایسا کام نہیں کر سکتے، جس کے بارے میں تم سوچو کہ چلو سارا مشکل حل ہو گیا۔"

"میں جانتا ہوں۔" میں نے پُر خیال انداز میں گردن ہلا دی۔

مرشد کی شخصیت مجھ پر اچھی طرح اثر انداز ہوئی تھی اور وہ مجھے ایک نیک اور مخلص انسان نظر آئے تھے۔ بڑی عاجزی تھی ان کے اندر اور انہوں نے کسی بھی طرح خود کو کوئی سپر شخصیت ظاہر کرنے کی کوشش نہیں کی تھی۔

ادھر قیصر خان میرے لئے بے حد اہم بن گیا تھا۔ ان تمام معاملات میں میرا واحد راز دار، جس سے میں دل کی ساری باتیں کر سکتا تھا۔ اور یہ بھی ایک انوکھی بات تھی میرے لئے۔ کیونکہ جب بھی میں نے یہاں، اس گھر میں پیش آنے والے واقعات کے بارے میں کسی سے گفتگو کرنے کا فیصلہ کیا تو کسی پُر اسرار آواز نے مجھے روک دیا، یا پھر جس سے بھی بات کی، وہ خوف کا شکار ہو گیا۔

قیصر خان وہ واحد شخصیت تھی، جس سے اس موضوع پر بات کرنے سے مجھے روکا گیا، نہ ہی کوئی رکاوٹ راہ میں ڈالی گئی۔ اور پھر وہ خود بھی ایک محتاط آدمی تھا۔ یہ جملے تو اُس نے بے شک کہے کہ یہاں، اس گھر میں رہنے والے انسان تنہا نہیں ہیں، بلکہ یہاں کا کھیل کچھ اور ہی ہے، لیکن کوئی تفصیلی بات اُس نے نہیں کہی۔ اور پھر یہ مرشد بھی بڑی اہم شخصیت تھے۔ طبیعت میں ایک شگفتگی سی خود بخود پیدا ہو گئی تھی اور یہ، ان سے ملاقات ہی کا نتیجہ تھی۔

ہم، گھر واپس آ گئے۔ کوئی خاص بات نہیں تھی۔ سرفراز بھائی ہمیں دن میں کئی بار فون

کرتے تھے اور اطمینان دلایا کرتے تھے۔ ظاہر ہے، پاپا کی موت کے بعد وہی ہمارے بڑے تھے۔ تایا ابو تو بے چارے خود ایک معزول زندگی گزار رہے تھے۔

دوسری صبح معمول کے مطابق میں، قیصر خان کے پاس پہنچ گیا۔ تھوڑی سی چہل قدمی کے بعد قیصر خان کے ساتھ بیٹھ کر چائے پینا ایک معمول بن چکا تھا۔ اور یہ بالکل حقیقت ہے کہ مجھے اس طرح اُس کے پاس بیٹھ کر چائے پینے میں بہت لطف آتا تھا۔ اس وقت بھی میں اُس کے پاس پہنچ کر چارپائی پر بیٹھ گیا تو قیصر خان، پانی کا ایک گلاس لے آیا، جس میں تھوڑا سا پانی تھا۔ اور یہ گلاس کسی پلیٹ سے ڈھکا ہوا تھا۔

"یہ پانی پی لو، صاب!"

"کیا ہے، اس پانی میں؟"

"پی لو، صاب! بعد میں بتائے گا۔" اُس نے کہا اور میں نے اُس کے ہاتھ سے گلاس لے کر پانی پی لیا۔ قیصر خان نے گلاس میرے ہاتھ سے لے کر ایک طرف رکھ دیا، پھر بولا۔

"صاب! میں نے اس پر اللہ کا کلام پڑھا ہے۔ یہ آپ کو دنیا کی مشکلوں سے محفوظ رکھے گا۔ بات اصل میں یہ ہے کہ میرا بال بچہ لوگ اب اس دنیا میں نہیں ہے۔ بس ایک بہن ہے، میں اُس کو ضرورت کی چیز بھیج دیتا ہے۔ پر صاب! میں بھی انسان ہے، میرے دل میں بھی محبت ہے۔ میرے کو معافی دینا۔ آپ بہت بڑا لوگ ہے، پر میرے دل میں آپ کا پیار اسی طرح ہے، جس طرح اپنا بچہ لوگ کے لئے۔ صاب! پیسہ، نوکری، تنخواہ، روٹی انسان کا ضرورت ہے، لیکن ان تمام ضرورتوں سے بڑا ضرورت، محبت ہے۔ جس طرح انسان کو بھوک میں روٹی کا ضرورت ہوتا ہے، اسی طرح اس کا دل میں محبت کا ضرورت بھی ہوتا ہے۔ میرے کو معاف کرنا، صاب!"

"یار! ایسی باتیں کیوں کر رہے ہو، قیصر خان! کیا مجھ سے کوئی غلطی ہو گئی؟"

"نہیں صاب! میں اپنا حد سے آگے بڑھتا ہے۔ ابھی میرا دل چاہتا ہے کہ اللہ پاک آپ کو کوئی تکلیف نہ پہنچنے دے۔ جس طرح میں اپنا بچہ لوگ کے لئے کلام پڑھتا ہے اور ان کے لئے دعا کرتا ہے، اسی طرح آپ کے لئے بھی دعا کرتا ہے۔ یہ اللہ کا کلام پڑھ کر پھونکا ہوا پانی ہے۔ انشاء اللہ تعالیٰ آپ کو مشکلوں سے محفوظ رکھے گا۔"

"انشاء اللہ تعالیٰ، قیصر خان! تم واقعی میرے بڑے ہو۔ ابھی تو مجھے تم سے اور بھی بہت کی باتیں کرنی ہیں۔"

"ضرور، صاب! ضرور۔ میں، میں کو ایک بات بتائے، میں آج نماز سے پہلے اُٹھ گیا تھا اور میں نے سورۂ جن کا ورد شروع کر دیا ہے۔ میں جانتا ہے، آپ بچہ لوگ ہے، آپ کو

شاید مرشد کا ہدایت یاد نہ رہے، پر میرا تو اور کوئی کام ہی نہیں ہے۔ آپ بالکل بے فکر
میں روزانہ سورۂ جن پڑھوں گا۔"

"یہ تو تم نے بہت اچھا کیا، قیصر خان! مجھے یقین ہے کہ تم میرے لئے سب کچھ
گے۔"

قیصر خان نے گردن جھکالی تھی۔ پھر وہ اپنی جگہ سے اُٹھا اور چائے کا انتظام کرنے
البتہ میں اُسے دیکھتے ہوئے کچھ سوچ رہا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے ہمیں اتنا دے دیا تھا کہ ہم
بھی نہیں سکتے تھے۔ بس، نقصان ہوا تھا تو صرف یہ کہ پاپا اس دنیا سے چلے گئے تھے۔
خان جیسا محبت کرنے والا شخص صرف ڈرائیور بنا کر تو نہیں رکھا جا سکتا۔ جب وہ ہمار
لئے دل میں اتنا پیار رکھتا ہے تو ہم پر بھی کچھ فرض عائد ہوتا ہے۔ لیکن یہ سب کچھ سرف
بھائی کے آنے کے بعد ہی ہوسکتا تھا۔

چائے کے بعد میں اُٹھ گیا۔ گھر کے معمولات جوں کے توں تھے۔ حرا اور سلطانہ
ساتھ گپیں ہوتی رہیں۔ دانیہ اور ماما بھی اس میں شریک تھیں اور تایا ابو بھی۔

پھر میں نے ایک اجنبی وجود کو گھر میں داخل ہوتے دیکھا۔ اس وقت میں تنہا تھا اور
کے بیرونی حصے میں کھڑا تھا کہ بڑے گیٹ سے وہ اندر داخل ہوئے۔ دراز قامت، سفید
سر پر پگڑی، نورانی چہرہ۔ ہاتھ میں ایک بیگ اٹھائے سیدھے اندر چلے آئے تھے۔ ایک
کے اندر میرے دل میں یہ خیال گزرا کہ کیا یہ کوئی جن ہے؟

میرے قریب پہنچ کر اُنہوں نے کہا۔ "السلام علیکم!"

"وعلیکم السلام!" میں نے سوالیہ نگاہوں سے اُنہیں دیکھا۔

"آپ غالبًا کوئی مہمان ہیں، جو یہاں آئے ہوئے ہیں۔" وہ بولے۔

"جی ہاں، آپ کو......." میں نے جملہ پورا بھی نہیں کیا تھا کہ وہ بولے۔

"جی، آپ آیئے میرے ساتھ۔ میں، گیتی آراء بیگم کا معالج ہوں اور گاہے بگاہے اُن
کا معائنہ کرنے کے لئے آتا رہتا ہوں۔"

اتنا کہہ کر وہ بے تکلفی سے آگے بڑھ کر اندر داخل ہو گئے۔

مجھے یاد آ گیا کہ ایک بار میں نے حرا اور سلطانہ سے پوچھا تھا کہ کیا دادی اماں کا
باقاعدہ علاج ہو رہا ہے؟ تو انہوں نے بتایا تھا کہ ہاں، ڈاکٹر اشتیاق مرزا ہفتہ دس دن کے
بعد ان کا معائنہ کرنے کے لئے آتے ہیں۔ میں اُن کے پیچھے پیچھے چل پڑا۔ یہ صاحب
صورت سے ڈاکٹر ہی نہیں معلوم ہوتے تھے، بلکہ لگتا تھا کہ کوئی دینی مبلغ ہیں۔ شخصیت بہرطور
بہت عمدہ تھی۔ اور اگر ڈاکٹر ہیں تو واقعی، ایسے کسی نورانی ڈاکٹر کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا تھا

کیونکہ اس پیشے کے لوگ تو بہت ماڈرن ہوتے ہیں۔
وہ، دادی اماں کے کمرے کے سامنے پہنچ گئے۔ پھر اُنہوں نے مڑ کر میری طرف دیکھا
اور مسکراتے ہوئے بولے۔ "مریض اور ڈاکٹر کے درمیان تخلیہ درکار ہوتا ہے۔ آپ براہِ کرم
جایئے اور ممتاز صاحب کو میری آمد کے بارے میں بتا دیجئے۔" یہ کہہ کر وہ دروازہ کھول کر
اندر داخل ہو گئے۔

میں ایک لمحے کے لئے وہیں کھڑا رہ گیا تھا۔ مجھے اندر سے دروازہ بند ہونے کی آواز
سنائی دی اور میں چونک کر دروازے کو دیکھنے لگا۔ کچھ عجیب سا احساس ہوا تھا مجھے۔ پہلی
بات تو یہ کہ ڈاکٹر صاحب کی شخصیت ڈاکٹروں جیسی لگتی تھی ہی نہیں۔ اور پھر بہت زیادہ خود
اعتمادی۔ اچانک ہی میرے ذہن میں بہت سے خیالات آئے۔ ڈاکٹر اشتیاق مرزا صرف
ڈاکٹر ہی نہیں، بلکہ کچھ اور بھی ہیں۔ دادی اماں کی پُراسرار شخصیت کا ڈاکٹر صاحب سے کوئی
نہ کوئی گہرا تعلق ہے۔ یہ تمام باتیں سوچتا ہوا میں واپسی کے لئے چل پڑا اور پھر سیدھا تایا ابو
کے پاس پہنچا۔ تایا ابو اس وقت حرا سے باتیں کر رہے تھے۔ سلطانہ اور دانیہ کہیں اور تھیں۔
شاید ماما کے کمرے میں۔ میں نے تایا ابو سے کہا۔

"وہ ڈاکٹر اشتیاق مرزا آئے ہیں۔ دروازے سے داخل ہوئے اور سیدھے دادی اماں
کے کمرے میں چلے گئے۔ اور دروازہ انہوں نے اندر سے بند کر لیا ہے۔"

"کوئی پریشانی کی بات نہیں ہے۔ ان کا یہی طریق کار ہے۔" تایا ابو نے مطمئن لہجے
میں کہا۔

"لیکن وہ ڈاکٹر سے زیادہ مجھے کوئی عالم معلوم ہوتے ہیں۔"

"ہاں بیٹے! وہ ایسے ہی ہیں۔ صرف ایم بی بی ایس ہی نہیں ہیں، بلکہ عالم بھی ہیں۔
ان کی طرف سے مطمئن رہو۔ وہ اسی طرح آتے ہیں اور اسی طرح اماں بی کو چیک کرتے
ہیں۔ ہم میں سے کسی کی ضرورت پیش نہیں آتی۔ اور اگر ہم کمرے میں ہوتے بھی ہیں تو وہ
ہمیں باہر جانے کی ہدایت کر دیتے ہیں۔"

میں نے ایک گہری سانس لی تھی۔ وہ لوگ مطمئن تھے تو مجھے تشویش زدہ نہیں ہونا
چاہئے تھا۔ لیکن ڈاکٹر صاحب کی شخصیت بڑی منفرد تھی۔ یہاں سب کچھ ہی منفرد تھا۔ یہ
کردار اپنی جگہ بے مثال تھا۔ ڈاکٹر صاحب آئے تو میرے سامنے تھے، گئے کب، کچھ پتہ
نہیں چلا۔

پھر اسی دن، شام کے پانچ بجے ایک اور دھماکہ خیز عمل ہوا۔ اتفاق سے ہم سب مغربی
گیٹ والے برآمدے میں جمع تھے اور خوش گپیاں ہو رہی تھیں کہ گیٹ کے عین سامنے سیاہ

رنگ کی ایک لینڈ کروزر آ کر رُکی اور ہماری نظریں اُس طرف اُٹھ گئیں۔

میں نے ایک نگاہ میں ہی اُس لینڈ کروزر کو پہچان لیا۔ یہ سو فیصد وہی گاڑی تھی
نے ایک دن ہمارا تعاقب کیا تھا۔ میری متجسس نظریں اسی طرف اُٹھی ہوئی تھیں کہ م
اس کے پچھلے دروازے سے کسی کو نیچے اُترتے دیکھا۔ یہ ایک قوی ہیکل آدمی تھا، جس
ہاتھوں میں ایک خطرناک ریپیٹر نظر آ رہی تھی۔ ہم سب چونک پڑے۔

❁

لینڈ کروزر سے اُترنے والے کا رُخ ہماری طرف نہیں تھا۔ بلکہ وہ دوسری طرف دیکھ رہا تھا۔ دوسری طرف سے بھی ویسا ہی مسلح آدمی نیچے اُترا تھا۔ اس کے بعد ہم نے اُن دونوں کا رُخ اپنے گیٹ کی طرف ہوتے دیکھا۔ ایک تیسری شخصیت اُن سے بھی آگے تھی اور شاید وہی لینڈ کروزر ڈرائیو کر رہی تھی اور اس کے سامنے سے گھوم کر آئی تھی۔ یہ ایک الٹرا ماڈرن، نوجوان اور خوب صورت لڑکی تھی، جس نے نیلے رنگ کی جینز اور گلابی رنگ کی شرٹ پہنی ہوئی تھی۔ آنکھوں پر سنہری فریم اور پنک کلر کے گلاس کی عینک لگی ہوئی تھی۔ وہ گیٹ سے اندر داخل ہوئی تو دونوں مسلح افراد با ادب اُس کے پیچھے چل پڑے۔ تب اندازہ ہوا کہ وہ دونوں گن مین تھے۔

''سائرہ!'' حرا کے منہ سے نکلا اور میں چونک کر حرا کو دیکھنے لگا۔

''کون، سائرہ؟'' میں نے بے اختیار پوچھا۔

''طاہرہ خانم کی صاحبزادی اور ہماری بھتیجی۔'' تایا ابو طنزیہ لہجے میں بولے۔

اتنی دیر میں لڑکی قریب آ گئی۔ اُس نے بڑی بے باکی سے ایک ایک کی شکل دیکھی، پھر بولی۔ ''ہیلو ایوری باڈی۔''

''ہیلو!'' ماما اور دانیہ نے بولنے میں پہل کی۔

''کیا بات ہے، امتیاز انکل! آپ لوگ مجھے دیکھ کر بھونچکے سے کیوں ہو گئے؟'' لڑکی نے کہا۔

''اس لئے بیٹے! کہ یہاں اس قسم کے جانور کبھی نہیں آتے۔ ہم ہی نہیں، آس پاس کے لوگوں میں سے جس نے بھی تمہیں دیکھا ہو گا، وہ بھونچکا رہ گیا ہو گا۔''

تایا ابو بدستور طنزیہ انداز میں بولے اور میں نے چونک کر لڑکی کو دیکھا۔ لیکن اس کا چہرہ بے شکن رہا۔ وہ مسکرا کر بولی۔

''ماما نے مجھے بتا دیا تھا کہ یہاں مجھے طنز اور نفرت کے سوا کچھ نہیں ملے گا۔ اس لئے میں نے آپ کی بات کا بالکل برا نہیں مانا۔ ہاں، اگر کچھ دیر بیٹھنے کی اجازت دے دیں تو

شکریہ ادا کروں گی۔"

"ہاں، بیٹھو۔ تمہیں یہاں آنے کی اجازت کیسے دے دی، طاہرہ خانم نے؟ اس پر مجھے تعجب ہے۔" تایا ابو نے کہا، پھر میری طرف رخ کر کے بولے۔ "شہاب! یہ سائرہ ہیں۔ سائرہ ولایت احمد۔ یعنی تمہاری کزن!"

"شکریہ، انکل! آپ نے انہیں میرا رشتہ بتانے سے گریز نہیں کیا۔" سائرہ مسکراتی ہوئی ایک کرسی پر بیٹھ گئی، پھر مجھ سے بولی۔ "یہ، یقیناً میری آنٹی ہیں۔ اور یہ دانیہ!"

"ہیلو!" دانیہ اور ماما نے بیک وقت کہا۔

"ہیلو، آنٹی!...... ہیلو دانیہ!...... آپ لوگ ٹھیک ہیں؟"

"کیا پیو گی، سائرہ؟" ماما نے محبت بھرے لہجے میں کہا۔

"نہیں، آنٹی! شکریہ۔ آپ مجھے بہت اچھی لگی ہیں۔ ویسے یہاں آپ پر پابندیاں نہیں ہیں، کتنے دن ہو گئے، آپ کو یہاں آئے ہوئے؟"

"زیادہ نہیں ہوئے۔" ماما نے کہا۔

"ایک بات اور پوچھوں، اگر آپ برا نہ مانیں تو؟"

"پوچھو۔" ماما نے کہا۔

"انکل کے بارے میں، جو کچھ سنا ہے...... کیا وہ......"

"تھوڑی سی مداخلت کروں گا، بیٹے! یہ جو کچھ آپ نے سنا ہے، وہ ذریعہ بتا سکتی ہیں آپ؟"

"جی انکل! ضرور بتا سکتی ہوں...... آپ جانتے ہیں کہ میں کس ماں کی بیٹی ہوں...... ایک عالم میری ماں کے عقیدت مندوں میں ہے اور ان کے علم کا قائل ہے۔ ایسی باتیں معلوم کرنا اُن کے لئے مشکل نہیں ہے۔"

"اوہو...... اب وہ، روشن ضمیر بھی ہو گئی ہیں؟"

"روشن ضمیری کا تو پتہ نہیں ہے، ہاں وہ روشن نگاہ ضرور ہیں۔ تاہم ان لوگوں کی یہاں آمد اور انکل امتیاز کے بارے میں اخلاق جاوید صاحب نے ماما کو بتایا تھا۔"

میں اب تک بالکل خاموش تھا اور ان لوگوں کی باتیں سن رہا تھا۔ سائرہ بہت تیز تھی اور پھر سب سے بڑی بات یہ تھی کہ اس لینڈ کروزر نے ایک دن ہمارا تعاقب کیا تھا اور لگ رہا تھا کہ اسے سائرہ ہی ڈرائیو کرتی ہے۔ گویا ہمارا تعاقب کرنے والی وہی تھی۔ اور اب وہ مکمل معلومات حاصل کر کے، ہم سے ملنے آئی تھی۔

"چلیں، سب کچھ ٹھیک ہے، آپ لوگوں کو میرے مرحوم شوہر کے بارے میں اور ہماری

یہاں آمد کے بارے میں علم ہو گیا تھا تو کیا بڑی بھابی، تعزیت کے لئے نہیں آ سکتی تھیں؟"

ماما نے نہ جانے کیسے یہ بات کہہ ڈالی۔ وہ اس قسم کی باتیں کبھی نہیں کرتی تھیں۔

"انہیں ابھی اجازت نہیں ہے۔" سائرہ نے مسکرا کر کہا۔

ماما چونک کر تایا ابو کو دیکھنے لگیں۔ تایا ابو بولے۔ "میری طرف سے نہیں، طاہرہ خانم، علم و عمل اور روحانیت کی ماہر ہیں۔ بھوت، پریت اور جنات سے اُن کا جھگڑا چلتا رہتا ہے۔ اور کچھ مخصوص جگہوں پر، جہاں ان کے مخالف جنات ہوتے ہیں، اُن کے اپنے مؤکل اُنہیں جانے سے منع کرتے ہیں۔"

"پلیز، تایا ابو! یہ ہمارا موضوع نہیں ہے۔ میرا خیال ہے، آپ کو میری یہاں آمد سخت ناگوار گزری ہے۔ اسی لئے میں چلتی ہوں۔ ہاں، چچی جان! ماما، آپ اور ان لوگوں سے ملنا چاہتی ہیں۔ اگر آپ مناسب سمجھیں اور آپ کو تایا ابو کی طرف سے اجازت مل جائے تو آپ مجھے اس نمبر پر فون کر دیں۔ میں آپ کو پک کر لوں گی۔" یہ کہہ کر سائرہ اُٹھ کھڑی ہوئی۔ اُس نے ایک کارڈ، ماما کو دیا تھا۔

"نہیں، بیٹھو سائرہ! کوئی بات نہیں ہے۔ پلیز، بیٹھو۔" ماما نے جلدی سے کہا۔

"میرے شناساؤں کا خیال ہے کہ میں بہت تیز دماغ اور جلد ہی غصے میں آ جانے والوں میں سے ہوں۔ میرے منہ سے کوئی غلط بات نکل گئی تو مجھے خود شرمندگی ہو گی۔ اس لئے معافی چاہتی ہوں۔ اچھا...... سوری!"

وہ گردن خم کر کے واپس مڑی اور گیٹ کی طرف چل دی۔ دونوں گن مین اُس کے پیچھے تھے۔ کچھ دیر کے بعد، لینڈ کروزر آگے بڑھ گئی۔

تایا ابو بولے۔

"یہ تمیز سکھائی ہے، طاہرہ بھابی نے اپنی اکلوتی بیٹی کو۔"

"سوری ابو!...... آپ نے بھی تو ایک منٹ صبر نہیں کیا۔ آخر وہ ہمارے گھر آئی تھی۔" حرا نے منہ بنا کر کہا۔

"بس بیٹا!...... نہ جانے کیوں، میں ان میں سے کسی کو دیکھ کر اپنا صبر کھو بیٹھتا ہوں۔ افشاں بہن نے پتہ نہیں، میرے بارے میں کیا سوچا ہو گا۔" تایا ابو بولے۔

"کیا آپ، مجھے اُن لوگوں سے ملنے کی اجازت دے دیں گے، بھائی جان؟" ماما نے نہ جانے کیا سوچ کر کہا۔

"کیوں نہیں، افشاں بہن!...... خاندان میں جو کوئی تم سے خوشی سے ملے، اُس سے ضرور ملو۔ بلکہ مجھے خوشی ہو گی، اگر یہ ٹوٹے دھاگے جڑ جائیں۔" تایا ابو نے کہا۔

سب لوگ ایک عجیب سے تاثر میں ڈوب گئے تھے۔ تایا ابو بھی شرمندہ سے نظر آرہے تھے۔ پھر سب اپنی جگہ سے اُٹھ گئے۔ میں اور دانیہ، ماما کے ساتھ اُن کے کمرے میں آگئے۔

میں، مسلسل سائرہ کے بارے میں سوچ رہا تھا اور میری سوچیں دوسروں سے مختلف تھیں۔ سائرہ بہت تیز طرار لڑکی معلوم ہوئی تھی۔ ہماری آمد اور پاپا کی موت کے بارے میں اُس نے فوراً کہہ دیا تھا کہ یہ اطلاع اُسے اپنے وکیل کے ذریعے ملی تھی۔ لیکن اُس نے اپنے تعاقب کے بارے میں کچھ نہیں بتایا تھا۔ ہوسکتا ہے، وکیل سے معلومات حاصل ہونے کے بعد اُنہوں نے ہمارے بارے میں کچھ اور معلومات حاصل کرنے کے لئے یہ تعاقب کیا ہو۔

اُس رات اپنے کمرے میں آکر میں نے سب سے پہلے سرفراز بھائی کو فون کیا۔ اُن سے رابطہ قائم ہوا اور دعا سلام کے بعد میں نے اُنہیں تفصیل بتائی۔ سرفراز بھائی بھی حیران رہ گئے تھے۔ پھر اُنہوں نے پوچھا۔

''ماما کیا کہتی ہیں؟''

''کہتی ہیں، یہاں جتنے رشتے دار ہیں، ان سب سے ملنا ہے۔''

''بالکل ٹھیک کہتی ہیں۔ ہمیں تو اپنے خاندان میں کسی سے کوئی واقفیت ہی نہیں ہے۔ کون ہمیں اپنائیت کی نگاہ سے دیکھتا ہے، کون نہیں، پتہ تو چلے گا۔''

''یہ بھی پتہ چلے گا کہ پاپا نے اپنا وطن کیوں چھوڑا تھا۔ چلئے چھوڑیں، آپ کی واپسی کب تک ہے؟''

''مجھے ایک مہینہ لگ سکتا ہے۔''

''آپ کی واپسی کا انتظار کریں؟''

''میرا خیال ہے، تم تائی اماں سے مل لو...... بعد میں، میں بھی مل لوں گا۔ ہم نے اتنا وقت لگایا تو ممکن ہے، وہ برا مان جائیں۔ تایا جان بہت اچھے انسان ہیں۔ لیکن ہمیں اپنے فیصلے خود کرنے ہوں گے۔''

''ٹھیک ہے۔'' بھائی جان سے باتیں کر کے مجھے تسلی ہوئی تھی۔

ایک ٹھنڈی سانس بھر کر میں نے سونے کے لئے کروٹ بدلی ہی تھی کہ ایک دم چونک پڑا۔ مجھے محسوس ہوا تھا کہ کمرے میں کوئی اور بھی موجود ہے۔ میں نے گردن گھما کر دیکھا تو مجھے کچھ فاصلے پر، ڈریسنگ ٹیبل کی میٹ پر وہی پُراسرار لڑکی نظر آئی، جس کی وجہ سے سارا جھگڑا چل رہا تھا۔ میں پھرتی سے اُٹھ کر بیٹھ گیا اور میرے منہ سے بے اختیار نکلا۔

''تم......؟''

اُس نے میری بات کا کوئی جواب نہیں دیا۔ بس یاس بھری نظروں سے مجھے دیکھتی رہی۔ میرے اندر خود بخود ایک طنزیہ کیفیت پیدا ہوگئی۔ میں نے ہونٹ بھینچ کر کہا۔

''فرمایئے! اب کیسے ہوا، آپ کا آنا؟ میرا خون چاٹنے آئی ہیں نا، آپ؟''

اُس کے چہرے میں معمولی سی تبدیلی رونما ہوئی، پھر وہ بولی۔ ''مجھ سے شادی کر لو...... مجھ سے شادی کرلو۔''

''پہلے یہ فرمایئے آپ کہ آپ گورنی ہیں یا اس کی بیٹی؟''

''میں، گورنی ہوں، اپنی سیفونہ کی ماں...... سیفونہ کو تو تم نے اس دنیا سے رخصت کر دیا۔ تمہارے ہاتھوں ماری گئی وہ۔ ہائے، کتنی ارمان بھری تھی۔ کیسی شریر، کیسی دلکش!...... تم نے اُس سے دنیا ہی چھین لی۔ کیا تمہیں ایسا کرنا چاہئے تھا؟''

''ٹھنڈے دل سے سوچو تو تم لوگوں نے مجھے یہاں آتے ہی پریشان کرنا شروع کر دیا تھا، چمگادڑ کی شکل میں، بلیوں کی شکل میں، اور اس کے بعد نجانے کیا کیا۔ تمہارا کیا خیال تھا، اس طرح کیا میں تمہاری غلامی قبول کر لیتا؟...... اس کے علاوہ تمہاری بیٹی کی موت صرف ایک اتفاقیہ حادثہ تھا، جس کے بارے میں تم خود بھی جانتی ہو۔''

''مگر جو کچھ ہوا، تمہارے ہاتھوں ہوا۔ دیکھو، میں نے اپنی ایک قدیم روایت سے فائدہ اُٹھانے کی کوشش کی ہے۔ تم اگر مجھ سے شادی کرلو گے تو میں، سیفونہ کے جسم میں داخل ہو کر، جیسا کہ میں اس وقت ہوں، تمہاری خدمت کروں گی۔ اس طرح میری سیفونہ، میرے وجود میں نئی حیات پا جائے گی۔ میں اس میں ضم ہو کر کم از کم اس کی زندگی کو تو محفوظ رکھوں گی۔ اور تمہیں جو درکار ہوگا، وہ ملے گا، میں دوں گی تمہیں وہ سب کچھ۔ جتنا مال و دولت چاہو گے، جو تم انسانوں کی بدترین ضرورت ہوتی ہے، میں تمہیں دولت کے ڈھیر پر بٹھا دوں گی۔ بس، تم میری سیفونہ کو حیات دے دو۔''

''گورنی! تم پاگل ہو۔ میں کہہ چکا ہوں کہ جس قتل کا الزام تم مجھ پر لگاتی ہو، اس سے میرا کوئی تعلق نہیں ہے۔ بس یوں سمجھ لو، یہ اتفاقیہ طور پر ہوا۔ جو کچھ بھی تھا اور جس طرح بھی تھا، میں نے تو بس اپنے بچاؤ کے لئے کوشش کی تھی۔ اور وہ کوشش تمہاری بیٹی کے لئے نقصان دہ ہوگئی تو میں کیا کرسکتا ہوں؟''

''قاتل ہو تم اُس کے۔ سمجھے تم؟ میں تم پر زندگی حرام کردوں گی۔ میں اب تک خاموش رہی ہوں، تمہارے ہاتھوں میں خود بھی زخمی ہوئی ہوں، لیکن یہ مت سمجھنا کہ تم مجھ پر حاوی ہوگئے ہو۔ میں تمہیں ایسی ایسی اذیتیں دوں گی کہ زندگی بھر یاد رکھو گے۔ ورنہ میری بات مان لو۔ دیکھو، میں تمہیں بتاؤں، رشتے سب کے لئے ہوتے ہیں۔ جس طرح تمہاری ماں،

بہن، بھائی اور باقی رشتے دار ہیں، اسی طرح میرا بھی میری بیٹی سے ایک رشتہ تھا، ج
توڑ دیا۔ اس ٹوٹے رشتے کو میں اسی شکل میں جوڑ سکتی ہوں کہ تم مجھ سے شادی کر ل
پھر دوسری صورت میں یوں سمجھ لو کہ میرا انتقام کچھ اس طرح شروع ہوگا کہ تم سوچ
سکتے۔"

"اب تم مجھے مسلسل دھمکیاں دیئے جارہی ہو، تم جو کرسکتی ہو، کرلو۔ کیا سمجھیں؟"

وہ خاموش ہوگئی۔ تھوڑی دیر تک مجھے گھورتی رہی۔ اب اس کے انداز میں یاس
بلکہ اُس کی آنکھوں سے نفرت کی چنگاریاں پھوٹ رہی تھیں۔ پھر وہ اپنی جگہ سے اُ
اُس کا روپ بدلنے لگا۔ کچھ ہی لمحوں کے بعد وہ موٹی اور بھدی عورت، گورنی کی شکل
کرگئی، جس کے سر پر اب بھی پٹی بندھی ہوئی تھی۔ اُس نے دانت نکال کر مجھے گھو
خوف ناک چہرہ ہوگیا تھا، اُس کا۔ ایسا کہ اگر یہاں کوئی اور ہوتا اور میری طرح دلیر نہ
انتہائی دہشت زدہ ہوجاتا۔ میں سادہ نگاہوں سے اُسے دیکھتا رہا۔ وہ خونخوار آنکھو
مجھے گھورتی ہوئی آخر کار کمرے کے دروازے سے باہر نکل گئی اور میرے منہ سے نکلا۔

"خس کم جہاں پاک۔ میں لیٹ رہا ہوں، سو رہا ہوں۔ تجھ سے جو کچھ بگاڑا ج
بگاڑ لینا میرا۔" پتہ نہیں، یہ دلیری میرے اندر کہاں سے اُبھر آئی تھی۔ میں واقعی بستر پ
گیا۔ میں نے سوچ کے سارے دروازے بند کرلئے تھے۔ چنانچہ اس آخری دروازے
جس سے نیند آتی تھی، نیند اندر آگئی اور میں گہری نیند سو گیا۔

دوسری صبح بے شک مجھے رات کے کچھ واقعات یاد تھے، لیکن میں، ان سے خوف
نہیں تھا۔ سب سے پہلی چائے معمول کے مطابق قیصر خان کے ساتھ ہی پی۔ قیصر خا
ساتھ اس طرح چائے پینے کا کچھ مزہ ہی اور تھا۔ پھر بہت دیر تک ماما اور دانیہ سے با
رہا۔ سرفراز بھائی سے ہونے والی گفتگو کی پوری تفصیل اُنہیں بتائی۔

ماما نے کہا۔ "میں نے رات ہی کو کہا تھا کہ ہمیں سب سے ملنا چاہئے۔ اب یہ
پروگرام کیا رہے گا؟"

"یہ بتایئے، کیا کروں؟"

"سائرہ ہے نا اُس لڑکی کا نام۔ اُس نے کوئی خاص توجہ تو نہیں دی ہے، لیکن د
اگر دوبارہ رجوع کرتی ہے تو ٹھیک ہے۔"

پھر دوپہر کو کھانے پر تایا ابو نے کہا۔

"سائرہ کا فون آیا تھا، آنا چاہتی ہے۔ کہہ رہی تھی، پانچ بجے تک آؤں گی۔ پوچھ
دیں کہ چچی جان کی کوئی مصروفیت تو نہیں ہے۔"

"بھائی جان! آپ کیا کہتے ہیں؟ یہ لوگ توجہ دے رہے ہیں تو ذرا انہیں بھی دیکھ لیا
جائے، مجھ سے کیا چاہتی ہیں؟" ماما نے کہا۔

"میں نے پہلے ہی کہا تھا کہ کوئی حرج نہیں ہے۔ ہم لوگ موم کے بنے ہوئے تو نہیں
ہیں۔ اور پھر ویسے بھی طاہرہ خانم اپنے آپ کو بہت تیز اور چالاک سمجھتی ہیں۔ ان کے قریب
جا کر ذرا اندازہ تو لگایا جائے کہ اب وہ کس انداز میں سوچتی اور دیکھتی ہیں۔"

"میرا خیال ہے، تایا ابو! اگر سائرہ آتی ہے اور چلنے کے لئے کہتی ہے تو صرف میں چلا
جاؤں گا، تائی اماں سے ملاقات کرلوں گا اور ان سے گلہ کروں گا کہ تائی اماں! آپ کو، پاپا
کی تعزیت کے لئے ہمارے گھر آنا چاہئے تھا۔"

"ٹھیک ہے، بیٹا! مجھے کوئی اعتراض نہیں ہے۔" تایا ابو نے فراخ دلی سے کہا۔

شام کو پانچ بجے کے قریب وہی کالی لینڈ کروزر آکر رُکی۔ گن مین نیچے اُترے اور
دوسری طرف سے سائرہ اُتر کر اندر آگئی۔ آج وہ شلوار قمیض میں ملبوس تھی اور اچھی خاصی
پاکیزہ سی نظر آرہی تھی۔ ماما، دانیہ، سلطانہ اور حرا نے اُس کا استقبال کیا۔

"معافی چاہتی ہوں، آپ کے پیچھے بری طرح پڑگئی۔ لیکن آپ لوگ یقین کرلیجئے کہ
مجھے، آپ سے ملنے کا بڑا اشتیاق تھا۔ ایک دو بار میں نے خود مما سے کہا کہ مما! آپ، مجھے
منانا جانے کی اجازت دے دیں۔ تو مما نے جواب دیا کہ امتیاز احمد خان، ہم لوگوں کو پسند
نہیں کرتے۔ انہوں نے خود کبھی اس کی پیشکش نہیں کی، اس طرح جانا مناسب نہیں ہے۔
خیر، چھوڑیئے ان باتوں کو۔ میں یہ کہنا چاہتی تھی کہ کل میں نے جا کر مما کو تفصیل بتائی تو مما
نے کہا کہ چونکہ ممتاز احمد ہم سے ناراض ہیں، اس لئے وہ ان لوگوں کو ہم سے نہیں ملنے دیں
گے۔ لیکن پھر بھی میں ان سے ملنا چاہتی ہوں۔ مما نے یہ بھی پیشگوئی کی کہ آپ لوگ ہم
سے ملیں گے۔"

"ہاں بیٹا! کیوں نہیں۔ ایسا کرو، آج شہاب کو اپنے ساتھ لے جاؤ اور بڑی بھابی سے
ملا دو۔ بعد میں ہم لوگ مل لیں گے۔"

"آپ لوگ بھی چلئے نا۔" سائرہ نے بڑے لاڈ سے کہا۔

"بیٹا! کچھ باتیں بزرگوں کی بھی ماننی پڑتی ہیں۔ اصل میں آپ کی مما کو یہاں آنا
چاہئے۔ کیونکہ پُرسہ دینا بھی ضروری ہوتا ہے۔"

"مما تو شاید یہاں نہ آسکیں، بہرحال، ٹھیک ہے، شہاب صاحب! آپ ہی چلئے۔"

"میں تیار ہو جاتا ہوں۔"

میں نے کہا اور اس کے بعد جا کر لباس تبدیل کرنے لگا۔

سائرہ باقی لوگوں سے باتیں کرنے لگی تھی۔ تایا ابو شاید اپنے کمرے میں تھے ا
بوجھ کر باہر نہیں نکلے تھے۔ تھوڑی دیر کے بعد میں تیار ہو کر جب اُن کے درمیان پہنچ
نے سائرہ کی نگاہوں کو اپنی جانب نگراں دیکھا۔ ایک لمحے کے اندر میں نے محسوس کیا
کی آنکھوں میں میرے لئے پسندیدگی کے تاثرات پیدا ہو گئے ہیں۔ وہ فوراً ہی کھڑ
اور کلائی پر بندھی ہوئی گھڑی میں دیکھتی ہوئی بولی۔

''چلیں......!''

''جاؤں، ماما؟'' میں نے اپنی ماما سے پوچھا۔

''ہاں بیٹے! جاؤ، ان کا احترام ذہن میں رکھنا۔'' ماما نے کہا اور میں سائرہ کے
باہر نکل آیا۔

دروازے کے باہر دونوں گن مین کھڑے ہوئے تھے۔ میرا اندازہ بالکل ٹھ
ڈرائیونگ سیٹ سائرہ ہی نے سنبھالی تھی اور مجھے اپنے برابر بیٹھنے کی پیشکش کر دی گ
خاموشی سے اُس کے ساتھ بیٹھ گیا تھا۔ سائرہ نے سامنے نگاہیں جمائیں اور ڈرائیو کر
لاہور کے مختلف راستے طے ہوتے رہے۔ پھر ڈیفنس کی ایک شاندار کوٹھی کے
لینڈ کروزر رُکی اور چوکیدار نے جلدی سے دروازہ کھول دیا۔ بہت ہی عالیشان کوٹھی
نہیں، کتنے بڑے رقبے پر پھیلی ہوئی تھی۔ انتہائی خوب صورت لان دونوں طرف نظ
تھے۔ لیکن وہاں مجھے بارہ کے قریب قیمتی کاریں نظر آئیں، جو بڑی ترتیب سے کھڑ
تھیں۔ پورچ میں سیاہ لینڈ کروزر رُک گئی۔ گن مین نیچے اُترے اور اُنہوں نے دونو
کے دروازے کھول دیئے۔

''یہ، اتنی ساری گاڑیاں......؟'' میں نے پوچھا۔

''مما کے مریدوں کی ہیں۔ وہ، اس وقت مما سے درس لینے آتے ہیں۔ آیئے
میں، آپ کو نظارہ کراؤں۔''

شیشے کے بہت بڑے دروازے سے اندر داخل ہو کر ہم ایک عالیشان ڈرا
میں پہنچے جو اس وقت خالی پڑا ہوا تھا۔ اس کا فرنیچر قابلِ دید تھا۔ ہر چیز سے نفا
رہی تھی۔ ڈرائنگ روم کے بغلی حصے میں ایک چوڑا دروازہ تھا۔ اس چوڑے درواز
اندر داخل ہوئے تو ڈرائنگ روم سے کہیں زیادہ وسیع ایک ہال نما جگہ نظر آئی۔

ہال میں اعلیٰ درجے کی کرسیاں پڑی ہوئی تھیں۔ سامنے ہی ایک اسٹیج بنا ہوا تھا
بہت ہی اعلیٰ درجے کی کرسی اور میز رکھی ہوئی تھی۔ کرسی پر ایک شاندار شخصیت براجم
سفید لباس میں ملبوس، بڑے بڑے لمبے سیاہ بال بکھرے ہوئے، چہرے پر جلال

ایک خاص کیفیت۔ سامنے بیٹھے ہوئے عقیدت مندوں کی گردنیں جھکی ہوئی تھیں اور وہ
ون کسی موضوع پر بول رہی تھیں۔ بے حد پاٹ دار آواز، جو اس وسیع و عریض ہال میں
یک کے بغیر پوری طرح گونج رہی تھی۔ ماحول کو بڑا سنسنی خیز بنا دیا گیا تھا۔

میں اور سائرہ اندر داخل ہوئے تو خاتون کے آخری الفاظ اُبھر رہے تھے۔

''اور میں سمجھتی ہوں کہ آپ لوگ اپنے طور پر، اپنی سوچ کے مطابق فیصلہ کریں گے۔
ست برخاست کرتی ہوں۔''

یہ کہہ کر انہوں نے اپنی جگہ چھوڑ دی اور کرسی سے اُٹھ کھڑی ہوئیں۔ اُن کے ساتھ ہی
تمام لوگ جو کرسیوں پر بیٹھے تھے، عقیدت مندانہ طور پر کھڑے ہو گئے اور پھر ایک ایک کر
ے اس دروازے سے باہر نکلنے لگے۔ سائرہ میرے ساتھ ایک طرف ہٹ گئی تھی۔ اس کے
ند سائرہ بھی اُن لوگوں کے ساتھ باہر نکل آئی۔ کیونکہ معمر خاتون، اسٹیج کے پیچھے والے
روازے سے اندر چلی گئی تھیں۔

میں، سائرہ کے ساتھ ڈرائنگ روم میں آ گیا تو سائرہ بولی۔ ''آئیں، ادھر آ جایئے
ہاب!'' یہ کہہ کر وہ ڈرائنگ روم کے دروازے کی طرف بڑھ گئی۔

یہاں سے ہم ایک راہداری میں گئے اور راہداری کے اختتام پر ایک اور بڑے سے
کمرے کے دروازے پر جا کر رک گئے۔ سائرہ نے مجھے اندر آنے کا اشارہ کیا اور میں اندر
اخل ہو گیا۔

جس کمرے میں ہم داخل ہوئے، وہ بھی ایک آرام دہ نشست گاہ تھی۔ یہاں پہنچ کر
سائرہ نے مجھے بیٹھنے کے لئے کہا اور بولی۔

''مما آتی ہیں، ابھی۔ آپ یہ بتایئے، فوری طور پر میں، آپ کی کیا خدمت کروں؟ میرا
طلب ہے، آپ کیا پئیں گے؟''

''عام طور سے جواب میں یہی کہا جا سکتا ہے کہ نہیں، شکریہ۔ اور میں بھی اس کے علاوہ
ور کچھ نہیں کہوں گا۔ کیونکہ کسی شے کی حاجت نہیں ہے۔''

''چلیں، ٹھیک ہے۔ آپ کوئی غیر تھوڑی ہیں۔ جب دل چاہے، بتا دیجئے گا۔''

وہ کچھ فاصلے پر بیٹھ گئی، پھر بولی۔ ''آپ بہت کم گو معلوم ہوتے ہیں۔''

''بس!......ظاہر ہے، ہماری یہ پہلی ملاقات ہے۔''

''ہاں، ہاں......مناما کیسی جگہ ہے؟''

''آپ کبھی ملک سے باہر نہیں گئیں؟'' میں نے جواب دینے کے بجائے سوال کیا۔

''مما کی اجازت نہیں ملی۔ بس، مما مجھے اپنی آنکھوں کا تارہ بنائے رکھتی ہیں۔ کیونکہ

میں تنہا ہوں۔ اچھا، یہ بتایئے، وہاں آپ کو ہمارے بارے میں کچھ معلومات تو حاصل ہوں گی؟'' ابھی اس نے اتنا ہی کہا تھا کہ کمرے کے اندرونی دروازے سے وہی قامت اور پُر وقار عورت اندر داخل ہوئی، جو درس دے رہی تھی۔ ظاہر ہے، یہ تائی اماں علاوہ اور کوئی نہیں ہو سکتا تھا۔

اُن کی شخصیت ایسی تھی کہ اُن کا احترام کیا جائے اور پھر مصلحت کا تقاضا بھی یہی میں نے کھڑے ہو کر اُنہیں سلام کیا اور اُنہوں نے بڑی شانِ بے نیازی سے گردن کو دیا۔ ہونٹوں میں کوئی جنبش بھی نہیں ہوئی تھی۔ پھر وہ ایک صوفے پر بیٹھ گئیں اور پہلی با کی آواز اُبھری۔

''افشاں بیگم اور ان کے ساتھ آنے والے دوسرے لوگ نہیں آئے؟''

''وہ، پھر حاضری دیں گے، تائی اماں!'' میں نے کہا۔

''ایک منٹ...... میرا صرف ایک رشتہ باقی رہ گیا ہے، جو میری بیٹی سے ہے۔ص سائرہ مجھے مما کہہ کر پکار سکتی ہے، باقی سب مجھے دانی سرکار کہتے ہیں۔ تم بھی مجھے یہی کہ پکارو گے۔''

''بہتر۔'' میں نے کہا۔

سائرہ نے اضطراب سے پہلو بدلا تھا۔ پھر وہ جلدی سے بولی۔ ''چچا جان کا انتقا گیا ہے، مما! پُرسہ دینا ضروری ہوتا ہے، اس لئے وہ نہیں آئے۔''

''کیا یہ ہماری توہین نہیں ہے؟ اصل بات میں سمجھتی ہوں، بندر کے ہاتھ بٹیر لگ ہے۔ چلو ٹھیک ہے، ممتاز احمد خان کو اگر کوئی فائدہ نظر آ رہا ہے تو وہ ان لوگوں کو جیب رکھ لیں۔ میں سمجھتی ہوں، وہ کیا سوچ رہے ہیں۔''

''نہیں، مما!...... چچا جان نے اس بارے میں......''

''تم، بچی ہو، سائرہ! ممتاز احمد خان بے حد گھاگ انسان ہیں۔ وہ اپنی دونوں بیٹیو ٹھکانے لگانا چاہتے ہیں۔ کیوں لڑکے! کیا اُنہوں نے اپنی محبتوں کے دروازے تم پر کھول دیئے؟''

میں، تائی اماں کا مطلب سمجھ گیا تھا۔ اُن کا پہلا ہی تاثر خراب پڑا تھا، جب اُنہوں مجھے تائی اماں کہنے سے منع کیا تھا۔ اُن کی باتوں سے تنفر کی بُو آ رہی تھی۔ ماما اور بھائی جا نے کہا تھا کہ ہمیں یہ ٹوٹے رشتے جوڑنے ہیں، اس لئے میں نے خود کو سنبھال لیا اور کوئی جواب دینے کے بجائے میں نے کہا۔

''ہم تو ایک حادثے کے تحت یہاں آ گئے ہیں، دانی سرکار!...... پاپا سے ہم نے

فرمائش کی کہ ہمیں ہمارے اپنوں میں لے جائیں، ہم سب لے ملنا چاہتے ہیں۔ لیکن پاپا ہمیں کبھی نہیں لائے۔ انہوں نے ہمیں سب سے دُور رکھنے کی وجہ بھی نہیں بتائی۔ پھر پاپا اچانک کھو گئے اور ہم......'' میری آواز بھرا گئی۔

سائرہ نے جلدی سے کہا۔ ''مما! یہ آپ سے ملنے آئے ہیں۔''

''ہم نہیں جانتے، دانی سرکار! کہ کون ہم سے کیا چاہتا ہے۔ مگر ہم، آپ کا سایہ اپنے سروں پر چاہتے ہیں۔ ہم، آپ سب کے قدموں میں جینا چاہتے ہیں۔'' میں نے اداکاری کرتے ہوئے کہا۔

تائی اماں دیر تک بالکل خاموش رہی تھیں، پھر اُنہوں نے کہا۔ ''یہاں کس کس سے ملے ہو؟''

''کسی سے نہیں۔ لیکن سب سے ملنے کی آرزو ہے۔''

''کیوں نہیں ملے؟''

''کسی کا پتہ ہی نہیں ہے۔''

''کیوں؟''

''خود تایا ابو کو کسی کے بارے میں نہیں معلوم۔ اور کوئی ذریعہ نہیں تھا ہمارے پاس۔''

''پتہ نہیں، ممتاز احمد خان کس مٹی کے بنے ہیں۔ کس کے لئے سارے زمانے کا صبر سمیٹ رہے ہیں۔ دو بیٹیاں ہی تو ہیں، کروڑوں کی زمین دبائے بیٹھے ہیں، جھوٹ بول رہے ہیں۔ وہ سب کے بارے میں جانتے ہیں، مگر تمہیں کسی کے ہاتھ نہیں لگنے دینا چاہتے۔ کیونکہ اس طرح بہت سے راز فاش ہوں گے۔ لیکن فکر مت کرو، میں تمہیں پورے خاندان کے بارے میں بتاؤں گی۔''

''ہمیں، آپ کی محبت درکار ہے، دانی سرکار! میرے، میری مما، بہن اور بھائی کے دل میں آپ کے لئے احترام اور پیار ہے۔ ہم، آپ سے کبھی گستاخی نہیں کریں گے۔''

''مما! اگر امتیاز چچا نے آپ سے کوئی گستاخی کی ہو، تو اس میں ان لوگوں کا کوئی قصور نہیں ہے۔ آپ نے انہیں مفاد پرستوں کے چنگل سے بچانا ہے۔'' سائرہ نے کہا۔

تائی اماں نے چونک کر سائرہ کو دیکھا۔ دونوں ماں بیٹیاں کوئی دس سیکنڈ تک ایک دوسرے کی آنکھوں میں دیکھتی رہیں، پھر طاہرہ خانم نے ایک گہری سانس لے کر کہا۔

''تم ان سے بات چیت کرو۔ انہیں ہمارے ساتھ کھانا کھانا ہے۔ میں ان سے دوسری ملاقات کروں گی۔''

یہ کہہ کر تائی اماں اپنی جگہ سے اُٹھ گئیں۔ سائرہ کے رویے کو میں بہت بدلا ہوا محسوس

کر رہا تھا۔

"آیئے، شہاب! یہاں سے چلیں۔ میں، آپ کو اپنی کوٹھی دکھاؤں۔"

سائرہ نے کہا اور میں، اُس کے ساتھ اُس کمرے سے باہر نکل آیا۔ منا ما میں، میں نے بہت سیٹھوں کے ولاز دیکھے تھے، دولت کی ریل پیل کے کھیل دیکھے تھے۔ یہ کوٹھی کسی شیخ کی رہائش گاہ سے کم نہیں تھی۔ سائرہ نے مجھے اپنا بیڈ روم بھی دکھایا، قیمتی اشیاء سے بھرا ہوا تھا۔ اس نے کہا۔

"ان میں سے بیشتر اشیاء مجھے تحائف میں ملی ہیں۔ مما کے عقیدت مندوں میں بڑے بڑے صنعت کار، اعلیٰ سرکاری افسران، یہاں تک کہ بعض وزراء بھی ہیں۔ یہ سب، مما کی خوشنودی حاصل کرنے کے لئے، مجھے تحائف دیتے رہتے ہیں۔"

"دانی سرکار، اُن کے لئے کیا کرتی ہیں؟"

"وہ اُن کی روحانی محافظ ہیں۔ میں تمہیں ایک بات بتاؤں، سمن آباد کا وہ گھر آسیب زدہ ہے۔ وہاں جنوں کی آبادی ہے۔ مما کا اُن میں سے کئی خاندانوں سے جھگڑا چل رہا ہے، اس لئے مما وہاں نہیں جاتیں۔ اُن کی ہمدرد روحیں اُنہیں وہاں جانے کی اجازت نہیں دیتیں۔"

"ہمدرد روحیں؟"

"ہاں، مما کے مؤکل۔"

"کیا آپ بھی ایسے علوم سے دلچسپی رکھتی ہیں، سائرہ؟"

"بس، اس حد تک کہ مما کی روحانیات کی قائل ہوں۔ اچھا، ایک بات بتایئے، شہاب سلطانہ اور حرا میں آپ کو کون پسند ہے؟"

"دونوں۔" میں نے سادگی سے کہا۔

"نہیں، جیسا کہ مما نے کہا کہ ممتاز احمد انکل آپ دونوں بھائیوں سے اپنی بیٹیوں کی شادی کرنا چاہتے ہیں، اگر آپ سے ان دونوں میں سے کسی کے انتخاب کے لئے کہا جائے تو آپ کسے پسند کریں گے؟ حرا کو، یا سلطانہ کو؟"

"دونوں میں سے کسی کو نہیں۔"

"کیوں......؟" وہ چونک کر بولی۔

"کیوں، کا کیا مطلب؟ کسی کو زبردستی تو پسند نہیں کیا جاتا۔"

"اور اگر آپ کو مجبور کیا جائے؟"

"میں مجبور نہیں ہوں گا۔"

"ویری گڈ!...... اچھی بات ہے۔ آپ اسی گھر میں رہیں گے یا گھر تبدیل کریں گے؟"

"شاید وہیں۔"

"آپ کو، وہ اُجاڑ اور ویران گھر پسند ہے؟"

"ہاں!"

"کسی خاص وجہ سے؟"

"ہاں۔ کیونکہ وہاں دادی اماں ہیں، میرے پاپا اُن سے بہت محبت کرتے تھے۔"

"جانتے ہیں، میری مما کا کیا خیال ہے؟"

"کس کے بارے میں؟"

"دادی اماں کے بارے میں۔ مما کا خیال ہے کہ وہ پوری طرح ہوش مند ہیں...... انہوں نے اپنی بیماری کا ڈھونگ رچا رکھا ہے۔ ان کی قوتِ برداشت زبردست ہے اور وہ کوما میں رہنے کی مشق رکھتی ہیں۔"

"وجہ......؟" میں نے پوچھا۔

"یہ نہیں معلوم۔"

"ہر بات کی کوئی وجہ ہوتی ہے۔"

"چلیں، اب آپ وہاں موجود ہیں، آپ کو اصلیت ضرور پتہ چل جائے گی۔ ہاں، ایک وعدہ کریں، اگر آپ کو وجہ پتہ چل جائے تو مجھے ضرور بتایئے۔"

کافی وقت گزر گیا۔ میں نے جانے کے لئے کہا تو سائرہ بولی۔

"ہرگز نہیں، مما نے آپ کے بارے میں ہدایت کی ہے کہ آپ کو کھانے کے بعد جانے دیا جائے۔ اور مما، آپ سے مزید باتیں کریں گی۔"

"وقت زیادہ ہو جائے گا۔"

"آپ، کیسی باتیں کر رہے ہیں، شہاب! آپ کو پتہ ہے کہ لوگ، مما کے ساتھ ایک لمحہ گزارنے کے لئے ترستے ہیں۔ بڑی مشکل سے انہیں وقت ملتا ہے اور انہوں نے خود آپ کو ملنے کے لئے کہا ہے۔ اصل میں آپ باہر سے آئے ہیں، اس لئے مما کی حیثیت نہیں جانتے۔ جبکہ آپ یہاں معلومات کریں گے تو آپ کو پتہ چلے گا کہ مما کیا چیز ہیں۔"

میرے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی تو وہ مجھے دیکھ کر جلدی سے بولی۔

"آپ مسکرا کیوں رہے ہیں، مجھے بتایئے؟"

”آپ کی مما جو کچھ بھی ہوں، لیکن آپ اپنی مما کی بہت ہی وفادار بیٹی ہیں۔“ میں نے کہا۔

وہ میری بات پر غور کرنے لگی، پھر مسکرا دی اور بولی۔ ”میرے پاس مما کے سوا اور ہے ہی کیا۔ اور مما نے مجھے جو مقام دے دیا ہے، بہت کم لوگوں کو وہ مقام ملتا ہے۔“

خاصا وقت گزر گیا۔ میں خاموشی سے ایک دیوار کو تک رہا تھا کہ اندرونی پردہ ہلا اور اِس بار جو شخصیت اندر داخل ہوئی، وہ میری پہلی دیکھی ہوئی شخصیت سے بہت مختلف تھی۔ تاہم اماں ہی تھیں، یعنی طاہرہ خانم۔ لیکن اس وقت ایک بہت ہی سلیقے کا لباس پہنے ہوئے تھیں اور اُن کا انداز بالکل بدل گیا تھا۔ اس وقت وہ کسی بھی شکل میں، دانی سرکار نظر نہیں آ رہی تھیں۔

”ہیلو......!“ انہوں نے اندر آ کر کہا۔ میں اُن کے استقبال کے لئے کھڑا ہو گیا تھا۔

”بیٹھو......شہاب ہے نا، تمہارا نام؟......کہو، پاکستان آ کر کیسا لگا؟“

”بس، دانی سرکار! پاکستان ہمارا وطن ہے

ہم ہمیشہ یہاں آنا چاہتے تھے، لیکن نہیں آ سکے۔“

”ہاں، پتہ نہیں امتیاز کی کیا سوچ تھی۔ چلو خیر، اب یہ بتاؤ کہ تمہارا، تمہاری مما کا اور دوسرے لوگوں کا کیا خیال ہے؟ پاکستان میں رہو گے یا یہاں سے واپس جاؤ گے؟“

”نہیں، بڑے بھائی جان وہاں ملازمت کرتے ہیں۔ اور پاپا بھی اُسی فرم میں ملازمت کرتے تھے۔ لیکن اب پاپا کے بعد وہاں دل کیا لگے گا۔“

”ہاں، لیکن مجھے ایک بات پر سخت تعجب ہے۔ جہاں تک میرے علم میں ہے، امتیاز کو بھی جائیداد کا خاصا حصہ ملا تھا، بڑی زمینیں تھیں اُن کی۔ اور پھر یہاں بھی سنا تھا کہ وہ زمینوں کی خرید و فروخت کرتے رہتے تھے اور انہوں نے اچھی خاصی حیثیت بنا لی تھی۔ میں تو خیر، اپنی ہی معروفیات میں رہتی ہوں۔ اور امتیاز احمد اپنے طور پر بہت زیادہ مصروف رہا کرتے تھے۔ اس لئے میری، اُن سے یہاں ایک آدھ بار ہی ملاقات ہوئی۔ لیکن بہرحال سنا یہی تھا کہ وہ کافی بھاگ دوڑ کر رہے ہیں۔“

”جی......!“ میں نے مختصراً کہا۔

”چلو خیر، چھوڑو۔ اب یہ بتاؤ، یہاں کیا کرنا چاہتے ہو؟ اور اس کے علاوہ اپنی مما سے کہو، اور اپنے بھائی سے بھی، کہ کسی ایک آدمی کے چکر میں نہ پڑیں۔ ممتاز صاحب، بڑے زمانہ ساز انسان ہیں۔ تمہارے یہاں آنے سے ان کا تو فائدہ ہی فائدہ ہے۔ لیکن دیکھو اور سوچ لینا، جہاں تک میرا تعلق ہے، تو تمہیں بہت جلد یہ معلومات حاصل ہو جائیں گی

ہیں، کیا چیز ہوں۔ یہاں کون سا ایسا کام ہے، جو میں نہیں کرا سکتی۔ جبکہ دوسرے لوگ اس کے بارے میں سوچ بھی نہیں سکتے۔ خیر چھوڑو، میں یہ کہنا چاہتی تھی، کوئی مشکل ہو، کوئی ضرورت ہو تو میرے پاس آ جانا۔ لیکن گردن اکڑا کر نہیں، گردن جھکا کر۔ کیونکہ جھکی ہوئی گردنیں مجھے پسند آتی ہیں۔ اور لوگ میرے سامنے آتے ہوئے گردنیں جھکائے ہی رکھتے ہیں۔“

ایک لمحے کے لئے پھر دل میں ایک جنون سا اُبھرا تھا اور سوچا تھا میں نے کہ انہیں جواب دوں، لیکن پھر اپنے آپ پر قابو پایا اور مسکراتے ہوئے بولا۔

”میں تو ویسے بھی، آپ کا چھوٹا ہوں، دانی سرکار! میں، آپ کے سامنے گردن کیوں اٹھاؤں گا؟“

”ہاں......تمام لوگ اسی لئے کٹ کر رہ گئے ہیں۔ وہ میری حیثیت کو نہیں سمجھتے۔“

”تمام لوگوں سے، آپ کی کیا مراد ہے؟“

”تمہارے خاندان والے، جو میرے سامنے احساسِ کمتری کا شکار ہیں۔“

”چلئے، یہ بھی تذکرہ آپ نے کر دیا۔ میں آپ سے پھر یہ سوال کروں گا، دانی سرکار! کہ یہاں، ہمارے خاندان والوں میں کون کون ہے؟“

”تو ممتاز نے تمہیں کچھ نہیں بتایا؟“

”بس، اتنا ہی کہا کہ وہ سب سے کٹے ہوئے ہیں۔ بلکہ یہاں سب ایک دوسرے سے کٹے ہوئے ہیں اور کوئی، کسی سے نہیں ملتا۔ اس لئے انہیں ان کے پتے بھی نہیں معلوم۔“

”ممتاز، اسی طرح کے انسان ہیں۔ جبکہ باقی لوگ، ایک دوسرے سے ملتے ہیں۔ میرے پاس بھی اگر کوئی اپنی ضرورت لے کر آ جاتا ہے تو میں اسے اپنے شوہر کا رشتہ دار سمجھ کر انکار نہیں کرتی۔ مثلاً تمہاری پھوپھی اور پھوپھا...... جہاں آراء بیگم، تمہاری پھوپھی ہیں اور پھوپھا کا نام، جمال احمد ہے۔ یہ لوگ آج کل شیخوپورہ میں ہیں۔ شیخوپورہ میں، جمال احمد کا خاصا کاروبار ہے۔ کیونکہ تمہاری پھوپھی صاحبہ نے ٹھیک ٹھاک رقمیں ماری ہیں۔ اُن کا ایک خاص طریق کار ہے۔“

”شیخوپورہ میں ہیں؟“

”ہاں، تم چاہو تو میں تمہیں اُن کا پتہ دے سکتی ہوں۔ سائرہ کے پاس اُن کا پتہ ہے۔ اور اس کے علاوہ، ساہیوال میں تمہارے نانا، نانی بھی ہیں۔“

”نن......نن......نانا، نانی؟“

”ہاں، میرا مطلب ہے، خالو، خالہ۔ یعنی تمہارے والد کے خالہ، خالو۔ صنم آراء بیگم اور

ریاض حسین۔ یہ لوگ، ساہیوال میں رہتے ہیں۔ یہ بھی اپنے طور پر مطمئن ہیں۔ باقاعدہ
رکھے ہیں۔ یہاں پر کوئی بھی کچی حیثیت میں نہیں ہے۔ کیونکہ خاندانی جائیدادیں کافی ہیں
لیکن میں نے جو کچھ کیا ہے، ولایت احمد خان کی موت کے بعد اپنے قوتِ بازو سے
ہے۔''

''کیا مجھے اُن کے پتے مل سکیں گے؟''

''ہاں، سائرہ تمہیں تمام پتے دے دے گی۔ چلو ٹھیک ہے، سائرہ! انہیں کھانا وانا
اور اس کے بعد ڈرائیور کے ہاتھ انہیں واپس ان کے گھر چھڑوا دو۔'' یہ کہہ کر وہ اپنی جگہ
اُٹھ گئیں۔ میں خاموشی سے اُنہیں جاتے ہوئے دیکھ رہا تھا اور اُن کے بارے میں بہت
سوچ رہا تھا۔ سائرہ البتہ خاصی بہتر ہو گئی تھی اور پہلے کی نسبت کافی نرم نظر آ رہی تھی۔

کھانے کی میز پر میرے اور اس کے علاوہ کوئی نہیں تھا۔ میں نے، اُس سے
پتے حاصل کئے اور پھر سائرہ نے کہا۔

''مما کی بہت سی باتیں تلخ ہوتی ہیں، لیکن دل کی بُری نہیں ہیں...... اگر آپ نے
کے دل تک رسائی حاصل کر لی تو آپ دیکھیں گے کہ یہاں، آپ کے لئے آسانیاں
آسانیاں ہیں۔''

''جی......!'' میں نے آہستہ سے کہا، پھر بولا۔ ''آپ ڈرائیور سے کہئے کہ وہ مجھے
واپس چھوڑ دے۔''

''ہاں، میں کہتی ہوں۔ لیکن ہماری ملاقاتیں ہوتی رہنی چاہئیں۔''

''اگر، دانی سرکار اجازت دیں، تو۔'' میں نے کہا۔

''اس بات کا بھی مائنڈ مت کرنا۔ بس انسان کا مزاج بن جاتا ہے۔ حالانکہ ہمارا تم
بہت ہی قریبی رشتہ ہے، لیکن وہ مکمل طور پر دانی سرکار بن چکی ہیں اور اُنہیں دانی سر
بنانے میں دوسروں کا بڑا ہاتھ ہے۔''

میں نے، سائرہ کے ان الفاظ کا کوئی جواب نہیں دیا تھا۔ آخر کار، سائرہ نے
رخصت کیا۔ لینڈ کروزر کے بجائے ایک اور گاڑی مجھے لے کر واپس چل پڑی تھی۔

گھر میں بڑی بے چینی سے میرا انتظار ہو رہا تھا۔ تایا ابو، سلطانہ، حرا، ماما اور دانیہ
میرا انتظار کر رہے تھے۔ میں اندر داخل ہوا تو سب کے سب میری جانب متوجہ ہو گئے
ابو نے کہا۔

''آؤ بھئی آؤ، بہت دیر لگا دی۔ ہم نے جان بوجھ کر تمہیں فون نہیں کیا۔ کیونکہ طا
خانم کا مزاج ساتویں آسمان پر رہتا ہے۔ خیر، آؤ بیٹھو۔ بھوک لگ رہی ہے، کھانا وغیرہ

لیا، یا نہیں کھایا؟''

''نہیں، تایا ابو! کھانا کھا کر آیا ہوں۔''

''گڈ، گڈ! بھئی بڑی بے چینی ہے، ساری باتیں جاننے کی۔''

''دلچسپ کردار ہے، طاہرہ خانم کا۔ وہ ساری دنیا میں، بقول اُن کے، دانی سرکار کے
نام سے مشہور ہیں۔ مجھ سے بھی یہی فرمائش کی کہ میں، انہیں دانی سرکار کہہ کر پکاروں۔
کیونکہ وہ رشتوں وغیرہ کو نہیں مانتیں۔''

''خوب......!'' تایا ابو کے ہونٹوں پر ایک طنزیہ مسکراہٹ پھیل گئی۔

''بہرحال، ملاقات ہوئی، کوئی خاص بات نہیں۔ مجھ سے، سب کے بارے میں پوچھتی
رہیں۔ کہنے لگیں کہ اس گھر میں وہ نہیں آ سکتیں۔ ضد کرنے لگیں کہ ماما کو اور دانیہ کو، ان کے
پاس لایا جائے۔ بہرحال، یہ بھی دیکھ لیں گے، کسی دن۔ میرے ساتھ رویہ اچھا ہی رہا۔
ہاں، کچھ پتے مل گئے ہیں۔ آپ ذرا مجھے، ان کے بارے میں بتایئے۔''

''پتے...... کیسے پتے؟''

''دادی اماں کی بہن، یعنی آپ کی اور پاپا کی خالہ، صنم آراء بیگم اور خالو ریاض حسین۔''

''ہاں...... وہ اس وقت شاید ساہیوال میں ہیں۔ اُن کی بیٹی عقیلہ پچھلے دنوں لاہور میں
ہی تھیں، لیکن وہ بھی شاید، ساہیوال چلی گئی ہیں۔''

''آپ نے اُن کا تذکرہ نہیں کیا کبھی مجھ سے؟'' میں نے کہا۔

''تایا ابو، چونک کر مجھے دیکھنے لگے، پھر بولے۔ ''خالو ریاض حسین بھی ہم سے نہیں
ملتے۔ اور اس کی وجہ، دادا ابو سے ان کا اختلاف تھا۔''

''کمال ہے۔ بہرحال، ان کا پتہ مل گیا ہے۔ اس کے علاوہ پھوپھی جہاں آراء بیگم اور
پھوپھا جمال احمد بھی شیخوپورہ میں رہتے ہیں۔''

''ہاں بھئی، ہیں یہ سب۔ لیکن بس، کچھ اس طرح شیرازہ منتشر ہوا ہے کہ کوئی، کسی کو
گردانتا ہی نہیں ہے۔ چلو خیر، میں نے تم سے کہہ دیا تھا کہ جس سے تمہارا دل چاہے، ملو۔ نئی
نئی کہانیاں سامنے آئیں گی۔ خاصا دلچسپ ہے ہمارا خاندان۔ بہت سے مسائل اس خاندان
سے لپٹے ہوئے ہیں۔ ہم تو گوشہ نشین ہو چکے ہیں، اس وجہ سے کسی سے دوستی ہے، نہ
دشمنی۔''

پھر اس کے بعد، تایا ابو وغیرہ تو اپنی جگہ سے اُٹھ گئے، ہم لوگ، ماما کے ساتھ اُن کے
کمرے میں آ گئے۔ ماما کہنے لگیں۔

''کیسے ملیں، طاہرہ خانم......؟''

"بگڑی ہوئی ہیں، ماما! اپنے آپ کو بہت بڑی عالمہ سمجھتی ہیں۔ ویسے سائرہ بہت ا[چھی] طرح پیش آئی۔ کھانا وغیرہ بڑے اہتمام سے کھلا کر مجھے بھیجا ہے۔ ماما! میں نے سوچا ہے اگر کسی سے ملنا ہے تو برائیاں بھی برداشت کرنی ہوں گی۔"

"بالکل...... چلو، دیکھتے ہیں، اگر کوئی ہمارے راستے کی رکاوٹ نہیں ہے تو پھر ملنے جلنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ ویسے ان لوگوں سے بھی ملیں گے۔ افسوس یہ ہے کہ تمہارے پاپا نے ہمیشہ ہمیں اپنے خاندان سے دور رکھا اور ان کے بارے میں کچھ بتایا بھی نہیں ہے کہ کون کیا ہے، کیا اختلاف ہے اس سے۔ لیکن دنیا کا کوئی بھی اختلاف ہو، آخر کار دور ہو جاتا ہے۔"

ماما سے بہت دیر تک باتیں ہوتی رہیں، اس کے بعد میں، اُن سے اجازت لے کر اپنے کمرے کی جانب چل دیا۔ کمرے میں آ کر میں بستر پر لیٹ گیا اور طاہرہ خانم کے بارے میں سوچتا رہا۔

عجیب وغریب خاتون تھیں، لیکن بہت زیادہ بگڑی ہوئی تھیں۔ اپنے آپ کو آسمان کا باشندہ سمجھتی تھیں۔ ابھی میں انہی تمام باتوں کے بارے میں سوچ رہا تھا کہ اچانک ہی بلی کے رونے کی آواز سنائی دی۔ پھر یہ آوازیں بڑھتی چلی گئیں اور میرا منہ بگڑ گیا۔

تایا ابو سے اجازت لے لوں، اس کے بعد ایک ایئر گن لاؤں گا اور انہیں نشانہ بناؤں گا۔ پھر مجھے، ڈریسنگ ٹیبل کے پاس آہٹ سنائی دی۔ میں نے چونک کر اُدھر دیکھا، تو سیفونہ کو بیٹھے ہوئے پایا۔ گورنی بتا چکی تھی کہ سیفونہ کے روپ میں وہ ہے۔ اور اس وقت بھی لازمی طور پر وہی تھی۔ اُس کی آنکھوں سے آنسو بہہ رہے تھے۔ میں اُٹھ کر بیٹھ گیا۔

"ہاں، مجھے نقصان پہنچانے کا کہہ کر گئی تھیں۔ تعجب ہے، اسی کمرے میں سوتا ہوں، تم سوتے ہوئے، میری گردن کیوں نہیں دبا دیتیں؟"

"اس لئے کہ تم، میرا آخری سہارا ہو۔ اگر تم، مجھ سے شادی کر لیتے ہو تو میں سیفونہ کے روپ میں زندہ رہوں گی۔ اور میری بچی، میرے قریب رہے گی۔"

"اور میں، تمہیں منع کر چکا ہوں کہ ایسا میں کبھی نہیں کروں گا۔"

"کرنا پڑے گا تمہیں۔ ایسا کرنا پڑے گا۔ میں تمہیں مجبور کر دوں گی۔ میں سائے کی طرح تمہارے ساتھ لگی رہوں گی۔ جہاں بھی کہیں تاریکی ہوگی، تم مجھے اپنے پاس پاؤ گے۔"

"تو میں روشنیاں اپنا لوں گا۔ کیا سمجھیں؟"

"سنو میری بات...... اتنے سنگ دل نہ بنو۔ آخر کہیں نہ کہیں تو تمہیں اپنی زندگی کے ساتھی کا انتخاب کرنا ہوگا۔ میں، تمہیں سیفونہ ہی کی صورت میں ملوں گی۔ تم کبھی یہ نہ محسوس

کر پاؤ گے کہ تم گورنی کے ساتھ ہو۔ تم اپنے آپ کو سیفونہ کے ساتھ ہی محسوس کرو گے۔ میں تمہیں زندگی کی ہر خوشی دوں گی۔ وہ، جو ایک انسان کی طلب ہوتی ہے۔"

"اور کچھ......؟"

"مان لو میری بات۔ اگر میرے ہاتھوں کوئی برائی ہو گئی تو پھر ہم دونوں کے دل میں، ایک دوسرے کے لئے کوئی جگہ نہیں رہے گی۔"

"تو پھر ایسا کرو، برائی کر ڈالو۔ تا کہ ہم لوگ کھل کر ایک دوسرے سے نفرت کا اظہار کر سکیں۔ اور اب دفع ہو جاؤ، ورنہ......" میں نے اِدھر اُدھر دیکھا۔ لوہے کی ایک سلاخ تھوڑے فاصلے پر رکھی ہوئی تھی۔ میں نے وہ سلاخ اُٹھائی تو وہ جلدی سے اپنی جگہ سے اُٹھ کھڑی ہوئی۔

"نہیں...... پہلے ہی بہت ہو چکا ہے۔ میں جا رہی ہوں۔ لیکن تمہیں سوچنے کا موقع دے کر۔"

"جاؤ، فوراً نکل جاؤ، یہاں سے۔" میں نے اشارہ کیا اور وہ سست قدموں سے چلتی ہوئی اسی دیوار کے پاس پہنچی، جس سے ایک بار پہلے بھی میں نے اس خوب صورت لڑکی، جس کا نام اب سیفونہ معلوم ہوا تھا، کو باہر جاتے ہوئے دیکھا اور اس کے بعد وہ دیوار میں گم ہو گئی۔ میں ان باتوں کا اب اتنا عادی ہو گیا تھا کہ چند ہی لمحوں کے بعد بستر پر لیٹ کر گہری نیند سو گیا۔

دوسری صبح معمول کے مطابق تھی۔ گھر والوں کے ساتھ ناشتہ کیا۔ رات کے واقعات دماغ میں تھے، لیکن یہ بھی ایک یہاں کی خاص بات تھی کہ ان واقعات کے بارے میں کسی کو بتانے کی جب بھی کوشش کی، کسی پُراسرار اور غیر مرئی قوت نے مجھے روک دیا۔ گورنی رات کو بھی دھمکیاں دے کر گئی تھی۔ کبھی کبھی دل میں تشویش بھی اُبھرتی تھی کہ کہیں کسی کو نقصان نہ پہنچ جائے۔ لیکن گھر والوں سے جب بھی تذکرہ کرنے کے بارے میں سوچا، زبان خود بخود بند ہو گئی۔

پھر دوسرے دن کوئی گیارہ بجے کا وقت ہوگا کہ سائرہ کا فون موصول ہوا۔ اُس نے میرا موبائل نمبر لے لیا تھا اور مجھ سے کہا بھی تھا کہ اگر وہ مجھے فون کرے تو مجھے کوئی اعتراض تو نہیں ہوگا؟ ظاہر ہے، اعتراض کی کیا بات تھی۔ ویسے بھی ہماری پالیسی میں یہ بات تھی کہ ان لوگوں سے تعلقات آگے بڑھائیں گے۔ میں نے پُر تپاک انداز میں سائرہ کا فون موصول کیا تھا۔

"حیرت تو نہیں ہوئی، میرے فون پر؟"

"نہیں، کیوں، حیرانی کی کوئی بات ہو سکتی ہے، کیا؟"

"نہیں، میرا مطلب ہے...... اچھا، چھوڑیئے، اب یہ بتایئے، آج کا کیا پروگرام ہے جناب!"

"کوئی خاص نہیں۔ سرفراز بھائی تو گئے ہوئے ہیں۔ وہ آ جائیں گے، تبھی ہم آگے کے پروگرام بنائیں گے۔"

"دل چاہ رہا تھا ملنے کو۔ کیا کر سکتے ہیں آپ، بتایئے؟"

"ملنے کے لئے......؟"

"ہاں، میں اصل میں یہ کہنا چاہتی تھی کہ وہاں، آپ کے گھر میں مجھے اچھی نگاہوں سے نہیں دیکھا جاتا۔ غیروں کی طرح ہو جاتی ہوں اور اُٹھ کر چلی آتی ہوں۔ کسی کے انداز میں تپاک نہیں ہے۔"

"نہیں، سائرہ!...... ایسی کوئی بات نہیں ہے۔ ماما اور دانیہ تو آپ سے بہت اچھی طرح ملیں۔"

"اُن کی بات نہیں کر رہی نا۔ اصل میں، میں یہ کہنا چاہتی ہوں کہ کہیں باہر آ سکتے ہیں؟ میں، آپ کو پک کر لوں گی۔"

سائرہ سے ملاقات کے لئے ماما کی اجازت کی ضرورت تھی، نہ تایا ابو سے۔ ماما اور سرفراز بھائی کی طرف سے تو اجازت مل گئی تھی کہ اپنے طور پر ان لوگوں سے اچھے مراسم پیدا کروں۔ چنانچہ میں نے اُس سے پروگرام طے کیا اور قیصر خان کے ساتھ چل پڑا اور اُس نے مجھے مطلوبہ جگہ پہنچا دیا، جہاں سائرہ موجود تھی۔

آج اُس نے نہایت ماڈرن لباس پہنا ہوا تھا۔ وہ بڑی دہری شخصیت کی مالک تھی۔ جب سادگی اپناتی تو شکل ہی بدل جاتی اور جب جدت اختیار کرتی تو بالکل مختلف ہو جاتی تھی۔ میں اُس کی کار میں بیٹھ گیا اور میں نے قیصر خان سے کہا۔

"قیصر خان! تم واپس جاؤ۔ میں آ جاؤں گا۔"

"صاب! اگر آپ اجازت دیں، تو میں مرشد کے پاس حاضری دے آؤں؟"

"ٹھیک ہے۔ اُنہیں میرا بھی سلام کہنا۔"

"ٹھیک ہے، صاب!" وہ چلا گیا۔ اور پھر سائرہ نے اپنی کار آگے بڑھا دی۔ وہ کافی خوش نظر آ رہی تھی۔ لیکن میرا رویہ محتاط تھا۔ خوب دیر تک گھومتے پھرتے رہے۔ پھر اُس نے ایک خوب صورت سے ریستوران کا رخ کیا، کار پارک کی اور ہم ریستوران میں داخل ہو گئے۔

ریستوران میں زیادہ رش نہیں تھا۔ ہم لوگ ایک میز کے گرد بیٹھ گئے۔ کھانے کا وقت ہو چکا تھا۔ سائرہ نے ویٹر کو بلا کر آرڈر دیا۔ اسی وقت اس کے موبائل پر ایک کال آئی اور وہ فون سننے لگی۔ پھر مسکرا کر بولی۔

"ٹھیک ہے، مما! آپ کسی کو ہوٹل بھیج دیجئے، میں، آپ کا آرڈر پیک کرائے دیتی ہوں۔"

اُس نے فون بند کر دیا اور مسکرا کر بولی۔ "میں نے، مما کو بتایا کہ میں یہاں ہوں، تو اُن کے منہ میں پانی بھر آیا۔ کھانے پینے کی بہت شوقین ہیں۔ اس ریستوران کی کچھ چیزیں بہت ہی عمدہ ہیں۔ کہنے لگیں، میرے لئے بھیج دو۔"

یہ کہہ کر اُس نے ویٹر کو اشارہ کیا اور ویٹر کے آنے پر اُس نے دو تین چیزیں آرڈر کیں اور ویٹر سے کہا کہ یہ چیزیں جلدی سے پیک کر کے لے آئے، بعد میں ان کا کھانا لگائے۔ ویٹر، گردن خم کر کے چلا گیا تھا۔

میں، ریستوران کے ماحول کا جائزہ لینے لگا۔ تھوڑی دیر کے بعد ویٹر نے پیک کی ہوئی اشیاء بڑی نفاست سے لا کر رکھ دیں اور بولا۔

"کھانا لگا دوں، میڈم؟"

"ہاں......!"

زیادہ دیر نہیں گزری تھی کہ درمیانی جسامت کا ایک آدمی اندر آیا اور اِدھر اُدھر دیکھنے لگا۔ پھر وہ ہماری میز کے قریب پہنچ گیا۔ سائرہ نے اُسے دیکھ کر کہا۔ "کھانا پیک ہو گیا ہے، چاند خاں! لے جاؤ۔"

ملازم نے گردن خم کر کے وہ پیکٹ اُٹھا لئے تھے۔ لیکن میرے ذہن میں ایک چھناکا سا ہوا تھا۔ چاند خاں...... چاند خاں......!

میں نے غور سے اُس شخص کو دیکھا۔ وہ متناسب جسامت اور شاطر سی شکل کا تھا۔ سائرہ کے سامنے وہ مؤدب تھا۔ لیکن نجانے کیوں، مجھے اُس کے چہرے پر ایک عا سی محسوس ہوئی۔ پیکٹ لے کر وہ واپس مڑ گیا تھا۔ سائرہ کو بالکل اندازہ نہیں ہوا تھا کہ شخص کو دیکھ کر مجھے کوئی خاص احساس ہوا ہے۔ وہ نارمل تھی۔ پھر کھانا آ گیا۔ کھانا کھا کے بعد اُس نے کہا۔

"مما سے ملو گے؟"

"وہ، میری بزرگ ہیں۔ اُن سے نہ ملنے کا کیا سوال ہے۔"

"مما کا روّیہ تمہارے بارے میں بالکل بدل گیا ہے۔ اب جب تم ان سے ملو گے ان کا انداز خاصا تبدیل ہوگا۔ اس کی وجہ میں تمہیں بتاؤں، وہ میرے علاوہ اس دنیا میں کو نہیں چاہتیں۔ جب انہوں نے یہ محسوس کیا کہ میں، تمہیں پسند کرنے لگی ہوں، تو ان انداز بدل گیا۔ یوں سمجھ لو، کہ انہوں نے تمہارے سلسلے میں، مجھے بالکل آزادی دے ہے۔"

سائرہ پوری طرح کھل گئی۔ لیکن میں نے بہت لمبی چھلانگ لگانے کی کوشش نہیں کی آگے کے حالات کا کچھ اندازہ نہیں تھا کہ اونٹ کس کروٹ بیٹھے۔ ابھی سے اگر سائرہ کو زیادہ اہمیت دے دی جائے تو ہو سکتا ہے، معاملہ بگڑ جائے۔ اس لئے میں محتاط رہا۔ وہ کن انکھیوں سے مجھے دیکھ رہی تھی اور اس کا مجھے بخوبی اندازہ ہو گیا تھا۔ پھر وہ بولی۔

"تو پھر کیا کہتے ہیں، چلیں؟"

"اگر آپ یہ بہتر سمجھتی ہیں کہ وہاں چلا جائے تو چلیں، مجھے کوئی اعتراض نہیں ہے۔"

"پھر اُٹھتے ہیں۔ تھوڑی دیر اُن سے مل لو، اس کے بعد میں تمہیں، تمہارے گھر کے پاس ڈراپ کر دوں گی۔"

ہم تھوڑی دیر کے بعد ہوٹل سے اُٹھ گئے۔ راستے میں، میں نے سائرہ سے پوچھا۔

"دانی سرکار کے درس کا وقت کیا ہے؟ کیا وہ روزانہ......؟"

"نہیں، یہ ان کی مرضی پر منحصر ہے۔ عام طور سے ہفتے میں دو دن ان کے مریدان کے پاس آتے ہیں۔ ورنہ باقی دنوں میں وہ اپنے پڑھنے پڑھانے کے چکر میں رہتی ہیں۔ کبھی کبھی چلہ کشی بھی کرتی ہیں۔ اس کے لئے وہ کہاں جاتی ہیں، یہ آج تک مجھے بھی پتہ نہیں چلا۔ اور ایک بات کہوں، شاید اب وہ تم سے خود کہیں کہ تم انہیں دانی سرکار نہ کہو۔"

میں نے گردن خم کر لی۔ کچھ لمحوں کے بعد وہ پھر بولی۔ "اور یہ بھی میری ہی وجہ سے ہو رہا ہے۔"

ہر شخص کے اندر کچھ نہ کچھ کمزوریاں ضرور ہوتی ہیں۔ سائرہ مجھے یہ باور کرانا چاہتی تھی کہ اس نے میرے لئے بہت کام کیا ہے اور اس کے دل میں میرا کوئی خاص مقام پیدا ہو گیا ہے۔ لیکن سچی بات یہ ہے کہ میں فریب سے کام لے رہا تھا۔ میرے دل میں اس کا کوئی مقام نہیں پیدا ہوا تھا۔ میں بس حالات کے تحت اپنی مطلب براری چاہتا تھا۔ تھوڑی دیر کے بعد ہم عالیشان کوٹھی کے اندر داخل ہو گئے۔

سائرہ مجھے ڈرائنگ روم میں لے گئی اور ڈرائنگ روم میں، میں نے دیکھا کہ تائی اماں ایک خوب صورت گاؤن میں ملبوس ایک صوفے پر بیٹھی ہیں۔ ہم دونوں کو انہوں نے اچنبھے سے دیکھا اور پھر مسکرا دیں۔

"میرا خیال تھا کہ تم لوگ رات کا کھانا بھی باہر ہی کھاؤ گے۔ ویسے کمال ہے، اس ہوٹل کا کھانا غضب کا ہوتا ہے۔ آؤ شہاب! خوب سیریں ہو رہی ہیں، لاہور کی۔ بھئی تم نے میری بیٹی کو بہت بری طرح اسیر کر لیا ہے۔ کمال کی شخصیت ہے، تمہاری۔ حالانکہ میں نے اسے فولاد بنایا تھا، فولاد۔ کیونکہ میں اسے زمانے کے رحم و کرم پر نہیں چھوڑ سکتی تھی۔ دنیا بہت بری ہے۔ میں یہ نہیں کہتی کہ اس دنیا میں اچھے لوگ نہیں ہیں۔ بیٹھو، بیٹھو...... کھڑے کیوں ہو؟ بیٹھ جاؤ۔" انہوں نے درمیان میں رک کر کہا۔ سائرہ مسکرا رہی تھی۔ میں مؤدبانہ انداز میں صوفے پر بیٹھ گیا۔

"چلو...... میں بھی کہاں کی باتیں شروع کر دیتی ہوں۔ بڑی خوشی ہوئی تم سے مل کر۔ سائرہ نے تمہاری بہت تعریفیں کی ہیں۔"

"یہ خود بہت اچھی ہیں، دانی سرکار!"

"نہیں، دانی سرکار کا لفظ غیروں کے لئے ہے۔ اور تم کیونکہ اچانک، اپنے ہو گئے ہو، لہٰذا مجھے تائی جان کہہ سکتے ہو۔"

"بے حد شکریہ، تائی جان!"

"اور کیا ہو رہا ہے، یہ بتاؤ۔ ویسے تھوڑی سی معلومات تمہارے بارے میں مجھے خود بخود

حاصل ہو گئی ہیں۔ میں، تم پر کوئی غلط اثر نہیں ڈالنا چاہتی۔ میرے مؤکل، مجھے ہر بات سے
آگاہ رکھتے ہیں۔ جب سائرہ نے مجھ سے یہ کہا کہ تم بہت اچھے انسان ہو، تمہاری والدہ
تمہاری بہن بھی اس سے بہت اچھی طرح ملیں تو ظاہر ہے، میرے دل میں بھی تمہارا ایک
مقام پیدا ہوا۔ میں نے مؤکلوں سے تمہاری چھان بین کرائی تو مجھے یہی پتہ چلا کہ تم لوگ
واقعی بہت سادہ لوح ہو۔ چنانچہ میں نے فیصلہ کیا کہ اپنا رویہ تمہارے ساتھ تبدیل کر دوں۔
جہاں تک مرحوم امتیاز احمد کی بات ہے تو وہ یہاں سے جن حالات میں گئے تھے، اس کے
بعد انہوں نے اپنے دل میں کسی کے لئے کوئی جگہ نہیں رکھی اور سب سے دُور رہے۔ یہاں
تک کہ مجھ سے بھی۔ جبکہ میرا اور اُن کا کوئی معاملہ تھا ہی نہیں۔ خیر، جو گزرنی ہوتی ہے، وہ
گزر جاتی ہے۔ البتہ یہ بات ضرور کہوں گی کہ امتیاز احمد نے یہاں وہ کر دکھایا، جو کسی اور
نے نہیں کیا۔ میں سمجھتی ہوں کہ وہ اس خاندان کا سب سے ہونہار شخص تھا۔ یہاں اس نے
بڑی ترقیاں کیں۔ تمہیں تمہاری جائیداد اور دولت کا علم تو ہو گا؟"

"اصل میں، تائی جان! مجھے اس گھر میں ہمیشہ بچہ سمجھا گیا ہے۔ بھائی جان سرفراز احمد
نے ہر طرح کی ذمہ داریاں اپنے شانوں پر رکھی ہیں۔ میں نے ان کے کسی معاملے میں کبھی
دخل نہیں دیا۔ چنانچہ آپ یقین کریں کہ مجھے اس بارے میں کچھ نہیں معلوم۔"

یہ الفاظ میں نے بڑے سوچ سمجھ کر اور بڑی سادگی سے کہے تھے۔ لیکن اس کا تاثر تائی
اماں کے چہرے پر پوری طرح نمایاں نظر آ رہا تھا۔ وہ ایک لمحے کے لئے کسی گہری سوچ
میں ڈوب گئی تھیں۔ پھر انہوں نے کہا۔ "مجھے دوسروں کی کسی چیز سے کبھی دلچسپی نہیں ہوتی
لیکن میرے مؤکلوں نے جب تمہارے بارے میں بتایا، تبھی یہ تفصیلات بھی بتائیں۔ ویسے
میں، تم سے ایک بات کہوں، دنیا کو میں نے جتنے قریب سے دیکھا ہے، اتنا تم نے نہیں۔ یہ
دور نفسانفسی کا ہے۔ کسی پر مکمل بھروسہ نہیں کیا جا سکتا۔ دنیا اپنے لئے زیادہ سوچتی ہے
دوسروں کے بارے میں کم۔ میرا مطلب ہے کہ اگر اس دنیا میں ایک کامیاب زندگی گزارنا
چاہتے ہو، تو کسی پر بھروسہ کر کے مت بیٹھ جاؤ۔ بے شک، سرفراز تمہارے بھائی ہیں، لیکن
میں سمجھتی ہوں کہ تمہیں اپنے تمام حقوق پر نگاہ رکھنی چاہئے۔ تمام دولت اور جائیداد کا
چٹھہ تمہارے علم میں ہونا ضروری ہے۔ کل کے بارے میں کچھ نہیں کہا جا سکتا۔ کیا پیو گے
یہ بتاؤ؟"

"کھانا کھا کر آئے ہیں، تائی جان! آپ کے علم میں ہے۔ اس وقت کسی چیز کی
ضرورت نہیں محسوس ہو رہی۔"

"ماما! میں انہیں گھر چھوڑ آؤں؟" سائرہ نے اجازت چاہی۔

"نہیں، سائرہ! معذرت کے ساتھ کہوں گی کہ صرف وہ کرو، جو مناسب ہو۔ وہاں تمہارا
زیادہ جانا بہتر نہیں ہو گا۔ وہ لوگ یہی سمجھیں گے کہ ہم لوگ ان سے زیادہ قربت حاصل
کرنے کی کوشش کر رہے ہیں۔ ویسے ایک بات کہوں تم سے، شہاب! میرے کہنے پر غور
کرنا۔ کیا تم، وہاں مستقل رہنا پسند کرو گے؟ دیکھو، میں بھی وہاں تم سے نہیں مل سکتی۔"

"میں نے عرض کیا نا کہ مجھے اس بارے میں کوئی علم نہیں ہے اور نہ ہی میں نے اپنی
کوئی رائے رکھی...... وہاں بحرین میں تو آپ یوں سمجھ لیجئے کہ ہمارا کوئی رشتے دار تھا ہی
نہیں۔ ہم نے اب تک یہ زندگی رشتوں کے بغیر گزاری ہے۔ اب، جب ہمارا خون ہم سے
ملا ہے تو ہماری کیفیت ہی مختلف ہو گئی ہے۔ اور خاص طور سے اس شکل میں کہ پاپا کی طرف
سے اب کوئی رکاوٹ نہیں ہے کہ یہ کرو، وہ نہ کرو، وہ کرو، یہ نہ کرو۔ تایا ابو نے شفقت کا
برتاؤ کیا تو ہم وہیں بیٹھ گئے۔ پھر بھی اگر بھائی جان نے وہاں سے اُٹھنے کا فیصلہ کیا، تو میں
کوئی مخالفت نہیں کروں گا۔"

"ایک بات کہوں، اس جگہ سے نکل جانا بہت ضروری ہے۔ لیکن جلد بازی بھی نہ کرو۔
البتہ ہاں، ایک پیش کش تمہیں کرنا چاہتی ہوں۔ وہ یہ کہ میں نے اس گھر پر مقدمہ کر رکھا
ہے۔ میرا خیال ہے کہ اس کا آدھا حصہ ہمارا ہے۔ تمہارا بھی اس میں تھوڑا سا حق بنتا ہے۔ تو
اگر تم وہیں رہنا چاہتے ہو، تو میں وہ مقدمہ واپس لے سکتی ہوں اور وہ حصہ تمہارے لئے چھوڑ
دیتی ہوں۔ تم اسے آرام سے اپنی پسند کے مطابق بنواؤ اور وہاں رہو۔ لیکن اگر اسے چھوڑنا
چاہتے ہو تو جب بھی تمہارا دل چاہے، مجھے بتا دینا۔ میں خود بھی تمہارے لئے کوئی نہ کوئی
بندوبست کر سکتی ہوں۔ اس کے علاوہ جیسا کہ میرے مؤکلوں نے مجھے بتایا ہے کہ خود تمہاری
اتنی جائیداد، کوٹھیاں وغیرہ یہاں موجود ہیں کہ تم ان میں سے کسی کا انتخاب کرو، تو تمہیں
رہائش کے لئے مشکل نہیں ہو گی۔"

"بھائی جان جب بحرین سے واپس آئیں گے تو وہ بھی آپ سے ملاقات کریں گے۔
میرے خیال میں ان سے اس موضوع پر بات کر لینا زیادہ مناسب ہو گا۔" میں نے فوری
طور پر جان چھڑانے کی کوشش کی۔

پھر وہی ہوا۔ سائرہ نے ماں کی ہدایت کے مطابق ڈرائیور کو حکم دیا کہ وہ مجھے گھر چھوڑ
آئے۔ اور اس کے بعد میں وہاں سے باہر نکل آیا۔

میرے ذہن میں ان دونوں شاطر ماں بیٹیوں کے الفاظ گونج رہے تھے۔ ایک نئے
کھیل کا آغاز کیا تھا انہوں نے۔ سائرہ نے ہو سکتا ہے، ماں سے میرے بارے میں کچھ
بات چیت کی ہو اور اس کے بعد انہوں نے میرے لئے کچھ منصوبے بنائے ہوں۔ یہ بات،

طاہر حسین کے ذریعے میرے علم میں آ چکی تھی کہ تائی اماں نے ہمارے اثاثوں کی چھان بین کرائی ہے۔ وہ یقیناً حیران رہ گئی ہوں گی کہ پاپا نے یہاں، اپنے وطن میں اتنا کچھ بنا لیا۔ اور اب انہوں نے مجھ پر ڈورے ڈالنے کا آغاز کر ڈالا ہے۔

گھر پہنچا۔ یہاں کے معمولات ہمیشہ کی طرح تھے۔ قیصر خان واپس پہنچ گیا تھا۔ تایا ابو نے فوراً ہی سوال کیا۔

''کہاں رک گئے تھے؟''

''بس، تایا ابو! اپنے طور پر بھاگ دوڑ کر رہا تھا۔ تائی اماں کے پاس بھی جا پہنچا۔ ان کے گھر کافی وقت گزارا۔''

تایا ابو نے ایک دم چونک کر مجھے دیکھا، لیکن منہ سے کچھ نہ بولے۔ البتہ میں نے ان سے کہا۔

''وہ، تایا ابو! آپ سے کچھ مشورہ کرنا ہے۔ ایک انوکھا انکشاف ہوا ہے۔''

تایا ابو ایک دم میری جانب متوجہ ہو گئے۔ ''کیا؟''

''میں نے، آپ کو تھوڑی سی تفصیل بتائی تھی کہ فلیٹ پر کسی رمزی صاحب کے وجود کا کوئی نشان نہیں مل سکا تھا۔ ایک ملازم وہاں صفائی ستھرائی کرنے آ جاتا تھا، جس کا نام چاند خاں تھا۔ تایا ابو! چاند خاں نام ایک ملازم، تائی اماں کے پاس بھی ہوتا ہے۔''

''کیا؟'' تایا ابو بری طرح چونک پڑے تھے۔

''جی، تایا ابو! میں نے، آج اس شخص کو دیکھا ہے۔ لیکن میں نے تائی اماں سے اس بارے میں کوئی سوال نہیں کیا۔''

''میرے خدا...... اس کا مطلب ہے کہ...... اوہ......'' تایا ابو کوئی بات کہتے کہتے خاموش ہو گئے۔

''تایا ابو! میں آپ سے کھل کر بات کر رہا ہوں۔ آپ کی بزرگی کو کبھی داغ دار نہیں کروں گا، یہ میرا وعدہ ہے۔ لیکن خواہش مند ہوں کہ آپ بھی اپنے خیالات کا اظہار اسی بے تکلفی سے کریں، جس بے تکلفی سے میں، آپ سے کر رہا ہوں۔''

''نہیں، کوئی خاص بات نہیں۔ میرا مطلب یہ ہے کہ کہیں امتیاز احمد کی موت میں طاہرہ خانم کا تو کوئی ہاتھ نہیں ہے؟''

تایا ابو کے ان الفاظ پر میرے ذہن میں ایک کھلبلی سی مچ گئی تھی۔ مجھے سوچ میں ڈوبا دیکھ کر تایا ابو نے پوچھا۔ ''اُس شخص کا حلیہ کیا تھا؟''

''شاطر سا آدمی معلوم ہوتا تھا، تایا ابو!'' میں نے جواب دیا۔ تایا ابو کے چہرے پر

عجیب سے تاثرات نظر آ رہے تھے۔ تھوڑی دیر تک وہ سوچتے رہے، پھر بولے۔

''دیکھو، میں کسی کے خلاف زہر اُگلنا نہیں چاہتا۔ لیکن میں، تمہیں پہلے بھی بتا چکا ہوں کہ طاہرہ خانم بہت ہی آگے کی چیز ہیں۔ وہ قاتل بھی ہو سکتی ہیں، اپنی مطلب براری کے لئے دنیا کا ہر کام کر سکتی ہیں۔ چاند خاں کے مسئلے کو ایسے نہیں چھوڑا جا سکتا۔ ان کی، تم سے اور کیا باتیں ہوئیں؟''

''بس، یہ میری اُن سے دوسری ملاقات تھی۔ پہلی ملاقات میں وہ خاصی سخت نظر آئی تھیں۔ اُن کا انداز بڑا پُر غرور تھا۔ لیکن آج کی ملاقات میں خاصی بہتر نظر آئیں۔ مجھ سے یہ بھی کہا کہ میں اُنہیں دادی سرکار نہ کہوں، تائی جان کہہ لیا کروں۔''

''ارے واہ! گویا انہوں نے اپنا کام شروع کر دیا۔ یہ بات تو تم جانتے ہو کہ وہ تمہارے اثاثوں کی چھان بین کر رہی ہیں۔ اور ان جیسی خاتون کے لئے بہت ساری باتیں معلوم کر لینا مشکل کام نہیں ہے۔ انہیں پتہ چل گیا ہوگا کہ تم بہت بڑی اسامی ہو۔ بھئی واہ۔''

''اس کے علاوہ، تایا ابو! انہوں نے ایک بات اور بھی کہی تھی۔ انہوں نے کہا تھا کہ سمن آباد والے گھر کا آدھا حصہ ان کا ہے۔ تھوڑا بہت حق ہمارا بھی بنتا ہے۔ اگر ہم لوگ یہاں رہنا چاہتے ہیں تو وہ اس آدھے حصے سے دستبردار ہو جاتی ہیں اور مقدمہ واپس لے لیتی ہیں۔''

''لاحول ولا قوۃ۔ کیا، نامعقول عورت ہے۔ وہ جانتی ہے کہ اگلی ایک دو پیشیوں میں اُسے یہ کیس ہار جانا ہے۔ مقدمہ واپس لے کر وہ تم پر احسان کرنا چاہتی ہے۔ دیکھو بیٹے! میں، تم سے درخواست کرتا ہوں کہ ایسا کوئی فیصلہ خود نہ کر لینا، جس سے خدانخواستہ ہمارے تعلقات پر اثر پڑے۔ ان کی اس پیش کش کو کبھی قبول مت کرنا۔ ایک دو پیشیوں کے بعد خود تمہیں صورتِ حال کا اندازہ ہو جائے گا۔ وہ یہ کیس ہار جائیں گی۔''

''نہیں، تایا ابو!...... ویسے بھی معاف کیجئے گا، میں آپ سے کھل کر یہ بات کہہ رہا ہوں اور پہلے بھی کہہ چکا ہوں کہ کم از کم، میں یہاں سے کبھی نہیں جاؤں گا۔ اور ہمیشہ آپ کا ساتھ دوں گا۔''

تایا ابو نے گردن جھکا لی۔ کچھ دیر تک وہ تاثر میں ڈوبے رہے، پھر انہوں نے کہا۔

''اچھا، ایک کام کرتے ہیں۔ یہ ضروری ہے۔ میرا خیال ہے، چاند خاں کے بارے میں نادر خان کو اطلاع دیتے ہیں۔ وہ اس کیس کے افسر تفتیش بھی تھے۔ اب شواہد ہی کچھ نہیں مل سکے تو وہ اس سلسلے میں کہاں تک قدم آگے بڑھاتے۔ لیکن میں یہ سمجھتا ہوں کہ

انہیں اس بات سے ضرور آگاہ کر دیا جائے اور اپنی تشویش کا اظہار بھی کر دیا جائے۔"

"ٹھیک ہے، آپ جب چاہیں، اس سے بات کر لیں۔"

"میں تو کہتا ہوں کہ میں ابھی ان سے بات کرتا ہوں۔" تایا ابو نے کہا اور پھر موبائل فون پر نادر خان سے رابطہ قائم کرنے لگے۔ زیادہ دیر نہیں لگی تھی کہ انہیں نادر خان کا جواب موصول ہوا تو تایا ابو نے کہا۔ "بھئی، نادر خان صاحب! کہنے کو تو آپ پولیس انچارج ہیں، لیکن آپ نے بے لوث ہمارے ساتھ اپنی محبت اور یگانگت کا اظہار کیا کہ آپ بالکل اپنے اپنے سے لگنے لگے ہیں۔ اپنوں سے کبھی کبھی ملتے رہنا چاہئے۔"

"آپ حکم دیجئے، محترم بزرگ! میں، چراغ کے جن کی طرح حاضر ہو جاؤں گا۔"

"تو اے چراغ کے جن! حاضر ہو جا۔" تایا ابو نے خوشگوار موڈ میں کہا۔

"جو حکم، میرے آقا!" نادر خان نے کہا اور پھر فون بند کر دیا۔

"نادر خان آ رہے ہیں۔" انہوں نے کہا۔ لیکن ہمیں حیرت واقعی اس بات پر ہوئی تھی کہ تھوڑی ہی دیر کے بعد حمیدہ نے پولیس آفیسر کے آنے کی اطلاع دی اور ہم دونوں حیران رہ گئے۔ بہرحال، ہم نے باہر نکل کر نادر خان کا استقبال کیا۔ وہ پولیس کی وردی میں ملبوس تھا۔ چار پانچ پولیس والے اس کی جیپ میں اور تھے۔ جیپ اس نے اندر احاطے میں لا کر کھڑی کی تھی۔ تایا ابو مسکرا کر بولے۔

"بھئی واقعی، حاضر تو تم چراغ کے جن کی طرح ہی ہوئے ہو۔ مگر حیرت کی بات یہ ہے کہ ہمارے پاس چراغ ہی نہیں ہے۔"

"تصور میں سب کچھ ہو جاتا ہے، محترم ممتاز صاحب! اور پھر آپ بھی خان، میں بھی خان۔ دونوں کے درمیان بھلا دیر کی کیا گنجائش ہے؟"

نادر خان کو بڑی عزت و احترام کے ساتھ اندر بلا کر بٹھایا گیا۔ چائے وغیرہ تیار کرالی گئی۔ نادر خان نے کہا۔

"کہئے، کیسے معاملات چل رہے ہیں؟...... سب کچھ ٹھیک ہے نا؟ کوئی پریشانی تو نہیں لاحق ہوئی؟"

"بالکل نہیں ہوئی۔ لیکن شہاب میاں نے ایک انکشاف کیا ہے۔"

"کیا؟" نادر خان متوجہ ہو گیا۔ تائی اماں کے بارے میں تھوڑی بہت تفصیل اسے پہلے بھی معلوم تھی، مزید تفصیل بتا دی گئی، جسے سن کر وہ سوچ میں ڈوب گیا۔

"چاند خاں کے بارے میں پتہ تو نہیں چلا ہے ابھی تک، ویسے وہ شخص، میرے خیال میں کافی انکشافات کر سکتا ہے۔ آپ لوگ ایک تکلیف کریں، بلکہ شہاب! اگر آپ چاہیں تو

میرے ساتھ ہی چلیں۔ تھوڑی سی قانونی کارروائی کرنی ہے۔ آپ سے بھی مشورہ کئے لیتا ہوں، ممتاز صاحب! ایک ایف آئی آر لکھوائی جانی چاہئے۔ پچھلی تاریخوں میں، یعنی جب سے شہاب صاحب یہاں آئے ہیں اور ان پر اپنے والد کی موت کا انکشاف ہوا ہے، اس ایف آئی آر میں چاند خاں کا انکشاف بھی کر دیا جائے۔ ہم چاند خاں کو کہیں راستے سے گرفتار کر لیں گے۔ بیک ڈیٹ میں ایف آئی آر درج ہونے سے بات بن جائے گی۔ طاہرہ خانم کو شہاب صاحب پر شبہ نہیں ہو سکے گا۔"

"قانونی باتیں آپ جانتے ہیں، نادر خان صاحب! آپ جیسا پسند کریں۔"

"پھر میں ایک کام کرتا ہوں۔ ایف آئی آر کا مضمون لکھوا کر اپنے محرر کو آپ کے پاس بھیج دیتا ہوں۔ یہیں سائن وغیرہ ہو جائیں گے۔"

"ٹھیک ہے۔" تایا ابو نے کہا۔ نادر خان تھوڑی دیر اور بیٹھا اور اس کے بعد یہ کہہ کر چلا گیا کہ وہ ایف آئی آر لکھوا کر دستخط وغیرہ کے لئے یہاں بھیج دیتا ہے۔ تایا ابو مطمئن ہو گئے تھے۔ میں تھوڑی دیر تک تایا ابو کے پاس بیٹھا رہا، پھر بولا۔

"میں ذرا اندر چلا جاؤں۔"

"ہاں جاؤ۔ وہ، دانیہ کی طبیعت کچھ خراب ہے۔ میں نے بہت کہا کہ میں ڈاکٹر کو بلائے لیتا ہوں، لیکن بھابی نے کہا ہے کہ معمولی سا بخار ہے، دوا کے بغیر ٹھیک ہو جائے گا۔ ویسے بھی، دانیہ دوا کھانے کی بہت چور ہے۔"

میں فکرمند سا ہو گیا۔ دانیہ کو بخار کیوں ہو گیا؟ کچھ موسمی اثرات ہو سکتے ہیں۔ ماما کے کمرے میں پہنچا تو حرا اور سلطانہ، دانیہ کی دلجوئی کر رہی تھیں۔ دانیہ کی پیشانی پر ٹھنڈے پانی کی پٹیاں رکھی جا رہی تھیں اور ماما، تھوڑے فاصلے پر فکرمند بیٹھی ہوئی تھیں۔ مجھے دیکھ کر جلدی سے بولیں۔

"دیکھو تو سہی، دانیہ کو کتنا تیز بخار ہو گیا ہے۔"

"دانیہ! کیا بات ہے؟"

"کچھ نہیں، ذرا تھوڑی سی اداکاری کر رہی ہوں۔ دیکھئے نا، کتنے خدمت گار لگے ہوئے ہیں میرے۔ کوئی پاؤں دبا رہا ہے، کوئی سر دبا رہا ہے۔ اب یہ حرا بیگم میری پیشانی پر ٹھنڈے پانی کی پٹیاں رکھ رہی ہیں اور مجھے لگ رہی ہے سردی۔ مان نہیں رہیں۔ خدا کے واسطے، مجھے ان سے نجات دلائیے، شہاب بھیا!"

"تھرمامیٹر نہیں ہے، کسی کے پاس؟" میں نے پوچھا۔

"نہیں ہے۔" حرا نے فکرمندی سے کہا۔

''قیصر خان کو بلاؤ ذرا۔ میں کسی میڈیکل اسٹور سے منگوا لیتا ہوں۔'' میں نے کہا۔
سلطانہ جلدی سے قیصر خان کو بلانے چلی گئی۔

''ارے، ان لوگوں نے میری مت مار رکھی ہے۔ کوئی کچھ کر رہا ہے، کوئی کچھ مشورہ دے رہا ہے۔ پاؤں دبا رہے ہیں، سر دبا رہے ہیں۔ ارے بابا! اس طرح سے تو میں واقعی بیمار ہو جاؤں گی۔ یہ بخار ہے تھوڑا بہت۔ اُتر جائے گا، خود بخود۔'' سلطانہ بولی۔

حرا نے اسے ڈانٹتے ہوئے کہا۔ ''خبردار! خاموشی اختیار کیجئے۔ بہت زیادہ بولنا نقصان دہ ہوسکتا ہے۔''

دانیہ غصیلی نگاہوں سے سلطانہ کو دیکھنے لگی اور میں ہنس دیا۔

کچھ دیر بعد قیصر خان نے دروازے پر دستک دی اور تھرمامیٹر میرے حوالے کر دیا۔ حرا نے تھرمامیٹر دھویا اور پھر اسے دانیہ کے منہ میں لگا کر بخار چیک کرنے لگی۔ ایک منٹ پورا ہونے پر اُس نے تھرمامیٹر نکالا اور پھر میری طرف بڑھا دیا۔ بخار ایک سو دو سے ایک پوائنٹ اوپر تھا۔

''ٹھیک ہے، ٹھنڈے پانی کی پٹیوں کی ضرورت نہیں ہے۔ بخار جلد نارمل ہو جائے گا۔''

حرا اور سلطانہ تھوڑی دیر تک بیٹھی باتیں کرتی رہیں، پھر دونوں اُٹھ کر چلی گئیں۔ دانیہ نے آنکھیں بند کر لی تھیں۔ ماما نے مجھے کچھ اشارہ کیا۔ عجیب سا پُراسرار انداز تھا اُن کا۔ میں اُن کے ساتھ کمرے سے باہر نکل آیا۔

''میں، تم سے کچھ کہنا چاہتی ہوں، شہاب!''

''جی ماما! کہیں۔''

''شہاب! ایک بات بتاؤ، کیا ایسی کوئی ترکیب نہیں ہوسکتی کہ ہم یہ گھر چھوڑ دیں؟''

''کیوں ماما؟'' میں نے چونک کر پوچھا۔

''بے شک، ہم ممتاز بھائی، حرا اور سلطانہ وغیرہ کو بھی اپنے ساتھ لے لیں، جیسا کہ انہوں نے مجھے بتایا ہے کہ یہاں ہماری کوٹھیاں بھی ہیں، کسی اچھی سی جگہ منتقل ہو جاتے ہیں۔ ویسے بھی، دیکھو نا کہ یہ گھر کتنا اُجاڑ ہے۔''

''اچانک آپ کو یہ خیال کیوں آیا، ماما؟''

''دانیہ کے بخار کی وجہ سے۔''

''کیا مطلب؟ کیا دانیہ کو اس گھر کی وجہ سے بخار چڑھا ہے؟''

''ہاں۔'' ماما نے جواب دیا اور میں ایک شدید سنسنی محسوس کئے بغیر نہ رہ سکا۔ کیا ان لوگوں کے ساتھ بھی کچھ ہوا ہے؟

میں نے سوالیہ نگاہوں سے ماما کو دیکھا تو وہ بولیں۔ ''دانیہ کتنی ہی بار مجھ سے کہہ چکی ہے، وہ عجیب سی کیفیت کا شکار ہے۔''

''کیا کہہ چکی ہے، ماما؟'' میں نے سوال کیا۔

''وہ کہتی ہے کہ جب بھی کہیں تھوڑا سا تاریک ماحول ہوتا ہے، اچانک ہی اسے اپنے پیچھے قدموں کی آہٹ سنائی دیتی ہے۔ اس نے ایک عورت کو دیکھا ہے، جو اس کا پیچھا کرتی رہتی ہے۔ یہ عورت عجیب و غریب لباس میں ہوتی ہے اور اس کا حلیہ بھی عجیب و غریب ہے۔ وہ دانیہ کو خونی نگاہوں سے گھورتی رہتی ہے۔ دو تین بار اس نے دانیہ کو دھمکیاں بھی دی ہیں۔''

''کیسی دھمکیاں، ماما؟'' میں نے سوال کیا۔

''وہ کہتی ہے کہ دیکھ لے اس دنیا کو لڑکی۔ میں جلد تیری آنکھیں نکال لوں گی، تجھے اندھا کر دوں گی، ہمیشہ کے لئے۔ اس طرح نکالوں گی تیری آنکھیں کہ تُو یاد کرے گی۔ دوبارہ تُو اس دنیا کو نہیں دیکھ سکے گی۔ یہ جملے وہ بار بار سرگوشی کے انداز میں کہتی ہوئی اس کے پیچھے چلتی ہے۔ دانیہ روشنی میں آتی ہے تو وہ غائب ہو جاتی ہے۔ اور جب اندھیرا ہوتا ہے تو دانیہ اسے اپنے پیچھے محسوس کرتی ہے۔''

میرے رونگٹے کھڑے ہو گئے تھے۔ میں سمجھ گیا تھا، وہ گورنی ہے۔

''دانیہ نے آپ کو یہ بات بتائی ہے؟'' میں نے پوچھا۔

''ہاں۔ میرا خیال ہے، اسے اسی وجہ سے بخار آ گیا ہے۔''

''ماما! دیکھتے ہیں، سوچتے ہیں۔ ذرا بھائی جان واپس آ جائیں۔'' میں نے سرسری انداز میں کہا۔ لیکن یہ بات میرے لئے شدید تشویش کا باعث بن گئی تھی۔ چونکہ گورنی نے مجھے دھمکی دی تھی کہ اب وہ میرے اہلِ خاندان کو نقصان پہنچائے گی، تو کیا اُس نے اس کا آغاز کر دیا ہے؟

مجھے اپنی بالکل فکر نہیں تھی۔ میں، گورنی پر باقاعدہ حملہ کر چکا تھا اور میں نے اسے زخمی کر دیا تھا۔ اس کے علاوہ اب تک جتنے پُراسرار واقعات پیش آئے تھے، میں ان سے ضرور متاثر ہوا تھا، لیکن خوف زدہ نہیں تھا۔ میں نے گورنی کو ترکی بہ ترکی جواب دیئے تھے۔ لیکن اب پانی سر سے اونچا ہوتا جا رہا تھا۔

اگر دانیہ کے ناخن کو بھی نقصان پہنچا تو میں اس گھر کو آگ لگا دوں گا۔ تایا ابو سے کہوں گا کہ تایا ابو! اس کے بدلے آپ مجھ سے اتنی ہی مالیت کا کوئی دوسرا گھر لے لیں، میں اس

گھر کو زمین کی گہرائیوں تک کھدوا دینا چاہتا ہوں۔ میں یہاں وہ کروں گا کہ یہاں کے پُراسرار مکین بھی یاد رکھیں گے۔

میں شدید غصے میں ڈوب گیا تھا۔ اور اس کے بعد نجانے کب تک سوچتا رہا تھا۔

شام کے جھٹپٹے، فضاؤں میں اُتر آئے تو میری سوچوں نے عملی رُخ اختیار کر لیا اور میں باہر نکل آیا۔ میں نے سلطانہ سے پوچھا کہ کیا گھر میں ٹارچ موجود ہے؟ تو سلطانہ نے مجھے ایک طاقت ور ٹارچ مہیا کر دی۔ یہاں پر اکثر بجلی آنکھ مچولی کھیلتی رہا کرتی تھی، چنانچہ ان لوگوں نے ٹارچوں وغیرہ کا معقول بندوبست کر رکھا تھا۔ سلطانہ نے مجھ سے ٹارچ کے بارے میں نہیں پوچھا تھا کہ مجھے آخر اس کی کیا ضرورت پیش آ گئی۔

میں، ٹارچ لے کر چل پڑا۔ اور پھر میں نے لکڑی کی ایک ایسی ڈنڈی اُٹھا لی، جسے میں اپنے تحفظ کے طور پر بھی استعمال کر سکتا تھا۔ میں گھر کے اسی پُراسرار حصے کی جانب چل پڑا، جو مصیبتوں کا مرکز تھا۔ دن کا وقت ہو یا شام کی خاموشیاں، یہاں ایک عجیب سی ویرانی اور یاسیت برستی رہتی تھی۔

میں، ٹارچ روشن کر کے اس پُراسرار کھنڈر نما عمارت میں داخل ہو گیا۔ یہ جگہ ہمیشہ صاف ستھری رہا کرتی تھی، جبکہ باہر اس پر ویرانی برستی رہتی تھی۔ میں نے دیوار میں اس کنڈے کو تلاش کیا، جسے کھول کر وہ پُراسرار قوتیں اندر داخل ہوتی تھیں۔ اور ٹارچ کی روشنی نے اس کنڈے کو نمایاں کر دیا۔

میں نے اسے پکڑ کر کھینچا اور تہہ خانے کا دروازہ کھل گیا۔ میرے دل میں کوئی خوف نہیں تھا۔ بائیں ہاتھ میں ٹارچ اور دائیں ہاتھ میں لکڑی پکڑے ہوئے میں تہہ خانے کی سال خوردہ سیڑھیاں اُترنے لگا اور کچھ لمحوں کے بعد ہال میں پہنچ گیا۔ ہال میں مکمل خاموشی اور سناٹا طاری تھا۔ ٹارچ کی روشنی کافی تیز تھی اور بھیانک ماحول پوری طرح نمایاں تھا۔ اس وقت میرے ذہن میں ماما کے بتائے ہوئے الفاظ گونج رہے تھے، جن میں گورنی نے دانیہ کو دھمکی دی تھی۔ لیکن گورنی یہاں موجود نہیں تھی۔ نہ ہی کسی ذی روح کا کوئی پتہ تھا۔

میں ہال کے وسط میں کھڑا ہو گیا اور میں نے غرائی ہوئی آواز میں کہا۔

"گورنی! میں تنہا آیا ہوں۔ ذرا میرے سامنے آ۔ تُو نے میری بہن کو دھمکی دی ہے۔ تُو بھلا ہمارا کیا بگاڑ سکتی ہے؟ گورنی! آ، میں تیرا انتظار کر رہا ہوں۔ ذرا میرے سامنے آ۔" میں نے اس طرف روشنی ڈالی، جدھر سے اُس دن گورنی نمودار ہوئی تھی اور مجھ پر حملہ آور ہوئی تھی۔ لیکن اس وقت یہاں کوئی دروازہ نہیں تھا۔

"خوف زدہ ہے مجھ سے، گورنی! اگر خوف زدہ ہے تو مجھ سے معافی مانگ۔ ہو سکتا ہے، میں تجھے معاف کر دوں۔ ورنہ میرے سامنے آ کر مجھ سے بات کر۔"

اچانک ہی اسی جگہ ہلکی ہلکی آہٹیں نمودار ہوئیں اور پھر ایک دروازہ نمایاں ہو گیا۔ دروازے سے مدھم مدھم، سفید روشنیاں جھلکنے لگیں اور اس کے بعد سیاہ لبادے میں ایک شخص نظر آیا۔ وہ ایک ٹرالی نما چیز کو دھکیلتا ہوا لا رہا تھا۔

میں نے ٹارچ کی روشنی میں اس ٹرالی نما چیز کو دیکھا، یہ ایک تابوت تھا، جو پہیے دار ٹرالی پر رکھا ہوا تھا اور اسے ایک پُراسرار وجود دھکیلتا ہوا آگے لا رہا تھا۔ تابوت میں سفید کپڑے سے ڈھکی ہوئی ایک لاش رکھی ہوئی تھی، جس پر انتہائی مدھم نیلاہٹ مائل روشنی مرکوز تھی۔ تابوت آگے بڑھ آیا۔ سیاہ پوش نے اسے ایک جگہ کھڑا کیا اور پھر واپس مڑ کر اسی دروازے سے اندر داخل ہو گیا۔

میں نے ٹارچ کی روشنی کا ہالہ، تابوت کی طرف کیا ہوا تھا۔ اچانک ہی ہوا کا ایک جھونکا سا آیا اور تابوت میں لیٹی ہوئی لاش کے چہرے سے کپڑا ہٹ گیا۔ میں نے دیکھا، یہ سیفونہ کی لاش تھی۔ یہ لڑکی انتہائی خوب صورت شکل و صورت کی مالک تھی۔ لیکن جن حالات میں اُس کی موت ہوئی تھی، ان میں میرا ذرّہ برابر قصور نہیں تھا۔ اگر مجھے پتہ چل جاتا کہ یہ کوئی پُراسرار وجود ہے تو شاید میں اس پر حملہ نہ کرتا۔ میں تو اسے ایک خونخوار بلی ہی سمجھا تھا۔

کچھ لمحوں تک میں، سیفونہ کی لاش کو دیکھتا رہا، پھر میں نے کہا۔

"جو کچھ ہوا ہے، غلط فہمی کی بنیاد پر ہوا ہے۔ تم لوگوں نے بلاوجہ مجھ سے دشمنی باندھ رکھی ہے۔ میں بے قصور ہوں اور تمہیں بتائے دیتا ہوں کہ تم سے بالکل خوف زدہ نہیں ہوں۔ میں ہر طرح کے حالات کا مقابلہ کروں گا۔ اور ایک بات ذہن میں رکھنا کہ میرے اہلِ خاندان میں سے کسی کو کوئی نقصان نہیں پہنچنا چاہیئے، ورنہ میں اس پورے گھر کو کھدوا کر پھنکوا دوں گا۔ یہاں صرف ایک گڑھا رہنے دوں گا، جس پر کوئی چیز تعمیر نہیں ہو سکے گی۔ پھر میں دیکھوں گا کہ تم یہاں کس طرح اپنا بسیرا رکھتے ہو۔"

یہ کہہ کر میں واپسی کے لئے پلٹا اور ایک دم چونک پڑا۔ سامنے ایک کونے میں مجھے دو تین سفید سفید روشنیاں نظر آئیں۔ چھوٹے چھوٹے بلب سے جل رہے تھے۔ لیکن دوسرے لمحے مجھے اندازہ ہو گیا کہ یہ بلب نہیں بلکہ آنکھیں ہیں۔ سفید، روشن آنکھیں جن کی پُتلیاں ایک سفید لکیر کی شکل میں نظر آ رہی ہیں۔ اس کے ساتھ ہی مجھے ہلکی ہلکی غراہٹیں بھی سنائی دیں اور میرے حلق سے ایک بھیانک آواز نکلی۔

میں لکڑی لے کر ان کی طرف جھپٹا۔ وہ دو بلیاں تھیں۔ کالی بھجنگ، بہت موٹی تازی۔ میں ان پر لپکا تو ایک دم سے وہ حلق سے خوف ناک آوازیں نکالتی ہوئی اِدھر اُدھر بھاگنے

لگیں۔ میں خود بھی اُن کے پیچھے بھاگ رہا تھا۔ بلیاں کچھ لمحے جگہیں تبدیل کرتی رہیں ا
اس کے بعد اس راستے سے باہر بھاگ گئیں، جدھر سے میں یہاں آیا تھا۔ میں نے لکڑی
ہاتھ سے نہیں چھوا تھا۔

''اور کچھ...... اور کوئی؟'' میں نے وحشیانہ انداز میں آواز نکالی۔ مگر پھر کوئی غرا
نہیں سنائی دی۔ بلیاں غائب ہوگئی تھیں۔ میں ایک بار پھر تابوت کی جانب پلٹا، لیکن اب
وہاں کچھ بھی نہیں تھا۔ میں آگے بڑھ کر اس جگہ پہنچا، جہاں دیوار میں دروازہ نمایاں ہوا تھا
لیکن وہاں بھی کوئی دروازہ نہیں تھا۔ سال خوردہ دیوار بالکل سپاٹ تھی۔ میں طنزیہ ہنسی کے
ساتھ واپس پلٹا۔

''تم لوگ مجھے خوب سمجھ چکے ہو...... تم میرا بال بھی بیکا نہیں کر سکتے۔ میں، تم سب
سے نمٹ لوں گا۔ گورنی کو بتا دینا کہ میری بہن کو کوئی نقصان نہیں پہنچنا چاہئے، ورنہ نتیجہ تم
لوگ جانتے ہو۔''

یہ کہہ کر میں واپسی کے لئے پلٹا، لکڑی کو میں مضبوطی سے اپنے ہاتھ میں پکڑے ہوئے
تھا، تاکہ عقب سے اگر کوئی مجھ پر حملہ آور ہو بھی تو میں اس سے مقابلہ کر سکوں۔ لیکن کچھ نہ
ہوا اور آخر کار میں اس پُراسرار عمارت سے باہر نکل آیا۔

پھر میں واپس اپنے کمرے میں آ گیا۔ ماما یا دانیہ کو اس سلسلے میں کچھ بتانا انہیں خوف
زدہ کرنا تھا۔ لیکن اب میں نے سوچا تھا کہ تایا ابو سے بات کی جائے۔ تایا ابو کے علم میں یہ
بات لانا ضروری تھا۔

دانیہ کی حالت قدرے بہتر تھی۔ حرا اور سلطانہ اُس کی اس طرح تیمارداری کر رہی تھیں
کہ میں شرمندہ ہوا جا رہا تھا۔ ان لوگوں کا کوئی قصور نہیں تھا۔ محبت کی ماریاں اس طرح ہم
میں گم ہوگئی تھیں کہ اب انہیں چھوڑنا ایک کمینگی ہوتی۔ لیکن میں کیا کرتا، حالات ہی کچھ
ایسے ہو رہے تھے۔

رات کا کھانا کھایا گیا۔ دانیہ بھی کھانے کی میز پر موجود تھی، لیکن اُس کے لئے حرا نے
بہت ہی نفیس قسم کا دلیہ پکایا تھا، جسے کھانے کے بعد دانیہ نے اس کی تعریفیں کرتے ہوئے
کہا۔

''بھائی جان! ذرا چکھ کر دیکھیں۔ ایسا دلیہ کھانے کے لئے تو بار بار بیمار ہوا جا سکتا
ہے۔''

دلیہ واقعی لذیذ تھا۔ میں نے خوب تعریف کی اور حرا کی آنکھیں خوشی سے چمک
اُٹھیں۔ دونوں لڑکیاں میرے نزدیک معصوم تھیں۔ تایا ابو نے بھی ابھی تک کوئی ایسی بات

نہیں کی تھی، جس پر ہمیں کوئی اعتراض ہوتا۔ وہ بھی اپنی محبت میں ڈوبے ہوئے تھے۔ اُن کا
بہرحال ایک ماضی تھا، جس میں یقینی طور پر اُنہیں بھی کچھ تکلیفیں پہنچی ہوں گی۔ وہ انہی کی
بنیاد پر بولتے تھے۔

کھانے کے بعد میں، تایا ابو کے ساتھ باہر نکل آیا اور ان کے کمرے میں پہنچ گیا۔

''تایا ابو! میں، آپ سے کچھ بات کرنا چاہتا ہوں۔''

''خیریت، کوئی خاص بات ہے، کیا؟'' تایا ابو نے کہا اور میں ان کے سامنے بیٹھ گیا۔

''اصل میں، تایا ابو! کچھ......'' میں نے اتنے ہی جملے کہے تھے کہ اچانک لائٹ چلی
گئی اور گھپ اندھیرا پھیل گیا۔ اس گھپ اندھیرے میں اچانک ہی کسی نرم و نازک ہاتھ نے
میرا منہ بھینچ لیا۔ میں نے جلدی سے دونوں ہاتھوں سے اس ہاتھ کو پکڑ لیا۔

پتلی سی، نازک سی کلائی تھی۔ لیکن اس کی مضبوطی کا احساس مجھے اپنے منہ پر ہو رہا تھا۔
اسے ہٹانے کی کوشش میں، میں نے پوری قوت صرف کر دی تھی، لیکن وہ ہاتھ میرے منہ
سے نہیں ہٹا تھا۔ میں نے چند ہی لمحوں میں محسوس کر لیا تھا کہ وہ کوئی نسوانی ہاتھ ہے۔ اس
نسوانی ہاتھ کی ایک انگلی میں ایک انگوٹھی بھی پڑی ہوئی تھی۔

پھر میرے کان میں ایک سرگوشی اُبھری۔ ''بالکل خاموش رہو...... خبردار، اس بارے
میں تمہارے منہ سے کوئی بات نہ نکلے۔ اس سے تمہیں بہت بڑا نقصان پہنچ سکتا ہے۔'' اتنی
واضح سرگوشی تھی کہ ایک ایک لفظ میری سماعت میں آ رہا تھا۔ بمشکل تمام میں اپنے منہ سے وہ
ہاتھ ہٹانے میں کامیاب ہوا۔

اسی وقت لائٹ آ گئی اور میری آنکھوں میں ایک لمحے کے لئے چکا چوند پیدا ہوگئی۔
میں نے پھٹی پھٹی آنکھوں سے چاروں طرف دیکھا، لیکن تایا ابو کے سوا وہاں کوئی وجود نہیں
تھا۔ البتہ ہوا کا ایک جھونکا سا میرے پاس سے گزر گیا۔

اس آواز کو میری سماعت نے پوری طرح محسوس کیا تھا۔ یہ وہی آواز تھی، جسے میں نے
کئی بار سنا تھا اور جس نے مجھے کئی بار مختلف ہدایات دی تھیں۔ میں کچھ لمحے کے لئے سکتے
میں رہ گیا تھا۔

تایا ابو بڑبڑانے والی آواز میں بولے۔ ''کمال کی بات ہے، یہ لائٹ تو بس، جان کا
عذاب بن گئی ہے۔ دیکھیں، آگے آگے کیا ہوتا ہے۔ ابھی تو ایسا لگتا ہے، جیسے ہماری زندگی
کچھ ہاتھوں میں کھلونا بنی ہوئی ہے۔ چلو خیر، کیا کہہ رہے تھے، تم؟'' تایا ابو نے کہا اور میں
سوچنے لگا کہ اب مجھے تایا ابو سے کیا کہنا چاہئے۔ میں نے خاص طور سے اُن سے کچھ بات
کرنے کے لئے کہا تھا، لیکن جو بات میں، اُن سے کرنا چاہتا تھا، اس کی مجھے ممانعت کر دی

گئی تھی۔ اور اب کچھ نہ کچھ تو کہنا تھا۔ پھر مجھے ایک بات سوجھ گئی۔

تایا ابو سوالیہ نظروں سے مجھے دیکھ رہے تھے۔ وہ بولے۔ ”ہاں، کیا بات کرنا چاہتے ہو؟ بولو!“

”جائیداد وغیرہ کی مختصر تفصیل آپ کے علم میں آ چکی ہے، تایا ابو! سرفراز بھائی واپس آ جائیں تو اس پر آگے کام کرتے ہیں۔ میں نے انہیں بھی تجویز پیش کی تھی کہ ہمیں اس کی دیکھ بھال کے لئے ایک چھوٹا سا اسٹاف رکھنا ہوگا۔“

”بہت ضروری ہے۔ میرے ذہن میں بھی یہ بات آئی تھی۔“ تایا ابو نے کہا۔

مجھے تھوڑا سا اطمینان ہو گیا کہ میری بدلی ہوئی بات کو تایا ابو نے محسوس نہیں کیا ہے۔

کچھ لمحوں کے بعد وہ بولے۔ ”ماشاء اللہ! بہت کچھ ہے تمہارے پاس۔ اس کی دیکھ بھال کے لئے واقعی کچھ افراد کی ضرورت ہوگی۔“

”تایا ابو! ہمیں ایک آفس بھی بنانا ہوگا۔“

”لازمی ہے۔ میں تمہیں یہ مشورہ دوں کہ یہ دور ٹیپ ٹاپ کا ہے۔ ماشاء اللہ، بہت بڑی حیثیت والے ہو، تمہارا پلازہ ہی اتنا شاندار ہے کہ اس میں تم اپنے لئے ایک اعلیٰ درجے کا آفس بنا سکتے ہو۔“

تایا ابو سے اس موضوع پر دیر تک بات ہوتی رہی۔ میں نے انہیں مطمئن کر دیا تھا۔

میرا ذہن کچھ پہلے ہونے والے واقعے میں الجھا ہوا تھا۔ بہت کچھ ہو رہا تھا، لیکن تشویش کی بات نہیں تھی۔ بلکہ اب تو یہ سارے معاملات کافی دلچسپ ہوتے جا رہے تھے۔ ہاں، دانیہ کے سلسلے میں دل تھوڑا سا خراب تھا۔ میں ہر چیز برداشت کر سکتا تھا، لیکن میری چھوٹی سی، معصوم بہن کو کوئی تکلیف نہیں پہنچنی چاہئے۔ گورنی اگر یہ رُخ اختیار کرتی ہے تو صورتِ حال کافی خراب ہو جائے گی۔ بدنصیبی یہی تھی کہ کسی اور کو اس معاملے میں شریک نہیں کر سکتا تھا۔

البتہ دوسرے دن صبح ہی صبح میں، قیصر خان کے پاس پہنچ گیا۔ اب یہ عادت مستقل ہو گئی تھی کہ صبح کو تھوڑی سی واک کے بعد میں، اُس کے ساتھ بیٹھ کر چائے پیتا تھا۔ قیصر خان بالکل اپنوں کی طرح میرا انتظار کرتا تھا۔

میں اُس کے پاس بیٹھ گیا اور بولا۔ ”قیصر خان! پھر ایک مشکل پیش آ گئی ہے۔ میری بہن دانیہ کو یہاں خوف زدہ کیا جا رہا ہے۔ اُسے بخار بھی ہو گیا ہے۔ اب بتاؤ، میں کیا کروں؟“

قیصر خان کے چہرے پر فکرمندی کے آثار پھیل گئے۔ کچھ دیر خاموش رہنے کے بعد اُس نے کہا۔ ”اللہ تعالیٰ رحم کرے گا، صاب! میں مرشد کے حکم کے مطابق پڑھتا رہتا ہوں۔

پچھلی بار مرشد سے ملاقات ہوئی تو میں نے مرشد سے تذکرہ کیا۔ مرشد کہنے لگے کہ ان شاء اللہ تعالیٰ آپ لوگوں کو کوئی نقصان نہیں پہنچے گا۔ اب! ایک کام کرو، میں پانی دم کرتا ہے اور آپ کو پلاتا ہے۔ آپ اس کا آدھا پانی بٹی صاب کو پلا دو اور روزانہ یہ کام کیا کرو۔ اس کے علاوہ اگر آپ چاہو تو پھر میرے مرشد کے پاس چلو۔ میں، مرشد کو بولے گا کہ بٹی صاب کے لئے کوئی تعویذ دے۔ ان شاء اللہ تعالیٰ! بٹی صاب کو کوئی نقصان نہیں پہنچے گا۔“

”ٹھیک ہے، قیصر خان! میں تمہارے ساتھ مرشد کے پاس ضرور چلوں گا۔ ویسے بھی اُن سے ملے ہوئے کافی دن ہو گئے ہیں۔“

قیصر خان نے مجھے پڑھا ہوا پانی دیا اور میں نے وہ پانی دانیہ کو پلا دیا۔ دانیہ کی کیفیت ویسے بھی خاصی بہتر نظر آ رہی تھی۔ لیکن میرا دل چوں چوں کا مربہ بنا ہوا تھا۔ مجھے ہر بار منع کر دیا جاتا تھا کہ ان واقعات میں کسی کو اپنا شریک نہ بناؤں۔ اور یہ بہت ہی مشکل کام تھا۔ دل میں نجانے کیا کیا ہوتا تھا اور ایسی صورت میں خاموشی بڑی سنگین ہو جاتی تھی۔ بہرحال، جو کچھ بھی تھا، برداشت تو کرنا ہی تھا۔

دن کو گیارہ بجے کے قریب نادر خان کا محرر آ گیا اور اس نے وہ ایف آئی آر مجھے دکھائی، جس میں نادر خان نے اپنے طور پر تحریر لکھوائی تھی۔ اسے پڑھنے کے بعد میں نے اس پر دستخط کر دیئے اور نادر خان کا محرر چلا گیا۔

دن خاموشی سے گزر گیا۔ حرا، سلطانہ اور دانیہ کے ساتھ خاصی خوش گپیاں رہیں۔ تائی اماں کی طرف سے بھی کوئی تحریک نہیں ہوئی تھی۔ نہ ہی سائرہ کا فون آیا تھا۔ جبکہ میرا خیال تھا کہ مجھے فون ضرور کرے گی۔

رات کو میں معمول کے مطابق تنہا ہی اپنے کمرے میں سویا۔ سرفراز بھائی سے تو اب دن میں دو تین بار بات ہو جاتی تھی اور وہ بتاتے تھے کہ وہ چارج دے رہے ہیں، جس میں ابھی خاصا وقت لگ جائے گا۔ دانیہ کی کیفیت بھی بہتر ہو گئی تھی۔ دوسرا دن بھی مکمل طور پر خاموشی سے گزر گیا، لیکن تیسرے دن ایک تشویش زدہ صورتِ حال سامنے آئی۔

نادر خان نے تایا ابو کے موبائل پر فون کیا تھا اور تایا ابو میرے پاس پہنچ گئے تھے۔

”وہ، شہاب! نادر خان کا فون موصول ہوا ہے۔ کوئی گڑبڑ معلوم ہوتی ہے۔ اُس نے کہا ہے کہ ہم فوری طور پر پولیس اسٹیشن پہنچ جائیں۔“

”اچھا...... یقیناً، چاند خاں کا کوئی معاملہ ہوگا۔ اس نے بلایا ہے تو ہم چلتے ہیں۔ ورنہ وہ ہمیشہ ہمیں تکلیف دینے سے گریز کرتا ہے۔“

تایا ابو نے اس بات سے اتفاق کیا اور چند ہی لمحوں کے بعد تیار ہو کر ہم لوگ، قیصر

خان کے ساتھ پولیس اسٹیشن چل پڑے اور تھوڑی دیر کے بعد نادر خان کے پاس پہنچ گئے۔ نادر خان کا چہرہ اُترا ہوا تھا۔

"بڑی گڑبڑ ہو گئی، شہاب! بیٹھو۔"

"کیا ہوا، خیریت تو ہے؟"

"ممتاز صاحب! میں نے چاند خاں کو ایک سڑک پر سے اُٹھا لیا تھا۔ اس وقت وہ کسی کام سے باہر نکلا تھا۔ میں اُسے یہاں تھانے میں لے آیا اور میں نے اُس سے فلیٹ کے بارے میں تفتیش شروع کر دی۔ یہ وہی بندہ تھا، جو اس فلیٹ کی صفائی وغیرہ کیا کرتا تھا۔ لیکن اُس نے ایسی کسی بات کو قبول نہیں کیا اور کہا کہ وہ تو دانی سرکار، یعنی طاہرہ خانم کے پاس نوکری کرتا ہے۔ وہ کسی فلیٹ وغیرہ کی صفائی کے لئے نہیں جاتا تھا۔ جب اس نے اس بات کا اقرار نہیں کیا تو میں نے قدسی صاحب کو بلا لیا۔ قدسی صاحب وہی صاحب ہیں، جو اس فلیٹ کے سامنے والے فلیٹ میں رہا کرتے تھے۔ اور قدسی صاحب نے ایک لمحے کے اندر اُسے پہچان لیا کہ یہ وہی شخص ہے۔ اس کے بعد کوئی گنجائش نہیں رہی تھی۔ میں نے چاند خاں پر تھوڑا سا تشدد کیا لیکن اتنا نہیں کہ اسے کوئی نقصان پہنچ جائے۔ لیکن رات کو چاند خاں مر گیا۔" نادر خان نے کہا اور میں اور تایا ابو بری طرح اُچھل پڑے۔

"ہاں...... لاک اپ میں، اس کی موت واقع ہو گئی۔ میں، آپ سے قسم کھا کر کہتا ہوں کہ میں اس طرح کا آدمی نہیں ہوں، جو کسی پر غیر انسانی تشدد کرے۔ میں نے اُس کے بس دو چار تھپڑ ہی لگائے تھے۔ البتہ اُسے دھمکیاں دی تھیں کہ وہ زبان کھول دے، ورنہ اچھا نہیں ہوگا۔ وہ مستقل یہ کہتا رہا کہ اُسے دانی سرکار سے بات کرنے کا موقع دیا جائے۔ مگر میں نے اُسے اس کا موقع نہیں دیا۔ پھر پتہ نہیں، کیا ہوا۔ وہ بالکل آرام سے لاک اپ میں سویا تھا، کھانا وغیرہ بھی کھایا تھا۔ لیکن صبح کو اُس کی اکڑی ہوئی لاش ملی ہے اور وہ دم گھٹنے سے مرا ہے۔ ایک بات اور آپ کو بتاؤں، اُس کی موت کا انداز بالکل وہی ہے، جو امتیاز صاحب کی موت کا تھا۔ اور دوسری بات یہ کہ بالکل ویسے ہی لمبے لمبے بال اُس کے آس پاس بھی ملے ہیں، جیسے وہاں سے دستیاب ہوئے تھے۔ اور یہ پتہ نہیں چل سکا تھا کہ یہ بال کون سے جانور کے ہیں۔ بڑی پُراسرار موت ہے اُس کی۔ اور اب میری جان نکل گئی ہے۔ چونکہ تھوڑی دیر پہلے مجھے طاہرہ خانم کا فون آیا تھا اور انہوں نے کہا تھا کہ انہیں علم ہوا ہے کہ ان کے ملازم چاند خاں کو میں نے گرفتار کیا ہے، وہ آ رہی ہیں۔ خدا کا شکر ہے، اس سے پہلے آپ آ گئے۔ ابھی میں نے انہیں چاند خاں کی موت کے بارے میں کچھ نہیں بتایا ہے۔ میں، دانی سرکار کے بارے میں بہت کچھ جانتا ہوں۔ بے شک، میں اپنا فرض بڑی خوش

اسلوبی اور ہمت کے ساتھ ادا کرتا ہوں، لیکن کیا، کیا جائے، جناب! دور ہی ایسا ہے کہ انسان کو سب سے پہلے اپنے بارے میں سوچنا پڑتا ہے۔ یہ صاحبِ اقتدار لوگ، خانہ خراب کر دیتے ہیں۔ مجھے شدید خوف محسوس ہو رہا ہے۔ آپ لوگوں کو میں نے اس لئے بلایا ہے کہ آپ، میری تھوڑی بہت مدد کریں۔"

"لیکن چاند خاں مر کیسے گیا؟" تایا ابو نے تشویش زدہ لہجے میں کہا۔

"خدا کی قسم! میں غلط بیانی سے کام نہیں لے رہا۔ میں نے اُس پر کوئی تشدد نہیں کیا۔ اس کے علاوہ آپ اُس کی لاش بھی دیکھ سکتے ہیں۔ میری بات کی تصدیق ہو جائے گی۔"

"میں اُس کی لاش دیکھنا چاہتا ہوں۔" میں نے کہا اور نادر خان فوراً اپنی جگہ سے اُٹھ گیا۔ اُس نے لاش ابھی تھانے میں ہی رکھی ہوئی تھی اور اسے سرد خانے وغیرہ نہیں پہنچایا تھا۔ کیونکہ وقت زیادہ نہیں ہوا تھا۔

چاند خاں کی لاش دیکھ کر میرے بدن میں ایک جھرجھری سی پیدا ہو گئی۔ بڑی پُراسرار موت تھی اُس کی۔ اور واقعی اُس کے جسم یا چہرے پر تشدد کا کوئی نشان نظر نہیں آ رہا تھا۔ ہم واپس آ کر تھانے میں بیٹھ گئے اور تھوڑی ہی دیر کے بعد دو ایس آئی، طاہرہ خانم اور سائرہ کے ساتھ اندر داخل ہو گئے۔

طاہرہ خانم، شعلہ جوالہ بنی ہوئی تھیں۔ آنکھیں سرخ ہو رہی تھیں اور چہرے پر غیظ و غضب کے آثار تھے۔ ہم دونوں کو دیکھ کر وہ چونک پڑیں۔

"تم لوگ...... تم یہاں کیسے؟"

"دانی سرکار! آپ تشریف رکھئے۔ پلیز، میں آپ کو کچھ بتانا چاہتا ہوں۔"

"مجھے صرف ایک بات بتاؤ، انسپکٹر! تم نے میرے ملازم پر، میری مرضی کے بغیر ہاتھ کیسے ڈالا؟"

"آپ، براہِ کرم تشریف تو رکھئے۔ میں، آپ کو پوری طرح مطمئن کرنا چاہتا ہوں۔"

"مطمئن تو میں تمہیں کروں گی، سمجھے! بات کتنی ہی سنگین کیوں نہ ہوتی، اُسے گرفتار کرنے سے پہلے تم مجھے ایک ٹیلی فون نہیں کر سکتے تھے؟ جبکہ تمہیں میرے پاس حاضری دینی چاہئے تھی۔ اب یہ وقت آ گیا ہے میرے اوپر کہ تم جیسے ٹکے ٹکے کے لوگ میرے آدمیوں پر ہاتھ ڈالنے لگے۔"

"دانی سرکار! آپ مجھے، ٹکے کا آدمی کہہ سکتی ہیں، قانون کو نہیں۔ اگر آپ یہ سمجھتی ہیں کہ میں نے ایک قانونی عمل کر کے آپ کی توہین کی ہے تو آپ اپنی مرضی کی مالک ہیں۔ میرے خلاف جو چاہیں، کر لیں۔ میں، آپ کو کسی طرح کا چیلنج نہیں کر رہا۔ لیکن میں یہ سمجھتا

ہوں کہ میں نے اپنا فرض پورا کیا ہے۔ اور یہ بتا دینا بھی ضروری سمجھتا ہوں آپ کو کہ اگر چاند خان نے ایک بار بھی آپ کا نام لیا ہوتا تو یقیناً میں، آپ سے رجوع کرتا۔ مجھے تو اُس نے آخر تک نہیں بتایا کہ وہ کون ہے اور کہاں کام کرتا ہے۔''

''مگر اُسے گرفتار کیوں کیا گیا ہے، یہ بتاؤ!''

''آپ، تشریف تو رکھئے۔'' انسپکٹر نادر خان نے لجاجت سے کہا اور طاہرہ خانم بڑی نخوت سے ایک کرسی پر بیٹھ گئیں۔ سائرہ میرے پاس آ گئی تھی۔

''آپ لوگ یہاں کیسے آ گئے؟''

''یہاں کھیل ہی غلط ہو گیا ہے، سائرہ! بڑی عجیب و غریب سی بات ہے۔ تائی جان! میں، آپ سے اس بارے میں کچھ عرض کرنا چاہتا ہوں۔''

''پہلے میں اس شخص سے یہ سوال کر رہی ہوں کہ اس نے میری اجازت کے بغیر یہ جرأت کیسے کی؟''

''اگر آپ پوری بات سننا پسند کریں تو میں، آپ کو اپنی یہاں موجودگی کی وجہ بتا دوں۔'' میں نے کہا۔ تایا ابو بالکل خاموش بیٹھے ہوئے تھے۔ یقیناً طاہرہ خانم سے اُن کی بات چیت بند تھی۔ طاہرہ خانم نے بھی اُن کی طرف رُخ نہیں کیا تھا اور بڑے پُرغرور انداز میں کرسی پر بیٹھی ہوئی تھیں۔

''تائی جان! یہ بات تو آپ کو معلوم ہے کہ پاپا کی لاش ایک فلیٹ سے دستیاب ہوئی تھی۔''

''ٹھیک ہے......پھر؟''

''اُس فلیٹ میں کسی اور کی موجودگی کا کوئی نشان نہیں ملا۔ پڑوسیوں نے یہ بتایا کہ ایک ملازم جس کا نام چاند خان تھا، فلیٹ کی صفائی کرنے آ جاتا تھا۔ چاند خان کے بارے میں پولیس کو مزید کوئی تفصیل نہیں ملی۔ البتہ اُس کے حلیے کے بارے میں پولیس کو مکمل تفصیل مل چکی تھی۔ بہرطور، نادر خان صاحب کو اس حلیے کا ایک شخص نظر آ گیا اور یہ بھی پتہ چل گیا انہیں کہ اس کا نام چاند خان ہے تو وہ اُسے پکڑ کر تھانے لے آئے اور انہوں نے اس کے بارے میں فلیٹ کے آس پاس کے لوگوں سے تصدیق کروائی تو سب لوگوں نے اس بات کی تصدیق کر دی کہ یہی وہ ملازم ہے، جو فلیٹ کی صفائی وغیرہ کرنے آ جاتا تھا۔''

''بکواس، جھوٹ، فراڈ......میرا آدمی بھلا کسی فلیٹ کی صفائی کرنے کیوں جائے گا؟ اتنا دیتی ہوں، میں اپنے ملازموں کو کہ بڑے سے بڑے دفتروں کے اعلیٰ ملازمین کو بھی نہ ملتا ہو گا۔''

''بات بے شک خوف ناک ہے۔ بہرحال، ہم نے چونکہ تھانے میں ایف آئی آر لکھوائی ہوئی تھی اور تفتیش کے بعد اس ایف آئی آر میں اس ملازم چاند خان کا ذکر بھی کیا گیا تھا، چنانچہ اسی کے تحت نادر خان صاحب نے چاند خان کو گرفتار کیا تھا۔ پھر ایک اور حادثہ ہو گیا، جو ناقابلِ فہم ہے۔ چاند خان کی اچانک لاک اپ میں موت واقع ہو گئی۔'' میں نے انکشاف کیا۔

''کیا......؟'' تائی جان کی دھاڑ گونجی اور وہ کرسی سے اُٹھ کر کھڑی ہو گئیں۔ سائرہ بھی بھونچکی رہ گئی تھی۔ تائی جان کا چہرہ لال بھبھوکا ہو گیا تھا۔ آنکھیں گہری سرخ ہو گئی تھیں۔ کچھ لمحوں تک اُن کی یہی کیفیت رہی، پھر اُن کی تھرائی ہوئی آواز اُبھری۔

''مار ڈالا......تو تم نے اُسے قتل کر دیا......قتل کر دیا، تم نے اُسے۔ مگر کیوں؟......کیا چاہتے تھے تم، اُس سے؟''

پاک سوسائٹی ڈاٹ کام

تائی جان، خونی نگاہوں سے نادر خان کو گھور رہی تھیں اور نادر خان کے چہرے کے تاثرات بگڑتے جا رہے تھے۔ اُس نے اُنگلی اُٹھا کر کہا۔

"میڈم! آپ بھول رہی ہیں کہ آپ تھانے میں بیٹھی ہوئی ہیں، اور میں یہاں کا ایس ایچ او ہوں۔ میں نے کسے مار ڈالا، کسے قتل کر دیا، یہ آپ کی سوچ ہے۔ اس شخص پر کوئی تشدد نہیں کیا گیا تھا۔ یہ ایک ایسی جگہ کئی بار نظر آیا تھا، جہاں ایک معزز شخص کو قتل کر دیا گیا تھا۔ اس کا حلیہ آس پاس کے لوگوں نے بتایا تھا اور ایف آئی آر میں باقاعدہ اس کا نام درج تھا۔ جب یہ ہمیں نظر آیا تو ہم نے اسے گرفتار کر لیا۔ ہم نے اس سے اس فلیٹ کے بارے میں پوچھا تھا۔ ہماری تفتیش ضروری تھی۔"

"اور تم دورانِ تفتیش اس قدر بے قابو ہو گئے کہ اُسے ہلاک کر دیا؟"

"ایسا نہیں ہوا، آپ اُس کی لاش لے جایئے، اُس کا پوسٹ مارٹم کرایئے اور اس کے بعد مجھے سزائے موت دلوا دیجئے۔ میڈم! ہمیں اس طرح کے واقعات کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ آپ جیسے شدت پسند لوگوں سے بہرحال اپنی جان بچانی پڑتی ہے۔"

"لمحوں میں تمہاری وردی اُتروا دوں گی، انسپکٹر! اپنے آپ کو ہوش و حواس میں رکھو۔ ٹھیک ہے، میں دیکھوں گی، میں کیا کر سکتی ہوں۔ تمہارا جو دل چاہے، کرو۔ اُس کی لاش غائب کرا دو، اُس کی گرفتاری کو ظاہر ہی نہ کرو۔ اُٹھو، شہاب!...... اُٹھو! میں دیکھوں گی کہ میں کیا کر سکتی ہوں۔ تم میرے ساتھ آؤ۔"

ایک لمحے کے اندر فیصلہ کرنا تھا۔ تائی جان بری طرح بپھری ہوئی تھیں اور میں نے یہ فیصلہ کیا کہ میں اُن کے ساتھ چلا جاؤں۔ اُن کی بات مان کر ہی اُن کا غصہ ٹھنڈا کر سکتا ہوں۔ اس دوران تایا ابو بالکل خاموش بیٹھے رہے تھے۔ طاہرہ خانم نے اُنہیں اس طرح نظر انداز کر دیا تھا، جیسے ان سے واقفیت ہی نہ ہو۔ میں، تایا ابو سے معذرت کر کے اُٹھ گیا۔

"تایا ابو! آپ گھر چلے جائیں۔ میں ذرا تائی جان کے ساتھ جا رہا ہوں۔"

تایا ابو نے بے چین نگاہوں سے مجھے دیکھا، لیکن منہ سے کچھ نہ بولے۔ باہر آ کر میں

تائی جان کی گاڑی میں بیٹھ گیا۔ اُنہوں نے گھر کا ہی رُخ کیا تھا۔ پھر ہم لوگ تائی جان کی شاندار کوٹھی میں داخل ہو گئے۔ وہ غصے سے کھول رہی تھیں۔

"میں نے وہی کیا، جو کیا جاتا ہے۔ ہزاروں واقعات اس طرح کے ہو چکے ہیں۔ یہ لوگ کسی بھی بات کو اُگلوانے کے لئے یا کسی کو خوش کرنے کے لئے با آسانی کسی کی زندگی لے لیتے ہیں۔ لیکن چاند خان، میرا ملازم تھا۔ میں اُس کی موت کو نظر انداز نہیں کروں گی۔"

ہم لوگ، ڈرائنگ رُوم میں آ کر بیٹھ گئے۔ تائی جان نے سائرہ سے کہا۔ "مجھے بہت ہی عمدہ قسم کی کافی پلواؤ۔ اور سر درد کی کوئی گولی بھی لے آنا۔ شہاب! تم کیا کہتے ہو، اس بارے میں؟" اُنہوں نے سائرہ کو ہدایت دے کر میری جانب رخ کر کے کہا۔

"تائی جان! یہ حقیقت ہے کہ جب ہم اس فلیٹ پر تفتیش کے لئے پہنچے تھے تو فلیٹ کے سامنے رہنے والے ایک صاحب نے چاند خان کا ذکر کیا تھا اور اُس نے ہی چاند خان کا مکمل حلیہ بھی پولیس آفیسر کو بتایا تھا۔ اور جب ہم نے ایف آئی آر لکھوائی تھی تو اس میں چاند خان کا نام خصوصی طور پر درج کرایا گیا تھا۔ میں، آپ سے یہ عرض کرنا چاہتا ہوں کہ پولیس آفیسر کو قاتل نہ قرار دیں۔ یہ مناسب نہیں ہو گا۔ وہ تفتیش کر رہا ہے اور اس کی کسی سے کوئی ذاتی دشمنی نہیں ہے۔"

"مگر چاند خان اُس کی تحویل میں مرا ہے۔"

"آپ چاہیں تو اُس کا پوسٹ مارٹم کروا سکتی ہیں۔ پتہ چل جائے گا۔ ویسے بظاہر اُس کے جسم کے کسی بھی حصے سے تشدد کے آثار نہیں ملے۔"

سائرہ واپس آ گئی تھی۔ اُس نے کہا۔ "ہاں مما! شہاب ٹھیک کہتے ہیں۔ اگر وہ تشدد سے نہیں مرا ہے، پھر تو پولیس آفیسر کو قاتل قرار دینا مناسب بات نہیں ہے۔ اگر کوئی پُراسرار موت مرا ہے تو پھر ہمیں ہی شرمندگی اُٹھانی پڑے گی۔"

طاہرہ خانم کسی سوچ میں ڈوب گئیں۔ ملازمہ نے کافی لا کر رکھ دی۔ اُنہوں نے کافی پی اور اس کے بعد بولیں۔ "شہاب! پولیس آفیسر کو فون کرو کہ وہ لاش یہاں بھجوا دے۔ اُس کی تدفین کا انتظام ہم خود کریں گے۔ بہرحال، وہ ہمارا وفادار ملازم تھا۔"

"میں، فون کئے دیتا ہوں۔" میں نے کہا اور اس کے بعد میں، نادر خان کو فون کرنے لگا۔ میں نے اُسے بتایا کہ میں نے بات کر لی ہے، وہ لاش کو یہاں بھجوا دے، طاہرہ خانم اُس کی تدفین کا انتظام کر دیں گی۔ نادر خان نے اس بات کو قبول کر لیا تھا۔

بہرطور، اس کے بعد تھوڑی دیر تک میں تائی جان کے ساتھ رہا۔ وہ چاند خان کے بارے میں اظہار کرتی رہی تھیں۔ دراصل، چاند خان طویل عرصے سے ان کے ہاں ملازم

تھا، اُس کا اور کوئی نہیں تھا۔ میں نے اجازت طلب کی تو تائی جان نے مجھے اجازت دے دی۔

گھر پہنچا تو تایا ابو، برآمدے میں ٹہلتے ہوئے نظر آئے۔ مجھے دیکھ کر چند قدم آگے بڑھے اور بولے۔ ''میں، بے چینی سے تمہارا انتظار کر رہا تھا۔ کیا ہوا؟''

''کچھ نہیں، تایا ابو! اس ملازم کی لاش، تائی جان کو بھجوا دی گئی ہے۔''

''اور پوسٹ مارٹم؟''

''اس خواہش کا اظہار، تائی جان نے نہیں کیا۔''

''ہوں...... تم نے دیکھا، اُن محترمہ کو، یہ میری بھابی ہیں، میرے بڑے بھائی کی بیوی۔ اُن کا روّیہ میرے ساتھ کیسا رہا؟''

''انتہائی نا معقول اور اس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ وہ بہت ہی بداخلاق خاتون ہیں۔''

تایا ابو اس کے بعد کچھ نہیں بولے تھے۔ میں، ماما کے پاس پہنچ گیا۔ دانیہ کی حالت خاصی بہتر نظر آ رہی تھی۔ سلطانہ اور حرا اب اُس کی بہت اچھی دوست بن چکی تھیں اور وہ اُن کے ساتھ خوش نظر آتی تھی۔

خاصی ذہنی کوفت ہوئی تھی مجھے اس سارے معاملے میں۔ اور میں سوچ رہا تھا کہ تائی جان انتہائی خطرناک عورت ہیں۔ ان سے کس طرح کے تعلقات رکھے جائیں۔ تایا ابو کے ساتھ انہوں نے بہت برا رویہ اختیار کیا تھا۔ اُنہیں ایسا نہیں کرنا چاہئے تھا۔

اچانک ہی دل میں دادی اماں کا تصور جاگا۔ دادی اماں سے ملاقاتیں تو ہوتی رہتی تھیں۔ لیکن اس وقت بے اختیار دل چاہا کہ ان کے پاس جاؤں۔ کوئی اور ساتھ نہیں تھا، چنانچہ میں اُن کی جانب چل پڑا اور کچھ لمحوں کے بعد اُن کے کمرے کا دروازہ کھول کر اندر داخل ہو گیا۔

جب بھی میں یہاں آتا تھا، مجھے کمرے میں ایک عجیب سی کیفیت کا احساس ہوتا تھا۔ اس وقت بھی میں نے یہی محسوس کیا تھا۔ دادی اماں ایک معصوم، مرجھائے ہوئے پھول کی مانند بے سدھ پڑی ہوئی تھیں۔ میں، دادی اماں کے پاس جا کر بیٹھ گیا اور پیار بھری نگاہوں سے انہیں دیکھنے لگا۔ دادی اماں کی شخصیت میں کوئی ایسی بات ضرور تھی، جو انسان کو اُن سے محبت کرنے پر مجبور کر دیتی تھی۔ وہ میری دادی تھیں، میرے پاپا کی ماں۔ میں اس رشتے سے بھی ان کا احترام کرتا تھا، لیکن ان کی شخصیت بھی ایسی تھی کہ ان پر پیار آتا تھا۔

میں، دیکھتا رہا اور پھر میں نے پیار بھرے انداز میں ان کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے لیا اور مجھے ایک پیار بھرے لمس کا احساس ہوا، لیکن پھر اچانک ہی میرے ذہن میں ایک چھنا

ہوا۔ ہر بار ہی ایک نئی بات سامنے آتی تھی۔ دادی اماں کا ہاتھ پہلے بھی کئی بار اپنے ہاتھ میں لے چکا تھا، لیکن کوئی ایسی بات محسوس نہیں ہوئی تھی۔ البتہ آج مجھے ایک شدید حیرت کا احساس ہوا تھا۔ دادی اماں کی چھوٹی انگلی کی برابر والی انگلی میں ایک انگوٹھی پڑی ہوئی تھی۔ سفید انگوٹھی، جس میں الماس جڑا ہوا تھا اور یہی انگوٹھی اس وقت میرے ہاتھ کی گرفت میں آئی تھی، جب کسی نے میرا منہ بند کر دیا تھا۔ اس وقت، جب میں، تایا ابو کو بہت سے واقعات بتانے والا تھا تو ایک سرگوشی میرے کانوں میں اُبھری تھی۔ میں نے اپنے منہ سے ہاتھ ہٹانے کی کوشش کی تو یہ انگوٹھی میرے ہاتھ کی گرفت میں آئی تھی اور اس وقت بھی یہ انگوٹھی میری گرفت میں تھی۔ میرے منہ سے بے اختیار سرسراتی ہوئی آواز نکلی۔

''دادی اماں!...... دادی اماں!''

اس بات میں کوئی شبہ نہیں تھا کہ یہ وہی انگوٹھی تھی۔ لیکن کیا ہے یہ سب کچھ؟...... کئی بار دادی اماں کے سلسلے میں عجیب و غریب انکشافات ہو چکے تھے۔ کیا وہ آواز، وہ سرگوشی، دادی اماں ہی کی تھی؟ کیا دادی اماں ہی مجھے خاموش رہنے کی ہدایت کرتی تھیں؟ میں اُنہیں دیکھتا رہا، پھر میں نے مدھم لہجے میں کہا۔ ''دادی اماں! باتیں کیجئے مجھ سے۔ اب یہ بات میرے یقین میں تبدیل ہو چکی ہے کہ آپ کی کیفیت وہ نہیں ہے، جو نظر آتی ہے۔ دادی اماں! میں، آپ کا پوتا ہوں، آپ کے بیٹے کا بیٹا ہوں۔ میرا بہت حق ہے، آپ پر۔ ہم لوگ ہمیشہ آپ سے الگ رہے ہیں۔ اور جب ہم، آپ کی قربت میں آئے ہیں تو آپ نے ہم سے علیحدگی اختیار رکھی ہے۔ دادی اماں! ہمیں بتایئے کہ ہم کیا کریں؟ جو صورتِ حال ہے تو کیا ہمارا یہاں سے بھاگ جانا مناسب نہیں ہے؟ دادی اماں! ہم بحرین جا کر اپنی اس جائیداد کو وہاں منتقل کر سکتے ہیں، بلکہ اس میں ہمیں لاتعداد آسانیاں بھی ہوں گی۔ لیکن ہم، آپ کے قدموں میں رہنا چاہتے ہیں۔ ہمارے ساتھ جو کچھ ہو رہا ہے، وہ غیر مناسب ہے اور آپ کا کردار بھی میرے سامنے آ چکا ہے۔ اب میں پورے دعوے سے کہہ سکتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے آپ زندہ سلامت ہیں، آپ تندرست و توانا ہیں۔ آپ بتایئے کہ ہمیں کیا کرنا چاہئے؟ گورنی، دانیہ کو دھمکیاں دے رہی ہے۔ میں تو خیر، اُسے کسی خاطر میں نہیں لاتا، لیکن اگر دانیہ کو کوئی نقصان پہنچ گیا، یا ماما یا سرفراز بھائی کو کوئی نقصان پہنچ گیا تو اس وقت مجھے بہت افسوس ہو گا کہ آپ نے ہماری کوئی مدد نہیں کی۔ اس وقت مجھ سے گریز نہ کیجئے۔ آپ جو حکم دیں گی، میں مانوں گا۔ لیکن آپ نے میرا منہ بند کیا، مجھے تایا ابو سے کچھ کہنے سے روک دیا۔ میں نے، آپ کو پہچان لیا ہے، دادی اماں! اور اُس رات بھی، جہاں مجھے پکڑ کر لے جایا گیا تھا، میں نے آپ کو پہچان لیا تھا۔ دادی اماں! مجھ سے بات

کیجئے۔ یہ سب مناسب نہیں ہے...... میں، اس کھیل کا ایک کردار بن چکا ہوں، آپ
بھی اس میں شریک کیجئے۔ یہ آپ کا فرض ہے۔ ورنہ پھر بھائی جان اور تایا ابو کے ساتھ
کر اس سلسلے میں کوئی مؤثر قدم اُٹھاتا ہوں، جو بہت ضروری ہے۔ میرا اپنا بھی ایک
ہے۔ میں، یہاں اپنے باپ کی تلاش میں آیا تھا، جنہیں پُراسرار انداز میں مار دیا گیا۔ پاپا
کے ساتھ کوئی ایسا عمل کیا گیا، جس سے ان کی موت واقع ہوگئی۔ میرا حق ہے کہ اس
میں تفتیش کرتے ہوئے اگر کسی پر سختی بھی کرنا پڑے تو کروں گا۔''

بہرحال، یہ آخری فیصلہ کر کے میں تایا ابو کے پاس جا بیٹھا۔ تایا ابو بے چارے
کام کاج تو کرتے نہیں تھے۔ عام طور سے خالی ہی نظر آتے تھے۔ اس وقت بھی وہ پھولوں
کی ایک کیاری کے پاس کرسی ڈالے ہوئے بیٹھے تھے۔ قیصر خان اُن کے پاس تھا اور وہ اس
سے باتیں کر رہے تھے۔ وہ اُنہیں اس زلزلے کی تفصیلات بتا رہا تھا، جس میں اُس کا
خاندان شکار ہوگیا تھا۔ میں، تایا ابو کے پاس پہنچا تو قیصر خان اُٹھ کھڑا ہوا۔

''میرے کو اجازت دو، صاب!'' یہ کہہ کر وہ وہاں سے ہٹ گیا۔

تایا ابو مجھے دیکھنے لگے، پھر بولے۔ ''سرفراز کو بہت وقت لگ گیا۔ حال میں کوئی بات
چیت ہوئی اُن سے؟''

''جی، تایا ابو! ابھی اُنہیں تھوڑا سا وقت اور لگ جائے گا۔ اصل میں صرف اُن کا ہی
معاملہ نہیں ہے، بلکہ پاپا کے کچھ معاملات بھی اُنہیں ہی دیکھنے پڑ رہے ہیں۔ یہ اس کمپنی کے
ساتھ تعاون ہے، جس نے پاپا کو بڑی عزت دی اور اُن کے عہدے بڑھائے۔ تایا ابو! ایک
بات بتائیے۔''

''ہاں، پوچھو بیٹے!'' تایا ابو نے محبت اور نرمی سے کہا۔

''دادی اماں، کوما میں ہیں اور ڈاکٹر اشتیاق اُن کا علاج کر رہے ہیں۔ تایا ابو! ڈاکٹر
اشتیاق اس سلسلے میں کیا کہتے ہیں؟ دادی اماں کی صحت یابی کے کس قدر امکانات ہیں؟''

تایا ابو نے ایک گہری سانس لی اور بولے۔ ''بیٹے! بات اصل میں یہ ہے کہ
مقولہ ہے کہ جب تک سانس تب تک آس۔ ماشاء اللہ، اماں بی کی عمر کافی ہے اور اس
کے ساتھ قوتِ مدافعت میں بے پناہ کمی ہو جاتی ہے۔ ہم اُن کی مکمل صحت یابی کے بارے
میں کچھ نہیں کہہ سکتے۔ بس، یوں سمجھ لو کہ اللہ تعالیٰ نے زندگی عطا کی ہے تو جی رہی ہیں۔
سکتا ہے، کسی وقت ہوش میں آ جائیں۔ اللہ تعالیٰ کے لئے تو کوئی کام مشکل نہیں ہوتا، نا۔''

''یہ ڈاکٹر اشتیاق مرزا جو ہیں، یہ اپنا پرائیویٹ کلینک بھی کرتے ہیں؟''

''ہاں...... وہ ہسپتال کے اعلیٰ عہدیدار ہیں۔ پرائیویٹ پریکٹس بھی کرتے ہیں۔

ہسپتال کے سامنے ہی اُن کا کلینک ہے۔''

''کس وقت بیٹھتے ہیں، وہاں؟''

''کیوں، خیریت؟''

''میں اُن سے مل کر دادی اماں اور پاپا کی موت کے بارے میں بات کرنا چاہتا تھا۔''

''پتہ، سلطانہ کے پاس موجود ہے۔ بہت اچھے آدمی ہیں، بڑے نیک اور ملنسار۔ بس،
ذرا چلتے، وظائف کے قائل ہیں۔ اپنے مریضوں پر بھی پڑھ پڑھ کر دم کرتے ہیں۔ کسی سے
کوئی معاوضہ نہیں قبول کرتے، شوق ہے اُن کا۔ تم سلطانہ سے اُن کا پتہ لے لینا اور ملنا
چاہو، تو ضرور مل لینا۔''

میں نے اس بات کو ذہن میں رکھ لیا تھا۔

حیرت کی بات تھی کہ اس دوران سائرہ خانم نے مجھے فون کیا تھا، نہ مجھ سے کوئی
ملاقات کی تھی۔ میرے ذہن میں تجسس تھا کہ چاند خان کی تدفین کے بارے میں کچھ
معلومات حاصل کروں۔ میں نے ابھی یہ سوچا ہی تھا کہ نادر خان کا فون آ گیا۔

''کہئے، شہاب صاحب! کیسی مصروفیت چل رہی ہے؟ آپ نے تو اپنا کاروبار وغیرہ
سنبھال لیا ہوگا؟''

''ابھی کہاں، نادر صاحب! سرفراز بھائی کی واپسی کا انتظار ہے۔ وہاں کے معاملات
نمٹا کر آ جائیں تو اس کے بعد آگے کے بارے میں کچھ سوچتے ہیں۔ آپ سنائیے۔''

''آپ سے ملاقات کرنا چاہتا تھا۔'' نادر خان نے کہا۔

''کیا، میں تھانے حاضر ہو جاؤں؟''

''نہیں، مناسب نہیں ہوگا۔ میں ایک ہوٹل کا نام بتاتا ہوں، اپنے ڈرائیور کے ساتھ
وہاں آ جائیے۔ وقت مجھے بتا دیجئے۔''

''وہ آپ بتائیے۔'' میں نے کہا۔

''تو آ جائیے، ایک گھنٹے کے بعد۔ ڈرائیور موجود ہے، آپ کا؟''

''ہاں، میں بلاتا ہوں۔'' میں نے کہا اور قیصر خان کو بلا کر موبائل فون اُسے دے دیا۔

قیصر خان نے سلام کیا اور بولا۔ ''جی، بولو صاب! کیا حکم ہے؟''

دوسری طرف سے نادر خان نے یقیناً اُسے ہوٹل وغیرہ کا پتہ بتایا ہوگا۔ کیونکہ قیصر خان
''سمجھ گیا، سمجھ گیا'' کی گردان کرتا رہا تھا۔ پھر اُس نے موبائل فون میری طرف بڑھا دیا۔

''میں نے قیصر خان کو پتہ سمجھا دیا ہے، آپ کا انتظار کر رہا ہوں۔''

''میں پہنچتا ہوں۔''

تھوڑا وقت تیاری میں صرف ہوا، لباس وغیرہ تبدیل کیا اور اس کے بعد قیصر خان کے ساتھ چل پڑا۔

ہوٹل میں سادہ لباس میں ملبوس نادر خان میرا منتظر تھا۔ اس شخص سے واقعی بڑی اپنائیت کا احساس ہوتا تھا۔ میں بڑے تپاک سے اُس سے ملا۔ نادر خان مجھے دیکھ کر مسکرایا اور بولا۔

''کہئے، بحرین کے معاملات کیسے چل رہے ہیں؟''

''میرا کوئی خاص تعلق نہیں تھا، بس ایک سادہ سی زندگی گزار رہا تھا، وہاں۔ پاپا اور بھائی جان ملازمت کرتے تھے اور میں عیش کرتا تھا۔''

''لاہور میں دل لگ گیا؟''

''ہاں، دل تو لگ گیا ہے، لیکن پاپا کی کمی بڑی شدت سے محسوس ہوتی ہے۔''

''اس کمی کو آپ کبھی فراموش کر ہی نہیں سکتے۔ اپنے آپ کو بہلانے والی باتیں ہیں۔ ویسے انتہائی معذرت کے ساتھ، آپ کے خاندانی معاملات میں تھوڑی سی مداخلت کرنا چاہتا ہوں۔''

''کیجئے، کیجئے۔'' میں نے مسکرا کر کہا۔

نادر خان نے چائے وغیرہ منگوالی تھی۔ چائے کے چھوٹے چھوٹے گھونٹ لیتے ہوئے اُس نے کہا۔ ''اگر آپ یہ سوچتے ہیں کہ اُس دن طاہرہ خانم نے میری جو بے عزتی کی تھی، میں اُسے برداشت کر گیا تو براہِ کرم، یہ بات دل سے نکال دیجئے۔''

میں نے مسکرا کر نادر خان کو دیکھا اور بولا۔ ''اور اگر کوئی بات دل میں نہ ہو، تو پھر کیا کرنا چاہئے؟''

'میں، آپ سے سنجیدگی سے بہت سی باتیں کرنا چاہتا ہوں۔''

''کیجئے، نادر صاحب!''

''طاہرہ خانم نے اس دن چاند خان کے بارے میں جو بات کی، آپ نے سنی ہوگی۔ میں، آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ میں نے چاند خان کو ایک تھپڑ بھی نہیں مارا۔ بے شک میں نے اُس سے اُس فلیٹ کے بارے میں پوچھا تھا اور وہ اس بات سے منکر تھا کہ وہ کبھی وہاں گیا ہے۔ جبکہ قدسی صاحب نے اُسے دیکھتے ہی یہ بات کہہ دی تھی کہ یہی شخص چاند خان ہے اور یہی فلیٹ پر آتا تھا۔ بہرحال، میں نے جان بوجھ کر قدسی صاحب کا نام نہیں لیا تھا۔ کیونکہ وہ خاتون انہیں بھی نقصان پہنچا سکتی تھیں۔ بات یہ ہے کہ وہ خود میری نگاہوں میں مشکوک ہوگئی ہیں اور اس کی کچھ وجوہات ہیں۔ میں نے ان کے بارے میں بہت گہرائی کے ساتھ چھان بین کی تو پتہ چلا کہ وہ پُراسرار علوم کی ماہر ہیں اور انہوں نے اپنے گھر پر

ایک درس گاہ بنا رکھی ہے، جس میں بڑے بڑے لوگ اُن سے اپنی مشکلات کا حل طلب کرنے آتے ہیں۔ اس طرح ان کے تعلقات کا دائرہ مزید وسیع ہوگیا ہے۔ اس کے علاوہ مجھے اُس بات کا بھی علم ہوا ہے کہ طاہرہ خانم کا آپ کے تایا ممتاز صاحب سے جائیداد کا تنازع چل رہا ہے اور انہوں نے ان پر مقدمہ قائم کر رکھا ہے، جس کی کوئی بنیاد نہیں ہے۔ میرے علم میں یہ بات تو نہیں آسکی ہے کہ آپ کے مرحوم والد سے بھی ان کا کوئی تنازعہ چل رہا تھا یا نہیں۔ لیکن مجھے یقین ہے کہ ایسا ہوگا۔ بہت زیادہ تفصیلات تو مل نہیں سکیں، لیکن جتنی معلومات حاصل ہوئی ہیں، ان سے طاہرہ خانم کے کردار کا پتہ چل گیا ہے۔ انہوں نے باقاعدہ ایک جال پھیلایا ہوا ہے اور بہت سے لوگوں سے ان کے جائیدادوں کے تنازعے چل رہے ہیں۔ اب یہاں میں ایک خاص بات کہوں گا، پوسٹ مارٹم رپورٹ موجود ہے، آپ کے والد صاحب کی موت دم گھٹنے سے واقع ہوئی اور یہی کیفیت چاند خان کی بھی تھی۔ ایک بار پھر میں، آپ سے کہوں گا کہ میں نے اس کے ساتھ ایسا کوئی سلوک نہیں کیا، جس سے اُس کی موت واقع ہو جاتی۔ آخر دونوں موتیں یکساں کیوں تھیں؟ اور طاہرہ خانم کے پُراسرار علوم سے ان دونوں اموات کا کیا تعلق ہے؟ میں، طاہرہ خانم کو ایسے نہیں چھوڑوں گا۔ انہوں نے آپ کے کہنے پر میرے خلاف کوئی کارروائی نہیں کی، لیکن محترم! میں آپ کے والد صاحب کی موت کی فائل بند نہیں کروں گا۔ اور اگر طاہرہ خانم بھی اس کی زد میں آئیں تو میں، ان پر ہاتھ ڈال دوں گا۔ بہت بڑی بات کر رہا ہوں، صاحب! لیکن بہرحال میں یہ کر گزروں گا۔''

میں نے نادر خان کے بازو پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔ ''اور بات میرے باپ کی موت کی ہے، نادر صاحب! میرا خصوصی تعاون آپ کے لئے ہوگا۔ میرے بھائی واپس آجائیں، میں آپ کو اپنے خاندانی تنازعات اور تائی جان کے بارے میں بھی تفصیلات بتاؤں گا۔ ہم تحقیقات کریں گے، اس کے بعد جو صورتِ حال سامنے آئے گی، میں آپ کو اس سے الگ نہیں رکھوں گا۔ یہ میرا وعدہ ہے۔''

''چاند خان کی تدفین کے بارنے میں مجھے کچھ معلوم نہیں ہو سکا۔ آپ کچھ جانتے ہیں؟''

''بالکل نہیں۔ اُس دن سے اب تک تائی جان سے میری ملاقات ہوئی، نہ سائرہ ہی میرے پاس آئی۔ ہمارے درمیان کوئی رابطہ نہیں ہوا، نہ ہی میں نے ایسی کوئی کوشش کی ہے۔''

''ٹھیک ہے، اجازت۔'' نادر خان کھڑا ہو گیا۔ میں نے بل کی رقم نکال کر میز پر رکھ

دی تھی۔ میں نے اُس کی طرف دیکھا تو وہ ہاتھ اُٹھا کر بولا۔ ''بہت بڑے آدمی ہیں آپ، شہاب صاحب! لیکن تھوڑا سا ہمیں بھی موقع دے دیں۔''

اس کے بعد ہم دونوں ریستوران سے باہر نکل آئے۔

نادر خان اپنی گاڑی میں بیٹھ کر چلا گیا اور میں، قیصر خان کے ساتھ اپنے گھر کی طرف چل پڑا۔ اُس دن طاہرہ خانم نے نادر خان کے ساتھ جو توہین آمیز رویہ اختیار کیا تھا، اسے برداشت کرنا کوئی آسان کام نہ تھا۔ پتہ نہیں، نادر خان نے کس طرح ان کی باتیں برداشت کر لی تھیں اور اُسے اس بات کا پورا حق تھا کہ وہ طاہرہ خانم کے بارے میں تحقیقات کرے۔

اور جو باتیں میرے علم میں آئی تھیں، وہ خاصی پُراسرار تھیں۔ مثلاً تائی جان کا رویہ تایا ابو کی طرف رُخ کر کے اُنہوں نے بات بھی نہیں کی تھی۔ وہ غرور کی آخر حد تک پہنچی ہوئی تھیں۔ میرے مسئلے میں اُنہوں نے صرف سائرہ کے کہنے پر لچک اختیار کی تھی۔ مجھے بتایا گیا تھا کہ سائرہ کے علاوہ وہ دنیا میں شاید کسی سے محبت نہیں کرتیں۔ پھر مسئلہ پاپا کی موت کا تھا۔ اس بات کا شبہ نادر خان نے ظاہر کیا تھا کہ ہوسکتا ہے، پاپا سے بھی ان کا کوئی جائیداد کا تنازع ہو اور پاپا کی موت میں تائی کا بھی تھوڑا بہت ہاتھ ہو۔ اگر ایسی بات ہے تو میں، تائی جان کو پاتال میں بھی نہیں چھوڑوں گا۔

ایک اور بات مجھے یاد تھی کہ چاند خان کی لاش کے پاس بھی ویسے ہی بال ملے تھے، جیسے پاپا کی لاش کے پاس۔ یہ بال کیسے تھے؟ اور کس کے تھے؟ یہ معلوم نہیں ہوسکا تھا۔ پھر چاند خان کی موت بھی پاپا کی طرح دم گھٹنے سے واقع ہوئی تھی۔ یہ تمام باتیں سوچتا ہوا میں گھر کی جانب جا رہا تھا۔

مجھے اس بات پر حیرت تھی کہ چاند خان کی موت کے بعد اچانک ہی تائی جان نے خاموشی اختیار کر لی تھی اور مجھے فون تک نہیں کیا تھا۔ جبکہ اندازہ یہ تھا کہ وہ لوگ بھرپور طریقے سے مجھ سے رابطہ رکھیں گے۔

کار، آخر کار گھر میں داخل ہوگئی۔ سامنے برآمدے میں کوئی بیٹھا ہوا تھا۔ میں نے کار سے اُتر کر اُن لوگوں کو دیکھا اور ایک دم سے میرا دل دھک سے ہوگیا۔ ایک دانیہ تھی اور دوسری وہی پُراسرار عورت، جس نے مجھے اپنا نام حمیدہ بتایا تھا، اور بعد میں میری جیب سے سیفونہ کی تصویر لے کر غائب ہوگئی تھی۔ یہ سب سے پُراسرار کردار تھا، جس کے بارے میں ابھی تک کچھ نہیں معلوم ہوسکا تھا۔ اُس نے پلٹ کر مجھے دیکھا، وہ پھرتی سے دانیہ کے پاس سے اُٹھی اور گھر کے پچھلے حصے کی جانب چلی گئی۔ ایک لمحے کے لئے میرا دل چاہا کہ اُس

کے پیچھے دوڑ لگاؤں۔ لیکن سارا کھیل خراب ہو جاتا۔ البتہ میں دانیہ کے پاس پہنچ گیا۔

''کیسی ہو، دانیہ؟''

''ٹھیک ہوں، بھائی! کیا بات ہے؟ آپ کا چہرہ کچھ عجیب سا ہو رہا ہے۔''

''نہیں، ایسے ہی بس۔ بڑا لمبا چکر لگا کر آیا ہوں۔ یہ کون تھی، جو تمہارے پاس بیٹھی ہوئی باتیں کر رہی تھی؟''

''فردوس نام بتاتی ہے۔ پہلے بھی آ چکی ہے، میرے پاس، غریب عورت ہے۔ برابر کے کسی گھر میں کام کرتی ہے۔ مجھ سے پوچھ رہی تھی کہ بی بی! کوئی کام ہو تو مجھے بتا دیا کریں۔ میں، آپ سے اس کا کوئی معاوضہ نہیں لوں گی۔''

''تمہیں پتہ ہے، کون سے گھر میں رہتی ہے یہ؟''

''نہیں...... کسی پڑوس کے گھر میں کام کرتی ہے، رہتی کہیں اور ہیں۔ میں نے زیادہ تفصیل نہیں پوچھی۔'' دانیہ نے جواب دیا اور مجھے خاموشی اختیار کرنی پڑی۔

دانیہ سے کچھ کہنے کا مطلب تھا کہ پھر ساری باتوں کی تفصیل بتانی پڑے گی۔ میں خاموشی سے اندر چلا گیا۔ تھوڑی دیر کے بعد تایا ابو کے سامنے پیش ہوا۔ وہ میری واپسی کا بے چینی سے انتظار کر رہے تھے۔ وہ مجھ سے نادر خان سے ملاقات کے بارے میں پوچھنے لگے اور میں نے اُنہیں پوری تفصیل بتا دی۔

تایا ابو کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی تھی۔ اُنہوں نے کہا۔ ''بہرحال، قانون کا اپنا ایک مقام ہوتا ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ قانون شکنی بے پناہ بڑھ چکی ہے۔ اور پھر طاہرہ خانم جیسی خواتین تو کسی کو خاطر میں ہی نہیں لاتیں۔ نادر خان، نوجوان آدمی ہے، اس کے پیچھے لگ گیا تو کچھ نہ کچھ کر کے ہی چھوڑے گا۔ خدا اُس کی حفاظت کرے۔''

تایا ابو کو مطمئن کرنے کے بعد میں، ماما کے پاس جا بیٹھا۔ میرا ذہن بہت سے مسئلوں میں اُلجھا ہوا تھا۔ وہ پُراسرار عورت اگر مجھے مل جاتی تو میں پوچھتا کہ سیفونہ یا گورنی سے اُس کا کیا تعلق ہے؟ ویسے تو میں اُسے دیکھ چکا تھا کہ وہ غسل خانے میں داخل ہو کر گم ہوگئی تھی۔ اس کا مطلب ہے کہ وہ بھی کوئی صحیح کردار نہیں ہے۔

میں تھوڑی دیر تک انہی سوچوں میں گم رہا اور اس کے بعد ایک بار پھر میرا دل دادی اماں کے پاس جانے کو چاہا۔ دادی اماں کے پاس اس وقت بھی کوئی نہیں تھا اور وہ حسب معمول مرجھائے ہوئے پھول کی مانند گردن جھکائے لیٹی ہوئی تھیں۔ اس وقت ان کے چہرے پر کوئی کیفیت نہیں تھی۔

میں، اُنہیں دیکھتا رہا۔ پھر میں نے کہا۔ ''دادی اماں! بہت چھوٹا ہوں، میں۔ ایسے

واقعات سے کبھی واسطہ نہیں پڑا۔ لیکن آپ یہ سمجھ لیجئے کہ اب میرے صبر کا پیمانہ لبریز ہو ہے۔ یا تو کھل کر میرے سامنے آیئے، یا پھر مجھے اجازت دیجئے کہ میں، آپ کے قدموں سے دُور چلا جاؤں۔"

میں نے دادی کے چہرے کی جانب دیکھا اور ایک لمحے میں محسوس کر لیا کہ ان کے چہرے پر اضطراب ہے، لیکن انہوں نے کچھ کہا نہیں تھا۔ بہت دیر تک میں، اُن کے پاس بیٹھا رہا اور پھر وہاں سے اُٹھ گیا۔

میں نے فیصلہ کر لیا تھا کہ اب ڈاکٹر اشتیاق سے ملاقات کر کے اس بارے میں بات کروں گا۔ دوسرے دن میں، ڈاکٹر اشتیاق کی تلاش میں نکل کھڑا ہوا۔ کلینک کا جو پتہ مجھے بتایا گیا تھا، میں وہاں پہنچا تو پتہ چلا کہ ڈاکٹر اشتیاق اس وقت ہسپتال میں ہیں۔ ڈھائی بجے وہ اپنے کلینک آ جاتے ہیں۔ قیصر خان میرے ساتھ تھا۔ میں نے ڈھائی بجے تک کا وقت مختلف جگہوں پر گزارا۔ اپنے پلازہ پر بھی گیا، وہاں کا جائزہ لیتا رہا۔ اب ان تمام چیزوں کے استعمال کرنے کا وقت آ گیا تھا۔ لیکن جو اُلجھنیں ذہن اور دل پر سوار تھیں، اُن سے نمٹنے کے بعد ہی کچھ کہا جا سکتا تھا۔

ڈھائی بجے میں ڈاکٹر اشتیاق کے پاس پہنچا۔ اُن کے آفس میں داخل ہوا تو مجھے ایک بار پھر اُن کی پُراسرار شخصیت کا احساس ہوا۔ بڑا پُروقار چہرہ تھا۔ مجھے فوراً پہچان گئے۔

"آپ تو شہاب میاں ہیں۔ میں سمجھا، میرا کوئی مریض ہے۔ آیئے، بیٹھئے۔"

ڈاکٹر صاحب! میں آپ کا اچھا خاصا وقت لوں گا اور اس کے لئے مجھ پر جو ذمہ داری عائد کی جائے گی، اسے پورا کروں گا۔"

"یعنی فیس وغیرہ کی؟"

"جی، اسی کی بات کر رہا تھا۔"

"بیٹے! بیٹھیں۔ ایسی باتیں نہ کریں، بتایئے، مجھ سے کیا چاہتے ہیں؟"

"ڈاکٹر صاحب! اُس دن میں نے آپ کو اپنی دادی اماں کے پاس جاتے ہوئے دیکھا۔ میں آپ کی شخصیت سے بہت متاثر ہوا تھا۔ آپ نے وہاں جو انداز اختیار کیا ہے؟ یقیناً اس کی کچھ بنیادیں ضرور ہوں گی۔ میں اس بارے میں کوئی بات نہیں کروں گا۔ میں صرف دادی اماں کے بارے میں، آپ سے سوالات کرنا چاہتا ہوں۔"

"کیا سوال کرنا چاہتے ہیں، آپ؟"

"ڈاکٹر صاحب! اُن کی کیا کیفیت ہے؟"

"انتہائی شاندار۔ وہ جسمانی طور پر بالکل فٹ ہیں۔ دل و دماغ، اندرونی نظام، سب

بالکل سیٹ ہے۔ البتہ دماغ کی شفاف پلیٹ پر ایک پتلی سی تہہ آ پڑی ہے، جس کے بارے میں یہ نہیں کہا جا سکتا کہ وہ کس چیز کا عکس ہے۔ میں نے اُنہیں سلا دیا ہے۔ وہ نیند کی کیفیت میں ہیں۔ آپ اسے بے ہوشی بالکل نہیں کہہ سکتے۔ اُن کی ساری رپورٹیں میرے پاس موجود ہیں، میں اُن کی فائل آپ کو پیش کرتا ہوں۔"

"نہیں، ڈاکٹر صاحب! میں، آپ کی ہر بات پر یقین کر رہا ہوں۔"

"اور سب سے بڑی بات یہ ہے کہ وہ بالکل محفوظ ہیں۔ یہ بات بھی مجھے اُن کی دماغ کی پلیٹ سے حاصل ہوئی ہے۔ کیونکہ ایک مطمئن اور پُرسکون مریض کے اندر کچھ ایسی کیفیات پائی جاتی ہیں، جن سے پتہ چلتا ہے کہ وہ اپنے طور پر بالکل ٹھیک ہیں۔ کیا سمجھے آپ؟"

"مگر ڈاکٹر صاحب! آپ......"

"دیکھیں، میں بے مقصد معاوضہ وصول نہیں کر رہا۔ میں نے آپ کو بتایا ہے کہ وہ بالکل محفوظ ہیں۔ میں صرف اُن کے جسمانی نظام کی حفاظت کر رہا ہوں اور اس میں کامیاب ہوں۔ یہ سلسلہ جاری رہنا چاہئے۔ کسی بھی وقت اُنہیں اس عکس سے نجات مل سکتی ہے، جو ایک سائے کی طرح اُن کے دماغ پر چھایا ہوا ہے۔ جیسے ہی وہ عکس اُن کے دماغ سے ہٹا، وہ آنکھیں کھول کر ہوش میں آ جائیں گی۔"

ڈاکٹر صاحب! تھوڑی بہت تفصیل تو ہمارے بارے میں بھی آپ کو پتہ چل گئی ہو گی۔"

میں اپنے مطلب کی بات پر آیا۔

"ہاں، کیوں نہیں۔"

"ڈاکٹر صاحب! میں اُس گھر کے ماحول کے بارے میں بات کرنا چاہتا ہوں۔"

"کیا؟"

"کیا، وہاں جنات کا بسیرا ہے؟" میں نے براہِ راست سوال کر ڈالا۔

ڈاکٹر اشتیاق سوچ میں ڈوب گئے۔ کچھ دیر خاموش رہے، پھر بولے۔ "ہو سکتا ہے۔"

"ڈاکٹر صاحب! آپ نے جب یہ الفاظ کہے ہیں اور اُنہیں استعمال کرنے سے گریز نہیں کیا تو براہِ کرم تھوڑی سی مدد اور فرمایئے۔ میں، آپ کے پاس بڑی اُمیدیں لے کر آیا ہوں۔"

"ایک بات بتایئے، کیا آپ کو وہاں کوئی تکلیف ہوئی ہے؟"

"ڈاکٹر صاحب! تکلیف تو نہیں ہوئی، لیکن کچھ ایسے پُراسرار واقعات ہوئے ہیں، جنہوں نے مجھے ذہنی طور پر پریشان کر دیا ہے۔"

"دیکھیے، اگر آپ کو وہاں کوئی تکلیف ابھی تک نہیں ہوئی ہے تو میرا اپنا خیال
وہاں آپ کو کوئی تکلیف ہوگی بھی نہیں۔ جہاں تک اجنہ کا تعلق ہے، تو ہم اس بات سے
انکار نہیں کر سکتے کہ انسانوں کے درمیان اُن کی موجودگی کوئی تعجب خیز عمل ہے۔ میں
زیادہ علم نہیں رکھتا، بس تھوڑی بہت معلومات، جو مجھے حاصل ہیں، انہی کے بارے میں
کہہ سکتا ہوں۔ وہ بھی اس لئے کہ آپ نے مجھ سے یہ سوال کیا۔ کیا سمجھے، آپ؟"

"جی، ڈاکٹر صاحب! تھوڑی سی مدد چاہتا ہوں، آپ سے۔"

"دیکھیے، ہم مسلمان ہیں، کلمہ گو ہیں، اس لئے ہمیں ہر خوشی کو اس کا انعام اور
پریشانی کو آزمائش اور مصلحت الٰہی کے تابع سمجھنا چاہئے۔ اور جب بھی آپ کو کسی شیطا
طاقت کا سامنا کرنا پڑے، اللہ تعالیٰ سے مدد طلب کیجئے، قرآن حکیم سے مدد لیجئے۔
پریشانی میں، اپنے دُکھ میں، اپنی تکلیف میں، صرف اللہ تعالیٰ کا کلام ہی آپ کو اس قو
کے شر سے نجات دلا سکتا ہے۔ اس وسیع کائنات میں انسان کے علاوہ لاکھوں قسم کی مخلوقا
موجود ہیں۔ ان مخلوقات میں کچھ ایسی بھی ہیں، جنہیں عام انسان اپنی آنکھوں سے نہیں
سکتا ان چھپی ہوئی مخلوقات میں شیطان بھی شامل ہے۔ قرآن پاک میں شیطان سے
کے لئے بار بار تاکید کی گئی ہے اور شیطان کی پیروی کرنے والے، اللہ سے لڑنے والے
دیئے گئے ہیں۔ کیا سمجھے آپ؟ میرا مطلب یہ ہے کہ انسان اور شیطان کبھی بھی
دوسرے سے دُور نہیں رہتے۔ ہر نیک و بد انسان کے ساتھ شیطان لگا رہتا ہے۔ کمزور
اس کے پھندے میں پھنس جاتے ہیں، جبکہ نیکوکار اس کے قابو میں نہیں آتے۔ آپ
طرح سے محفوظ ہیں۔ آپ صرف اپنے عقائد میں مضبوط رہیں۔ اور اگر کہیں سے آپ کو
اشارہ ملتا ہے کہ آپ کی شیطان سے حفاظت کی جا رہی ہے، تو آپ کو مایوس نہیں
چاہئے۔ ہاں، امتحان کی ایک منزل ضرور ہوتی ہے اور اس کے بھی کچھ نہ کچھ عوامل ہو
ہیں۔ میں اس سے زیادہ اور کچھ نہیں جانتا۔ اللہ آپ کی حفاظت کرے۔ میرے لئے اور
خدمت؟"

ڈاکٹر اشتیاق کے ان الفاظ سے یہ اندازہ ہوتا تھا کہ اب وہ مجھ سے گلوخلاصی چا
ہیں۔ چنانچہ میں، اُن کا شکریہ ادا کر کے اپنی جگہ سے اُٹھ گیا۔

بڑی پُروقار شخصیت تھی، ڈاکٹر اشتیاق کی۔ میں، اُن سے مل کر بہت متاثر ہوا تھا
اُنہوں نے اس ضمن میں جو وضاحت کی تھی، اس نے مجھے بڑا حوصلہ دیا تھا۔ اُنہوں نے
تھا کہ اگر کہیں سے آپ کو کوئی اشارہ ملتا ہے کہ آپ کی، شیطان سے حفاظت کی جا رہی
تو آپ کو مایوس نہیں ہونا چاہئے۔ اور ایسے بہت سے شواہد میرے سامنے آئے تھے۔

پُراسرار آواز نے مجھے میرے ارادوں سے روکا تھا۔ خواب کی وہ رات، جب سیاہ پوش مجھے
اس تہہ خانے میں لے گئے اور سفید پوشوں نے میری وکالت کی تھی، ان میں میری دادی
اماں بھی تھیں۔ اور کوئی محترم شخصیت "حاجی صاحب" بھی تھے، جن کا دستِ شفقت دادی
اماں پر تھا۔ یہ سب شواہد میری حفاظت کے ضمن میں ہی تھے۔ دل کو ڈھارس ہوئی تھی۔ یہ
خیال بھی آیا تھا کہ یہ وہ واحد جگہ ہے، جہاں میری زبان بندی نہیں ہوئی تھی۔ میں نے دل
کھول کر باتیں کی تھیں۔ میری شدید خواہش تھی کہ کسی کو اپنا رازدار بناؤں۔

راستے بھر یہی باتیں سوچتا آیا تھا۔ گھر جانے کو دل نہیں چاہا۔ پھر دل میں آیا کہ کیوں
نہ تائی جان کے گھر کا چکر لگا آؤں۔ اُن کی طرف سے خاموشی بڑی پُراسرار تھی۔ قیصر خان
کو، تائی اماں کے گھر کا پتہ بتا کر میں پھر سوچوں میں گم ہو گیا۔

اس کے بعد اس وقت چونکا جب کار، تائی جان کی شاندار رہائش گاہ کے گیٹ پر رُکی
اور چوکیدار کے دروازہ کھولنے پر اندر داخل ہو گئی۔

میں، نیچے اُترا۔ پہلی بار اس طرح تنہا، تائی جان کے پاس آیا تھا۔ یہ بھی پتہ نہیں تھا کہ
وہ گھر پر ہوں گی یا نہیں۔ لیکن ایک ملازمہ، جو مجھے دیکھ کر میرے پاس آئی تھی، مجھے ڈرائنگ
روم میں لے گئی۔ میں نے دانی سرکار اور سائرہ کے بارے میں پوچھا تھا تو اُس نے بتایا کہ
دونوں موجود ہیں۔ میں نے اُس سے کہا کہ اُنہیں بتائیں کہ شہاب آیا ہے۔

کچھ ہی لمحوں کے بعد دونوں ماں بیٹیاں ڈرائنگ روم میں داخل ہوئیں۔ طاہرہ خانم
اس وقت آدمی کے جامے میں تھیں۔ لباس بھی انسانوں جیسا تھا اور حلیہ بھی۔ میں نے سلام
کیا تو اُنہوں نے صرف گردن خم کر کے میرے سلام کا جواب دیا، منہ سے کچھ نہیں کہا۔ البتہ
سائرہ نے طنزیہ لہجے میں کہا۔ "شکر ہے، آپ کو قید سے رہائی تو ملی۔ بیٹھیے، پلیز!"

میں، چونکہ یہ فیصلہ کر کے آیا تھا کہ کسی قسم کی تیزی کا مظاہرہ نہیں کروں گا، بلکہ صحیح انداز
میں بات کروں گا، چنانچہ میں نے مسکرا کر کہا۔ "پتہ نہیں، آپ کون سی قید کے بارے میں
کہہ رہی ہیں؟ میرا خیال ہے، میں تو آزاد ہی تھا۔"

"شاید۔" سائرہ نے میرے سامنے صوفے پر بیٹھتے ہوئے کہا۔ تائی جان خاموش تھیں
اور ہونٹوں ہی ہونٹوں میں کچھ بدبدا رہی تھیں، جیسے کچھ پڑھ رہی ہوں۔

"اب یہ بتائیے کہ اتنے دن تک کہاں غائب رہے؟"

"میں بس انتظار کر رہا تھا کہ آپ کی طرف سے طلبی ہو اور میں حاضری دوں۔"

"ماشاء اللہ، خاصی تربیت مل گئی ہے، آپ کو تھوڑے ہی وقت میں۔ اچھا بولنے لگے
ہیں۔ کیوں جناب! اپنے گھر میں طلب کیا جاتا ہے، تب حاضری ہوتی ہے؟ آپ سے تو مما

نے یہ بات کہہ دی تھی کہ انہیں غیروں کی طرح دانی سرکار نہ کہیں، بلکہ تائی جان کہہ کر پکارا کریں۔ میرا خیال ہے، آپ نے اس بات کا کوئی نوٹس نہیں لیا۔"

"سائرہ! میں ابھی آپ لوگوں کے درمیان اجنبی ہوں۔ اچھے لوگ، پُرخلوص انداز سے نواز دیا کرتے ہیں تو انسان کو اُچھل کر اُن کے کندھوں پر نہیں بیٹھ جانا چاہئے۔ بلکہ انتظار کرنا چاہئے کہ کیا اُن کی طرف سے مزید پذیرائی مل سکتی ہے؟ میں انتظار میں ہی تھا۔"

"یہ تو کوئی بات نہیں ہوئی۔ ہم بھی انتظار ہی کر رہے تھے اور یہ سوچ رہے تھے کہ کہیں آپ، ہمیں اپنے آپ پر مسلط تو نہیں سمجھ رہے۔ ویسے معاف کیجئے گا، شہاب صاحب! یہ بات تو میرے علم میں ہے کہ تایا ابو بالکل نہیں چاہتے کہ ہم، آپ لوگوں سے ملیں۔ بہت ہی باتیں کہی جاسکتی ہیں، لیکن میں کہوں گی نہیں۔"

"مجھے خوشی ہو رہی ہے، سائرہ! کہ آپ کو میرے نہ آنے کا غصہ ہے۔ تائی جان بھی سامنے ہی بیٹھی ہوئی ہیں۔ مجھے اجازت دی جائے کہ جب میرا دل چاہے، میں حاضری دے دیا کروں۔ پھر ساری ذمہ داری مجھ پر چھوڑ دی جائے۔ میں سمجھتا ہوں، اس کے بعد آپ کو شکایت نہیں ہوگی۔"

"وہ غلط نہیں کہہ رہا۔" تائی جان نے پہلی بار زبان کھولی۔

"اور میں جانتا تھا کہ تائی جان میری وکالت کریں گی اور مجھے، سائرہ صاحبہ کی اس ڈانٹ ڈپٹ سے بچالیں گی۔" میں نے خوش مزاجی سے کہا۔ سائرہ بھی مسکرانے لگی۔

"ویسے آپ ہیں بہت چالاک۔ مجھے اس بات کا بخوبی اندازہ ہوگیا۔ آپ نے ذرا سی دیر میں مما جیسی سخت مزاج خاتون کو اپنی مٹھی میں لے لیا ہے۔"

"نہیں، ایسی کوئی بات نہیں ہے، سائرہ! اگر کوئی دل سے کسی کا احترام کرتا ہے تو جس کا احترام کیا جاتا ہے، اس کے دل پر اثر ضرور ہوتا ہے۔ مجھے خوشی ہے کہ تائی جان مجھے سمجھ چکی ہیں۔"

ماحول ایک دم بہت اچھا ہوگیا۔ لیکن جتنی دیر میں وہاں رہا، تائی جان کی باتوں میں تایا ابو اور دادی اماں کے سلسلے میں زہریلا پن ہی محسوس ہوا۔ اُن کا مزاج خاصا بُرا تھا اور مجھے اس کا بخوبی اندازہ ہو رہا تھا۔

خاطر مدارات ہوئی، بہت سی باتیں ہوئیں۔ مجھے حکم دیا گیا کہ میں ہر دوسرے تیسرے دن حاضری دیا کروں۔ سب کی خیریت پوچھی گئی۔ قیصر خان کو باہر ہی کھڑا رکھا گیا تھا۔ مجھے اُس کے ساتھ ہی آنا تھا۔ تھوڑی دیر کے بعد میں وہاں سے رخصت ہوگیا۔

ایک خوشگوار سی کیفیت کا احساس ہوا تھا۔ یہ ہمارے دل کی طلب تھی۔ صرف میری تنہا

نہیں، ماما، دانیہ، سرفراز بھائی، سب پاکستان میں اپنے اہلِ خاندان سے ملنا چاہتے تھے۔ یہ الگ بات ہے کہ تکلیف دہ حالت میں ہم یہاں پہنچے۔ اگر اچھے حالات میں آتے تو بہت ہی لطف آتا۔ لیکن اب بھی بُرا نہیں لگ رہا تھا۔

گھر پہنچا اور گھر کے معمولات کو معمول کے مطابق پایا۔ کوئی بھی ایسی بات نہیں تھی، جو پریشان کن ہو۔ رات کو سرفراز بھائی سے بات ہوئی تو انہوں نے بتایا کہ تین چار دن میں ان کا کام ختم ہو جائے گا اور وہ واپس آجائیں گے۔

میں نے یہ خوشخبری، ماما اور دانیہ کو سنائی تو وہ بہت زیادہ خوش ہوگئیں۔ تایا ابو سے بھی بات ہوئی، لیکن سب کی سب رواروی والی باتیں تھیں۔ تایا ابو نے میری دن بھر کی مصروفیات کے بارے میں پوچھا تو میں نے اُنہیں مختصراً بتایا کہ بس، ایسے ہی گھومتے نکل گیا تھا، کوئی خاص بات نہیں تھی۔

رات کو اپنے کمرے میں آکر سویا۔ یہ ایک بڑی حقیقت تھی کہ اس کمرے میں جب بھی داخل ہوا، دل کو ایک عجیب سی وحشت کا احساس ہوا تھا۔ لیکن میں بھی نڈر تھا، ہر طرح کے احساس کو نظر انداز کر دیتا تھا۔ مجھے کورنی کا کوئی خوف ہوتا تھا، نہ ہی کسی اور کا۔ آج بھی لباس تبدیل کر کے آرام سے لیٹ گیا۔ مجھے نیند آگئی اور میں گہری نیند سو گیا۔

پھر میں نے ایک خواب دیکھا۔ میں نے دیکھا کہ میں، قیصر خان کے ساتھ کار میں جا رہا ہوں۔ قیصر خان اپنی مرضی سے مجھے کہیں لے جا رہا ہے۔ لیکن جہاں وہ مجھے لے کر گیا ہے، وہ جگہ بالکل اجنبی ہے۔

میں اِدھر اُدھر دیکھتا ہوں۔ قیصر خان، کافی دیر تک مجھے گھمانے کے بعد واپس گھر لے آتا ہے۔ جب میں گھر میں داخل ہوتا ہوں تو دیکھتا ہوں کہ برآمدے میں، جہاں قیصر خان کی رہائش ہے، مرشد بیٹھے ہوئے ہیں۔ وہی بزرگ، جن سے قیصر خان نے مجھے، اُن کی رہائش گاہ پر ملایا تھا۔

وہ ہاتھ میں تسبیح لئے کچھ پڑھ رہے ہیں، پھر تسبیح پر پھونکتے ہیں اور میری طرف رُخ کر کے کہتے ہیں کہ شہاب! تم پر ایک مشکل آنے والی ہے۔ میں جا رہا ہوں، کل تم میرے پاس آجانا۔ اگر میں اپنی رہائش گاہ پر نہ ملوں تو تم اندر داخل ہو جانا۔ وہاں ایک طاق میں کچھ کتابیں رکھی ہوئی ہیں۔ اُن میں سے ایک کتاب کے اندر دو تعویذ میں نے تمہارے لئے رکھ دیئے ہیں۔ انہیں احتیاط سے اپنے ساتھ لے آنا اور شام کو جب سورج چھپنے لگے اور فضا میں مدھم اُجالے ہوں تو اُنہیں جلا دینا۔ وہ راکھ ہو جائیں، تب اُن کے پاس سے ہٹنا۔ یہ بہت ضروری ہے۔ ان شاء اللہ! آنے والی مشکل ٹل جائے گی۔

میں، ایک دم چونک کر جاگ گیا تھا اور اِدھر اُدھر دیکھنے لگا تھا۔ مجھے فوراً ہی احساس ہو گیا تھا کہ میں نے کوئی خواب دیکھا ہے۔ لیکن مرشد کو خواب میں دیکھنا، اُن کی طرف سے کسی ہدایت کا ملنا میرے لئے بڑا سنسنی خیز تھا۔ میں نے دل میں فیصلہ کرلیا تھا کہ میں، قیصر خان کو لے کر مرشد کے پاس ضرور جاؤں گا۔

❀

دوسری صبح معمول کے مطابق آنکھ کھل گئی تھی۔ میں، معمول کے مطابق چہل قدمی کرنے کے بعد قیصر خان کے پاس پہنچ گیا۔ اُس نے مجھے سلام کیا تو میں نے جواب دے کر اُس سے ہاتھ ملایا اور پلنگ پر بیٹھ گیا۔ قیصر خان کچھ مضطرب سا نظر آ رہا تھا۔ چائے بنا کر مجھے دی اور اس کے بعد میرے سامنے اسٹول پر بیٹھ گیا اور چائے کو پھونک پھونک کر اس کے گھونٹ لینے لگا۔ میں نے اُس سے کہا۔

"کیا بات ہے، قیصر خان! چہرہ کچھ اُترا اُترا سا ہے۔ طبیعت تو ٹھیک ہے؟"

"جی صاحب! اللہ کا فضل ہے۔ آپ سے کچھ بولنا چاہتا ہوں۔"

"ہاں، ہاں...... کہو، پوچھنے کی کیا بات ہے؟" میں نے چائے کا گھونٹ لے کر کہا۔

"رات کو عجیب واقعہ ہوا ہے، صاب! صبح چار یا ساڑھے چار بجے کا وقت ہو گا، ہم نماز کے لئے اُٹھنے ہی والا تھا کہ ہمیں مرشد کا آواز سنائی دیا۔ مرشد میرے کو بولتا تھا کہ قیصر خان! میرے پاس آؤ۔ پہلے جب ہمارے کو اُس کا آواز سنائی دیا تو ہم نے سوچا کہ ہم نے خواب دیکھا ہے۔ پر ہمرا آنکھ کھل گیا، تب بھی ہمارے کو مرشد کا آواز سنائی دیا۔ وہ بولتا تھا کہ قیصر خان! ہمارے پاس آؤ۔ ایسا کبھی نہیں ہوا، صاب! سچا بات یہ ہے کہ ہم تو چل پڑتا۔ پر ہم نے سوچا کہ صبح آپ سے بولے گا اور آپ سے اجازت مانگے گا۔"

میں دنگ رہ گیا تھا۔ قیصر خان کا یہ انکشاف میرے خواب جیسا تھا۔ میں نے فوراً ہی قیصر خان سے کہا۔

"قیصر خان! میں نے بھی رات کو تقریباً ہوش کے عالم میں خواب دیکھا ہے۔ میں بھی مرشد کے پاس جانا چاہتا ہوں۔"

"صاب! پتہ نہیں کیوں، میرا دل بولتا ہے کہ مرشد نے بلاوجہ ہم لوگ کو آواز نہیں دیا ہو گا۔"

"تم تیاری کر لو، چلتے ہیں۔" میں نے کہا اور جلدی جلدی چائے کے بڑے گھونٹ لے

کر پیالی خالی کی اور اس کے بعد واپس پلٹ پڑا۔

دانیہ سو رہی تھی، لیکن ماما جاگ رہی تھیں۔ وہ باقاعدہ نماز کی عادی تھیں اور نماز پڑھنے کے بعد سو جایا کرتی تھیں۔ پھر ناشتے کے وقت جاگتی تھیں۔ ابھی وہ سوئی نہیں تھیں۔ مجھے دیکھا اور بولیں۔

''خیریت...... کوئی خاص بات ہے، کیا؟''

''ہاں، ماما! وہ، قیصر خان کے ایک عزیز یہاں ہوتے ہیں۔ واہگہ کے پاس رہائش ہے اُن کی۔ وہ کچھ بیمار ہیں۔ میں، قیصر خان کے ساتھ جا رہا ہوں۔''

''ٹھیک ہے، بیٹا! مدد کی ضرورت ہو تو اُن کی مدد ضرور کرنا۔'' ماما نے کہا اور میں لباس تبدیل کرنے باہر چلا گیا۔ باہر آیا تو قیصر خان گاڑی کی صفائی وغیرہ کر چکا تھا اور گاڑی کے پاس کھڑا ہوا تھا۔ اُس نے جلدی سے میرے لئے دروازہ کھولا اور پھر کار اسٹارٹ کر کے آگے بڑھا دی۔

راستے میں ہم دونوں خاموش رہے تھے۔ سمن آباد سے واہگہ تک کا راستہ کافی ہے، لیکن سڑکیں سنسان تھیں۔ اِکا دُکا ٹریفک چل رہا تھا، چنانچہ ہم نے خاصی تیز رفتاری سے یہ فاصلہ طے کیا اور پھر اس جگہ پہنچ گئے، جہاں سے تھوڑے فاصلے پر مرشد کی رہائش گاہ تھی۔

دُور ہی سے اندازہ ہو گیا کہ کچھ ہوا ہے۔ کیونکہ بارہ پندرہ افراد وہاں جمع تھے۔ سب کی نگاہیں ہماری جانب اُٹھ گئیں۔ قیصر خان نے کار روکی۔ میں پھرتی سے دروازہ کھول کر باہر نکل آیا اور ہم دونوں تیز تیز قدموں سے اُن لوگوں کی جانب بڑھ گئے۔

''کیا ہوا؟...... کیا بات ہے؟''

''بابا صاحب کا انتقال ہو گیا۔'' اُن میں سے ایک نے بتایا۔ یہ سن کر ہم دونوں سکتے میں رہ گئے۔ کچھ لمحے تو ہم بول ہی نہیں سکے۔ میری نگاہیں بار بار مرشد کی جھونپڑی کی جانب اُٹھ رہی تھیں۔ آخر کار قیصر خان نے پوچھا۔

''کب ہو گیا، انتقال؟...... کیسے ہو گیا؟''

''بس، قضائے الٰہی سے فوت ہو گئے۔ صبح کو جب معمول کے مطابق اپنے جھونپڑے سے باہر نہیں نکلے تو فرید خان اندر چلا گیا۔ صبح کی چائے لے کر جاتا تھا وہ ہمیشہ۔ اندر اُس نے بابا صاحب کی لاش کو دیکھا۔ زمین پر پڑی ہوئی تھی۔ اُس نے باہر آ کر سب کو خبر کی تو ہم لوگوں نے اندر جا کر لاش کو پلنگ پر ڈالا۔ لگتا تھا، کوئی تکلیف ہو گیا۔'' ایک سیدھے سادے دیہاتی نے تفصیل بتائی۔

''کیا وہ بیمار ہو گئے تھے؟ کچھ طبیعت خراب تھی؟''

''نہیں...... رات کو دودھ والے کی دکان پر بیٹھے ہوئے تھے اور بالکل ٹھیک ٹھاک تھے۔''

''آؤ!'' میں نے قیصر خان سے کہا اور ہم دونوں اندر داخل ہو گئے۔

مرشد کی لاش، پلنگ پر پڑی ہوئی تھیں اور اُن کے اوپر ایک چادر ڈال دی گئی تھی۔ میں نے اُن کا چہرہ کھول کر دیکھا، ایک پُرسکون مسکراہٹ اُن کے لبوں پر کھیل رہی تھی۔ میں نے چادر اُتار کر اُن کے پورے بدن کا جائزہ لیا۔ باہر سے دو افراد اور اندر آ گئے تھے۔ پوری طرح یہ اندازہ لگانے کے بعد کہ اُن کے جسم پر کوئی زخم وغیرہ نہیں ہے، میں نے چادر دوبارہ اُن کے جسم پر ڈال دی۔ پھر میری دزدیدہ نگاہیں اُس طاق کو تلاش کرنے لگیں، جس کا حوالہ مرشد نے دیا تھا اور یہ دیکھ کر میں نے ایک گہری سانس لی کہ طاق پر کتابیں رکھی ہوئی تھیں۔

کم از کم، یہاں تک تو میرا خواب درست ثابت ہوا تھا۔ مرشد نے کہا تھا کہ اگر میں کہیں چلا جاؤں گا تمہیں نہ ملوں تو ان کتابوں میں تعویذ تلاش کر لینا۔ مرشد چلے بھی گئے تھے اور کتابیں بھی موجود تھیں، لیکن اس وقت دو افراد سامنے تھے، اس لئے کتابوں کو تلاش کرنا غیر مناسب عمل تھا۔ لیکن یہ کام پہلی فرصت میں کرنا تھا۔ میں باہر نکل آیا اور لوگوں سے کہا۔

''بابا صاحب کی تدفین کے لئے، کسی کا انتظار تو نہیں کرنا؟''

''نہیں صاحب! اکیلے آدمی تھے۔ ان کا کوئی رشتے ناتے دار نہیں ہے۔ تدفین جتنی جلدی ہو جائے، اچھا ہے۔ مگر صاحب! ہم غریب لوگ ہیں۔ کفن دفن کا انتظام......''

''نہیں، ایسی کوئی بات نہیں ہے۔ وہ ہمارے بھی مرشد تھے۔ آپ میں سے کچھ افراد، قیصر خان کے ساتھ چلے جائیں اور ضرورت کی تمام چیزیں لے آئیں۔ ایک شامیانہ بھی لگوا دیا جائے۔ آپ، براہِ کرم یہ سارے انتظامات سنبھال لیجئے۔ میں مرشد کی لاش کے پاس بیٹھا ہوا ہوں۔'' میں نے کہا اور قیصر خان کو الگ بلا کر اُسے اچھی خاصی رقم دے دی۔

قیصر خان کی آنکھیں ڈبڈبائی ہوئی تھیں۔ اُس نے رقم لی اور چلا گیا۔ میں تھوڑی دیر تک باہر کھڑا رہا۔ قیصر خان، تین آدمیوں کے ساتھ کار میں بیٹھ کر چلا گیا تھا۔ میں نے باقی لوگوں سے کہا۔

''یہ پیسے رکھ لیجئے، مجھے یہاں کے بارے میں کچھ معلومات نہیں ہے۔ کسی مناسب جگہ، جہاں مرشد کی خواہش ہو، قبر کا بندوبست کیجئے۔ قبرستان آس پاس ہی موجود ہے، کیا؟''

''جی، صاحب! ہم چلے جاتے ہیں۔'' ایک شخص نے کہا۔ تقریباً تمام ہی لوگ انتظامات کے لئے چلے گئے تھے۔ میں اندر داخل ہو گیا۔ میں نے ایک بار پھر مرشد کے چہرے سے

چادر ہٹا کر اُن کا پُر نور چہرہ دیکھا اور میرے منہ سے آواز نکلی۔

''میری، آپ سے ملاقاتیں نہ ہونے کے برابر ہیں، مرشد! لیکن آپ نے جس طرح میری رہنمائی کی اور جس محبت سے مجھے اپنائیت کے ساتھ جگہ دی، اس کے لئے میں، آپ کا بے حد شکر گزار ہوں۔ اللہ تعالیٰ آپ کی مغفرت فرمائے۔''

یہ کہہ کر میں نے اُن کا چہرہ ڈھک دیا اور پھر میں تیز رفتاری سے ان کتابوں کی جانب بڑھ گیا۔

میں نے جلدی جلدی کتابوں کو ٹٹولا تو ایک کتاب سے مجھے دو تعویذ مل گئے۔ میں نے اُنہیں احترام کے ساتھ اپنی اندرونی جیب میں رکھ لیا۔ ان کے بارے میں مرشد نے خواب کے عالم میں جو ہدایات دی تھیں، وہ مجھے یاد تھیں۔ تعویذ جیب میں رکھے ہی تھے کہ باہر سے دو آدمی اندر داخل ہو گئے۔

''ہم، چارپائیاں لے آئے ہیں۔ آپ چاہیں تو باہر آ کر بیٹھیں۔ میت کے غسل کا انتظام سامنے والی مسجد میں ہو جائے گا۔ اللہ رکھا بات کرنے گیا ہے۔ ابھی تو نمازیوں کو پتہ نہیں چلا۔ بابا صاحب اسی مسجد میں نماز پڑھتے تھے اور سب اُن کا احترام کرتے تھے۔ مسجد سے ابھی تھوڑی دیر کے بعد اعلان ہو جائے گا۔''

''ٹھیک ہے۔'' میں نے کہا اور اس کے بعد باہر آ کر ایک چارپائی پر بیٹھ گیا۔ تھوڑی دیر کے بعد مسجد سے اعلان شروع ہو گیا۔ اتنی دیر میں شامیانے والے آ گئے تھے۔ ایک بڑا سا شامیانہ لگا کر دریاں بچھا دی گئیں۔ غرضیکہ تمام کام معمولات کے مطابق ہوتے رہے۔

نمازِ جنازہ ظہر کے بعد پڑھائی گئی اور اس کے بعد مرحوم کی میت تدفین کے لئے قبرستان لے جائی گئی۔ فاتحہ خوانی کے بعد میں نے ایک بزرگ کو بلایا، جو اس مسجد کے مؤذن بھی تھے۔ میں نے اُنہیں رقم دیتے ہوئے کہا۔

''جناب! کل قُل کے لئے بندوبست کر لیجئے گا۔ اور یہ شام کا کھانا، فاتحہ خوانی وغیرہ کے لئے۔''

''جزاک اللہ! آپ، خود شریک نہیں ہوں گے؟''

''کل، قُل میں آ جاؤں گا۔ آج اجازت دے دیجئے۔''

''بہت بہتر...... بہت بہتر۔''

''قیصر خان! تم رُکنا چاہو تو رُک جاؤ، میں خود کار ڈرائیو کر کے جاؤں گا۔ راستہ مجھے یاد ہو گیا ہے۔''

''نہیں، صاب! کل آپ کے ساتھ ہی آ جاؤں گا۔'' قیصر خان نے جواب دیا۔

بہت مغموم تھا۔ راستے میں بولا۔

''آپ نے مرشد کی موت کے بارے میں کیا سوچا، صاب؟ وہ ایک تندرست آدمی تھے۔ اُن کا ایک دم موت کیسے واقع ہو گیا؟''

''کیا کہا جا سکتا ہے، قیصر خان!'' میں نے مختصراً کہا۔ قیصر خان کو تعویذوں کے بارے میں، میں نے کچھ نہیں بتایا تھا۔

پھر ہم گھر پہنچ گئے۔ کوئی خاص بات نہیں تھی۔ ماما کو بھی اس بارے میں کچھ بتانا بے مقصد ہی تھا۔ یہ تو معاملہ ہی دوسرا چل رہا تھا۔ بہرحال، شام ہو گئی تھی۔ تایا ابو، حرا، سلطانہ، دانیہ، سب مطمئن تھے۔ میں، رات کا انتظار کرتا رہا۔

پھر جب شام، رات میں تبدیل ہو گئی تو میں، ماچس اور موم بتی لے کر اس دوسرے حصے کی جانب چل پڑا، جو ہمارے لئے مخصوص کیا گیا تھا اور ہمارا خاصا سامان وہاں پہنچ گیا تھا۔ لیکن ہمارے وہاں منتقل ہونے کی نوبت نہیں آئی تھی۔

میں، دروازے سے اندر داخل ہو گیا اور پھر ایک جگہ منتخب کر کے وہاں رُک گیا۔ میں نے موم بتی جلائی، وہ تعویذ نکالے، اُن کے رول بنائے، پھر دونوں کو اکٹھا کر کے میں نے ماچس سے ان کے سروں کو آگ لگا دی۔ لیکن جیسے ہی میں نے تعویذ میں آگ لگائی، اچانک ہی ایک بھیانک چیخ میرے پیچھے گونجی۔ اُس نے میرے کان پھاڑ دیئے تھے۔

اس کے بعد دوسری، دوسری کے بعد تیسری چیخ۔ پھر اس کے ساتھ ہی کسی نے بڑی طاقت سے میرے ہاتھ پر ہاتھ مارا اور دونوں تعویذ میرے ہاتھ سے نکل گئے۔

دو ہاتھوں نے ان تعویذوں کو اُٹھایا اور انہیں اپنی ہتھیلی میں مسلنے لگے۔ یہ صرف ہاتھ تھے، ان ہاتھوں کی ڈائریکشن ایسی تھی، جیسے یہ کسی جسم سے جڑے ہوئے ہوں۔ لیکن اس جسم کا کوئی نام و نشان نظر نہیں آ رہا تھا۔ میں وحشت زدہ انداز میں کھڑا ہو کر پیچھے دیکھنے لگا۔

میں نے ایک ہولناک وجود کو بری طرح تڑپتے دیکھا۔ یہ گورتی تھی، جو دونوں ہاتھوں سے اپنا چہرہ مسل رہی تھی اور چیخنے کی آوازیں اُسی کے حلق سے بلند ہو رہی تھیں۔

میں، جلدی سے پیچھے ہٹ کر دیوار سے جا لگا اور میری نگاہیں اُن دونوں ہاتھوں پر جم گئیں، جنہوں نے تعویذوں کے سرے، بجھا دیئے تھے۔ اور اس کے بعد ایک وجود نمودار ہو گیا۔ انسانی وجود ہی تھا، لیکن ذرا مختلف انداز کا۔ اُس کے چہرے پر بے پناہ خشونت تھی۔ دونوں تعویذ اُس کے ہاتھوں میں دبے ہوئے تھے اور وہ کینہ توز نگاہوں سے مجھے گھور رہا تھا۔

میرے ذہن میں فوراً اُس کا نام بھی آ گیا۔ اُس دن، جب مجھے اُس تہہ خانے میں پکڑ

کر لے جایا گیا تھا، یہ شخص وہاں موجود تھا اور اُس کا نام خراتون لیا گیا تھا۔ گورنی، چہرہ ک
رہی، پھر اُس نے اپنے چہرے سے دونوں ہاتھ ہٹا کر مجھے دیکھا تو میں نے دیکھا کہ اُس کا
چہرہ کافی جلا ہوا ہے۔ یہ چہرہ تازہ تازہ جلا تھا اور گورنی تکلیف کا شکار نظر آ رہی تھی۔

میں حیرت سے اُسے دیکھنے لگا۔ پھر میں نے کہا۔ "یہ کیا ہو گیا؟ تمہارا چہرہ کیسے بگ
گیا، گورنی؟"

"فنا ہو جائے گا تُو...... تُو دیکھ لینا، کتے کی موت مر جائے گا تُو۔ ختم ہو جائے گا
تُو...... خراتون! تم ہماری حفاظت نہیں کر سکے، ہمارا اعتبار تم پر سے ختم ہو گیا ہے۔ یہ حاجی
صاحب کے زیر اثر من مانی کر رہے ہیں اور تم خاموش ہو۔ تم کچھ نہیں کر رہے۔ ہائے، دیکھ
لو! مجھ پر ظلم کے ڈونگے برسائے جا رہے ہیں، مجھ پر مظالم توڑے جا رہے ہیں...... ہائے
میرا چہرہ دیکھ لو۔ جلا دیا اس نے، مجھے۔"

خراتون ایک قدم آگے بڑھ آیا اور خونی نگاہوں سے مجھے گھورتے ہوئے بولا۔

"کیوں ہماری دشمنی مول لے رہے ہو تم؟ کیوں ہمیں مجبور کر رہے ہو کہ ہم، حاجی
صاحب سے بغاوت کر ڈالیں۔ نہیں، حاجی صاحب! ہم سے بات کریں...... یہ کیا ہو رہا
ہے؟ آپ نے وعدہ کیا تھا کہ ہم اچھے پڑوسیوں کی طرح رہیں گے۔ ان انسانوں سے ہٹ کر
فاصلہ ہو گا، رکھیں گے۔ آپ نے اپنے تو رشتے نبھائے، لیکن ہمارے رشتوں کے ساتھ یہ کیا
سلوک ہو رہا ہے، حاجی صاحب؟ ہم، آپ کا بڑا احترام کرتے ہیں، لیکن ہمارا بھی گھرانہ
ہے، ہمارے بھی رشتے ہیں، ہم بہت عزت کرتے ہیں، آپ کی۔ لیکن ہمارے اس دشمن کو
دیکھئے، یہ عالموں سے تو ہمارے خلاف مدد لیتا پھر رہا ہے۔ ہمیں نقصان پہنچا رہا ہے۔ حاجی
صاحب! اگر یہ تعویذ جل گئے ہوتے تو گورنی ختم ہو جاتی۔ آخر کیوں؟...... آخر کیوں؟"

خراتون کی ہولناک آواز فضا میں اُبھر رہی تھی اور میرے بدن میں سرد لہریں دوڑ رہی تھیں۔
ایک انوکھی سی کیفیت مجھ پر مسلط ہو گئی تھی۔ گورنی بدستور ایک گوشے میں بیٹھ کر رو رہی
تھی۔ اس نے دونوں ہاتھوں سے چہرہ چھپایا ہوا تھا اور اُس کے منہ سے نکل رہا تھا۔

"ہائے، میں مر گئی...... ہائے، ہم پر مظالم کی انتہا کر دی گئی...... ہائے، میری بچی اجاڑ
دی اس نے۔ اور کیا کرے گا یہ؟ ہائے، کوئی ہمارا بھی پرسان حال ہو۔ حاجی صاحب! مجھے
جواب چاہئے، میرے ساتھ انصاف کرو۔ ورنہ میں فیصلہ کر چکی ہوں کہ کچھ کر کے رہوں گی
اور جو کروں گی میں، وہ برا ہو گا۔ میرا انصاف کرو، حاجی صاحب! میرا انصاف کرو۔"

میں عجیب سی اُلجھن کا شکار ہو گیا تھا۔ وہ جس طرح بین کر رہی تھی، اس سے میں
متاثر تھا۔ مجھے نہیں معلوم تھا کہ وہ تعویذ گورنی کو نقصان پہنچانے کے لئے تھے۔ اسی وقت

خراتون آگے بڑھا اور اُس نے گورنی کا ہاتھ پکڑ کر اُٹھاتے ہوئے کہا۔

"چل گورنی! بات کریں گے، حاجی صاحب سے۔ اب ایسا بھی اندھیر نہیں ہو رہا کہ
کوئی ہمیں مٹانے پر تلا ہوا ہے اور ہم شرافت برتتے رہیں۔ چل، میرے ساتھ۔" یہ کہہ کر
خراتون، گورنی کو لے کر باہر نکل گیا۔ تعویذ وہ ساتھ ہی لے کر چلا گیا تھا۔

میں خاموش کھڑا سوچوں میں ڈوبا رہا، کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا کہ میں کیا کروں؟ گھر
والوں کو اعتماد میں لینے کے لئے بار بار منع کیا جا رہا تھا۔ اس گھر سے جانے کے لئے منع کیا
جا رہا تھا۔ کس کی بات مانوں، کس کی نہ مانوں۔ ابھی تک میں نے کسی کو اپنا راز دار نہیں بنایا
تھا، سوائے مرشد کے۔ اور مرشد نے اپنے آپ کو اس سلسلے میں الگ رکھنے کی کوشش کی تھی۔
اُنہوں نے مجھے کچھ بتانے سے گریز کیا تھا اور کہا تھا کہ وہ اس سلسلے میں بہت زیادہ نہیں
جانتے، لیکن نجانے کیوں، اُنہوں نے گورنی کو ہلاک کرنے کے لئے یہ تعویذ مجھے دیئے
تھے۔

یقیناً اس کے علاوہ اور کیا سوچا جا سکتا تھا۔ میں نے عملی طور پر بھی اس کا مظاہرہ دیکھ لیا
تھا۔ اس کے علاوہ یہ بھی کہا گیا تھا مجھ سے کہ میں عالموں سے مدد لے رہا ہوں۔ گویا مرشد
کی موت قدرتی نہیں تھی، بلکہ اُنہیں مار دیا گیا تھا۔

بہرحال، کوئی فیصلہ کرنا مشکل ترین کام تھا۔ اب پانی سر سے اونچا ہوتا جا رہا تھا۔ کم از کم
گھر والوں کو مجھے اعتماد میں لینا تھا، ورنہ اگر اسی گھر میں قیام رہا تو کہیں کوئی مشکل پیش نہ آ
جائے۔ بے شک قدرت نے مجھے نڈر بنایا اور ان پُراسرار واقعات کے باوجود ابھی تک مجھ
پر خوف مسلط نہیں ہوا تھا۔ بے شک، بہت ساری باتیں متاثر کرتی تھیں، لیکن دل میں
دہشت بیدار نہیں ہوئی تھی۔ پتہ نہیں، یہ قدرتی عمل تھا یا پھر مجھے اتنا حوصلہ دیا گیا تھا کہ میں
ان ساری کیفیتوں کو برداشت کر سکوں۔ یہ سوچیں خاصی رات تک دامن گیر رہی تھیں۔

دوسری صبح معمول کے مطابق آنکھ کھلی۔ قیصر خان بڑا افسردہ تھا۔ اُس نے چائے تیار کر
کے رکھی تھی۔ میں نے اُس سے کہا۔

"کیا کہتے ہو، قیصر خان! کس وقت چلنا ہے؟"

"بس، اگر یہاں کچھ تھوڑا بہت کام ہوا تو کر لیں گے اور اس کے بعد چلیں گے۔"

دن کو کوئی ساڑھے دس بجے ہم لوگ گھر سے باہر نکل آئے اور اس کے بعد قبرستان
چل پڑے۔ سب سے پہلے قبرستان پہنچے۔ یہ دیکھ کر ایک عجیب سا اثر دل پر ہوا کہ اس وقت
بھی قبرستان میں بہت سے لوگ، مرشد کی قبر کے گرد جمع تھے۔ فاتحہ خوانی وغیرہ ہو رہی تھی۔
ہم بھی اُن لوگوں میں شامل ہو گئے۔

ہمیں خاص طور سے پذیرائی دی گئی۔ کیونکہ بہت سے ایسے جاننے والے موجود تھے جنہوں نے مرشد کی تدفین کے سلسلے میں ہماری خاص توجہ دیکھی تھی۔ بہر حال، انہی لوگوں کے ساتھ ہم واپس مرشد کی قیام گاہ پہنچ گئے، جہاں قُل کا بندوبست کیا گیا تھا۔ ان سارے معاملات سے نمٹ کر شام کو پانچ بجے واپسی ہوئی۔

گھر واپس پہنچا تو ٹھیک ساڑھے پانچ بجے سرفراز بھائی کا فون موصول ہوا۔ اس وقت ماما، دانیہ، تایا ابو، حرا اور سلطانہ وغیرہ بھی میرے پاس موجود تھیں اور ہم لوگ چائے کا انتظار کر رہے تھے کہ سرفراز بھائی کا فون میرے فون پر موصول ہوا۔

"ہاں، بھائی! ساڑھے آٹھ بجے پہنچ رہا ہوں۔ تم لوگ ایئرپورٹ آ جانا۔"

"ٹھیک ہے، بھائی جان! فلائٹ نمبر وغیرہ؟" میں نے پوچھا تو سرفراز بھائی نے فلائٹ نمبر بتایا اور رسمی گفتگو کے بعد فون بند کر دیا۔

ایک دم سے سب خوش ہو گئے تھے۔ سرفراز بھائی کی کمی بڑی شدت سے محسوس ہو رہی تھی۔ بہر حال، ہم دونوں گاڑیوں میں ایئرپورٹ پہنچے۔ تایا ابو بہت کم گھر سے نکلتے تھے، لیکن وہ بھی بچوں کی طرح ہمارا ساتھ دے رہے تھے اور ہمارے اچھے برے میں شریک ہوتے تھے۔

سرفراز بھائی مقررہ وقت پر واپس پر پہنچ گئے۔ بہت اچھی صحت ہو رہی تھی اُن کی اور بہت ہی پیارے نظر آ رہے تھے۔ ہم سب گلے ملے اور سرفراز بھائی کو لے کر گھر واپس آ گئے۔ حمیدہ نے رات کے کھانے کی تیاریاں کر لی تھیں۔ کھانے میں اہتمام برتا گیا تھا۔

سرفراز بھائی نے کھانے کی تعریف کرتے ہوئے کہا۔

"یہ حمیدہ، بہت اچھا کھانا پکاتی ہے۔ سچی بات یہ ہے کہ وہاں سب کچھ تھا، لیکن اپنے کھانے کا مزہ نہیں تھا۔ ویسے تو بحرین میں ہی زندگی گزاری، لیکن یہاں جتنے دن بھی گزرے، کم از کم، کھانے کا لطف آ گیا۔"

"بیٹا! اب یہ بتایئے، آپ کہ سارے معاملات طے کر آئے ہیں یا آپ کو واپس بھی جانا ہوگا؟ اصل میں آپ کا جانا، اب بالکل اچھا نہیں لگتا۔" تایا ابو نے کہا۔

"نہیں، تایا ابو! بس، سارے معاملات نمٹا کر آیا ہوں۔ بڑا تعاون کیا ان لوگوں نے۔ پاپا کے تمام حسابات وغیرہ ادا کر دیئے گئے ہیں۔ ویسے تو اللہ تعالیٰ کا احسان ہے کہ یہاں ہمارے لئے بہت کچھ ہے، لیکن بہر حال، ان لوگوں نے اپنا فرض بخوبی سرانجام دیا ہے"

سرفراز بھائی ایسے لوگوں کے بارے میں بتانے لگے، جن سے ہماری وہاں شناسائی تھی۔

رات کو تمام معمولات سے فراغت حاصل کر کے سرفراز بھائی، ماما کے کمرے میں بیٹھ

...حرا اور سلطانہ سونے کے لئے چلی گئی تھیں۔ ویسے بھی اُنہوں نے ہمیں خاص طور سے ...تائی کا موقع دیا تھا اور ہم پر مسلط نہیں رہی تھیں۔ سرفراز بھائی پوچھنے لگے۔

"ہاں بھئی! اب یہ بتاؤ، یہاں کے معاملات کیسے رہے؟ کوئی خاص بات تو نہیں ہوئی؟"

"کوئی خاص بات نہیں ہوئی، بھائی جان! سوائے اس کے کہ تائی اماں سے کئی ملاقاتیں ہو چکی ہیں۔"

"یار! میں وہاں بیٹھ کر یہ سوچتا رہا تھا کہ ہمیں بہر حال اپنے وطن میں اپنی جگہ بنانی ہے اور جو لوگ یہ بات کہتے ہیں کہ رشتے داروں کی کوئی ضرورت نہیں ہوتی، وہ احمق ہوتے ہیں۔ رشتوں کی ضرورت تو صدیوں سے قائم ہے اور قائم رہے گی۔ چلو پھر، مجھے بھی تائی اماں سے ملاؤ۔ ویسے ایک بات بتاؤ، تایا ابو نے اس سلسلے میں کوئی اعتراض تو نہیں کیا؟ حالانکہ یہ بات میرے علم میں ہے کہ تائی اماں سے ان کے تعلقات اچھے نہیں ہیں۔"

"نہیں۔ تایا ابو نے کوئی اعتراض نہیں کیا۔ لیکن تائی اماں کا رویہ تایا ابو کے ساتھ بالکل اچھا نہیں ہے۔"

"ابھی جلد بازی نہیں کریں گے، لیکن کوشش کریں گے کہ منتشر خاندان پھر سے یکجا ہو جائے۔ کم از کم لوگ ایک دوسرے سے ملنا جلنا شروع کر دیں۔ تو پھر کب لے چل رہے ہو مجھے، تائی اماں کے پاس؟"

"کل ہی، بھائی جان! ویسے بھی، میں نے اُن سے کہا تھا کہ جب سرفراز بھائی آ جائیں گے تو ہم، آپ سے ملنے کے لئے آئیں گے۔"

"ماما! آپ بھی چلیں، چھوڑیں ان سارے چکروں کو۔ ہمیں اپنے اصول بنانے ہیں۔ دوسروں کے اصولوں پر چل کر کیا کریں گے۔ تائی اماں اگر یہاں نہیں آتیں تو نہ آئیں۔"

"وہ کچھ تعویذ گنڈوں کی قائل معلوم ہوتی ہیں۔ درس و تدریس بھی کرتی ہیں، اپنے آپ کو عالم بنایا ہوا ہے اُنہوں نے، بلکہ ایک پُرغرور عالم۔ جو اچھی بات نہیں ہے۔"

دوسرے دن تیاریاں کی گئیں۔ تایا ابو سے پوچھا گیا تو نے اُنہوں نے بدستور سرد لہجے ...کہا۔

"بھئی دیکھو! میرا تم لوگوں پر قبضہ تو نہیں ہے، نہ میں یہ چاہتا ہوں کہ تم، میری وجہ سے اپنے معمولات متاثر کرو۔ تمہارا دل چاہتا ہے تو وہاں ضرور جاؤ، ظاہر ہے، وہ بڑے ...کی بیگم ہیں۔ بس، اتنا کہوں گا کہ خطرناک خاتون ہیں۔ کسی جال میں گرفتار نہ ہو

جانا۔"

"نہیں، تایا ابو! ہم ہر حالت میں آپ کے احکامات کی تعمیل کرتے رہیں گے۔ آپ بالکل بےفکر رہیں۔"

"ٹھیک ہے۔"

ہم لوگ تائی اماں کے گھر پہنچ گئے۔ میں نے سائرہ کو اطلاع دے دی تھی۔ بہرحال تائی اماں نے اپنی شاندار کوٹھی کے بیرونی حصے میں ہم چاروں کا استقبال کیا۔ ماما، دانیہ اور خاص طور سے سرفراز بھائی سے وہ بہت اچھی طرح سے ملیں، انہیں گلے بھی لگایا۔ سائرہ کا روّیہ بھی بہت اچھا تھا۔ اُس نے دانیہ سے کہا۔

"میں نے تمہیں دیکھا ضرور تھا، لیکن اس وقت تم چچا جان کے قبضے میں تھیں اور چچا جان کا رویہ ہمیشہ ہم لوگوں سے خراب رہا ہے۔ اس لئے میں، تم سے بہت زیادہ مخاطب نہ ہو سکی۔ تم میری کزن ہو اور مجھے بہت اچھی لگی ہو۔"

بہرحال، تائی جان کا اپنا ایک رویہ برقرار تھا۔ وہ بہت کم بول رہی تھیں اور بڑی عالمانہ گفتگو کر رہی تھیں، لیکن انداز برا نہیں تھا۔ ماما بڑے غور سے اُنہیں دیکھ رہی تھیں۔

ہم نے پہلے دوپہر اور پھر شام کا کھانا بھی اُنہی کے ساتھ کھایا۔ تائی اماں نے پیش کش کی کہ اب ہم دو چار دن اُن کے پاس رُکیں، لیکن اس کے لئے سرفراز بھائی نے معذرت کرتے ہوئے کہا۔

"میں، کل ہی آیا ہوں اور کچھ اس طرح کے کام میرے شانوں پر ہیں، تائی جان! کہ مجھے سرانجام دینا ضروری ہیں۔ ان شاء اللہ تعالیٰ! فرصت پاتے ہی آپ کی خدمت میں حاضری دیں گے اور آپ کے ساتھ رہیں گے۔"

تائی اماں خاموش ہو گئی تھیں۔ ہم واپس چل پڑے۔ یقیناً باقی لوگوں کے ذہن میں بھی آج کے دن کا کوئی نہ کوئی تاثر ہو گا۔ ویسے میرے اپنے اندازے کے مطابق تائی جان نے اپنے مزاج کے خلاف ہمارے ساتھ بہت اچھا سلوک کیا تھا اور بہت خاطر مدارات کی تھی۔ لیکن اُن کا عالمانہ رویہ مستقل برقرار رہا تھا اور صاف ظاہر تھا کہ وہ سامنے والے پُر شدید طریقے سے اثر انداز ہونے کی کوشش کرتی ہیں۔ راستے میں کوئی تبصرہ نہیں ہوا۔ کیونکہ قیصر خان ساتھ تھا۔ گھر پہنچنے کے بعد تایا ابو بڑے بےچین ملے۔

"پورا دن لگا دیا، تم لوگوں نے وہاں۔"

"جی، تایا ابو! تائی جان نے آنے ہی نہیں دیا۔"

"اس کا مطلب ہے کہ طاہرہ خانم نے تمہیں کام کی چیز سمجھا ہے، ورنہ وہ کہاں کسے

گھاس ڈالتی ہیں۔ اُن کے بارے میں یہ عام تاثر ہے کہ وہ اپنے آپ کو ملک کا وزیر اعظم سمجھتی ہیں، یا وزیر اعظم نہیں بھی سمجھتیں تو اپنے آپ کو اس سے کمتر درجہ نہیں دیتیں۔ خیر، چلو چھوڑو۔ تم لوگوں کے ساتھ تو اچھا روّیہ رہا۔"

"ہاں!"

"میرے خلاف خوب زہر افشانی کی گئی ہو گی؟"

"بالکل نہیں، تایا ابو! آپ کا ذکر نکلا ہی نہیں۔"

"گڈ! ظاہر ہے، تم لوگ غلط نہیں کہہ رہے ہو گے۔ مجھے، میرے وکیل نے بتایا ہے کہ زمین کے کیس کا فیصلہ جلد ہی سنایا جانے والا ہے اور طاہرہ خانم یہ کیس ہار چکی ہیں۔ دیکھیں، اس کے بعد ان کا کیا روّیہ رہتا ہے۔ ویسے ان کی پیش کش بڑی دلچسپ تھی۔ آج بھی کوئی تذکرہ ہوا؟"

"کیسی پیش کش؟" سرفراز بھائی نے پوچھا۔

"بھئی وہ یہ دوسرا حصہ، جو میں نے تم لوگوں کے درست کرایا ہے، تمہیں تحفتاً دینا چاہتی ہیں۔ جبکہ اُن کا اس حصے پر کوئی حق نہیں ہے اور چند ہی دنوں کی بات ہے کہ اُنہیں اُن کی اوقات بتا دی جائے گی۔ خیر، چھوڑو ان باتوں کو۔ چلو اچھا ہے، تمہیں ملنا چاہئے تھا ان سب لوگوں سے۔ بلکہ میں تو کہتا ہوں کہ باقی لوگوں سے بھی ملو۔ جہاں آراء بیگم سے ملاقات کرو، وہ بھی بہت دلچسپ ثابت ہوں گی، تمہارے لئے۔"

"جی، تایا ابو! سب سے ملیں گے، ہم لوگ۔" سرفراز بھائی نے کہا۔

پھر وہی ہوا کہ رات کو ماما کے کمرے میں نشست جم گئی۔

"جی، ماما! کیا اندازہ لگایا آپ نے تائی اماں کے رویے سے؟"

"میں کافی اُلجھی ہوئی ہوں، سرفراز!" ماما کے الفاظ نے ہم سب کو چونکا دیا۔

"کیا ماما! کس بات پر اُلجھی ہوئی ہیں؟"

"تم لوگوں نے غور نہیں کیا، طاہرہ خانم کی زبان دوشاخہ ہے۔"

"جی......؟"

"ہاں۔ اب، جب بھی انہیں دیکھو تو غور کرنا۔ اُن کی زبان درمیان سے کٹی ہوئی ہے۔ خاصی لمبی لکیر ہے۔ اور جب بولتے ہوئے کبھی کبھی اُن کا منہ کھلتا ہے تو اُن کی زبان دو شاخہ نظر آتی ہے۔"

"واقعی......آپ نے خوب غور کیا۔ لیکن اس میں اُلجھن کی کیا بات ہے؟"

"یہ اُلجھن کی بات۔ میرے ابو بتاتے تھے کہ ایسے لوگ کالے علم والے ہوتے ہیں

اور کالا علم ہی ان کی شکل میں یہ تبدیلی پیدا کر دیتا ہے۔ اصل میں ابو کے بارے میں تم لوگ بہت زیادہ نہیں جانتے۔ اُنہیں بہت سے علوم حاصل کرنے کا شوق تھا اور اُن کی زندگی کا بیشتر حصہ اس طرح کی معلومات حاصل کرنے میں گزرا ہے۔ وہ کالے علم کے بارے میں بہت کچھ جانتے تھے اور کبھی کبھی مجھے بھی بتایا کرتے تھے۔ اللہ تعالیٰ کا احسان ہے کہ لوگوں کو کبھی اس طرح کے معاملات سے کوئی واسطہ نہیں پڑا، لیکن طاہرہ خانم کی دو شاخہ زبان دیکھی تو مجھے اپنے ابو کی بتائی ہوئی باتیں یاد آ گئیں۔"

میں، سرفراز بھائی اور دانیہ حیران نگاہوں سے ماما کو دیکھ رہے تھے، جنہوں نے یہ عجیب و غریب انکشاف کیا تھا۔ سرفراز بھائی یا ماما نے درس کے دوران تائی جان کو نہیں دیکھا تھا۔ وہ اس وقت باقاعدہ بہروپ دھارتی تھیں اور عجیب و غریب نظر آتی تھیں۔ مزید حیرت کی بات یہ تھی کہ ان کے عقیدت مند اچھے خاصے پڑھے لکھے اور صاحبِ حیثیت لوگ ہوتے تھے، جس کا اندازہ ان کے پارکنگ ایریا میں کھڑی ہوئی کاروں سے ہوتا تھا اور ویسے بھی جن لوگوں کو میں نے دیکھا، وہ بڑی حیثیت کے لوگ نظر آتے تھے۔ گویا تائی جان کا دائرہ کار بہت وسیع تھا۔ لیکن یہ بات میں نے نہیں سوچی تھی کہ تائی جان، کالا جادو بھی جانتی ہوں گی۔ میں نے ماما سے کہا۔

"لیکن ماما! یہ کالا جادو وغیرہ جو کیا جاتا ہے، لوگ یقیناً یہ کام دولت کے حصول کے لئے کرتے ہوں گے۔"

ماما کچھ لمحے خاموش رہیں، پھر بولیں۔ "کیا کہا جا سکتا ہے؟ برائی اگر انسان کے وجود میں اُتر جائے تو اُس کی سوچیں بھی تبدیل ہو جاتی ہیں۔ بات صرف دولت کی ہی نہیں ہوتی۔ اب تم دیکھو، بڑے بڑے رئیس، صنعت کار، سیاست دان ارب پتی ہوتے ہیں، لیکن زندگی کی بازی لگا کر سیاست کرتے ہیں۔ بڑے بڑے کاروبار کرتے ہیں اور ان میں پھیلاؤ چاہتے ہیں۔ بات صرف دولت کی تو نہیں ہوتی، دولت کے لئے اور خاص طور سے وہ شخص جس کے پاس اتنا ہو کہ اُس کی کئی نسلیں آرام سے کھا سکیں، صرف دولت کے لئے جان کی بازی نہیں لگا سکتا۔ کچھ دوسری چیزیں بھی ہوتی ہیں، جن کے لئے انسان جدوجہد کرتا ہے۔ ویسے میں تمہیں سچ بتاؤں، میں خوف زدہ ہو گئی ہوں۔"

"کیوں، ماما؟"

"پتہ نہیں، وہ کس طرح کی خاتون ہوں گی اور ہم لوگوں سے اُن کا کیا رویہ رہے۔ کچھ کہا تو نہیں جا سکتا۔"

"ہم محتاط رہیں گے۔"

"ہم تو محتاط رہیں گے، لیکن وہ خود کیا چاہتی ہیں، یہ اندازہ لگانا ہوگا۔ مجھے خاص طور سے بتاؤ، شہاب! تم جو تائی جان سے ملے ہو تو اُن کا کیا طریق کار رہا ہے، تمہارے ساتھ؟"

میں نے وہ بات بتائی، جب تائی اماں نے مجھ سے کہا تھا کہ اُنہیں دائی سرکار کہا جائے، چونکہ دوسرے بڑے بڑے لوگ اُنہیں یہیں کہتے ہیں۔ بعد میں مجھے تائی جان کہنے کی ہدایت کی گئی۔ اب یہ تو نہیں کہا جا سکتا کہ یہ سب کچھ بے مقصد ہے۔ تایا ابو بھی یہی کہتے ہیں۔ جیسا کہ ابھی انہوں نے بتایا کہ تائی جان اچھے اچھوں کو خاطر میں نہیں لاتیں۔

ہم لوگ بہت دیر تک یہی باتیں کرتے رہے، بعد میں سرفراز بھائی، میں اور دانیہ باہر نکل آئے۔ سرفراز بھائی بولے۔

"ویسے تو اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے ہمارے پاس بہت کچھ ہے۔ بہت سے بنگلے اور زمینیں۔ اپنی ایک شاندار رہائش گاہ بنا سکتے ہیں۔ لیکن تایا ابو سے وعدہ کر لیا ہے ہم نے۔ اور پھر دادی اماں بھی یہاں موجود ہیں۔ کیا کہتے ہو؟ ایک بار پھر تایا ابو سے بات کی جائے کہ اس گھر کو چھوڑ کر کہیں اور رہیں؟"

"بات کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے، لیکن میرا اندازہ ہے کہ تایا ابو مانیں گے نہیں۔ حرا اور سلطانہ اتنی پیاری لڑکیاں ہیں کہ اُنہیں چھوڑتے ہوئے دُکھ ہوگا۔ اُن کا دل ٹوٹ جائے گا، کتنی خوش ہیں۔ ویسے دانیہ! تم نے کیا محسوس کیا، حرا یا سلطانہ کے مزاج کیسے ہیں؟"

"آپ یقین کریں، اتنے اچھے مزاج کی ہیں وہ دونوں کہ میں تو اُنہیں چھوڑنے کا تصور بھی نہیں کر سکتی۔ سگی بہنوں کی طرح مجھ سے پیار کرتی ہیں۔ میرا کام کرنے کے لئے ایک دوسرے پر سبقت لے جانے کی کوشش کرتی رہتی ہیں۔ میں خود بھی اُنہیں بہت چاہنے لگی ہوں۔ ارے ماما کے ساتھ ان کا رویہ دیکھیں آپ لوگ۔ ماما خود ان کی بہت تعریفیں کرتی رہتی ہیں۔"

سرفراز بھائی کسی کام سے اندر چلے گئے تو میں نے دانیہ سے کہا۔

"لیکن اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ یہ گھر ایک عجوبہ ہے اور ان ساری آسائشوں اور آسانیوں کے باوجود ہمارا یہاں رہنا دوسرا عجوبہ ہے۔ واقعی، یہاں سے جانے کو دل نہیں چاہتا۔" ایک دم میرا دل چاہا کہ دانیہ کو وہ ساری باتیں بتاؤں، جو یہاں میرے ساتھ پیش آ چکی ہیں۔ لیکن معصوم سی لڑکی یہ سنے گی تو دنگ رہ جائے گی۔

بہرحال، ہم لوگ باتیں کرتے رہے۔ فضا میں تاریکیاں اُتر آئی تھیں۔ اچانک ہی مجھے وہ عورت یاد آئی، جس نے اپنا نام حمیدہ بتایا تھا اور دانیہ نے شاید اس کا کوئی اور نام بھی لیا

تھا۔ میں نے بے اختیار دانیہ سے پوچھا۔

''دانیہ! وہ، جو اُس دن تم سے بات کر رہی تھی، کیا نام بتایا تھا اُس نے اپنا؟''

''وہ، جو کام کرنے والی ہے؟''

''ہاں۔''

''فردوس نام بتایا تھا اُس نے اپنا۔''

''دوبارہ تم سے ملی؟''

''کئی بار۔ بڑی عجیب سی عورت ہے۔ آتی ہے مجھ سے ملنے کے لئے اور پھر یونہی خاموشی سے اُٹھ کر چلی جاتی ہے۔ مجھ سے بار بار کہتی ہے کہ میں، اپنا خیال رکھوں۔ یہ بھی پوچھتی ہے مجھ سے کہ یہاں مجھے کوئی خاص بات تو نہیں محسوس ہوئی۔ اچھی عورت ہے۔''

''ملتی رہتی ہے، تم سے؟''

''ہاں!''

''آخری بار کب ملی تھی؟''

''کل۔ کل شام کو میں اُدھر پھولوں کے پاس سے گزر رہی تھی کہ وہ آگئی۔ اور اُس نے مجھے کچھ پھول بھی پیش کئے، جن کے بارے میں اُس نے کہا کہ وہ کہیں اور سے لائی ہے۔''

''کہاں گئے، وہ پھول؟''

''میں نے اپنے کمرے میں رکھے تھے۔ پتہ نہیں، کس نے اُٹھا لئے۔ شاید ماما نے۔ میں نے پوچھا ہی نہیں، دوبارہ نظر نہیں آئے۔''

''ہوں۔ اور کوئی بات، دانیہ؟''

''کیوں بھائی! آپ کیوں پوچھ رہے ہیں، اس کے بارے میں؟'' دانیہ نے کہا۔

وہ، اصل میں بات یہ ہے، دانیہ! کہ یہاں کا ماحول کافی مختلف ہے۔ ہم نے مناما میں زندگی گزاری ہے، وہاں کا طرزِ زندگی بالکل الگ ہے۔ اور جو لوگ پاکستان سے وہاں گئے ہوئے ہیں، اُنہوں نے بھی وہیں کا طرزِ زندگی اپنا لیا ہے۔ یہاں بس کچھ عجیب و غریب باتیں ہوتی رہتی ہیں۔ اچھا، وہ عورت جو رات کی تاریکی میں تمہارا پیچھا کرتی تھی، دوبارہ بھی ملی؟''

''نہیں، وہ ملی تو نہیں لیکن میں نے اُسے کئی جگہ بیٹھے ہوئے دیکھا ہے۔ بہت دور بیٹھی ہوئی مجھے دیکھتی رہتی ہے۔ اب تو پانچ چھ دن ہو گئے، مجھے نظر نہیں آئی۔'' دانیہ نے بتایا اور میں خشک ہونٹوں پر زبان پھیر کر خاموش ہو گیا۔

دلچسپ بات یہ تھی کہ ہم لوگ ان معاملات سے اتنے دور رہے تھے کہ ان کی حقیقت کو

سمجھتے ہی نہیں تھے۔ دانیہ کو اگر پوری تفصیلات کا علم ہوتا تو اس کا دم ہی نکل جاتا۔ میں بھی بات کو ہلکا کر دیتا تھا تا کہ اُس کے دل پر زیادہ اثر قائم نہ ہو۔

اب یہاں آئے ہوئے خاصے دن گزر چکے تھے اور دل چاہ رہا تھا کہ کچھ کیا جائے۔ چنانچہ دوسرے ہی دن میں نے سرفراز بھائی سے فرمائش کی کہ اب خاندان کے دوسرے لوگوں سے بھی ملاقات کی جائے۔ پھوپھی جہاں آراء بیگم تھیں، اس کے علاوہ مجھے خالو صاحب کا پتہ بھی ملا تھا۔ جانے سے پہلے طاہر حسین سے ایک ملاقات کر لینا مناسب سمجھا۔ میں اور سرفراز بھائی اُن کے آفس ٹیلی فون کر کے پہنچ گئے۔

''مجھ سے رابطہ رکھا کیجئے۔ میں نے اس لئے آپ لوگوں سے رابطہ نہیں کیا کہ ابھی یہاں آپ کی مصروفیات ہوں گی۔ فرمایئے، کیسے حالات جا رہے ہیں؟''

''بس طاہر حسین صاحب! آپ ہمارا ساتھ دیتے رہیں۔ آپ، پاپا کے دوست بھی ہیں اور ہمارے قانونی مشیر بھی۔ ایک بار پھر آپ سے درخواست کی جائے گی کہ جو کچھ آپ کا حق بنتا ہے، اسے لینے سے گریز نہ کیجئے گا۔ آپ کی مہربانیاں ہی کافی ہیں۔''

''بے حد شکریہ!....... طاہرہ خانم کی سنایئے؟''

''ٹھیک ہیں۔ ملاقاتیں ہوتی رہتی ہیں۔ نادر خان اُن سے ناراض ہیں اور اُن کی ناراضگی بھی بجا ہے۔ تائی جان کا سلوک کسی کے ساتھ اچھا نہیں ہوتا۔''

طاہر حسین ایک ٹھنڈی سانس لے کر رہ گئے، پھر بولے۔

''کہاں کہاں جانے کا ارادہ ہے؟''

''سبھی سے ملنا چاہتے ہیں، ہم لوگ۔ ایک لمبا سفر رہے گا۔''

''ٹھیک ہے، اپنی زمینیں وغیرہ بھی دیکھ کر آیئے گا۔ قیصر خان جا رہا ہے، آپ کے ساتھ؟''

''ہاں!''

''وہ ایک سمجھ دار آدمی ہے۔ اور میرا خیال ہے پنجاب سے اچھی خاصی واقفیت رکھتا ہے۔ میں، آپ کو مزید تھوڑی سی تفصیل بتائے دیتا ہوں، سنا ہے کہ آپ کے اہلِ خاندان شیخوپورہ اور ساہیوال میں ہیں، زمینیں آپ کی سانگلہ ہل، بھکھی وغیرہ میں ہیں۔

تو پہلے تو آپ اپنے خاندان والوں سے ملئے۔ سب سے قریبی جگہ شیخوپورہ ہے۔ ہاں، سانگلہ ہل میں اگر آپ پسند کریں تو ایک بندے سے ضرور ملیں۔ اُس کا نام چودھری عرفان ہے۔ یہ سانگلہ ہل کی زمینوں کا دیکھ بھال کرنے والا شخص ہے۔ ہاریوں سے وہی نمٹتا ہے۔ یہ آپ کو مدد دے گا۔ اُس کا پتہ میں، آپ کو لکھ کر دے دیتا ہوں۔ آدمی بہت تیز ہے، لیکن

بہر حال مجھے حساب کتاب باقاعدگی سے دیتا ہے۔ کسی وقت میرا حساب بھی چیک کر لیجئے۔"

وہاں سے واپسی کے بعد، ظاہر صاحب! میرے لئے آفس کا مسئلہ ضروری ہو جائے گا۔ بلکہ اگر آپ مناسب سمجھیں تو یہ ذمہ داری بھی اپنے شانوں پر لے لیجئے۔ ایک بار پھر میں، آپ سے ایک درخواست کرنا چاہتا ہوں۔"

"یہی کہ مجھے ہر کام کا معقول معاوضہ دیا جائے گا، چنانچہ مجھے یہ سارے کام کرنے چاہئیں۔ ایک بات آپ سے کہوں، میرا ذریعہ معاش یہی ہے۔ بہتر زندگی گزار رہا ہوں۔ آپ جو حکم دیں گے، میں کرتا رہوں گا۔ معاوضوں کا فیصلہ آپ خود کر لیں۔"

میں اور سرفراز بھائی ہنسنے لگے۔ پھر میں نے کہا۔

"اسے آپ، معاوضہ بالکل نہیں کہیں گے۔ یہ ہماری شرط ہے۔"

ظاہر حسین نے چودھری عرفان کا پتہ دیا اور ہم اُن سے باتیں کرنے کے بعد وہاں سے نکل آئے۔ خاصا اطمینان ہو گیا تھا۔ پھر ہم شیخوپورہ جانے کی تیاریاں کرنے لگے۔ تایا ابو نے بتایا کہ سوا گھنٹے کا راستہ ہے، بہت اچھا علاقہ ہے۔ پتہ تو ہمیں تائی جان سے مل ہی چکا تھا، جسے ہم نے خاص طور سے محفوظ کیا تھا۔

دانیہ نے حرا اور سلطانہ کو بھی چلنے کی پیش کش کی تو تایا ابو نے کہا۔

"تمہارے ساتھ جانے سے میں کبھی منع نہیں کرتا۔ لیکن پہلے یوں کر لو کہ پہلے خود مل لو اُن لوگوں سے، دوبارہ اگر کہیں جانے کا دل چاہے گا تو سلطانہ اور حرا کو اپنے ساتھ لے جانا۔ مجھے کوئی اعتراض نہیں ہوگا۔"

ماما نے تایا ابو کی بات کی تائید کی۔ بہر حال، ایک خوشی ہو رہی تھی۔ ہم نے اپنے ہی پلازہ سے بڑی عمدہ خریداری کی اور کار کی ڈگی بھر لی۔ لوگوں کے بارے میں مکمل تفصیلات معلوم نہیں تھیں، لیکن بہر حال پھر بھی خاصی الا بلا اپنے ساتھ لے لی تھی۔ باقی اپنے لئے تھوڑے سے لباس وغیرہ لئے اور طے یہ کیا کہ راستے میں باقی چیزوں کا انتظام بھی ہو جائے گا۔ جو تحائف ہم نے ان لوگوں کے لئے خریدے تھے، وہ خاصے قیمتی تھے۔ پھپھو جہاں آراء بیگم کے بارے میں معلوم ہوا تھا کہ اُن کے ہاں کوئی اولاد نہیں ہے۔ بس دو میاں بیوی ہیں، جو زندگی گزار رہے ہیں۔

شیخوپورہ تک کا سفر خاصا دلچسپ رہا۔ دانیہ پیار بھری نگاہوں سے اپنے وطن کو دیکھ رہی تھی۔ بڑے جذباتی جملے کہے تھے اُس نے۔ پاپا بھی بہت یاد آئے تھے۔ ماما گم صم خاموش بیٹھی ہوئی تھیں۔ یقینی طور پر اُن کے ذہن میں بھی پاپا ہی ہوں گے۔

قیصر خان راستوں کے معاملے میں بڑے غضب کی چیز تھا۔ پتہ اُسے سمجھا دیا گیا تھا۔

شیخوپورہ میں جا کر اُس نے پورے اطمینان کے ساتھ ہمیں ایک گھر کے سامنے کھڑا کر دیا۔ کافی خوب صورت گھر تھا۔ بے شک بہت بڑا نہیں تھا، لیکن سامنے کا حصہ بہت خوب صورت تھا۔

میں اور سرفراز بھائی گاڑی سے نیچے اُتر گئے۔ سرفراز بھائی نے بیل بجائی تو لمبے قد و قامت کے ایک صاحب باہر نکل آئے اور اُنہوں نے سوالیہ نگاہوں سے ہمیں دیکھا۔

"جمال الدین صاحب سے ملاقات کرنی ہے۔"

"تو کر لو، کھڑے ہیں آپ کے سامنے۔" اُنہوں نے کہا اور بھائی جان آگے بڑھ کر اُن سے لپٹ گئے۔

"ارے کون ہو بھائی! بتا تو دو۔"

"ہم دونوں، امتیاز احمد خاں کے بیٹے ہیں، بحرین سے آئے ہیں۔"

"ایں......" اُن صاحب کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں۔ پھر انہوں اے بڑی گرم جوشی کا مظاہرہ کیا اور ہم دونوں کو، دونوں بازوؤں میں بھر کر سینے سے لگا لیا۔

"لگ رہے ہو...... اپنائیت کی خوشبو بہت دُور سے آ جاتی ہے...... ارے، جہاں آراء بیگم! بھاگ کر باہر آؤ۔ گرمت پڑنا، بھاگنے سے مراد یہ نہیں ہے۔ آؤ تو سہی۔ اور گاڑی میں کون ہے؟"

"والدہ صاحبہ اور بہن ہیں۔"

"ارے، جہاں آراء بیگم! دیکھو تو سہی، آج ہمارے گھر میں بہت سارے پھول کھل گئے ہیں۔"

ایک دُبلی پتلی خاتون باہر آ گئیں۔ وہ چہرے ہی سے اپنی اپنی لگتی تھیں۔

"کون ہیں، یہ؟"

"پہچانو تو جانیں۔ دنیا کہتی ہے کہ خون کو خون پہچانتا ہے۔ آج ذرا ہم بھی دیکھیں، دنیا سچ کہتی ہے یا غلط۔"

"خون...... کون ہیں، یہ دونوں؟"

"کہا نا، پہچانو!"

"میں نہیں سمجھ پا رہی۔ کون ہو بیٹے! آپ لوگ؟"

"پھوپھی جان! ہم، آپ کے بھتیجے ہیں۔ امتیاز احمد خاں کے بیٹے۔"

"ہیں......" پھوپھی جہاں آراء بیگم کا منہ ایک لمحے کے لئے حیرت سے کھلا اور پھر وہی کارروائیاں شروع ہو گئیں، جن میں خواتین ماہر ہوتی ہیں۔ ماما اور دانیہ بھی اُتر آئے

تھے۔ سب اندر گئے اور اس کے بعد ڈرامہ بازی شروع ہوگئی۔

قیصر خان بے چارا باہر گاڑی میں بیٹھا رہا تھا۔ اندر خوب رونا دھونا ہوا۔ دلچسپ بات یہ تھی کہ پھوپھا جمال الدین بھی رو رہے تھے۔ ویسے چہرے ہی سے خاصے شاطر آدمی معلوم ہوتے تھے۔ بڑی دیر تک یہ تماشا جاری رہا۔

پھر پھوپھی جان نے پوچھا۔

''امتیاز بھائی کہاں ہیں؟ کیا وہ ساتھ نہیں آئے؟''

ماما نے اس سوال پر گردن جھکا لی۔ دانیہ کا چہرہ بھی افسردہ ہو گیا تھا۔ پھوپھی جان چونک کر ایک ایک کی صورت دیکھنے لگیں۔

''امتیاز بھائی، ٹھیک تو ہیں؟''

''نہیں، پھوپھی جان! وہ اب اس دنیا میں نہیں ہیں۔'' میں نے جواب دیا اور پھوپھی جان کے حلق سے ایک دلدوز چیخ نکلی

''ہائے، امتیاز بھی گئے......ارے کب؟ کیسے؟ کیا ہوا؟''

ایک بار پھر وہی سلسلہ جاری ہو گیا۔ سب سے بڑا اور دلچسپ کردار، پھوپھا جمال الدین کا تھا۔ بری طرح بین کر رہے تھے اور نجانے کیا کیا کہہ رہے تھے۔

بہت دیر تک یہ سلسلہ جاری رہا، کہنے لگے۔

''بس، بھیا! بھائی جیسا دوست نہیں، بھائی جیسا دشمن نہیں۔ کیا کہا جائے اور کیا نہ کہا جائے۔ چلے گئے، اس دنیا سے۔ ارے توبہ توبہ...... بڑی دُکھ کی بات ہے، اس طرح گئے کہ کبھی دوبارہ صورت تک نہ دیکھی۔ سوچتے تھے کہ اللہ زندگی رکھے، کبھی نہ کبھی شکل نظر آ ہی جائے گی، پر یہ کیا پتہ تھا کہ اب گئے تو پھر کبھی نہیں آئیں گے۔ بس، بھیا! ایسا ہی ہوتا ہے۔''

پھوپھی بڑی دیر تک روتی پیٹتی رہیں اور پاپا کا ذکر کرتی رہیں۔ پھر یہ مرحلہ بھی ختم ہوا۔ پھوپھا جان حرفوں کے بنے ہوئے تھے، نجانے کہاں کہاں کی باتیں کر رہے تھے۔ کہہ رہے تھے۔

''ولایت احمد خان گئے، خیر اُن کی موت کے پیچھے تو وہ جادوگرنی تھی۔ اللہ اُس بُرے وقت کو کبھی نہ دہرائے، جب وہ جادوگرنی ہمارے گھر میں آئی تھی۔''

''دیکھو، جمال الدین! اپنے منہ سے کچھ نہ کہو۔''

''کیوں نہ کہوں۔ ہوشیار کر رہا ہوں، اپنے بچوں کو۔ بیٹا! اپنی تائی سے ہوشیار رہنا۔ پکی جادوگرنی بن چکی ہیں۔ اب تو اُنہوں نے اپنا دین ایمان بھی کھو دیا ہے۔ ہوشیار رہنا۔ لاہور میں ہی رہتی ہیں۔ تم تو لاہور آ کر اُترے ہو گے، ممتاز احمد خاں کے ہاں۔ ممتاز احمد

خاں کیسے ہیں؟ وہیں اُترے ہو یا کہیں اور؟''

''نہیں، وہیں ہیں۔ دادی اماں بھی تو وہیں ہیں۔''

''ہاں، ممتاز احمد خان نے یہیں تو کیل دبائی ہوئی ہے۔ بس یہیں سے ہر بات کو کنٹرول کر رہے ہیں۔ ارے بھیا! بڑا عجیب وغریب خاندان رہا ہے۔ بس کیا کہا جائے، کیا کہا جائے۔ حیات احمد خان بے چارے اتنے برے نہیں تھے، جتنا برا اُنہیں بنا دیا گیا۔ یہ سب کی کوششوں کا نتیجہ تھا۔ چلو خیر، رات گئی، بات گئی۔ اب کس کی کون کہے۔ لنکا میں سبھی باون گز کے ہیں۔ تم سناؤ، کیا ہوا تھا، امتیاز احمد خاں کو؟ بیمار ہو گئے تھے؟''

''نہیں، پھوپھا جان! لمبی کہانی ہے۔ بعد میں تفصیل بتائیں گے۔''

پھوپھا جان اور پھوپھی جان، غضب کے لوگ تھے۔ خوب باتیں بناتے تھے۔ پھوپھی جان بے اولاد تھیں، اُنہوں نے بہت سی ایسی باتیں کہیں، جو تائی جان کے خلاف تھیں۔ لیکن ہم لوگوں نے منہ کھولنے میں احتیاط برتی۔

یہاں ہمیں دو دن گزارنے پڑے۔ پھوپھی جان نے دادی اماں کے بارے میں بھی کافی پوچھا۔ میں نے یہ بھی کہا کہ پھوپھی جان! دادی اماں، آپ کی والدہ ہیں۔ اختلاف کتنا ہی سہی، آپ وہاں کیوں نہیں آتیں؟ تو پھوپھی جان نے انکشاف کیا کہ خود تایا ابو، یعنی ممتاز احمد خان نے اُنہیں وہاں آنے سے منع کر دیا ہے۔ کچھ اندرونی اختلافات تھے۔

دو دن کے بعد ہم نے اُن سے اجازت مانگی تو اُنہوں نے کافی ردوقدح کی اور کہا کہ بہت زیادہ وقت یہاں قیام کریں، لیکن ہم نے اُن سے وعدہ کر لیا کہ دوبارہ یہاں آئیں گے اور آتے رہیں گے۔

ارے بیٹے! اپنا ٹھکانہ کرو۔ اللہ نے اگر اتنی حیثیت دی ہے تو اپنا گھر خرید کر رہو۔ دور کے ڈھول سہانے ہوتے ہیں۔ چار دن کی چاندنی اور پھر اندھیری رات۔ ابھی تو ممتاز احمد خان نے تمہیں رکھا ہوا ہے۔ ہو سکتا ہے، من میں کچھ ہو۔ لیکن دیکھ لینا، جو قدم اٹھانا، سوچ سمجھ کر اٹھانا۔ افشاں بی بی! اگر یہاں مستقل قیام کا ارادہ ہے تو ہر قدم پھونک کر رکھنا۔ بڑا خطرناک گھرانہ ہے، یہ۔''

بہرحال، ہم نے یہ طے کیا تھا کہ اب اس کے بعد، اس راستے میں جو جو جگہیں پڑتی ہیں، یعنی ہماری اپنی زمینیں وغیرہ، اُنہیں دیکھ لیا جائے۔ اسی راستے میں، سانگلہ ہل بھی پڑتا تھا، چنانچہ طے یہ کیا گیا کہ پہلے سانگلہ ہل کا جائزہ لے لیا جائے۔ وہاں کے لئے ظاہر حسین نے چودھری عرفان کا نام لیا تھا، جو سانگلہ ہل کی زمینوں کے نگراں تھے۔

قیصر خان سے وہاں کے بارے میں کہا تو قیصر خان نے فوراً ہی حامی بھر لی۔

"جی صاب! میں آپ کو سانگلہ ہل لئے چلتا ہوں۔ فاصلہ بہت زیادہ نہیں ہے۔"

بہر حال، پھوپھی جان سے دوبارہ ملاقات کرنے کا وعدہ کر کے ہم لوگ، سانگلہ ہل چل پڑے۔ پنجاب کی سرسبز و شاداب زمین ہماری آنکھوں کے سامنے تھی۔ سانگلہ ہل پہنچ کر چودھری عرفان کو تلاش کرنا کوئی مشکل کام ثابت نہیں ہوا۔ یہ بھی ایک عجیب سا آدمی تھا۔ موٹی، بھدی شخصیت کا مالک۔ بہت چرب زبان تھا۔ اُس نے ہمیں ہماری زمینیں دکھائیں اور چاپلوسی کی باتیں کرتا رہا۔ یوں لگ رہا تھا جیسے اُسے ہماری آمد کا علم ہو۔

کافی دیر تک ہم زمینوں کا جائزہ لیتے رہے۔ اُس نے ہمیں قیام کی پیشکش بھی کی تھی، لیکن ماما نے منظور نہیں کیا اور تھوڑی دیر کے بعد لاہور واپسی کا فیصلہ کر لیا گیا۔

ایسے وقت نکلے تھے کہ دن کی روشنی مل گئی تھی، لیکن جب واپس پلٹے تو شام جھکنے لگی تھی۔ اس وقت ہم ایک سنسان سی سڑک سے گزر رہے تھے۔ قیصر خان، گاڑی ڈرائیو کر رہا تھا کہ اچانک ہی کچھ ہوا۔ کچھ دھماکے ہوئے اور گاڑی اُچھلنے لگی۔

قیصر خان نے گھبرا کر بریک لگا دیئے تھے۔ لیکن یہ دھماکے بے مقصد نہیں تھے۔ تھوڑی دیر کے بعد کئی گولیاں ہماری کار کی باڈی سے ٹکرائیں اور ماما اور دانیہ کے حلق سے چیخیں نکل گئیں۔ ہم لوگ ششدر رہ گئے تھے۔

ہم پر زبردست فائرنگ ہو رہی تھی اور گولیوں کی تڑتڑاہٹ فضا میں ایک بھیانک شور پیدا کئے ہوئے تھی...... کار کی باڈی میں مسلسل سوراخ ہو رہے تھے اور بس، کوئی لمحہ جاتا تھا کہ ہم، ان گولیوں کا نشانہ بن جائیں۔

❁

ہمارے پاس اپنی مدافعت کے لئے کچھ نہیں تھا، بس سکتے کے عالم میں گاڑی میں بیٹھے ہوئے انتظار کر رہے تھے کہ کب ہم میں سے کسی کی چیخ بلند ہوتی ہے، قیصر خان بھی سکتے کے عالم میں تھا۔ اچانک ہی گولیوں کی آوازوں میں کچھ اضافہ ہوا اور یوں لگا جیسے کسی اور سمت سے بھی کچھ گولیاں چلی ہوں۔

پھر ایک چیخ سنائی دی جو سڑک کے بائیں سمت سے ابھری تھی اور اس کے بعد چیخنے چلانے کی آوازیں سنائی دیں۔ ہم نے اب بھی کوئی جنبش نہیں کی تھی، کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ کیا ہو رہا ہے؟

تھوڑی دیر تک بھاگ دوڑ ہوتی رہی اور اس کے بعد بائیں سمت سے کچھ لوگ نمودار ہوئے۔ تین چار افراد تھے، جو سڑک کے نشیب سے اوپر آئے تھے۔ اچانک ہی سرفراز بھائی کی سرگوشی ابھری۔

"ارے یہ تو انسپکٹر نادر خان ہے۔"

میں نے بھی شلوار قمیص میں ملبوس نادر خان کو پہچان لیا۔ اس کے ہاتھ میں ریوالور دبا ہوا تھا اور اس کے ساتھ جو افراد تھے، ان میں سے دو کے ہاتھوں میں رائفلیں نظر آ رہی تھیں۔ وہ بھی پولیس والے ہی ہو سکتے تھے لیکن سب کے سب سادہ لباس میں تھے۔ نادر خان نے ان میں سے ایک دو کو کچھ ہدایات دیں اور پھر ہماری کار کی جانب چل پڑا۔ وہ تقریباً دوڑنے کے سے انداز میں ہم تک پہنچا تھا اور پھر اس نے کار کی کھڑکی پر دونوں ہاتھ رکھ کر کسی قدر وحشت زدہ لہجے میں پوچھا۔ "آپ لوگ ٹھیک تو ہیں، کوئی زخمی تو نہیں ہوا۔"

"نہیں اللہ کا فضل ہے نادر خان ہم سب خیریت سے ہیں لیکن یہ سب کیا ہے؟" ہم نے نیچے اتر کر پوچھا۔

"تسلی رکھو، سب کچھ ٹھیک ہے، ماں جی آپ اور بہن جی آپ دونوں ٹھیک ہیں۔" نادر خان نے اندر جھانک کر کہا۔

ماما اور دانیہ کے منہ سے آواز نہیں نکل سکی تھی۔ ان کے چہرے سفید ہو گئے تھے اور

ہونٹوں پر کپکپاہٹ طاری تھی، نادر خان نے جلدی سے کہا۔ ”شہاب! پانی وغیرہ کا بندوبست ہے؟“

”ہاں۔“ میں نے کہا اور کار کی ڈکی کی جانب بڑھ گیا جس میں منرل واٹر کی بوتلیں موجود تھیں۔

ایک بوتل نکال کر میں نے گلاس میں پہلے ماما اور پھر دانیہ کو پانی پلایا۔ اس دوران نادر خان کے بھیجے ہوئے ہرکارے نیچے سے اوپر آ گئے تھے، وہ ایک انسانی جسم کو اٹھائے ہوئے تھے اس جسم سے دو تین جگہ سے خون بہہ رہا تھا۔

میں نے وحشت زدہ لہجے میں کہا۔ ”نادر صاحب، ہم بالکل نہیں سمجھ پائے کیا یہ حملہ ہم پر کیا گیا تھا؟“

”اب بھی آپ یہ سوال کر رہے ہیں۔“ نادر خان نے کہا۔

”لل...... لیکن...... یہ کون لوگ تھے؟“

”جو بھی تھے پتہ چل جائے گا۔“

”مگر آپ لاہور سے یہاں کیسے پہنچ گئے؟“

”میں نے کہا نا بس اللہ مدد کرتا ہے، آپ کے خلاف جو سازش ہو رہی تھی، اتفاقیہ طور پر میرے علم میں آ گئی، آپ گھبرائیں نہیں اللہ تعالیٰ کا فضل ہے کہ آپ ٹھیک ہیں، ان کی کوشش تو یہی تھی کہ آپ سب کو ختم کر دیا جائے، ذرا ادھر آ جائیے۔“ نادر خان نے کہا۔ میں اور سرفراز بھائی وہاں سے آگے بڑھ کر کار سے کچھ فاصلے پر آ گئے۔

”ماں جی اور بہن جی کے لئے میں پریشان ہوں، بس یوں سمجھ لیں کہ اللہ نے آپ سب کو محفوظ رکھا ہے، ورنہ انہوں نے کوئی کسر نہیں چھوڑی تھی۔“

”آپ نے ہمیں کسی سازش کے بارے میں بتایا، یہ سازش کس نے کی ہے اور آپ کو اس کا پتہ کیسے چلا؟“

”کچھ باتیں پولیس والوں کے لئے بھی رہنے دیں شہاب بھائی، پتہ تو سب چل جائے گا، اچھا اب یہ بتایئے کہ اس حملے کی رپورٹ کریں گے آپ؟“

”یہ مشورہ یا تو مجھے آپ دے سکتے ہیں یا پھر ظاہر حسین صاحب سے بات کی جائے؟“

”قانونی معاملات تو پورے کرنا ہی ہوں گے، البتہ ایک تعاون آپ کو کرنا ہوگا میرے ساتھ۔“

”ہاں بتائیں۔“

”میرا نام درمیان میں بالکل نہیں آنا چاہئے۔ ان کا ایک بندہ مر گیا ہے، ہمارے

ہاتھوں مرا ہے، لیکن ہم یہ ظاہر کریں گے کہ وہ اپنے ساتھی کی گولیوں سے ہی ہلاک ہوا ہے یہاں سانگلہ ہل کے بڑے تھانے کا ایس ایچ او میرا دوست ہے، میں اسے فون کر کے بلاتا ہوں۔“ یہ کہہ کر نادر خان نے موبائل فون پر کسی سے رابطہ قائم کرنے کی کوشش شروع کر دی پھر کہا۔ ”ہاں رحیم بخش میں نادر بول رہا ہوں۔“

دوسری طرف سے آنے والی آواز کے جواب میں نادر خان نے کہا۔ ”او یار...... نادر تیرا یار...... نادر خان ایس ایچ او، ہاں یار میری بات سن لے پہلے، باقی ساری باتیں بعد میں۔ چار چھ بندوں کی نفری لے کر آ جا، ایک لاش لے جانی ہے تجھے اور...... ہاں ہاں...... یہاں آئے گا تو بتاؤں گا، ذرا خفیہ معاملات ہیں، اپنے بھروسے کے بندوں کو لے کر آنا جو وہی کہیں جو تو کہنا چاہتا ہے۔ ٹھیک ہے، ہاں میں جگہ بتائے دیتا ہوں، زیادہ فاصلہ نہیں ہے سانگلہ ہل سے۔“ نادر خان نے کہا اور کچھ باتیں کرنے کے بعد فون بند کر دیا۔ پھر بولا۔

”دیکھیں...... میں اپنی گردن اس معاملے سے بچانا نہیں چاہتا، لیکن مصلحت کا تقاضا یہی ہے کہ اس وقت میری موجودگی کو ظاہر نہ کیا جائے کیونکہ مجھے آگے کافی کام کرنا ہے، میں رحیم بخش سے ساری باتیں کر لوں گا۔“

”ایک بات بتایئے نادر صاحب؟“

”ہاں ہاں۔“

”ہم اس مسئلے میں الجھنا نہیں چاہتے، ہمارے پاس اتنا وقت کہاں ہے۔“

”آپ بالکل بے فکر رہیں، اگر کوئی بات آگے بڑھی بھی تو میں سنبھال لوں گا۔“

ہم گہری سانس لے کر خاموش ہو گئے، دانیہ اور ماما کو بھی گاڑی سے اتار لیا گیا تھا چونکہ ہماری گاڑی ناکارہ ہو گئی تھی۔ نادر خان کا ایک آدمی کافی فاصلے پر سڑک کے نشیب میں اتری ہوئی کار نکال لایا۔

پرانی طرز کی ایک بڑی گاڑی تھی، اسی میں نادر خان نے ہمارا تعاقب کیا تھا، بڑا سسپنس تھا کہ ہم پر حملہ کس نے کیا؟ نادر خان کہاں سے آ گیا؟ یہ ساری باتیں ناقابل فہم تھیں، بہر طور ماما اور دانیہ ٹہلتی ہوئی آگے بڑھ گئیں۔ وہ لاش سڑک کے کنارے اب بھی رکھی ہوئی تھی۔ بندہ مر گیا تھا، ماما اور دانیہ نے اسے دیکھا اور آنکھیں بند کر لیں، میں انہیں وہاں سے الگ لے آیا تھا۔

تھوڑی دیر کے بعد پولیس کی ایک جیپ پہنچ گئی۔ اس میں چھ افراد سوار تھے، ایک ایس ایچ او، رحیم بخش تھا، جو کافی خوبصورت لمبا تڑنگا آدمی تھا۔ وہ بڑے پیار سے نادر خان سے گلے ملا اور کچھ دیر باتیں کرتا رہا، پھر نادر خان اسے لے کر ہمارے قریب آ گیا تھا۔

یہ رحیم بخش ہے۔ رحیم بخش! یہ بہت اچھے لوگ ہیں۔ میرے دوست ہیں، باہر سے آئے ہیں اور یہاں مشکلوں کا شکار ہو گئے ہیں۔ کچھ لوگوں نے ان سے دشمنی باندھ لی ہے، سانگلہ ہل میں ان کی بہت بڑی زمینیں ہیں، وہاں سے آ رہے تھے کہ راستے میں ڈاکوؤں نے انہیں لوٹنے کے لئے حملہ کر دیا۔ اتفاق کی بات ہے کہ میں ایک کیس کے سلسلے میں جا رہا تھا، میں نے ان پر گولیاں برستے ہوئے دیکھ لیں اور میں بیچ میں آ گیا، ہم نے ان ڈاکوؤں پر گولیاں چلائیں، تین چار بندے تھے، یہ ایک بندہ ہماری گولیوں کا شکار ہو گیا، لیکن خیر، رحیم بخش تم ذرا مختلف ٹائپ کی رپورٹ تیار کرو گے۔ تم یہی بتاؤ گے کہ تم گشت پر تھے۔ ادھر سے گزر رہے تھے کہ تم نے کچھ ڈاکوؤں کو ایک گاڑی پر گولیاں برساتے ہوئے دیکھا اور جوابی طور پر تم نے انہیں للکارا تو انہوں نے تم پر فائرنگ شروع کر دی۔ نتیجے میں ایک بندہ تمہاری گولیوں سے مارا گیا، باقی جو ایک دو تھے وہ بھاگ گئے۔ یہ رپورٹ ہو گی اور رحیم بخش! ان لوگوں کے نام پتے بے شک لکھ لو، لیکن انہیں اس چکر میں پھنسانا نہیں ہے۔''

''ٹھیک ہے، جیسے تم چاہو گے ویسے ہی ہو گا میرے دوست۔ رحیم بخش نے بے تکلفی سے کہا، پھر بولا۔ ''آپ کی گاڑی تو بالکل ناکارہ ہو گئی ہے صاحب، گاڑی کو یہیں چھوڑنا پڑے گا، باقی سارے انتظام میں کر دوں گا، آپ یہ بتایئے کہ آپ رپورٹ درج کرائیں گے؟''

''یہ بات تو آپ خود ہمیں بتایئے رحیم بخش صاحب؟'' سرفراز بھائی نے کہا۔

رحیم بخش سوچ میں ڈوب گیا پھر بولا۔ ''میں دیکھ لوں گا کہ کیا کیا جا سکتا ہے، گاڑی میں لے جاؤں گا اور خاموشی سے اپنے مکینک کو دے دوں گا۔''

''تم بے شک سانگلہ ہل چلو، میرے پاس کافی وقت ہے، سارے کام میری موجودگی میں کرو، بعد میں انہیں لاہور تک میں خود لے جاؤں گا۔'' پھر وہ ہم سے بولا۔ ''گاڑی کی کوئی پروا نہ کریں، آپ کا قیمتی سامان اس میں ہو تو نکال لیجئے۔''

ہم نے گاڑی سے ضروری چیزیں نکال لی تھیں، گاڑی کی ہمیں واقعی کوئی خاص فکر نہیں تھی۔ زندگیاں بچ گئی تھیں، بس یہی کافی تھا، ایسی درجنوں گاڑیاں خریدی جا سکتی تھیں۔ رحیم بخش نے یہ بھی پیشکش کی کہ اگر ہم چاہیں تو وہ لاہور تک ہمیں چھوڑنے جا سکتا ہے، لیکن یہ ذمہ داری نادر خاں نے سنبھالی ہوئی تھی۔

نادر خان ہمیں اپنی گاڑی میں لے کر وہاں سے چل پڑا، وہ خود ڈرائیو کر رہا تھا اور چاروں طرف نگاہ بھی رکھے ہوئے تھا، راستے میں اس نے افسوس بھرے انداز میں کہا۔ ''افسوس اصل بندہ نکل گیا، لیکن نادر خاں ہے میرا نام بچ کر کہاں جائے گا۔''

''نادر خان آپ نے ایک ایسی بات کہہ دی ہے جس کے بعد ہمیں خاموش ہو جانا پڑا، ورنہ ہم آپ سے ضرور یہ بات پوچھتے کہ ہمارے خلاف ہونے والی سازش کا پتہ آپ کو کب اور کہاں سے چلا اور سازش کرنے والا کون تھا؟''

''میں ہاتھ جوڑ کر کہتا ہوں کہ اس میں کسی طرح کی بددیانتی نہیں ہے۔ لیکن بات تھوڑی صیغہ راز میں رکھنے والی ہے۔ ذرا سی بات سے میرا بھی خانہ خراب ہو سکتا ہے، لیکن ایک وعدہ میں آپ سے کرتا ہوں کہ آپ کو سب کچھ پوری تفصیل کے ساتھ بتا دوں گا، اس وقت رہنے دیں تو مجھ پر مہربانی ہو گی۔''

نادر خان نے اس انداز میں یہ الفاظ کہے تھے کہ اس کے بعد کچھ کہنے کی گنجائش نہیں رہ جاتی تھی۔ بہر طور ہم لوگ گھر واپس پہنچ گئے، نادر خان نے ہمیں گھر کے دروازے سے اندر چھوڑا تھا۔

جب ہم اندر داخل ہوئے تو حرا کسی کام سے باہر نکلی تھی۔ ہمیں اس طرح دیکھ کر حیران ہو گئی۔ پھر اس نے ادھر اُدھر دیکھا، غالباً وہ ہماری کار تلاش کر رہی تھی، پھر وہ دوڑتی ہوئی ہمارے پاس آ گئی۔

''ارے خیریت تو ہے، گاڑی کہاں ہے؟''

''تھوڑی سی خراب ہو گئی تھی گیراج میں چھوڑ دی ہے۔'' سرفراز بھائی نے کہا۔

''اوہ میں تو ڈر ہی گئی تھی، آپ لوگ ٹھیک تو ہیں نا، کتنا برا لگ رہا تھا، قسم خدا کی ایک لمحے جو دل لگا ہو دانیہ کے بغیر، دانیہ یار ظلم ہے یہ ہم تو اس چہار دیوار کے قیدی ہیں، ہم پر بھی رحم کر لیا کرو۔''

''نہیں ایسی کوئی بات نہیں ہے۔ اصل میں ہم لوگوں کو نہیں معلوم کہ تایا ابو تمہیں ہمارے ساتھ کہیں باہر نکلنے کی اجازت دیں گے یا نہیں۔'' دانیہ نے کہا اس نے اپنے آپ کو کافی حد تک سنبھال لیا تھا۔

پھر تایا ابو بھی آ گئے اور ہم خیریت معلوم کرنے لگے، گاڑی کے بارے میں انہیں بھی وہی سب کچھ بتا دیا گیا تھا، یہ بات درمیان میں ہی طے ہو گئی تھی کہ تایا ابو کو حقیقت نہیں بتائی جائے گی۔ تایا ابو پوچھتے رہے کہ ہم لوگ کہاں کہاں گئے؟ ہم نے یہی بتایا کہ شیخو پورہ میں پھوپھا جان اور پھوپھی جان سے ملاقات ہوئی۔ ان کے پاس کچھ وقت رہے۔ پھر زمینیں دیکھنے کے لئے سانگلہ ہل وغیرہ گئے۔

''کیسا رہا پنجاب کے دیہاتوں کا یہ سفر؟''

''پنجاب بے حد خوبصورت ہے۔'' سرفراز بھائی نے کہا۔

"یہ دونوں کچھ عجیب سی ہو رہی ہیں، تم لوگوں کو شاید اس سفر میں مزہ نہیں آیا؟"

"نہیں تایا ابو ایسی بات نہیں ہے، بڑے خوبصورت علاقے ہیں، بس کچھ تھکن سی ہو گئی ہے، خاص طور سے گاڑی کی خرابی کی وجہ سے۔" دانیہ نے بات بتائی۔

بہر حال کافی دیر تک ہم لوگ تایا ابو، حرا اور سلطانہ وغیرہ سے باتیں کرتے رہے اور اس کے بعد اپنے کمرے میں پہنچ گئے۔ ماما تو کمرے میں جاتے ہی بستر پر لیٹ گئی تھیں۔

"میں تو بیمار ہو گئی، کیسی عجیب بات ہے، ہماری گاڑی گولیوں سے چھلنی ہو گئی لیکن اللہ نے ہمیں محفوظ ہی رکھا، ویسے نادر خان کو خاصی معلومات ہیں، اس نے کسی اصل بندے کی بات بھی کہی تھی۔"

"بھائی جان میں ایک بات بتاؤں۔" دانیہ نے پُرتجسس لہجے میں کہا اور ہم سب چونک کر اس کی طرف متوجہ ہو گئے۔

"کیا دانیہ؟"

"بھائی جان جو لاش وہاں رکھی ہوئی تھی نا میں نے اس بندے کو پہچان لیا ہے۔"

"کیا...... تم نے پہچان لیا ہے؟"

"ہاں سچ بتا رہی ہوں آپ کو، اتفاق سے میں نے اس کے چہرے کو غور سے دیکھ لیا تھا۔ اس وقت جب ہم چودھری عرفان کے پاس موجود تھے اور چودھری عرفان نے کسی سے بوتلیں لانے کے لئے کہا تھا وہ یہی بندہ تھا۔"

"چودھری عرفان، اوہ میرے خدا...... تمہیں یقین ہے دانیہ؟"

"اگر یقین نہ ہوتا تو میں کبھی آپ کے سامنے یہ بات نہ کہتی۔"

"میرے خدا...... مگر وہ ہمارا دشمن کیوں بن گیا؟"

"میں سمجھ رہا ہوں، ہم نے اس سے حساب کتاب وغیرہ کے بارے میں بے شک کچھ نہیں کہا تھا، لیکن یقیناً اس نے حساب میں گڑبڑ کی ہوئی ہو گی اور یہ معلوم ہونے کے بعد ہم لوگ بحرین سے یہاں پہنچ گئے ہیں، اپنی مجرمانہ کارروائیاں چھپانے کے لئے اس نے ہمیں راستے ہی میں ختم کر دینے کی کوشش کی۔"

"مگر پھر نادر خان وہاں کس طرح پہنچ گیا؟" میں نے سوال کیا۔

"ایک بات اور، پاپا کچھ دشمنیوں کا تذکرہ کرتے تھے، یاد ہے نا؟"

"پاپا کی یہ بات کبھی بھولی جا سکتی ہے؟"

"کیا یہ بہت بڑی دشمنی نہیں ہے، یہی لوگ پاپا کے دشمن ہوں گے، ویسے میں تمہیں ایک بات اور بتاؤں، میرا ذہن بہت تیزی سے کام کر رہا ہے، تمہیں معلوم ہے نادر خاں'

تائی جان کے پیچھے لگ گیا ہے۔ تائی جان نے اس کی جو بے عزتی کی تھی اسے وہ برداشت نہیں کر سکا، اس کا کہنا تھا کہ وہ بھی اپنی نوکری داؤ پر لگا کر دانی سرکار کے بارے میں معلومات حاصل کرے گا۔ یار کہیں ایسا تو نہیں ہے کہ اس سلسلے میں بھی تائی جان ہی کا کوئی ہاتھ ہو، ان کے بارے میں ابھی تک ہمارا ذہن صاف نہیں ہے۔ خیر، تائی جان بھی کیا یاد کریں گی، ہم نے کبھی زندگی میں ایسے کام نہیں کئے کیونکہ اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے پاپا نے ہماری ساری مشکلات خود سنبھال رکھی تھیں، انہوں نے ہمیں کبھی اس کا موقع ہی نہیں دیا، لیکن اب اس کا مطلب یہ بھی نہیں ہے کہ ہم بالکل ہی بودم ہیں۔ ٹھیک ہے تائی جان آپ کو سرفراز کا سامنا کرنا پڑے گا۔" سرفراز بھائی نے اس طرح کہا کہ مجھے ہنسی آ گئی۔

"تو کیا آپ تائی جان سے ڈوئیل لڑیں گے؟"

"نہیں شہاب میں سچ کہہ رہا ہوں، میرے ذہن میں کتنی ہی بار یہ بات آئی ہے کہ کہیں پاپا کی موت میں تائی کا ہاتھ تو نہیں ہے، اگر ایسا ہے تو واقعی تائی بھی کیا یاد کریں گی کہ باپ کا بدلہ لیا تھا کسی نے...... لیکن ایک بات کی اجازت میں آپ سے چاہوں گا ماما کہ میں جو کوشش کروں گا اس میں ہو سکتا ہے کچھ باتیں آپ لوگوں کو ناگوار گزریں، لیکن براہ کرم میرا راستہ نہ روکئے گا۔" سرفراز بھائی اس طرح سنجیدہ ہو گئے تھے کہ ہم لوگوں کو بھی سنجیدہ ہونا پڑا۔

اب ذرا صورتِ حال مختلف ہو گئی تھی، بہت سے معاملات میں تایا ابو کو بھی اعتماد میں نہیں لیا جا سکتا تھا کیونکہ بہر حال یہ خاندان ہی عجیب و غریب تھا۔ پھوپھا جان اور پھوپھی جان جس طرح کے لوگ تھے، ان کے بارے میں کوئی شک نہیں کیا جا سکتا تھا۔ ان کے نہ آل تھی نہ اولاد۔ اپنی زندگی میں مست تھے اور جہاں تک میرا خیال تھا کہ مالی طور پر بھی وہ مطمئن تھے اور کسی قسم کی سازش میں کوئی حصہ نہیں لے سکتے تھے۔

بہت دیر تک ہم لوگ باتیں کرتے رہے، گاڑی کی بات بھی زیرِ غور آئی، ماما نے کھل کر کہہ دیا کہ وہ اس گاڑی کو اب دوبارہ استعمال نہیں کریں گی، اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ دوسری گاڑی خریدنا ہمارے لئے کوئی مشکل کام نہیں ہے۔

دوسرے دن صبح کو معمول کے مطابق میں قیصر خان سے ملا۔ اس کے ساتھ چائے پی اور اسے ہدایت کی کہ سارے معاملات کو دل میں رکھے اور کسی سے کوئی تذکرہ نہ کرے۔ قیصر خان نے خاموشی سے گردن ہلا دی تھی۔ ظاہر حسین کے معاملے میں بھی رات کو ہماری بات چیت ہوئی تھی، انہیں اعتماد میں لینا ضروری تھا، ظاہر حسین کو فون کیا گیا تو انہوں نے کہا کہ آج وہ آفس میں ہی ہیں کورٹ وغیرہ میں کوئی کیس نہیں ہے۔

ہم خود ان سے ملنے چلے گئے۔ تایا ابو کی کار استعمال کی گئی تھی۔ ڈرائیونگ قیصر خان کر رہا تھا۔ طاہر حسین نے ہمارا استقبال کیا اور ہمارے معمولات کے بارے میں پوچھنے لگے سرفراز بھائی نے انہیں ساری تفصیل بتائی تو طاہر حسین کے چہرے پر تشویش کے آثار پھیل گئے۔

''ان باتوں کے امکانات بہت زیادہ ہیں، اللہ تعالیٰ نے آپ کو محفوظ رکھا، اپنی حفاظت کے کچھ اور بندوبست کریں۔ نادر خاں نے اس سلسلے میں آپ کو کوئی بات نہیں بتائی؟''

''نہیں، لیکن لگتا ہے کہ نادر خان ہمارے معاملے میں کافی دلچسپی لے رہے ہیں اور کچھ باتیں ان کے علم میں بھی آ چکی ہیں۔''

''سیدھی سی بات ہے، اتنے فاصلے پر پہنچ جانا اور بروقت مدد کرنا بے مقصد تو نہیں ہو سکتا۔''

''لیکن نادر خان کچھ بتانے پر تیار نہیں ہیں۔''

''اگر غور کرو تو بالکل ٹھیک ہے۔ اس کی اپنی بھی نوکری کا معاملہ ہے کسی کا کھل کر نام نہیں لے سکتا، بات کہیں نہ کہیں سے نکل ہی جاتی ہے لیکن بہر حال ضدی آدمی ہے کچھ کر کے ہی چھوڑے گا۔''

''نادر خان سے ہمیں خفیہ طور پر ملنا چاہئے۔''

''مجھے اس کے گھر کا پتہ معلوم ہے، آپ اس سے گھر پر ملیں، اس وقت وہ آپ کو گھر پر مل جائے گا کیونکہ لنچ وہ گھر پر کرتا ہے۔''

طاہر حسین سے پتہ لے کر ہم نادر خان کے گھر پہنچ گئے۔ بڑا خوبصورت گھر بنا ہوا تھا۔ نادر خان گھر پر ہی مل گیا ہمیں دیکھ کر بھونچکا رہ گیا۔

''ارے آپ لوگ......''

''جناب، چاہیں تو ایک کپ چائے پلا دیں ورنہ سلام دعا کر کے واپس چلے جاتے ہیں۔''

''کیسی باتیں کر رہے ہیں۔ آیئے اندر آیئے، آپ یقین کریں میں بڑا حیران ہوں آپ کے یہاں آنے پر، سب سے پہلے مجھے بتایئے کوئی خاص بات تو نہیں ہوئی۔''

''نہیں، سب سے خاص بات یہ ہے کہ ہم سے رات کا کھانا بھی ٹھیک سے نہیں کھایا گیا۔''

''کیوں، آپ لوگ کسی بھی چیز کو دل میں جگہ نہ دیجئے، آپ کا یہ خادم آپ کے ساتھ ہے۔'' نادر خان نے ہمیں ڈرائنگ روم میں بٹھایا پھر بولا۔ ''اچھا یہ بتایئے کھانا کھا لیا

آپ نے؟''

''بالکل نہیں، آپ کے ساتھ ہی کھائیں گے۔''

''ارے واہ! یہ ہوئی نا دوستی والی بات، میں ذرا اپنی مسز کو ہدایت کر دوں بلکہ پہلے آپ کو ان سے ملا دوں۔''

نادر خان کی بیوی سے بھی ملاقات ہوئی، ایک خوش مزاج اور پڑھی لکھی خاتون تھیں، تھوڑی دیر بیٹھنے کے بعد وہ کھانے کی تیاریاں کرنے چلی گئی۔

نادر خان نے کہا۔ ''رحیم بخش نے سارے معاملات سنبھال لئے ہیں، روزنامچے میں اس نے ایک ایسے خاندان کا تذکرہ کیا ہے جس پر ڈاکوؤں نے قاتلانہ حملہ کیا اور اسے لوٹنے کی کوشش کی، لیکن پولیس گشت پر تھی، ڈاکوؤں سے مقابلہ ہوا اور ایک ڈاکو مارا گیا، باقی بھاگ گئے، کار کا مسئلہ جان بوجھ کر گول کر دیا گیا ہے، ورنہ آپ لوگوں کو مشکل کا شکار ہونا پڑتا۔ البتہ اس نے یہ پوچھا ہے کہ کار کا کیا کیا جائے۔ وہیں کسی ورکشاپ کو دے دی جائے یا پھر یہاں لاہور پہنچا دیا جائے، آپ کیا کہتے ہیں؟''

''میرا خیال ہے نادر صاحب، کار وہیں کسی ورکشاپ میں دے دی جائے اور وہ تیار ہو جائے تو اسے بیچ دیا جائے، اگر رحیم بخش صاحب یہ کام کر سکیں تو انہیں سے کرا دیجئے، ان سے کہئے ان کی مہربانی ہو گی، ماما ہمیں اب اس کار میں سفر کرنے کی اجازت نہیں دے رہیں، اس لئے دوسری کار خرید لی جائے گی۔''

''گڈ۔''

''ویسے نادر صاحب آپ سمجھ رہے ہوں گے کہ ہم پر کیا بیت رہی ہے، اس بات پر آپ یقین کر لیجئے کہ ہم ذرہ برابر خوفزدہ نہیں ہیں، لیکن تجسس ضرور ہے۔''

نادر خان سوچتا رہا پھر بولا۔ ''دیکھئے میں آپ سے کچھ کہنا نہیں چاہتا تھا، لیکن کچھ ایسی دوستی ہو گئی ہے آپ سے کہ آپ پر مکمل اعتماد بھی ہے، بات صرف اتنی سی ہے کہ مجھے کچھ شکوک و شبہات ہیں۔ امتیاز احمد صاحب کی موت کی اس وقت تک کوئی اہمیت نہیں تھی جب تک کہ ان کی شخصیت منظر عام پر نہیں آئی تھی۔ کسی بڑی شخصیت کی اس طرح کی موت کو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا اور پھر طاہرہ خانم نے اس وقت میرے ساتھ جو رویہ اختیار کیا تھا میں اس رویئے کو برداشت نہیں کر سکا، میں اس تحقیقات کے سلسلے میں انہیں سرفہرست رکھے ہوئے ہوں، مجھے اطلاع ملی تھی کہ وہ کسی کو آپ لوگوں کی سانگلہ ہل آمد کے بارے میں بتا رہی تھیں اور انہوں نے ہدایت کی تھی کہ آپ لوگوں کو دیکھا جائے۔''

''آپ کو یہ کیسے معلوم ہوا؟''

"خدارا، بس اتنا ہی مناسب سمجھیں، چلیں خیر جب یہاں تک بتا دیا ہے میں نے
میں آپ سے یہ بھی عرض کر دوں کہ ان کے ملازموں میں سے میں نے ایک بندہ خریدا
ہے، وہ مجھے ان کے بارے میں مکمل اطلاعات دے رہا ہے۔ اس کا کہنا ہے کہ طاہرہ خانم
کے پاس بڑے بڑے لوگ ان سے ملنے آتے ہیں، طاہرہ خانم انہیں تعویذ گنڈے دیتی ہیں
ان کے بڑے بڑے کام ہو جاتے ہیں، لیکن جناب آپ سے میں عرض کروں یہ کام تعویذ
گنڈوں سے نہیں ہوتے بلکہ طاہرہ خانم کے تعلقات سے ہوتے ہیں اور ان کاموں کے
معاوضے بھی بڑے زبردست وصول کرتی ہیں وہ۔"

"گویا، آپ کے آدمی نے آپ کو اطلاع دی تھی کہ طاہرہ خانم نے ہمیں نقصان پہنچانے
کے لئے کسی کو ہدایت کی تھی۔"

"نقصان کی بات میں نہیں کر رہا، بس الفاظ گول مول تھے، انہیں آپ کے شیخوپورہ پہنچنے
کا بھی علم تھا اور جب آپ وہاں سے چلے تب انہوں نے کسی کو آپ کے بارے میں اطلاع
دی کہ آپ اپنی زمینیں دیکھنے کے لئے آ رہے ہیں۔ آپ کا شایان شان استقبال کیا
جائے۔"

"واقعی ہمارے شایانِ شان استقبال کیا گیا۔" میں نے مسکرا کر کہا۔

"اچھا آپ ایک کام کریں وہ یہ کہ ظاہر حسین صاحب سے مشورہ کر کے آپ اپنی
زمینوں کے نگرانوں کو اپنے پاس طلب کریں۔ ان میں دو تین نام آتے ہیں، بھکھی میں جو
آپ کی زمینیں ہیں ان کا نگراں، اس کے علاوہ گکھڑ میں آپ کا رائس مل ہے۔ اس کے
جنرل منیجر کو اور سانگلہ ہل وغیرہ میں جو لوگ ہیں آپ ان سب کو اپنے پاس بلا لیں اور ان
سے حسابات وغیرہ طلب کریں، اس کام کے لئے آپ صرف تین دن کا وقت دیں اور ان
سے کہیں ہر قیمت پر یہ لوگ یہاں پہنچیں۔"

میں اور سرفراز بھائی بڑے غور سے نادر خان کی یہ باتیں سن رہے تھے۔

نادر خان نے پھر کہا۔ "میں آپ کو اس کے بعد بتاؤں گا کہ آگے کی صورتِ حال کیا ہو
گی۔"

"ٹھیک ہے۔"

واپسی میں سرفراز بھائی پھر بری طرح جوش میں تھے۔ "خدا کی قسم، اگر تائی میرے ابا
کی موت کی ذمہ دار نکلیں تو انہیں ایسی جگہ لے جا کر ماروں گا جہاں پانی بھی نہ ملے۔"

وہ بہت دیر تک باتیں کرتے رہے، پھر ہم دوبارہ ظاہر حسین کے پاس پہنچے اور میں نے
ان سے اپنی خواہش کا اظہار کیا۔

"ٹھیک ہے تینوں کو یہیں بلا لیتے ہیں۔"

"کب بلا رہے ہیں آپ؟"

"میرا خیال ہے دو یا تین دن کا وقت تو دے دو۔"

"ٹھیک ہے لیکن ان لوگوں سے کہیں کہ اپنے تمام حساب کتاب کے ساتھ یہاں پہنچ
جائیں۔"

ظاہر حسین نے اسی وقت اپنے آدمی کو بلا کر ان تینوں کو نوٹس جاری کئے تھے اور ہم یہ
تمام کارروائی کرنے کے بعد گھر واپس آ گئے تھے۔

ماما دانیہ کو اس بارے میں ملوث کرنا مناسب نہیں سمجھا گیا تھا، پچھلے کچھ دنوں سے گورنی
کی طرف سے بھی خاموشی چلی آ رہی تھی اور کوئی ایسی بات نہیں ہوئی تھی جو قابلِ ذکر ہوتی۔
میں ان پُراسرار دشمنوں کو چھیڑتے رہنا چاہتا تھا، چنانچہ میں نے رات کی تاریکی میں گھر کے
دوسرے حصے کا چکر بھی لگایا تھا اور اس اجاڑ اور ویران جگہ بھی پہنچا تھا، جہاں کے بارے میں
اب مجھے یقین تھا کہ وہ پُراسرار مخلوق کے مسکن ہیں، لیکن کوئی قابل ذکر واقعہ پیش نہیں آیا،
مکمل خاموشی طاری تھی۔

تین دن کے بعد ظاہر حسین نے بتایا کہ آج دوپہر کو وہ لوگ پہنچ رہے ہیں، چنانچہ ہم
لوگ بھی پہنچ جائیں اور ٹھیک تین بجے ہم ان کے دفتر پہنچ گئے۔ یہاں عرفان چوہدری بھی تھا
اور باقی دو افراد بھی، رائس مل کا جنرل منیجر افتخار حسین خاصا پڑھا لکھا آدمی تھا، اس نے
بڑے خلوص کے ساتھ اپنے رجسٹر ہمارے سامنے پیش کر دیئے۔ ظاہر حسین نے اپنے
آدمیوں کو بھی اس کام کے لئے مصروف کر لیا تھا، اس کے بعد دوسرے اور پھر عرفان
چوہدری کی باری بھی آئی۔

عرفان چوہدری نے کہا۔ "صاحب جی میں زیادہ پڑھا لکھا آدمی نہیں ہوں، بس اپنے
حساب سے ادائیگیاں کرتا ہوں، لیکن وکیل صاحب کو مجھ پر کبھی کوئی شک نہیں ہوا، نہ ہی میں
نے کام میں کوئی ہیر پھیر کی، بس میں نے اپنے طور پر یہ کیا ہے۔"

"یہ جو کچھ بھی ہے یہ بالکل غور کے قابل نہیں ہے، تمہیں تو بہت تفصیل سے یہ کام کرنا
تھا۔" سرفراز بھائی نے سخت لہجے میں کہا۔

"صاحب جی شروع سے ایسے ہی کرتا چلا آیا ہوں پوچھ لیجئے وکیل صاحب سے۔"

"میں بالکل کھلی بات کہہ رہا ہوں چودھری عرفان کو امتیاز احمد صاحب نے کبھی اس سلسلے
میں مجھ پر زور نہیں دیا، ان کی زندگی میں تو کچھ بھی نہیں کہہ سکتا تھا میں لیکن یہ سارے
حساب ناکافی ہیں، آپ اس سلسلے میں مالکان کو جواب دیں۔" ظاہر حسین نے سخت لہجے میں

کہا۔

''چودھری عرفان! میں تمہیں ایک ہفتے کی مہلت دے سکتا ہوں، ان سارے حسابوں کے ساتھ زمینوں کی آمدنی، ان کی پیداوار کی تفصیل چاہئے مجھے، ایک ہفتے کے اندر تم مجھے یہ تفصیل بنا کر دو، اگر تم نے یہ تفصیل بنا کر نہیں دی تو میں تمہیں تمہاری جگہ سے ہٹا دوں گا اور کسی اور کو وہاں مقرر کر دوں گا۔'' سرفراز بھائی بڑے سخت انداز میں بولے۔

''جیسا حکم سرکار! ہم پوری پوری کوشش کریں گے۔'' چودھری عرفان نے کہا اس کے بعد ان لوگوں کو جانے کی ہدایت دے دی گئی۔

ظاہر حسین نے ان کے جانے کے بعد کہا۔

''آپ کے خیال میں کیا کیا جائے اس شخص کے ساتھ؟''

''دیکھتے ہیں کیا بنا کر لاتا ہے پھر غور کریں گے اور ضروری ہوا تو پھر اسے اس کی جگہ سے ہٹا دیا جائے گا اور کوئی نیا بندہ مقرر کر دیا جائے گا۔''

آج کی اس کارروائی کا کوئی خاص فائدہ نظر نہیں آیا تھا۔ سرفراز بھائی سوچ رہے تھے کہ اب ہمیں کوئی باقاعدہ آفس بنا لینا چاہئے، ہماری زمینوں اور جائیداد اور یہاں کے پلازوں کا پھیلاؤ بہت زیادہ تھا اور یہ کام کسی بھی طرح صرف ظاہر حسین یا ان کے ایک دو آدمی نہیں سمیٹ سکتے تھے۔

گھر پہنچے تو تھوڑی ہی دیر کے بعد نادر خان کا فون آ گیا۔

''جناب، کیسے ہیں آپ لوگ؟''

''اللہ کا شکر ہے...... آج ان تینوں کو بلایا تھا۔''

''ہاں ...... میں ڈیوٹی پر تھا اور کسی بھی لمحے آپ لوگوں سے زیادہ دور نہیں رہا تھا۔ ایک اطلاع ہے آپ کے لئے وہ یہ کہ ظاہر حسین کے دفتر سے نکل کر چودھری عرفان سیدھا طاہرہ خانم کی کوٹھی کی طرف گیا تھا اور وہاں جب وہ دو گھنٹے گزار کر نکلا تو اس کے چہرے پر ہوائیاں اڑ رہی تھیں اور وہ بہت زیادہ خوفزدہ تھا، اس کے بعد وہ بس میں بیٹھ کر سیدھا سانگلہ ہل چلا گیا۔''

''آپ کا مطلب ہے نادر صاحب کہ چودھری عرفان......''

''نہیں بس اتنا ہی بتا سکتا ہوں۔ البتہ آپ کو یہ اندازہ ہو گیا ہو گا کہ آپ پر حملہ آور کون تھے۔'' نادر خان نے کھل کر بتایا۔

''تو پھر اب نادر صاحب......''

''دیکھیں ہمارے اور آپ کے درمیان یہ بات طے ہو چکی ہے کہ آپ بھی صبر و سکون

ے کام لیں گے اور مجھے میرا کام کرنے دیں گے۔''

''ٹھیک ہے آپ اطمینان رکھیں، ویسے ہم اپنے معمولات جاری رکھیں کوئی حرج تو نہیں ہے۔''

''صرف اتنا بتا دیں کہ کس وقت کیا کر رہے ہیں، اگر آؤٹ آف سٹی جائیں تو مجھے بتا کر جائیں۔'' نادر خان نے کہا۔

سرفراز بھائی نے طے کیا تھا کہ دوسری مصروفیات سے پہلے ایک اور خاندان سے مل لیں، یہ خاندان ریاض حسین کا تھا، ریاض حسین ساہیوال میں رہتے تھے۔

ماما سے پوچھا کہ وہ ہمارے ساتھ چلیں گی تو انہوں نے کہا۔ ''کیوں نہیں اللہ مالک ہے جب تم جاؤ گے تو میں تمہارے ساتھ ہی ہوں گی۔''

آخر کار ہم لوگوں نے ساہیوال جانے کا فیصلہ کر لیا۔ ادھر گاڑی کا انتظام بھی ہو رہا تھا اور یہ گاڑی بھی ظاہر حسین کے ذریعے ہی ہمارے پاس پہنچی، ہم نے قیصر خان کو ساہیوال جانے کے لئے تیار کر لیا۔ نادر خان سے چونکہ پوری طرح تعاون چل رہا تھا اور ہمیں اندازہ تھا کہ وہ ہم سے بہت مخلص ہے، اس کی خواہش کے مطابق ہم نے اسے ساہیوال جانے کے بارے میں فون پر اطلاع دی تو اس نے جلدی سے کہا۔ ''کب نکل رہے ہیں آپ؟ اپنی گاڑی سے ہی جائیں گے، کیا گاڑی کا بندوبست ہو چکا ہے؟''

''ہاں نئی گاڑی آ گئی ہے۔''

''براہِ کرم مجھے اس کی تفصیل بتائیے۔''

''مرسڈیز ہے اور اس کا نمبر آپ نوٹ کر لیجئے۔'' میں نے کہا اور نادر خان کو گاڑی کا نمبر نوٹ کرا دیا۔ اس نے کہا کہ اسے تھوڑا سا وقت دیا جائے اور پھر نکلنے سے پہلے اطلاع دے دی جائے۔

''کیا تم پولیس گارڈ ہمارے ساتھ بھیجو گے، نادر خان؟'' میں نے کہا۔

''نہیں بس میرے علم میں ہونا چاہئے اور کوئی خاص بات نہیں ہے۔'' نادر خان نے سرسری انداز میں کہا۔ بہرحال نکلنے سے پہلے ہم نے نادر خان کو اطلاع دے دی تھی اور اس کے بعد پنجاب کی شادابیاں ایک بار پھر ہماری نگاہوں کے سامنے تھیں۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ یہاں کے راستے بہت حسین ہوا کرتے تھے، حالانکہ ہمارے ساتھ جو کارروائی ہوئی تھی وہ بڑی خوفزدہ کر دینے والی تھی، لیکن اس وقت سفر بڑی ہمت کے ساتھ کیا جا رہا تھا، سرفراز بھائی بہت زیادہ پُرجوش تھے۔ انہوں نے شاید اسلحے وغیرہ کا بندوبست بھی کیا تھا، لیکن ساہیوال تک کا سفر بہت خوشگوار رہا اور کوئی ایسی بات نہ ہوئی، جو کسی طرح کے تردّد یا

الجھن کا باعث ہوتی۔

پتہ ہم نے اچھی طرح سمجھ لیا تھا، قیصر خان اس مسئلے میں واقعی بڑا حیرت انگیز آدمی ثا
ایسا لگتا تھا، جیسے اسے ان علاقوں کے چپے چپے کے بارے میں معلوم ہو بس ایک آدھ
معلومات حاصل کرنا پڑی تھی اور اس کے بعد اس نے ہمیں ایک ایسی جگہ لا کھڑا کیا، جو ا
غربت زدہ بستی کہلائی جا سکتی تھی، لیکن بہرحال مرسڈیز اس کے گھر کے دروازے تک پہنچ
تھی جو کچا پکا بنا ہوا تھا۔

مکان نمبر البتہ صاف لکھا ہوا تھا اس لئے کوئی پریشانی نہیں ہوئی، ماما اور دانیہ بھی کار
اتر آئیں اور ہم لوگ اس عسرت زدہ مکان کے دروازے پر پہنچ گئے۔

بیل بجائی، جن خاتون نے دروازہ کھولا انہیں دیکھ کر ہی آنکھیں روشن ہو گئیں، عمر رسیدہ
خاتون تھیں لیکن اس قدر دلکش کہ بڑھاپے میں کسی کے اتنا دلکش ہونے پر یقین نہیں کیا
سکتا تھا۔ لمبے لمبے بال انتہائی دلکش نقوش اور ان نقوش میں تقریباً اسی فیصد دادی اماں
جھلک ملتی تھی۔ انہوں نے بڑی حیرانی سے ہم لوگوں کو دیکھا تھا۔ پھر ان کی نگاہ سلور گر
رنگ کی حسین مرسڈیز پر بھی پڑی، وہ خاصی نروس ہو گئی تھیں۔

"آیئے...... فرمایئے...... کس سے ملنا ہے آپ کو، معافی چاہتی ہوں یہ سوال اس
کیا ہے کہ آپ جیسے لوگوں کا اس گھر سے تعلق ہو نہیں سکتا، آیئے پلیز، محسوس نہ کریں میرا
بکواس کو آیئے۔"

ہم چاروں اندر داخل ہو گئے تو انہوں نے دروازہ بند کیا، بڑا سا کچا صحن تھا، مکان اند
سے کافی وسیع تھا۔ سامنے ہی ایک برآمدہ نظر آ رہا تھا، جس میں سرکنڈوں کے مونڈھے
پڑے ہوئے تھے، تین چار دروازے تھے جو کافی بوسیدہ تھے وہ ہمیں لے کر اندر پہنچیں۔

اسی وقت ایک اور خاتون باہر نکلیں اور انہیں دیکھ کر مزید حیرت ہوئی، یہ بھی اچھی خا
عمر کی خاتون تھیں لیکن گدڑی میں لعل کا محاورہ ایسے ہی کسی گھرانے کے لئے ایجاد کیا گیا
گا، یہ خاتون بھی بے حد حسین اور دلکش تھیں، سادہ اور سفید لباس، سیدھی مانگ، پور
چہرے پر پاکیزگی کا راج تھا۔ انہوں نے بھی حیران نگاہوں سے ہمیں دیکھا، میں، سرفرا
بھائی، ماما اور دانیہ اطمینان سے مونڈھوں پر بیٹھ گئے۔ دونوں خواتین خاصی الجھی ہوئی نظر
رہی تھی۔

ماما نے مسکرا کر کہا۔ "تعارف کے بغیر ہی اگر ہم لوگ مل لیں تو کوئی حرج نہیں کیونکہ
میں بھی یہی کرنا ہے۔"

"معافی چاہتی ہوں، ہمیں اپنے احمقانہ رویئے کا بخوبی احساس ہے، لیکن آپ

بتایئے، راجہ بھوج اور گنگو تیلی کا محاورہ ہے تو قدیم لیکن جگہ جگہ اس کی اصلیت نظر آتی ہے۔
آپ جیسے معزز لوگوں کا اس گھر میں آنا ہی ہماری عزت افزائی ہے اور گلے ملنے کی بات کر
کے آپ نے ہمیں اور بلندی پر پہنچا دیا ہے، خدا کے لئے پہلے اپنے بارے میں کچھ
بتایئے۔"

"میں بتاتا ہوں آنٹی، میرا نام سرفراز احمد ہے اور یہ شہاب ہیں۔ یہ میری ماما ہیں اور یہ
میری بہن، یہ تو ہوئے ہمارے نام۔ ہمارے والد کا نام سن کر آپ یقیناً ہماری اس گستاخی کو
معاف کر دیں گی۔ ہمارے والد کا نام امتیاز احمد خاں ہے۔"

دونوں خواتین کے چہروں کے تاثرات میں شدید حیرت کے نقوش بیدار ہو گئے، پھر عمر
رسیدہ خاتون آگے بڑھیں انہوں نے ماما کو کندھوں سے پکڑ کر اٹھایا اور گلے سے لگا لیا،
دوسری خاتون نے دانیہ کو پیار سے سینے سے چمٹا لیا تھا۔

عمر رسیدہ خاتون نے کہا۔ "اب میرا حق بنتا ہے کہ میں آپ لوگوں کو گلے ہی نہیں لگا
لوں بلکہ سینے میں سمو لوں۔ میرا نام سمن آراء ہے اور میں گیتی آراء کی چھوٹی بہن ہوں۔ یہ
میری بیٹی نکہت ہے، نکہت آراء، آپ لوگ اس طرح سے ہمارے گھر آئیں گے خدا کی قسم
اس طرح کے تو خواب بھی نہیں دیکھے جا سکتے۔ کتنی خوشی ہو رہی ہے اور یہ میرے بچے، اللہ
تعالیٰ انہیں رہتی دنیا تک قائم رکھے۔" بزرگ خاتون ہمیں گلے سے لگاتے ہوئے جھینپ
رہی تھیں، لیکن ہم دونوں جا کر ان سے لپٹ گئے اور اس کے ساتھ ہی ہم نے نکہت آراء بیگم
سے بھی بے تکلفی سے معانقہ کیا۔ خاتون کا چہرہ انتہائی جھینپا جھینپا نظر آ رہا تھا، اور ہمیں بہت
لطف آ رہا تھا۔

"آپ لوگ آئے خوب، آپ کی بحرین سے واپسی کب ہوئی؟"

"چلئے آپ لوگوں نے ہمیں تسلیم کر لیا، اب باقی باتیں اس وقت ہوں گی جب آپ
پہلے ہمیں پانی پلوائیں گی اور اس کے بعد چائے۔ لاہور سے یہاں تک کہیں اچھی چائے
نہیں ملی، نکہت آنٹی آپ چائے بنوایئے۔" میں نے کہا۔

"ابھی ابھی۔" نکہت آنٹی دوڑنے کے سے انداز میں باورچی خانے کی جانب بڑھ گئیں،
جبکہ سمن آراء بیگم ایک مونڈھا کھینچ کر ہمارے سامنے بیٹھ گئیں۔

"یہ بتایئے امتیاز کیسے ہیں، وہیں بحرین میں ہیں؟"

ان کے اس سوال پر ماما اور دانیہ کے چہرے پر غم کے نقوش پھیل گئے، سرفراز بھائی نے
آواز سنبھال کر کہا۔ "نہیں دادی جان، پاپا اب اس دنیا میں نہیں ہیں۔"

سمن آراء بیگم پر شدید ردعمل ہوا، کچھ لمحوں تک ان کے ہاتھ کانپتے رہے پھر انہوں نے

بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔ ''ہائے یہ کب ہوا اور کیسے ہوا؟''

''بس دادی جان! وہ ایک حادثاتی موت کا شکار ہو گئے۔''

اتنی دیر میں نکہت آراء بیگم ایک ٹرے میں نفاست کے ساتھ پانی کا گلاس رکھ کر لائیں۔ انہوں نے سمن آراء بیگم کا چہرہ دیکھا اور بولیں۔ ''خیریت کیا ہوا؟''

سمن آراء بیگم کی آواز نہ نکل سکی۔ نکہت آراء نے سرفراز بھائی کو پانی پیش کیا تو سرفراز بھائی نے اپنی جگہ سے اٹھ کر پہلے سمن آراء بیگم کو پانی پلایا۔ نکہت آراء حیران حیران سی سب کو پانی دے رہی تھیں، پھر انہوں نے کہا۔ ''مجھے بھی تو بتائیے کیا ہوا؟''

''نکہت...... امتیاز احمد اس دنیا سے چل بسے۔''

نکہت آراء بیگم کے ہاتھ سے پانی کا گلاس چھوٹ گیا، وہ سکتے میں رہ گئی تھیں۔ کچھ دیر تک وہ اسی طرح کھڑی رہیں، دانیہ نے اٹھ کر انہیں سنبھالا اور موڑھے پر بیٹھنے کی پیشکش کی۔ نکہت آراء موڑھے پر بیٹھ گئیں، انہوں نے دونوں ہاتھوں سے سر پکڑ لیا۔

''نکہت آراء پر تو امتیاز احمد نے ایک ایسا احسان کیا، تھا کہ وہ اس احسان سے زندگی بھر سر نہیں اٹھا سکتیں۔''

''پاپا اس دنیا سے چلے گئے ہم وہیں بحرین میں تھے۔ ان کی موت پاکستان میں ہی ہوئی ہے، ہم بحرین چھوڑ کر واپس آ گئے ہیں اور اب لاہور میں تایا ممتاز احمد خاں کے ساتھ رہتے ہیں۔ آئے ہوئے زیادہ دن نہیں گزرے، ابھی کچھ دن پہلے ہم پھوپھی جہاں آراء بیگم سے ملے تھے اور اب آپ کا پتہ معلوم کر کے آپ کے پاس آئے ہیں۔''

''بیٹے بہت دکھ ہوا، تم لوگوں کے علم میں یقیناً ہوگا کہ امتیاز احمد خاں فرشتہ صفت انسان تھے اور انہوں نے ہمارے پورے گھرانے پر ایک ایسا احسان کیا جس کی مثال مشکل ہی سے مل سکتی ہے، تمہارے علم میں سب کچھ ہوگا۔''

''نہیں دادی جان! ہمیں ایسے کسی احسان کے بارے میں کچھ نہیں معلوم اور اگر کچھ کیا بھی ہے پاپا نے تو اپنے، اپنوں کے ساتھ ہی کرتے ہیں، ایسے کسی احسان کا تذکرہ بھی نہ کیجئے۔''

''امتیاز احمد خاں کے لئے فاتحہ کر لی جائے۔''

سمن آراء بیگم نے کہا اور سب نے سر پر دوپٹے ڈال لئے، کچھ دیر فاتحہ خوانی ہوئی اور پھر نکہت آراء بیگم اٹھ کر باورچی خانے چلی گئیں۔ تھوڑی دیر کیلئے غم کا ماحول پیدا ہو گیا تھا اس کے بعد نکہت آراء بیگم چائے لے کر آئیں اور سب کو چائے پیش کی۔

چائے کے بعد سرفراز بھائی نے کہا۔ ''دادا ابو کہاں ہیں وہ خیریت سے ہیں نا؟''

''ہاں ابو بچوں کو کلام پاک پڑھانے کے لئے جاتے ہیں، وہ گئے ہوئے ہیں۔'' نکہت آراء نے کہا۔

''اور آپ...... آنٹی، میرا مطلب ہے......''

''نکہت بیوہ ہو چکی ہیں، ان کے شوہر کا انتقال ہو گیا ہے، بیٹی ہے ارجمند آراء وہ ایک اسکول میں نوکری کرتی ہے، دو بجے تک گھر واپس آئے گی، بس اللہ تعالیٰ زندگی گزار رہا ہے، نکہت بھی تھوڑا بہت کام کر لیا کرتی ہیں۔ ہمارے پاس کوئی بہت خاص ذریعہ آمدنی نہیں ہے، بس گزارے والی بات ہے، سو اللہ کرا رہا ہے۔''

میں خاموشی سے اس حسین خاندان کو دیکھ رہا تھا اور اس کے بارے میں بہت کچھ سوچ رہا تھا۔ پاپا نے ان لوگوں پر کیا احسان کیا تھا، مجھے اس کے بارے میں کوئی علم نہیں تھا۔

دو بجے کے قریب ارجمند واپس آ گئی اور ارجمند کو دیکھ کر نجانے کیوں میرے دل کو ایک عجیب سا احساس ہوا۔ دودھ جیسی سفید رنگت کی مالک، چہرے پر ایسا تقدس کہ انسان کی نگاہیں ایک لمحے کے لئے ٹھہر نہ سکیں۔ بڑی بڑی مخمور آنکھیں، بال اس گھرانے میں بڑی فراوانی سے تھے۔ ارجمند آراء نے موٹی سی چوٹی باندھی ہوئی تھی لیکن یہ چوٹی بغیر پراندے کے پنڈلیوں تک آ رہی تھی۔ یہ بال جب کھلتے ہوں گے تو کیسے لگتے ہوں گے۔ مجھے دادی اماں کے بال یاد آ گئے بڑا پُراسرار خاندان تھا۔

ارجمند ہم سب کو دیکھ کر حیران سی ہو گئی، تب دادی جان یعنی سمن آراء بیگم نے ہمارا تعارف کرایا اور ارجمند بڑے پیار سے ماما اور دانیہ سے ملی، پھر اس نے کہا۔ ''مجھے چند لمحوں کی اجازت دیجئے، لباس بدل لوں۔''

''ہاں...... کیوں نہیں بیٹا؟'' ماما نے ارجمند کو دیکھتے ہوئے کہا۔

''دو دن رہیں گے آپ کے پاس دادی جان اور کچھ درخواستوں کے ساتھ کہ ہمارے لئے کوئی اہتمام نہیں ہوگا۔''

''سو دن رہو بیٹے، تمہارا گھر ہے تم نے جو عزت ہمیں بخشی ہے ہم اس کے قابل نہیں تھے، خدا تمہیں مزید ظرف عطا کرے ورنہ غریب رشتے داروں کو کون پوچھتا ہے۔''

''نہیں آپ غریب نہیں ہیں، آپ کے دل محبت سے مالا مال ہیں۔''

پھر شام کو ساڑھے پانچ بجے کے قریب ریاض حسین آ گئے، بیساکھی کی کھٹ کھٹ دروازے پر سنائی دی تھی اور اس کے بعد وہ اندر آ گئے تھے۔ ان کا ایک پاؤں مفلوج ہو چکا تھا اور وہ بیساکھی کے سہارے چلتے تھے، ہمارے بارے میں انہیں معلومات ہوئیں تو انہوں نے ایک عجیب عمل کیا، انہوں نے سرفراز بھائی کے گھٹنے پکڑ لئے اور بولے۔ ''تم اس

خاندان کے فرد ہو جس کا احسان میں ساری زندگی سر سے نہیں اتار سکتا، دل میں بڑی آرزو تھی کہ ایک بار امتیاز احمد کے پیروں میں پڑ جاؤں، مگر یہ آرزو پوری نہیں ہوئی۔ میرے ایک پاؤں پر فالج ہو گیا اور ہم لوگ پسماندہ ہوتے چلے گئے، بہرحال تم سے مل کر بڑی خوشی ہو رہی ہے۔"

"دادا ابو ہمارا تو کوئی قصور نہیں ہے، آپ نے میرے گھٹنوں کو ہاتھ لگا کر مجھے شرمندہ کیوں کیا؟"

"تم جانتے ہو گے بیٹے کہ میرے سینے میں تمہارے اور تمہارے خاندان کے لئے کیا جذبے ہیں۔" ریاض حسین نے کہا۔

میں بہت متجسس ہو گیا تھا، آخر ایسا کونسا احسان کیا تھا پاپا نے ان لوگوں پر۔ اسی رات ریاض حسین ہم سب کو گھیر کر بیٹھ گئے تھے۔ ارجمند بھی ایک گوشے میں بیٹھی ہوئی تھی اور سچی بات یہ ہے کہ اس کے پاکیزہ چہرے نے مجھے مسحور کر دیا تھا، جس احسان کا تذکرہ کیا گیا تھا اس کے بارے میں نہ صرف میرے بلکہ سرفراز بھائی کے دل میں بھی شدید تجسس تھا اور ہم سب یہ جاننا چاہتے تھے کہ ایسا کون سا احسان کیا ہے ہمارے پاپا نے اس خاندان پر، جس کے نتیجے میں ان میں سے ہر شخص ہمارے سامنے بچھا جا رہا ہے۔

دادا ابو کسی سوچ میں ڈوبے ہوئے تھے ہم سب ان کے بولنے کے منتظر تھے اور اچانک ہی میرے ذہن میں گیتی آراء بیگم کا خیال آیا اور بے اختیار میرے منہ سے نکل گیا۔

"آپ ایک بات بتائیے دادی جان، آپ دادی اماں سے کب سے نہیں ملیں۔ ہمیں آئے ہوئے بے شک بہت زیادہ دن نہیں گزرے لیکن ہم نے کبھی آپ کو یا کسی خاندان والے کو تایا ابو کے پاس آتے جاتے نہیں دیکھا۔"

"میں اپنی بہن سے بہت عرصے سے نہیں ملی۔ جب آپ کے بڑے تایا کا انتقال ہوا تھا تب خاندان کے کچھ لوگ جمع ہوئے تھے، بس اس کے بعد میں نے کبھی اپنی بہن کو نہیں دیکھا۔ بیٹے، میری بات کا برا مت ماننا، تمہیں دیکھ کر ہمیں شدید حیرت ہوئی ہے اور ہم یہ سوچنے پر مجبور ہو گئے ہیں کہ آخر ایسے کون سے عوامل تھے کہ ممتاز احمد خاں نے تمہیں ہمارے پاس آنے کی اجازت دے دی۔ یہ خاندان بالکل ایک دوسرے سے نہیں ملتا، ان میں سب سے زیادہ شدت پسند طاہرہ خانم ہیں، انہوں نے جس طرح کے حالات پیدا کر دیئے تھے اس کے بعد مزید خرابیاں ہو گئی ہیں، اس وقت بھی میرے دل میں کئی بار یہ خواہش جاگی کہ تم سے میں گیتی باجی کے بارے میں معلومات حاصل کروں، لیکن میری ہمت نہیں پڑی۔"

"اس کا مطلب ہے دادی جان کہ آپ کو ہم پر بھی بھروسہ نہیں ہے اور ہونا بھی نہیں چاہئے، ہم بھی تو آخر اسی خاندان کے فرد ہیں، آپ ہمیں ابھی کیا جانیں لیکن اتنا عرض ضرور کروں گا کہ اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے پاپا نے ہمیں کسی کا دست نگر نہیں رہنے دیا بلکہ یہاں پاکستان میں بھی انہوں نے اتنا کچھ کر ڈالا ہے کہ ہماری نسلیں کھا سکتی ہیں۔ ہم آزاد ہیں، اس کے علاوہ تایا ابو نے بالکل ہمارے یہاں آنے میں رکاوٹ نہیں ڈالی، ہم پھوپھی جہاں آراء بیگم کے پاس بھی گئے تھے اور یہاں بھی ہم انہیں بتا کر آئے ہیں۔"

"میں بتاؤں سمن آراء حقیقت یہ ہے کہ ممتاز احمد خاں اتنے بُرے نہیں تھے، بس یوں کہو کہ سب کے سب حالات کے لپیٹے میں اس طرح آئے کہ منتشر ہو گئے، یہی انتشار آج تک چل رہا ہے۔"

اچانک ہی ارجمند نے کہا۔ "سلطانہ اور حرا سے تو آپ کی ملاقات ضرور ہوئی ہو گی؟"

"ہاں، ہم لوگ ساتھ ہی ہیں۔"

"ٹھیک ہیں دونوں؟"

"ہاں...... دادی اماں کے بارے میں تو آپ لوگوں کو معلوم ہو گا؟"

"ہاں، مگر ہمیں وہاں جانے کی بھی اجازت نہیں ہے۔" ارجمند نے دکھ بھرے انداز میں کہا اور سوالیہ نگاہوں سے دادا ابو کو دیکھا تو ریاض صاحب جلدی سے بولے۔ "نہیں، یہ پابندی میں نے نہیں لگائی ہے بلکہ ایک دفعہ ممتاز احمد خاں سے ہی ملاقات ہوئی تھی اور انہوں نے خاصے تلخ لہجے میں کہا تھا کہ کوئی ان کی جانب رخ نہ کرے، اصل میں ان پر طاہرہ خانم کی طرف سے مقدمہ بھی قائم کیا گیا ہے اور سنا ہے کہ وہ مقدمہ ابھی تک چل رہا ہے، بس یہی بات ہے بیٹے کہ کرے کوئی اور بھرے کوئی، عجیب انتشار ہیں اس خاندان میں۔ سمن آراء، گیتی آراء کی سگی بہن ہیں لیکن......"

"پاپا بھی پاکستان آتے رہتے تھے، کبھی آپ سے نہیں ملے؟"

"نہیں...... اس شخص کے شرف کا کوئی مقابلہ نہیں کر سکتا، وہ صرف اس لئے ہم سے نہیں ملا کہ اس نے ہم پر احسان کیا تھا اور وہ جانتا تھا کہ یہ خاندان خاصا تنگ دل ہے، نہ جانے کیا کیا داستانیں بن جائیں۔"

"دادا ابو اگر مناسب سمجھیں تو ہمیں بتائیں کہ آپ بار بار کون سے احسان کا تذکرہ کرتے ہیں، بخدا ہم ابھی تک اس سے بالکل ناواقف ہیں، پاپا نے کبھی اس طرح کا کوئی ذکر نہیں کیا۔"

دادا ابو کے چہرے پر ایک عجیب سی کیفیت پھیل گئی، پھر انہوں نے آہستہ سے کہا۔ "بات خاصی پرانی ہے، لیکن واقعات ایسے ہیں کہ کل کی بات معلوم ہوتی ہے۔ امتیاز احمد

اتنے ہی بلند ظرف تھے کہ مرتے مر گئے لیکن اپنی اولاد تک کو اپنے اس احسان سے آگاہ نہیں کیا۔''

''آپ ہمیں بتائیے دادا ابو؟''

''انہوں نے کبھی اپنے والد حیات احمد خاں کے بارے میں بھی نہیں بتایا؟''

''بالکل سرسری طور پر۔ بس کبھی کبھی پنجاب کی بستیوں کی داستانیں سناتے سناتے دادا ابو کی باتیں نکل آتی تھیں، سنا ہے کہ بڑے کروفر کے آدمی تھے۔''

''ہاں...... خالص روایتی۔ ناک پر مکھی نہ بیٹھنے دینے والے سخت گیر اور کسی حد تک ظالم۔ اور وہ اس کے اہل تھے۔ کئی دیہات اور ہزاروں ایکڑ زمین کے مالک۔ تم نے پھوپھی جہاں آراء بیگم کو دیکھا ہوگا؟''

''جی......وہ......''

''جمال صاحب بڑے رنگین مزاج تھے کسی دور میں، سنا ہے اب چولا بدل لیا ہے۔ بہت کچھ دیا تھا انہیں حیات احمد صاحب نے جو جمال صاحب نے اڑا دیا۔ بے اولاد ہیں۔ اس لئے بے سکون بھی نہیں ہیں۔ جہاں آراء بیگم حیات احمد کی بہت چہیتی تھیں بلکہ یہ کہا جائے تو غلط نہیں ہوگا کہ حیات احمد کے بگاڑ میں جہاں آراء بیگم کا بڑا ہاتھ تھا۔ بعد میں بے چاری خود ایک ایسے شوہر کی شریکِ حیات بن گئیں، جو خود بھی حیات احمد ہی کی طرح تھے۔ لوگ کہتے ہیں کہ جو اس دنیا سے چلا جائے اسے برا نہ کہو لیکن سچ تو سچ ہی ہوتا ہے۔''

ریاض صاحب کا انداز بہت الجھا الجھا سا تھا۔ وہ اصل موضوع پر آتے ہوئے جھجک رہے تھے۔ میں نے اس بات کو محسوس کر کے کہا۔ ''اگر آپ کسی واقعے کو سناتے ہوئے کچھ الجھن محسوس کر رہے ہیں تو بخدا کوئی مجبوری نہیں ہے۔ ہمیں آپ پیارے ہیں اتنا کافی ہے۔''

دادا ابو نے اپنی بیگم کی طرف دیکھا تو سمن آراء نے کہا۔ ''بات چھیڑی ہے تو اسے پورا کرو۔ حقیقت تو حقیقت ہی ہوتی ہے جو کچھ تم انہیں بتاؤ گے، مجھے اس پر کوئی اعتراض نہیں ہے۔''

''ٹھیک ہے۔'' دادا ابو نے کہا اور آگے بولنے کے لئے تیار ہو گئے۔

❀

کچھ لمحات گزر گئے۔ دادا ابو شاید ماضی کی داستانوں کو مربوط کر رہے تھے۔ پھر انہوں نے کہنا شروع کیا۔

''حیات احمد روایتی زمیندار تھے، سخت گیر، انتقامی مزاج رکھنے والے، گیتی آراء بیگم سے ان کی شادی ان کی مرضی کے خلاف ہوئی تھی، وہ سمن آراء کو پسند کرتے تھے لیکن سمن آراء سے میری بچپن ہی میں منگنی ہو گئی تھی، انہوں نے گیتی آراء بیگم سے شادی سے انحراف کیا لیکن ان کے والد نیاز احمد صاحب بھی انہی کی طرح سخت گیر تھے، نوبت یہاں تک آ گئی کہ انہوں نے بیٹے سے کہہ دیا کہ اگر انہوں نے گیتی آراء بیگم سے شادی نہیں کی تو انہیں عاق کر دیا جائے گا۔ بحالت مجبوری حیات احمد نے گیتی آراء بیگم سے شادی کر لی، نیاز احمد کا انتقال ہو گیا لیکن گیتی آراء بیگم کو بھی شوہر کی محبت نہیں ملی، وہ ہمیشہ ان کی نفرت کا شکار رہیں۔ بہر حال حیات احمد کی اولاد میں سب سے چھوٹے امتیاز احمد تھے، ولایت احمد کی شادی ہو گئی، ممتاز صاحب کی بھی شادی ہو گئی، امتیاز احمد رہ گئے تھے، حیات احمد کے دل میں سمن آراء کی کسک اب بھی موجود تھی۔ آخر کار انہوں نے اپنے سب سے چھوٹے بیٹے یعنی آپ کے والد امتیاز احمد کو اپنے پاس بلایا اور ان سے ایک عجیب خواہش کا اظہار کیا۔ انہوں نے کہا کہ امتیاز احمد! سمن آراء کی بیٹی نکہت آراء سے پینگیں بڑھائیں اور اسے اس حد تک اپنے قابو میں کر لیں کہ ہماری خاندانی ساکھ برباد ہو جائے اور ہم کہیں منہ دکھانے کے قابل نہ رہیں، امتیاز احمد حیران تو بے شک ہوئے تھے لیکن وہ مختلف طبیعت کے انسان تھے، گیتی آراء کو بہت عرصے کے بعد سمن آراء سے ملنے کی اجازت دے دی گئی، وہ بیچاری اپنی محرومیوں کا شکار تھیں اور ان کا مزاج صوفیانہ ہو گیا تھا، امتیاز احمد کو یہ ہدایت دے کر ہمارے گھر بھیجا گیا کہ وہ نکہت آراء پر ڈورے ڈالیں اور اسے برباد کر دیں، نکہت آراء کا رشتہ بھی ایک جگہ طے ہو گیا تھا۔ بہر حال امتیاز احمد ہمارے گھر آئے اور انہوں نے اپنے والد کی ہدایت کے مطابق کام کرنے کے بجائے مجھے ان تمام باتوں سے آگاہ کیا اور میں دنگ رہ گیا۔ حیات احمد کا

منصوبہ انتہائی بھیانک تھا، میرے ہاتھ پاؤں پھول گئے، میں نے امتیاز احمد کے پاؤں پکڑ لئے اور ان کا شکریہ ادا کیا تو انہوں نے انتہائی سرد لہجے میں کہا۔ ''میں جانتا ہوں کہ اس کے بعد نہ صرف میرے گھر کا ماحول بلکہ یہ دنیا میرے لئے جہنم بنا دی جائے گی اس لئے میں ملک سے باہر جا رہا ہوں، کہیں اور زندگی گزارنے کی کوشش کروں گا۔''

ہم سب جانتے تھے کہ حیات احمد کس قدر خطرناک انسان ہیں۔ ان کے والد نیاز احمد زندہ ہوتے تو شاید انہیں کنٹرول کیا جا سکتا لیکن ان کا بھی انتقال ہو چکا تھا۔ بہر حال امتیاز احمد ملک سے باہر چلے گئے اور کسی کو ان کا کوئی پتہ نہیں چل سکا۔ ادھر جب حیات احمد کو یہ بات معلوم ہوئی کہ امتیاز احمد نے ان سے غداری کی ہے تو وہ آتش بن گئے اور انہوں نے ہمیں تباہ و برباد کرنے کی ہر ممکن کوشش کر ڈالی۔ بیچاری گیتی آراء اسی وقت سے بیمار رہنے لگیں، حیات احمد نے وہ سب کچھ کر ڈالا، جو وہ کر سکتے تھے، ہماری ساری زمینیں بک گئیں اور ہم بد سے بدتر حالات کی طرف چل پڑے۔ پھر حیات احمد کا ایک حادثے میں انتقال ہو گیا، انہیں سانپ نے ڈس لیا تھا۔

ان کی اس اچانک موت کے بعد سارا شیرازہ منتشر ہو گیا۔ تمہاری پھوپھی یعنی جہاں آراء بیگم کی شادی ہو چکی تھی اور جیسا کہ مختصراً میں نے تمہیں ان کے شوہر کے بارے میں بتایا، وہ خاصے اوباش طبع انسان تھے، سب سے بڑا کردار ولایت احمد خان کی بیگم طاہرہ خانم نے ادا کیا، ان کا تعلق ایک سیاسی خاندان سے تھا، انہوں نے اپنے وسائل بروئے کار لاتے ہوئے وہ سب کچھ ہضم کر لیا جو کر سکتی تھیں، امتیاز احمد ویسے ہی ملک سے باہر تھے، ممتاز احمد ان کی طرح جوڑ توڑ کے ماہر نہیں تھے، سب الگ الگ ہوتے چلے گئے۔

گیتی آراء بیگم کو ممتاز احمد نے اپنے ساتھ رکھ لیا پھر ولایت احمد کا بھی انتقال ہو گیا، طاہرہ خانم نے لاہور آباد کر لیا، ہم یہاں ساہیوال میں آ گئے، ہماری بیٹی نکہت کی شادی ہو گئی تھی لیکن ان کے شوہر بھی ساتھ نہ دے سکے اور ان کا بھی انتقال ہو گیا، نکہت بیوہ ہو گئیں، ارجمند ان کی اکلوتی بیٹی ہے، بس یہ مختصر سی کہانی ہے تو بیٹے......! وہ احسان جس کا میں تم سے بار بار تذکرہ کر رہا ہوں، وہ یہی تھا، اگر امتیاز احمد اپنے والد صاحب کی ہدایت پر کام کرتے ہوئے ہمیں تباہ کر دیتے تو نجانے ہمارا کیا حشر ہوتا، یہ غربت ہم پر مسلط ہو گئی ہے لیکن ہم اس میں بھی خوش ہیں، جیسی بھی گزر رہی ہے، اللہ تعالیٰ کا احسان ہے، اب یوں سمجھ لو کہ میں بچوں کو کلام پاک پڑھاتا ہوں، ارجمند ایک اسکول میں استانی ہیں اور اس طرح ہماری زندگی گزر رہی ہے، گیتی آراء بیگم کو ممتاز احمد اپنے ساتھ لاہور لے گئے تھے، کچھ عجیب سا افراتفری کا ماحول پیدا ہو گیا تھا، کوئی کسی سے نہیں مل رہا تھا اور اسمیں بھی طاہرہ خانم کا

ہاتھ تھا، سنا ہے کہ وہ کچھ تعویذ گنڈوں کا چکر بھی چلائے ہوئے ہیں، خاصے اچھے تعلقات ہیں، کوئی بھی ان کے خلاف کوئی قدم اٹھانے کی کوشش نہیں کرتا، سنا ہے ممتاز احمد سے بھی نسل چل رہی ہے اور کچھ اختلافات ہیں، ان کے درمیان غالباً مقدمے بازی بھی ہو رہی ہے، ولایت احمد صاحب کے انتقال میں کچھ لوگ جمع ہوئے تھے بس اس کے بعد سے کوئی ملاقات کسی کی نہیں ہوئی، گیتی آراء بیگم سے ملنے کو بڑا دل چاہتا ہے، سنا ہے کوما میں ہیں، یہ ساری کہانیاں چل رہی ہیں بیٹے......! وہ احسان جس کے ہم سب دل سے قائل ہیں، یہی ہے کہ انہوں نے ہماری آبرو کے لئے اپنا گھر تیاگ دیا، ان کے بارے میں آخری اطلاعات یہ تھیں کہ وہ بحرین میں ہیں، وہ یہاں آتے رہتے ہیں لیکن انہوں نے حالات کے تحت ہم سے دوبارہ ملنے کی کوشش نہیں کی، غالباً اس خیال کے تحت کہ کہیں ہمیں مزید کوئی نقصان نہ پہنچا دیا جائے یا ہم یہ نہ سمجھیں کہ وہ اپنے احسان کی قیمت وصول کرنے آئے ہیں حالانکہ ہم کسی احسان کی قیمت ادا کرنے کے قابل نہیں ہیں، اب تمہیں اندازہ ہو گیا ہو گا بیٹے کہ تمہاری آمد پر ہمیں حیرت کیوں ہوئی۔''

ریاض حسین کی آواز بھرا گئی۔ میں، ماما، دانیہ اور سرفراز بھائی بہت متاثر ہوئے تھے لیکن فوراً ہی کوئی پیشکش نہیں کی جا سکتی تھی کیونکہ خوددار لوگ تھے، برا مان جاتے البتہ ہماری میٹنگ رات کو شروع ہو گئی۔ ماما نے کہا۔

''اس خاندان کو ساہیوال میں اس طرح بے یار و مددگار چھوڑنے کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا، میرے شوہر نے ان کے ساتھ جو کچھ کیا تھا، یہ بیچارے آج تک اسے بہت بڑا احسان مانتے ہیں اور واقعی احسان تھا بھی کیونکہ اس کے لئے امتیاز احمد نے سب کچھ چھوڑ دیا تھا، ہم بھی انہی کی پیروی کریں گے، ان لوگوں کو یہاں سے لے جائیں گے، اللہ تعالیٰ کا احسان ہے کہ یہ ہم پر کسی بھی طرح بھاری نہیں ہوں گے۔''

''ہاں ماما! لیکن......!''

''تم بے فکر رہو، میں جو کچھ کروں گی، وہ کچھ اس طرح ہو گا کہ یہ لوگ اسے احسان نہ تصور کریں۔''

اس رات نجانے کیوں میرے دل میں ایک کسک سی بیدار ہو گئی تھی۔ وہ کہانی بڑی ڈرامائی حیثیت رکھتی تھی جس میں ہمارے دادا نے اپنے بیٹے کے ذریعے اپنی محرومیوں کی تلافی کرنے کی کوشش کی تھی اور وہ بھی انتہائی ناپاک طریقے سے...... نکہت آراء بیگم بُرے حالات کا شکار ہوتے ہوتے بچی تھیں، اگر امتیاز احمد بھی ذہنی طور پر وہی ہوتے، جو ہمارے دادا تھے تو شاید کوئی بھیانک حادثہ پیش آ جاتا اور پھر ارجمند......! اس نام سے دل میں ایک

اجنبی سی دھمک ہونے لگی تھی۔

شاید میں ارجمند کو پسند کرنے لگا تھا۔ وہ ایک نگاہ جو براہ راست دل پر اثر کرتی ہے، میرے دل پر بھی اثر کر چکی تھی اور پھر باقی کسر اس وقت پوری ہو گئی، جب رات کے تین بجے میں بے خوابی سے بیزار ہو کر کھڑکی میں آ کھڑا ہوا۔ باہر چاند کی مدھم اور پُراسرار روشنی پھیلی ہوئی تھی اور اس روشنی میں، میں نے ایک پیکر نور کو اللہ کے حضور سربسجود دیکھا، وہ ارجمند تھی، سفید لباس میں ملبوس، جائے نماز بچھائے تہجد پڑھ رہی تھی۔ میں خاموشی سے اسے دیکھتا رہا، چاندنی اس کے چہرے پر چمک رہی تھی، میں خاموشی سے اسے دیکھتا رہا اور کافی دیر اسی طرح گزر گئی۔

سرفراز بھائی نے کروٹ بدلی تھی تو میں کھڑکی سے ہٹ گیا لیکن پھر ساری رات نیند نہیں آئی تھی۔

صبح کے کوئی ساڑھے چھ بجے ہوں گے، کھڑکی سے اجالا جھانک رہا تھا۔ مجھے ایک بہت ہی حسین آواز سنائی دی جس میں کلام پاک پڑھا جا رہا تھا، یہ بھی ارجمند ہی تھی۔ درحقیقت میں پوری طرح اپنے احساس کی لپیٹ میں آ گیا، ارجمند میرے وجود میں بس گئی لیکن ابھی اپنے آپ پر قابو رکھنا تھا، البتہ میں نے یہ ضرور سوچا تھا کہ ماما یا سرفراز بھائی سے اپنی اس چاہت کا تذکرہ ضرور کروں گا تاکہ پھر کوئی ایسا المیہ نہ بننے پائے، جس میں دادا اپنے بیٹے سے اس خاندان سے انتقام لینے کی بات کریں۔ اس دن بھی ہم یہاں رکے، ارجمند گھر کے کام کاج میں مصروف تھی۔ دوپہر کے کھانے پر میں نے سوال کر ڈالا۔

”ارجمند! آپ اسکول نہیں گئیں؟“

”نہیں میں نے اپنی ایک کولیگ سے چھٹی کی درخواست بھجوا دی ہے، ابھی تو آپ رہیں گے ہمارے ہاں؟“

”بیٹا! ہم کل چلے جائیں گے۔“ ماما نے کہا۔

”دیکھو اب جبکہ تم لوگوں نے ہمیں بھی عزت دار بنا دیا ہے تو پھر کچھ وقت ہمارے ساتھ گزارو۔“ دادا ابو نے فوراً ہی مداخلت کی۔

سرفراز بھائی نے کہا۔ ”دادا ابو! اب تو آپ کے ساتھ بہت سا وقت گزرے گا، میں آپ کو حالات بتا چکا ہوں، ہمیں اپنا کاروبار دیکھنا ہے، یہاں سے فوراً واپس جا کر مزید آپ کو کچھ تفصیلات میں آج رات کو بتاؤں گا۔“

”اگر کوئی مجبوری ہے بیٹے تو میں فضول ضد کا قائل نہیں ہوں۔“

رات کو ہم لوگ پھر سر جوڑ کر بیٹھ گئے۔ میں نے دادا کو بتایا کہ کتنی بہت سی زمینیں ہیں،

اس کے علاوہ لاہور میں بے شمار جائیداد بھی ہے، ایک رائس مل ہے گکھڑ میں، ان تمام چیزوں کو کنٹرول کرنے کے لئے ہمیں باقاعدہ اسٹاف کی ضرورت ہے، یہ سارا کام ہمیں کرنا ہے، اگر ان میں پھنس جاتے تو آپ سے ملاقات کرنے میں کچھ وقت لگ جاتا، اس لئے ہم پہلے یہاں آ گئے لیکن اب آپ سے دور رہنا مشکل ہے اور پھر ساہیوال، لاہور سے دور ہی کتنا ہے، ہم اس بات کے خواہشمند ہیں دادا ابو کہ اس منتشر خاندان کو پھر سے یکجا کریں، جتنے بھی ہیں، ملتے جلتے رہیں۔“

”خدا کرے ایسا ہو جائے، اللہ تعالیٰ ہمیں طاہرہ خانم کے شر سے محفوظ رکھے۔“ دادا ابو نے مسکراتے ہوئے کہا۔

ارجمند، نکہت آراء کچھ اور بے تکلف ہو گئیں۔ میں نے ارجمند کی اس بات کو اچھی طرح نوٹ کیا تھا کہ وہ ہم لوگوں کی آمد سے بہت زیادہ خوش ہیں۔ دوسرے دن ہم واپسی کے لئے تیار تھے اور وہ سب بہت اداس نظر آ رہے تھے۔

میں نے اچانک ارجمند کی طرف دیکھا تو اس کی آنکھوں میں یاس کی پرچھائیاں رینگتی ہوئی نظر آئیں۔ میں ہر تکلف کو بالائے طاق رکھ کر اس کے پاس پہنچ گیا۔

”ارجمند! میں آپ کے پاس آتا رہوں گا، بتائیے میرے آنے سے آپ کو کسی ناگوار کیفیت کا احساس تو نہیں ہوگا؟“ میں نے کہا۔

ارجمند نے نگاہیں اٹھا کر مجھے دیکھا۔ منہ سے کچھ نہ بولی لیکن اس بات کا میں دل سے قائل ہو گیا کہ آنکھوں کی اپنی زبان ہوتی ہے۔ میں نے مسکرا کر کہا۔ ”اس اجازت کا شکریہ!“

اس کے ہونٹوں پر مدھم سی مسکراہٹ پھیل گئی۔ بہر حال اس کے بعد ہم چل پڑے۔ جب تک وہ لوگ نظر آتے رہے، میں بھی انہیں دیکھتا رہا۔ ماما اور سرفراز بھائی نے غالباً میری اس کیفیت کو نوٹ کر لیا تھا لیکن کسی نے کچھ نہیں کہا۔ آخر کار ساہیوال سے لاہور تک کا سفر طے کر کے ہم سمن آباد پہنچ گئے۔

یہاں کا ماحول ہمیشہ کی طرح تھا۔ تایا ابو نے خوش اخلاقی سے ہمیں خوش آمدید کہا۔ حرا اور سلطانہ بھی خوش تھیں۔

”یہ غلط بات ہے، آپ لوگ اس طرح کئی کئی دن کے لئے غائب ہونے لگے ہیں اب، جناب عالی! آپ کو اس کی اجازت نہیں ہے، ہمارا بھی خیال رکھئے گا۔“ سلطانہ نے شکایت بھرے انداز میں کہا۔

”میں تایا ابو سے بات کروں گا، ویسے تو اب ہمارا کوئی لمبا پروگرام نہیں ہے لیکن میں تایا

ابو سے کہوں گا کہ وہ تم لوگوں کو ہمارے ساتھ جانے کی اجازت دے دیا کریں۔"

"کیسے ملے وہ سب لوگ، وہاں ارجمند ہیں، بہت ہی نفیس لڑکی ہے، کاش ہمارا خاندان ایک بار پھر یکجا ہو جائے۔"

"یہ ذمے داری تم ہم پر چھوڑ دو سلطانہ! بے فکر رہو، سب یکجا ہو جائیں گے بلکہ تھوڑے ہی دنوں کے بعد میں دادا ابو، سمن آراء بیگم، نکہت آنٹی اور ارجمند کو یہاں بلاؤں گا، بس ذرا تایا ابو کی اجازت مل جائے۔"

"اوّل تو وہ انکار نہیں کریں گے لیکن اگر انہوں نے کیا بھی تو ہم لوگ ضد کریں گے۔ ہائے کتنا اچھا ہو، وہ لوگ ہمارے ہاں رہنے کے لئے آیا کریں اور ہم سب مل کر خوب بڑ بولا کریں۔" حرا نے حسرت بھرے لہجے میں کہا۔

اسی شام نادر خان کا فون آ گیا۔ سرفراز بھائی سے بات ہوئی۔ نادر خان نے کہا۔"ہیلو سرفراز بھائی صاحب! کیسے مزاج ہیں آپ کے؟"

"ٹھیک ہیں نادر خان! اللہ تعالیٰ کا شکر ہے، آپ کو ہماری واپسی کی اطلاع کیسے ملی؟"

جواب میں نادر خان ہنسنے لگا۔ پھر بولا۔"میں آپ کو یہ بھی بتا سکتا ہوں کہ یہاں سے جاتے ہوئے آپ کون کون سے چائے کے اسٹالوں پر رکے تھے اور واپس آتے ہوئے آپ نے ایکس سروس ٹی اسٹال پر دودھ پتی کی چائے بنوا کر پی تھی اور ساتھ میں پرانے رکھے ہوئے کیک کھائے تھے۔"

سرفراز بھائی دنگ رہ گئے۔"نادر خان! آپ آخر ہمارے لئے اتنی مشقت کیوں جھیل رہے ہیں؟"

"آپ کے لئے نہیں اپنے لئے، بعض چیزیں اپنے آپ پر فرض بنالی جاتی ہیں، آپ کا تحفظ میں نے اپنا فرض سمجھ لیا ہے، ایک خبر ہے آپ کے لئے۔" نادر خان نے کہا۔

"ہاں فرمایئے!"

"چودھری عرفان مر گیا۔" نادر خان نے ایک دھماکا خیز انکشاف کیا اور سرفراز بھائی دنگ رہ گئے۔ بہت دیر تک وہ کچھ بول نہیں سکے تھے۔ نادر خان کی آواز ہی نے انہیں بولنے پر مجبور کیا۔

"ہیلو.....!"

"کیا اسے قتل کیا گیا ہے؟" سرفراز بھائی نے پوچھا۔

"سو فیصد.....مزے کی بات آپ کو یہ بتاؤں کہ اس کی موت بھی دم گھٹنے سے ہوئی ہے اور مزید دلچسپ بات یہ ہے کہ اس کے کندھے کے نیچے وہی پُراسرار بال ملے ہیں،

جانور کے بال، سمجھ رہے ہیں آپ.....؟"

"ہاں!" سرفراز بھائی نے لرزتی ہوئی آواز میں کہا۔ پھر بولے۔"پاپا کی لاش کے پاس بھی ویسے ہی بال ملے تھے اور اس کے بعد چاند خان کی موت بھی دم گھٹنے سے ہوئی اور اس کے پاس سے اس نامعلوم جانور کے بال دستیاب ہوئے اور یہ تیسری موت بھی بالکل اسی انداز کی ہے لیکن نادر خان! اس سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ تائی کا کوئی نہ کوئی تعلق ان تینوں اموات سے ہے۔"

"نہیں، میں ابھی کچھ نہیں کہہ سکتا، طاہرہ خانم پُراسرار علوم سے دلچسپی رکھتی ہیں، درس و تدریس کا کام بھی کرتی ہیں، لوگوں کے مسائل بھی حل کراتی ہیں، ان کے پُراسرار علوم کی نوعیت کیا ہے، ان اموات اور بالوں سے ان کا کیا تعلق ہے، جب تک اس کے سلسلے میں مکمل تحقیق نہ ہو جائے، میں اپنی زبان سے کچھ نہیں کہہ سکتا، البتہ ایک بات میں آپ کو بتا چکا ہوں کہ طاہرہ خانم نے میری جو بے عزتی کی ہے، میں اسے کبھی بھول نہیں سکوں گا۔"

"اور ہم بھی یہ کہہ چکے ہیں نادر صاحب کہ ہم آپ کے ساتھ ہیں۔"

سرفراز بھائی نے ساری تفصیل مجھے نادر خان سے گفتگو کرنے کے بعد بتائی تھی۔ ویسے میں ان کی کیفیت کو اس وقت بھی نوٹ کر رہا تھا جب وہ نادر خان سے باتیں کر رہے تھے۔ سرفراز بھائی نے غرائی ہوئی آواز میں کہا۔"شہاب! چاند خان اور چودھری عرفان کی موت بالکل پاپا کی موت کے انداز میں ہوئی ہے اور نادر خان کے شبہات درست ثابت ہو رہے ہیں، یعنی یہ کہ طاہرہ خانم کا ان واقعات سے کوئی نہ کوئی تعلق ضرور ہے بلکہ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ انہوں نے اپنے پُراسرار علم کے ذریعے اپنے مخالفین کو ختم کرنے کی ترکیب دریافت کر لی ہو لیکن میں تم سے کہہ چکا ہوں کہ عارضی طور پر میں نے خاموشی اختیار کر لی ہے، یہ ساری دولت، یہ ساری جائیداد، یہ عیش و عشرت بے شک بہت بڑی حیثیت رکھتے ہیں لیکن میرے لئے پاپا ان سے بڑھ کر تھے، ان کے قاتل کو میں کسی طور معاف نہیں کروں گا۔"

"ایک بات بتایئے بھائی جان! آپ نے اس دن بڑے پُرجوش لہجے میں کہا تھا کہ اگر تائی، پاپا کی قاتل ہیں تو آپ کوئی ایسا طریق کار اختیار کریں گے کہ ان کا جرم سامنے آ جائے، کیا آپ کے ذہن میں کوئی منصوبہ ہے؟"

"ہاں..... میں نے وہ صرف مذاق نہیں کیا تھا۔"

"اور آپ نے یہ بھی کہا تھا ماما سے کہ وہ آپ کی ان کوششوں کو کوئی غلط رنگ نہ دیں۔"

"بالکل کہا تھا میں نے۔"

"مجھے بھی نہیں بتائیں گے کہ وہ کوشش کیا ہوگی؟"

''ابھی نہیں، مجھے تھوڑا سا وقت دے دو۔''

بھائی جان نے کہا اور میں خاموش ہو گیا۔ پتہ نہیں ان کے ذہن میں کیا منصوبہ تھا۔

پھر بہت دن کے بعد ہماری اس رہائش گاہ کے پُراسرار مکینوں کا عمل جاگا۔ مزے کی بات یہ تھی کہ سارے کا سارا تعلق مجھ ہی سے تھا، بے شک دانیہ کی طرف انہوں نے تھوڑا سا رخ ضرور کیا تھا لیکن اس کے بعد دانیہ مطمئن تھی۔

میں اس وقت گہری نیند سو رہا تھا کہ اچانک میرے کانوں میں ایک شور سا جاگا اور میں چونک کر اٹھ گیا۔ نیند میں ڈوبے ہوئے ذہن نے پہلے کوئی فیصلہ نہیں کیا لیکن بعد میں مجھے احساس ہوا کہ یہ رونے پیٹنے کی آوازیں ہیں۔

میں بے اختیار اپنی جگہ سے اٹھ گیا اور صورت حال جاننے کے لئے کمرے کا دروازہ کھول کر باہر نکل آیا۔ میں رونے پیٹنے کی ان آوازوں میں ماما، دانیہ، حرا، سلطانہ وغیرہ کی آوازیں تلاش کر رہا تھا لیکن باہر نکلتے ہی مجھے احساس ہو گیا کہ راہداری سنسان ہے، سونے والوں کے کمروں کی مدھم روشنیاں جل رہی ہیں، شور کی یہ آواز اسی پُراسرار حصے سے آ رہی ہے، جہاں ایک تہہ خانہ بھی موجود تھا۔

میں کچھ دیر ساکت کھڑا رہا اور اس کے بعد راہداری میں آگے بڑھ گیا۔ دادی اماں کے کمرے کے سامنے سے گزرتے ہوئے اچانک ہی مجھے کچھ خیال آیا۔

بے اختیار میں نے دادی اماں کا دروازہ کھولا اور اندر جھانکا اور پھر اس کے بعد میں اپنے جسم میں سرد لہریں محسوس کئے بغیر نہ رہ سکا۔ دادی اماں اس وقت بھی اپنے بستر پر موجود نہیں تھیں۔ میں اندر داخل ہو گیا اور اس کے بعد میں نے اس چھوٹے سے کمرے کا بھرپور جائزہ لیا۔

دادی اماں کوئی ایسی چیز تو نہیں تھیں جو نظر نہ آتیں، واش روم وغیرہ بھی خالی پڑا تھا۔ میں ایک گہری سانس لے کر باہر نکل آیا۔

رونے پیٹنے کی آوازیں بدستور آ رہی تھیں۔ راہداری سے گزرتے ہوئے میں نے دوسرے کمرے کے مکینوں کو بھی دیکھا تھا۔ سب کے سب خواب خرگوش کے مزے لے رہے تھے، کسی کے کانوں تک یہ آوازیں نہیں پہنچ رہی تھیں۔ اس کا مطلب ہے کہ صرف ایک میں ہوں، جو ان تمام کارروائیوں سے واقف رہتا ہوں۔

مین باہر نکل آیا اور اس کے بعد اس پر اسرار حصے کی جانب چل پڑا جو اپنی شکل وصورت سے ہی بھیانک لگتا تھا لیکن میرے لئے اب وہ بھیانک نہیں تھا۔ رونے پیٹنے کی آوازیں وہیں سے آ رہی تھیں۔ میں بے خوفی سے اس ہولناک دروازے سے اندر داخل ہو گیا جس کے دوسری جانب مدھم سی روشنی نظر آ رہی تھی۔

تہہ خانے کا دروازہ کھلا ہوا تھا۔ میں بے دھڑک اس دروازے کی سیڑھیاں طے کر کے نیچے اتر گیا۔ آج پھر یہاں مجمع لگا ہوا تھا، ایک طرف وہ سیاہ لبادے والے سر جھکائے ہوئے بیٹھے تھے اور ان کے سامنے ہی تابوت رکھا ہوا تھا، جس میں سیفونہ کی لاش نظر آ رہی تھی، اس سے کچھ فاصلے پر گورنی زار و قطار رو رہی تھی۔

''ہائے میری بچی! میرے پاس تو اب جینے کا کوئی سہارا نہیں رہا، ارے مجھے ختم کر دو، میں کس دل سے اپنی بچی کی موت برداشت کروں، تم لوگوں نے میرے اوپر جو ستم توڑ رکھے ہیں، مجھے ان سے آزاد کر دو، جب تک میں اس کا خون نہیں پی جاؤں گی، اسے چھوڑ نہیں سکتی، ایک ہی حل ہے اس کے پاس کہ وہ مجھ سے شادی کر لے، ارے اس کمبخت کو یہ بتا دو کہ میں اس پر عاشق نہیں ہوں، میں تو بس وہ رسم پوری کرنا چاہتی ہوں، جس سے میری سیفونہ مجھے اپنا بدن دے دے اور میں اسے زندہ سلامت دیکھوں، ہائے اپنے آپ کو دھوکا دے لوں گی میں یا پھر اس کے علاوہ تمہارے پاس اور کوئی ترکیب ہو کہ میری سیفونہ کو زندگی مل جائے تو میں تمہاری ہر بات ماننے کے لئے تیار ہوں، دیکھو کمبخت آ گیا، ارے مان لے میری بات، دیکھ میں رسمیں نبھا رہی ہوں، قول نبھا رہی ہوں، میں ان سے باغی نہیں ہونا چاہتی مگر میرے دل میں بھی ایک ماں جاگ رہی ہے، میری سیفونہ، ہائے میری سیفونہ......!''

''تو یہاں کیوں آ گیا، کتنی بار تجھ سے منع کیا ہے کہ یہاں نہ آیا کر، کیوں ہمارے زخموں پر نمک چھڑکنے آ جاتا ہے۔ سیفونہ کے قاتل! ہم کب تک حاجی صاحب سے کیا ہوا قول نبھائیں گے۔ آخر کار ایک دن ہم بھی مجبور ہو جائیں گے، حاجی صاحب کہیں آس پاس ہیں تو اسے سمجھائیں، ہم چاہتے ہیں کہ آپ سے ہمارا کوئی جھگڑا نہ ہو لیکن اس سے کہہ دیجئے کہ یہاں قدم نہ رکھا کرے، ہم کب تک گورنی کو روک سکیں گے، وہ تو مرنے کو تیار ہے، اگر وہ کوئی غلط قدم اٹھا بیٹھی حاجی صاحب تو براہِ کرم ہم پر الزام نہ رکھئے گا۔'' یہ آواز خراتون کی تھی، جسے میں نے اب دیکھا تھا۔

''جاؤ چلے جاؤ، یہاں سے فوراً چلے جاؤ۔'' خراتون نے آنکھیں نکال کر انگلی سے اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

میرے پاس کہنے کے لئے کچھ نہیں تھا۔ واقعی یہ ان کا ذاتی معاملہ تھا، مجھے یہاں نہیں آنا چاہئے تھا پھر بھی میں نے ہاتھ اٹھا کر کہا۔ ''دیکھو میں تمہیں بتائے دیتا ہوں کہ میں نے جان بوجھ کر ایسا کوئی عمل نہیں کیا، جس سے یہ لڑکی میرے ہاتھوں ہلاک ہو جاتی، یہ بات تم سب

اچھی طرح جانتے ہو، خیر میں چلا جاتا ہوں اور دوبارہ اس طرف نہیں آؤں گا لیکن ایک بات ذہن میں رکھنا، میں اتنا حلوہ بھی نہیں ہوں تمہارے لئے کہ تم مجھے آسانی سے چٹ کر جاؤ، میرے اہلِ خاندان کے اگر ناخن کو بھی نقصان پہنچا تو میں یہ جگہ کھدوا کر پھینک دوں گا، آگ لگا دوں گا یہاں، اس بات کو دل میں رکھنا۔''

''جا چلا جا یہاں سے، ہمارے غصے کو آواز نہ دے، تو کیا کر سکتا ہے اور کیا نہیں کر سکتا یہ بات ہم اچھی طرح جانتے ہیں، آہ کاش حاجی صاحب تیرے پشت پناہ نہ ہوتے تب تجھے دیکھتا، اتنی عبرت ناک سزا دیتا تجھے کہ موت کے بعد بھی یاد رکھتا، جا یہاں سے چلا جا۔'' ساتھ ہی مجھے یوں لگا جیسے کسی نے میرے کندھے پر ہاتھ رکھ کر مجھے باہر کی جانب دھکیلا ہو۔ بہر حال ہٹ دھرمی غیر مناسب تھی، اب اتنا بھی عالم فاضل نہیں تھا کہ میں پُراسرار قوتوں کے خلاف کوئی روحانی عمل کر سکتا، ہاں گورنی کو میں نے ضرور زخمی کر دیا تھا، پتہ نہیں وہ کس طرح میرا شکار ہو گئی تھی۔ غرضیکہ میں سیڑھیاں طے کر کے اوپر آ گیا۔ جیسے ہی اوپر پہنچا، میں نے ایک سفید سائے کو دیکھا، جو مجھ سے آگے جا رہا تھا۔

ایک لمحے کے لئے میں ٹھٹکا لیکن پھر اچانک ہی میں نے ان لمبے اور خوبصورت بالوں کو پہچان لیا جو دادی اماں کے سوا کسی کے نہیں تھے۔ میں ایک دم تیزی سے ان کی جانب لپکا اور میرے منہ سے مدھم سی آواز نکلی۔ ''دادی اماں......!''

لیکن اس آواز کے ساتھ ہی سفید سائے کی رفتار تیز ہو گئی۔ وہ بالکل کسی مشین کے انداز سے آگے جا رہا تھا۔ فاصلے ہی کتنا تھا، میں ان کا پیچھا کرتا ہوا راہداری میں داخل ہو گیا۔

میں نے صاف محسوس کیا تھا کہ دادی اماں کے کمرے کا دروازہ کھلا ہے اور وہ سفید سایہ اسی دروازے اندر داخل ہو گیا ہے۔ میں نے اپنی رفتار تیز کر دی اور دل میں سوچا کہ دادی اماں آج تمہیں رنگے ہاتھوں پکڑا ہے، اب بھی اگر مجھ سے انحراف کرو گی تو وہ غلط ہو گا۔

میں غڑاپ سے دروازے سے اندر داخل ہوا تو میں نے بستر پر دادی اماں کو اسی حالت میں دیکھا بلکہ اس وقت ان کے دو ڈرپیں بھی لگی ہوئی تھیں۔ پچھلے دن ہی غالباً ڈاکٹر اشتیاق آئے تھے اور انہوں نے ان ڈرپوں کی ہدایت کر دی تھی۔ میں تھوڑی دیر پہلے جب یہاں آیا تھا، یہ ڈرپیں یہاں لگی ہوئی تھیں لیکن ان کے پائپ بند تھے، اس وقت باقاعدہ نیڈل دادی اماں کے جسم میں لگی ہوئی تھیں اور ڈرپس میں سے ڈراپ گر رہے تھے۔

اتنی برق رفتاری سے ڈرپس کی سوئیاں صحیح جگہ لگانا ناممکن تھا اس کے علاوہ دادی اماں کا لباس بھی وہ نہیں تھا، جو میں نے صرف چند لمحے قبل دیکھا تھا۔ میں چکرا کر رہ گیا۔ کیا یہ

غلط فہمی ہوئی تھی، وہ دادی اماں نہیں تھیں پھر؟

میں دادی اماں کے پاس آ گیا اور ان کی مسہری پر ان کے پیروں میں بیٹھ گیا۔ پھر میں نے پیار سے ان کے پاؤں چھوئے اور مدھم لہجے میں کہا۔ ''دادی اماں! مجھ سے بات نہیں کریں گی، اگر آپ نے مجھ سے بات نہیں کی تو میں سمجھوں گا کہ آپ ہمیں پسند نہیں کرتیں، آپ کو ہمارا یہاں رہنا پسند نہیں ہے بلکہ میں تو محسوس کرتا ہوں دادی اماں کہ آپ کو ہماری وجہ سے کچھ پریشانی بھی ہو رہی ہے۔''

میں نے خاموش ہو کر دادی اماں کے چہرے پر ردعمل دیکھا لیکن ان کا چہرہ اسی طرح سپاٹ تھا۔ میں نے پھر کہا۔ ''دادی اماں! آپ میری مدد کریں، میں آپ سے دل کی تمام باتیں کرنا چاہتا ہوں، آپ کو پتہ ہے میں سمن آراء بیگم سے ملا تھا، نکہت، ارجمند اور ریاض حسین سب سے میری ملاقاتیں ہوئی تھیں، دادی اماں! ایک بات میں جانتا ہوں کہ آپ بالکل ٹھیک ہیں، آپ اس چیز کو تسلیم کریں یا نہ کریں، اگر آپ کسی مشکل کا شکار ہیں اور میں آپ کے کسی کام آ سکتا ہوں تو آپ کو آپ کے مرحوم بیٹے کی قسم دادی اماں! مجھے ضرور بتائیے، میں آپ کی ہر خدمت کروں گا، مجھے یہ بھی بتائیے کہ یہاں جو کچھ ہو رہا ہے، اس میں ہمیں کوئی خطرہ تو نہیں ہے؟''

ایک بار پھر میں نے دادی اماں کا چہرہ دیکھا لیکن وہاں کوئی تاثر نہیں تھا۔

''ٹھیک ہے دادی اماں! آپ کچھ نہ بولیں لیکن یہ بات آپ خود بھی جانتی ہیں کہ مجھے آپ کے بارے میں بہت سی باتیں معلوم ہو چکی ہیں۔ دادی اماں! میں آپ کو اپنے دل کی بات بتاؤں، میں ارجمند سے محبت کرنے لگا ہوں، وہ مجھے بہت پسند ہے اور میں ارجمند سے شادی کرنا چاہتا ہوں، دادی اماں! آپ میری دوست بن جائیں، میں دل کی ہر بات آپ سے کروں گا۔''

اور پھر اچانک ہی میرا دل اچھل کر حلق میں آ گیا۔ یہ نظری دھوکا نہیں تھا۔ جو کچھ میں نے دیکھا تھا، ایک لمحے کے لئے وہ بالکل سچ تھا۔ دادی اماں بے اختیار مسکرا دی تھیں، ان کی اس مسکراہٹ کو میں نے بخوبی محسوس کیا تھا۔

میں نے خوشی سے ان کا ہاتھ پکڑتے ہوئے کہا۔ ''بول پڑیئے دادی اماں! بول پڑیئے، پلیز مجھ سے باتیں کیجئے، میں...... میں آپ کا دوست بنا چاہتا ہوں، اگر آپ کو ہمارا یہاں رہنا پسند نہ ہو تو براہِ کرام مجھے کوئی اشارہ دیجئے، ہم لوگ یہاں سے چلے جائیں گے، مجھے تو یوں لگتا ہے دادی اماں جیسے آپ کو ساری باتیں معلوم ہیں، آپ ہمارے ہر لمحے سے واقف ہیں۔''

میں نے دادی اماں کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے لیا اور اس بار بھی قسم کھانے کے لئے تیار ہوں کہ وہ مسکراہٹ بلکہ اس وقت دادی اماں کی انگلیوں کی گرفت جس طرح میرے بازو پر ہوئی تھی، اس سے میں نے محسوس کیا، جیسے دادی اماں مجھے دلاسہ دے رہی ہوں، مسکرا رہی ہوں، یہ مسکراہٹ ان کے چہرے پر منجمد ہوگئی تھی۔ میں نے پیار سے ان کا ہاتھ چوم لیا اور دیر تک انہیں دیکھتا رہا۔

پھر میں نے کہا۔ ''ٹھیک ہے لیکن ایک بات یاد رکھئے میں آپ کے بیٹے کا خون ہوں، میں آپ کا خون ہوں دادی اماں! جو باتیں مجھے دادا ابو یعنی ریاض حسین صاحب سے معلوم ہوئی ہیں، میں ان سے بہت متاثر ہوں، اگر آپ مجھے مشورہ دیں تو میں سمن آراء بیگم کو یہاں لے آؤں، ایک نہ ایک دن میں یہ کام کر کے رہوں گا، میں آپ کی نواسی سے محبت کرنے لگا ہوں، سمجھیں آپ اور میری اس محبت کو کامیاب بنانا اب آپ کا کام ہے۔''

میں نے ایک بار پھر دادی اماں کے چہرے کی طرف دیکھا۔ کیا پُرنور مسکراہٹ تھی، انہوں نے آنکھیں نہیں کھولی تھیں، بولی نہیں تھیں لیکن ان کی اس مسکراہٹ میں سب کچھ موجود تھا۔

میں دیر تک ان کا ہاتھ، ہاتھ میں لئے بیٹھا رہا، پھر میں نے پیار سے ان کا ہاتھ دوبارہ چوما اور باہر نکل آیا۔

دادی اماں سے میں نے بہت اچھی باتیں کی تھیں اور ان کا ردعمل بھی مجھے پتہ چل گیا تھا لیکن اس بات کا کوئی اندازہ نہیں ہوسکا تھا کہ دادی اماں اس کیفیت کا شکار کیوں ہیں، ان کا کردار کیا ہے، میں نے انہیں چلتے پھرتے بھی دیکھا تھا اور کئی بار انہیں اپنے بستر سے غائب بھی پایا تھا۔

بہرحال دوسرے دن معمول کے مطابق قیصر خان کے ساتھ چائے پی۔ مرشد کے بارے میں باتیں کرتا رہا، مرشد کا تذکرہ آیا، اس دن کے بعد مرشد قیصر خان کے اور نہ ہی میرے خواب میں آئے، وہ تعویذ بھی ضائع ہوگئے تھے اور میں نے ان کا عمل بھی دیکھ لیا تھا، ہم اس بارے میں باتیں کرتے تھے لیکن کسی نتیجے پر پہنچنا بڑا مشکل تھا۔

اسی دن گیارہ بجے کے قریب سرفراز بھائی ایک انتہائی خوبصورت سوٹ میں ملبوس باہر نکلے اور بولے۔ ''شہاب! کہیں جانا تو نہیں ہے؟''

''نہیں بھائی جان! آپ کہیں جارہے ہیں؟''

''ہاں!'' سرفراز بھائی پُراسرار انداز میں مسکرا دیئے۔

''خیریت جناب! اس مسکراہٹ میں تو کوئی عجیب بات ہے۔'' میں نے کہا۔

''تائی جان کے ہاں جارہا ہوں۔''

''خیریت...... خیریت......؟''

''بس ایسے ہی ملنے کو دل چاہ رہا تھا۔'' سرفراز بھائی نے کہا۔ ''گاڑی لے جارہا ہوں، اگر تمہیں ضرورت ہو تو تایا ابو کی کار لے جانا۔''

''نہیں آپ لے جایئے لیکن جناب!''

''اللہ حافظ!'' سرفراز بھائی نے میری بات درمیان سے ہی کاٹ دی اور باہر نکل گئے۔

میں حیرانی سے سر کھجاتا رہا۔ ماما اور دانیہ کو اس بارے میں کوئی حیرت نہیں تھی۔ ان سے سرفراز بھائی نے کہا تھا کہ اب خاندان کے ان دو اہم افراد سے ملاقات ہوگئی ہے، چنانچہ اپنی زمینوں اور جائیداد کے بارے میں کچھ نہ کچھ کرنا ہے، مجھے پتہ چل گیا ہے کہ سرفراز بھائی نے ماما وغیرہ کو کچھ نہیں بتایا اور واقعی اس طرح کی کوئی بات گھر میں کرنا بیکار ہی ہوتا ہے۔

ہمیں تایا ابو پر مکمل بھروسہ تھا لیکن بہت سے معاملات ایسے ہوتے ہیں، جو اپنے آپ تک ہی محدود رکھنا مناسب ہوتے ہیں۔ سرفراز بھائی پورا دن غائب رہے تھے۔

میں، سلطانہ، حرا اور دانیہ کے ساتھ گھر میں گپیں لگاتا رہا تھا۔ شام کو دانیہ نے فرمائش کی کہ کہیں اچھی جگہ چل کر آئسکریم کھائی جائے۔ چنانچہ ہم قیصر خان کو ساتھ لے کر چل پڑے۔ خود ڈرائیونگ کا موڈ نہیں تھا حالانکہ سلطانہ نے پیشکش کی تھی کہ وہ خود کار چلا کر لے جاتی ہے لیکن میں نے معذرت کرتے ہوئے کہا کہ سلطانہ کسی مرد کی موجودگی میں خواتین کا کار چلانا اچھا نہیں لگتا۔ بہرحال ہم نے ایک عمدہ جگہ سے آئسکریم کھائی، اس کے بعد ایک خوبصورت پارک میں خاصی دیر تک چہل قدمی کرتے رہے۔

رات کا کھانا گھر پر ہی کھانا تھا کیونکہ اس سلسلے میں اجازت نہیں لی گئی تھی۔ حرا اور سلطانہ بڑی محدود زندگی گزار رہی تھیں، تایا ابو کی طرف سے انہیں بہت زیادہ آزادی نہیں دی گئی تھی البتہ جب ہم گھر پہنچے تو ہماری گاڑی کھڑی ہوئی تھی۔ اس کا مطلب تھا کہ سرفراز بھائی آچکے ہیں۔

ماما کے کمرے میں سرفراز بھائی بیٹھے ہوئے ماما سے گپیں لگا رہے تھے۔ وہ بہت خوش نظر آرہے تھے۔ بہرحال رات کے کھانے کے بعد تھوڑی دیر تک ماما کے کمرے میں نشست رہی۔ میرے ذہن میں تجسس تھا اور میں سوچ رہا تھا کہ سرفراز بھائی سے معلومات حاصل کروں کہ آخر حضور والا کہاں تشریف لے گئے تھے۔ یہ سوال ماما کے سامنے تو نہیں کیا لیکن رات کو اپنے کمرے میں پہنچ کر میں نے سرفراز بھائی سے پوچھا۔ ''جی سرفراز بھائی! صبح کو

آپ جس رنگ میں نظر آئے تھے، دل تو چاہا تھا کہ لپک کر آپ کو پکڑ لوں اور پوچھوں کہ بڑے بھیا بتا کر جائیے کہاں جا رہے ہیں۔"

"یار! تم سے کبھی کوئی بات چھپائی ہے زندگی کی، دراصل میں پاپا کے قاتل کی تلاش میں ہوں۔"

"اتنے خوبصورت کپڑے پہن کر......!"

"دیکھو شہاب! نادر خان نے جن باتوں کا انکشاف کیا ہے، جو حوالے دیئے ہیں اور جو حوالے ملتے ہیں تائی کے بارے میں، ان سے تھوڑا سا شبہ میرے ذہن میں بھی پیدا ہو گیا ہے کہ کہیں پاپا کی موت میں تائی کا تو ہاتھ نہیں ہے، میں ان شواہد کی بات کر رہا ہوں، جو ہمیں ملے ہیں۔"

"وہ تو سب ٹھیک ہے لیکن خوبصورت لباس میں آپ تائی اماں کے ہاں گئے تھے، یہ باتیں ذرا کچھ سمجھ میں نہیں آ رہیں۔"

"یار! تمہیں بتائے دیتا ہوں، مذاق تو نہیں اڑاؤ گے؟" سرفراز بھائی نے کسی قدر جھینپے ہوئے لہجے میں کہا۔

"سبحان اللہ! کیا مجھے مذاق اڑانے کا کوئی موقع دینا چاہتے ہیں آپ...... دیجئے پلیز......!"

"نہیں ایسی کوئی بات نہیں ہے، اصل میں اس کا اندازہ تو تمہیں خود بھی ہو چکا ہو گا کہ جس طرح بڑے بڑے جادوگروں کی جان کسی طوطے میں ہوتی ہے، اسی طرح تائی کی جان سائرہ میں ہے۔"

"جی جی...... آگے فرمایئے!"

"اور میں سائرہ ہی کو اپنی مٹھی میں لینا چاہتا ہوں تاکہ تائی تک پہنچنے کا راستہ آسان ہو جائے، مجھے ایک بات قسم کھا کر بتاؤ گے؟"

"جو کچھ آپ پوچھنا چاہتے ہیں، میں آپ کو بتائے دیتا ہوں، خدا کی قسم بالکل نہیں......!"

"ارے واہ! تم تو دل کی گہرائیوں میں گھسنے کی صلاحیت حاصل کر چکے ہو، میں یہ پوچھنا چاہتا تھا تم سے کہ کہیں سائرہ کے لئے تمہارے دل میں کوئی جگہ تو نہیں ہے؟"

"بالکل نہیں، بالکل نہیں!"

"یہ سوال میں اس لئے کر رہا ہوں کہ تم دونوں کچھ وقت ساتھ گزار چکے ہو۔"

"جی میں نے آپ کو جواب دے دیا۔"

"میں بھی سائرہ سے کوئی دلچسپی نہیں رکھتا لیکن بس یہ سمجھ لو کہ تائی اماں کو ٹریپ کرنے کے لئے سائرہ کو اپنے قریب لانا ضروری ہے۔"

"ٹھیک...... ویری گڈ! آپ نے اچھا طریقہ سوچا ہے۔"

"یہ طریقہ میں نے اسی وقت سوچ لیا تھا جب میں نے کہا تھا کہ کوئی میرے کسی عمل پر اعتراض نہ کرے، میں صرف اپنی مقصد براری کے لئے سائرہ کے قریب جانا چاہتا ہوں، کیونکہ اس طرح مجھے تائی کے قریب ہونے کا موقع مل جائے گا۔"

"اچھی بات ہے، میں آپ سے مکمل اتفاق کرتا ہوں تو پھر کیا رہا؟"

"یار! سو فیصد بات یہ نہیں ہے کہ سائرہ کوئی بدکردار لڑکی ہے لیکن بس میں نے تھوڑی سی اس سے یگانگت کا اظہار کیا تو وہ مجھ پر خاصی مہربان ہو گئی۔"

"میں آپ کو مبارک باد دیتا ہوں۔"

"دیکھوں گا تائی کتنے پانی میں ہیں۔" سرفراز بھائی نے کہا۔ میں نے ان کے راز کو دل میں رکھ لیا تھا۔

دوسرے دن وہ پھر تیار ہو کر باہر نکل گئے۔ میں نے ماما سے کہا کہ سرفراز بھائی اپنے لئے آفس تلاش کر رہے ہیں، تھوڑا سا اسٹاف وغیرہ بھی رکھنا ہے اور اس سلسلے میں وہ اپنے طور پر کام کر رہے ہیں۔

پھر ایک ہفتہ گزر گیا لیکن سرفراز بھائی کے معمولات میں کمی نہیں آئی تھی، البتہ اس دن صبح انہوں نے مجھ سے کہا۔ "تمہیں میرے ساتھ چلنا ہے، تیار ہو جاؤ۔"

"جی بہتر!" میں نے کہا اور سرفراز بھائی مسکرا کر گردن ہلانے لگے۔ ہم دونوں اچھے کپڑوں میں ملبوس ہو کر چل پڑے۔

"کیوں خیریت، کیا کوئی اہم کام ہے؟"

"نہیں، میں تمہیں وہ دفتر دکھانا چاہتا ہوں، جو ہم نے اپنے لئے منتخب کر لیا ہے۔" سرفراز بھائی نے کہا اور میں نے معنی خیز انداز میں گردن ہلا دی۔

سرفراز بھائی جس دفتر میں لے کر مجھے پہنچے، وہ واقعی قابلِ دید تھا۔ ایک انتہائی خوبصورت عمارت کی دوسری منزل پر یہ دفتر واقع تھا اور تقریباً آدھا فلور سرفراز بھائی کے پاس تھا۔

"جانتے ہو یہ عمارت کس کی ہے؟"

"تائی کی......؟" میں نے سوال کیا۔

"ہاں......! اس میں بہت سی کمپنیوں کے دفاتر قائم ہیں، تائی تو مجھے پورا فلور دینے پر

آمادہ تھیں لیکن میں نے کہا کہ ہمیں اتنی بڑی جگہ کی ضرورت نہیں ہے، اس کا آدھا فلور کافی ہے، آدھا کسی دوسری پارٹی کو کرائے پر دے دیا جائے۔'' سرفراز بھائی نے بتایا۔

''مگر یہاں تو شاید پہلے سے کوئی بورڈ لگا ہوا ہے؟''

''ہاں وہ بورڈ اسی حصے میں تھا، یہ آدھا حصہ اس وقت خالی پڑا ہوا تھا اور تائی نے اسے کرائے پر دینے کا اشتہار اخبار میں دیا ہوا تھا لیکن جب میں نے ان سے اپنی ضرورت کا اظہار کیا تو انہوں نے فوراً ہی سائرہ کو میرے ساتھ یہاں بھیج دیا اور مجھے یہ دفتر پسند آ گیا، تم دیکھو کیا عمدہ جگہ ہے۔''

''غضب کی جگہ ہے بھائی جان! اس میں کوئی شک نہیں ہے لیکن تائی کا یہ احسان......!''

''میں جو کچھ کر رہا ہوں نا اس کے لئے ہمیں اتنی ہی ٹھوس کارروائی کرنی ہے کہ تائی کو ہماری نیت پر کبھی کوئی شبہ نہ ہو سکے۔''

''سات آٹھ دن سے آپ اسی کام میں مصروف تھے؟''

''اور ابھی بہت عرصے تک مصروف رہوں گا، تائی نے ہمارے اسٹاف کے لئے تین افراد بھیج دیئے ہیں، جنہیں تم نے باہر دیکھا ہے۔''

''اوہو! کیا مطلب یہ تائی کے آدمی ہیں؟''

''ہاں! کیوں؟''

''اس سلسلے میں، میں آپ سے بات کرنا چاہتا ہوں بھائی جان! اگر یہ لوگ یہاں رہے تو کیا ہمارے تمام اثاثوں اور ہمارے بہت سے رازوں سے واقف نہیں ہو جائیں گے؟''

''جب تک ہم انہیں اپنے کسی راز میں شریک نہیں کریں گے، انہیں کیسے معلوم ہوگا اور جہاں تک اثاثوں کی بات ہے تو وہ میرے باپ کی ملکیت ہیں، میرے باپ کے چھوڑے ہوئے اثاثے ہیں، تائی کا ان سے کیا تعلق، اگر معلومات ہو بھی جاتی ہیں تو ہمارا کیا بگڑ جاتا ہے۔''

''بات اصل میں تائی کی چالاکی کی ہے، اچھا ایک بات بتایئے بھائی جان!''

''ہاں پوچھو!''

''تائی کے بارے میں جو کچھ باتیں ہمیں معلوم ہوئی ہیں مثلاً ریاض حسین صاحب نے کہا تھا کہ جادوگرنی ہے تو آپ کا کیا خیال ہے، اس دوران آپ زیادہ تائی کے پاس رہے ہیں، کوئی ایسی بات آپ کو نظر آئی ان کے اندر......؟'' میں نے سوال کیا اور سرفراز بھائی کسی سوچ میں ڈوب گئے۔

میرے سوال کا فوراً ہی جواب نہ دینے کا مطلب یہ تھا کہ کوئی ایسی بات ہے ان کے ذہن میں جس نے انہیں ایک لمحے کے لئے خاموش کر دیا ہے۔ تھوڑی دیر تک وہ خاموش رہے پھر بولے۔ ''تائی کی شخصیت پُراسرار ضرور ہے، کچھ ہے ان کے پاس کیونکہ بات اسی وقت زبان زد عام ہوتی ہے جب تک اس میں کچھ نہ کچھ اصلیت ضرور ہو، میں ایک دن اچانک ہی ان کے کمرے میں چلا گیا تھا، حالانکہ اس طرف جانے کی بالکل اجازت نہیں ہے، میں نے جان بوجھ کر یہ قدم اٹھایا تھا، زیادہ سے زیادہ میں نے یہی سوچا تھا کہ تائی مجھے ڈانٹ لیں گی، ویسے میرے ساتھ ان کا رویہ ضرورت سے کچھ زیادہ ہی اچھا چل رہا ہے، اس وقت میں نے دیکھا کہ وہ کمرے کے وسط میں بیٹھی ہوئی ہیں، ان کے جسم پر زرد رنگ کا ڈھیلا ڈھالا لبادہ تھا اور ان کے سامنے دو کالے رنگ کے سانپ کنڈلی مارے بیٹھے ہوئے تھے، تائی اماں کی آنکھیں بند تھیں لیکن وہ ہونٹوں ہی ہونٹوں میں کچھ بدبدا رہی تھیں جو میری سمجھ میں بالکل نہیں آیا، ان سانپوں کو دیکھ کر میں ایک لمحے کے لئے خوف زدہ ہو گیا تھا، پہلے تو میرا دل چاہا کہ چیخ کر تائی کو ان سانپوں کی موجودگی سے آگاہ کروں لیکن سانپ جس انداز میں بیٹھے ہوئے تھے، وہ انداز ایسا تھا جیسے کوئی مرید اپنے مرشد کے سامنے سر جھکا کر بیٹھ گیا ہو لیکن پھر اچانک ہی تائی نے آنکھیں کھول کر مجھے دیکھا اور سب سے پہلے انہوں نے دونوں سانپوں پر ہاتھ مارا، انہوں نے ان کے پھن مٹھیوں میں لے لئے اور انہیں اپنی پشت کی طرف کر لیا، وہ پریشان نگاہوں سے مجھے دیکھ رہی تھیں، میں نے جلدی سے آگے بڑھ کر کہا۔

''کیا ہو گیا تائی جان! خیریت، وہ میں دراصل آپ کے پاس......!'' میں نے جملہ ادھورا چھوڑ دیا۔

تائی کی آنکھیں شعلہ بار ہو گئی تھیں۔ وہ اس قدر خونی نگاہوں سے مجھے دیکھ رہی تھیں جیسے مجھے ہلاک کر دیں گی اور میں حیرت سے یہ دیکھ رہا تھا کہ انہوں نے دونوں سانپوں کے پھن اپنی مٹھیوں میں کر کے پیچھے تو کر لئے تھے لیکن سانپ اتنے چھوٹے نہیں تھے کہ وہ پوری طرح پیچھے چھپ جاتے، ان کے پھن تو چھپ گئے تھے لیکن باقی بدن نظر آ رہا تھا۔ پھر آہستہ آہستہ سمٹ کر وہ تائی کے پیچھے ہو گئے اور پھر چند ہی لمحوں کے بعد وہ اٹھ کر کھڑی ہو گئیں اور انہوں نے انگلی اٹھا کر کہا۔ ''بیٹے! باہر کی دنیا سے آئے ہو، وہیں پیدا ہوئے ہو اور وہیں پلے بڑھے ہو، میں نہیں جانتی کہ وہاں کے لوگوں کا رہن سہن کیا ہے لیکن کسی کے کمرے میں جب داخل ہوتے ہیں تو دستک ضرور دے لیا کرتے ہیں۔''

''تائی جان......! غلطی ہو گئی مجھ سے، میں معافی چاہتا ہوں۔'' میں نے کہا اور میری

دزدیدہ نگاہیں ان کے عقب میں بھٹکنے لگیں لیکن وہاں اب سانپوں کا کوئی وجود نہیں تھا۔
''جاؤ میرے کمرے میں آنے کی اجازت کسی کو نہیں ہے بلکہ بعض اوقات میں اجازت سائرہ کو بھی نہیں دیتی، درس و تدریس کے سلسلے میں مجھے جو تیاریاں کرنی پڑتی ہیں ان میں میرے مؤکلوں کی مدد شامل ہوتی ہے اور مؤکل کسی سامنے نہیں آتے، جاؤ باہر ڈرائنگ روم میں جا کر بیٹھو، میں آتی ہوں۔''

انہوں نے یہ سب کچھ نرم لہجے میں کہا تھا لیکن ان کے لہجے میں جو آگ تھی، اس تپش میں اپنے آس پاس تک محسوس کر رہا تھا۔ بہرحال میں باہر نکل آیا لیکن یہ سوچ میرے ذہن میں سما گئی کہ تائی کی شخصیت بہت پُراسرار ہے، ویسے بھی انہوں نے یہ بات کبھی نہ چھپائی کہ وہ عامل ہیں اور کئی مؤکل ان کے قبضے میں ہیں۔ بعد میں، میں نے ایک بار ان سے پوچھنے کی کوشش کی کہ تائی جان اس دن......! ابھی میں نے اتنا ہی کہا تھا کہ انہوں نے ہاتھ اٹھا کر مجھے خاموش کر دیا پھر بولیں۔ ''دیکھو بیٹے! انسان کو ہر حالت میں ایک حد میں رہنا چاہئے، تم میرے ان عوامل کے بارے میں کبھی کچھ نہیں پوچھو گے جو تمہاری سمجھ میں نہ آئیں، سمجھے!''

''پھر بھائی جان! آپ نے سب کچھ اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا کہ تائی جان کس معیار کی خاتون ہیں؟''

''دیکھو اگر تم مجھے خوف زدہ کرنا چاہتے ہو تو شہاب تو میں کبھی خوف زدہ نہیں ہوں گا، وہ کتنی ہی بڑی شخصیت کیوں نہ ہوں، میں صرف یہ معلوم کرنا چاہتا ہوں کہ میرے پاپا کی موت میں ان کا ہاتھ ہے یا نہیں!''

''ٹھیک......!'' میں نے ایک گہری سانس لی پھر بولا۔ ''یہ نادر خان بھی کئی دن سے بالکل خاموش ہیں، کوئی بات نہیں کی انہوں نے۔''

''میں تمہیں ایک مشورہ دوں شہاب! تم ان سرگرمیوں میں زیادہ نہ پڑو، تائی نے مجھے یہ آفس دیا ہے، میں یہاں بیٹھتا ہوں، وہ سیٹ دیکھ رہے ہو دوسری طرف!'' سرفراز بھائی نے کہا اور مسکرا دیئے۔

''ہاں ہاں!''

''وہ سائرہ کی ہے۔''

''ہوں! اس کا مطلب ہے کہ سائرہ بھی آپ کے ساتھ ہی رہا کرے گی؟''

''یار! کوئی حرج نہیں ہے، کسی غلط انداز میں مت سوچنا، تھوڑے دن کا موقع دے دو مجھے، اس کے بعد میں اس دفتر پر بھی لعنت بھیج دوں گا اور باقی لوگوں پر بھی، تائی کے بارے

میں بس کچھ پتہ چل جائے اور اگر وہ بے گناہ ثابت ہوئیں تو پھر شہاب بری بات ہے کہ ہم ان سے نہ ملیں، وہ بیچاری ہمارا کیا بگاڑ لیں گی۔''

''ٹھیک ہے بھائی جان! آپ مجھ سے زیادہ سمجھدار ہیں، حالات کو زیادہ بہتر طریقے سے سمجھتے ہیں۔'' میں نے جواب دیا۔

پھر کافی دیر تک میں اس آفس میں رہا۔ غضب کی ڈیکوریشن تھی۔ بھائی جان نے ایک بار بھی مجھ سے نہیں کہا تھا کہ اس آفس میں میری میز کہاں ہو گی۔

اسی رات جب میں نے مما سے اس آفس کا تذکرہ کیا اور ساری تفصیل بتائی تو مما بھی انگشت بدنداں رہ گئیں۔ بہت دیر تک سوچتی رہیں اور پھر انہوں نے خود ہی سرفراز بھائی سے کہا۔ ''سرفراز بیٹا! بچا لو گے خود کو ان سے......؟''

''ماما! آپ کے بیٹے اب چھ چھ سال کے نہیں ہیں، دنیا کو خاصا دیکھ چکے ہیں۔''

''پھر بھی بیٹے! مجھے خوف آتا ہے، اچھا ایک بات بتاؤ کیا شہاب بھی تمہارے ساتھ ہی بیٹھیں گے؟''

''ماما...... اس آفس میں مجھے رہنا نہیں ہے، میں نے تائی کو پورا پورا موقع دیا ہے کہ وہ ہم پر اپنے جال ڈالیں، اب جب آپ کو ساری باتیں معلوم ہو گئی ہیں تو میں آپ کو بتا دوں کہ کھلم کھلا یہ بات میرے سامنے آ چکی ہے کہ تائی اپنی بیٹی سائرہ کو مجھ پر مسلط کرنا چاہتی ہیں تاکہ ہم لوگ بھی ان کی ٹولی میں شامل ہو جائیں، ویسے مجھے یقین ہے ماما کہ انہیں ہماری تمام تر جائیداد وغیرہ کے بارے میں معلوم ہو چکا ہے لیکن میں آپ کو صرف ایک بات کا یقین دلانا چاہتا ہوں وہ یہ کہ ہمارے اصل کاغذات کا دفتر میں کوئی نام و نشان نہیں ہو گا، ہم بھی تو آخر تھوڑی بہت عقل رکھتے ہیں۔''

''خدا تمہیں مزید عقل دے، بس خیال رکھنا بیٹا!''

''آپ مطمئن رہیں ماما! آپ بالکل مطمئن رہیں۔'' سرفراز بھائی نے تسلی دلانے والے انداز میں کہا اور ماما خاموش ہو گئیں۔

نجانے کیوں بے چینی کی ایک لہر میرے دل میں بھی اٹھی تھی۔ تائی کے پُراسرار کردار کے بارے میں مجھے بھرپور علم تھا ظاہر ہے جو کچھ وہ تھیں، وہی ان کی بیٹی بھی ہو سکتی تھی۔ سائرہ کو بھی میں بہت قریب سے دیکھ چکا تھا، موصوفہ نے ایک دم چولا بدل لیا تھا۔ یقیناً سرفراز بھائی ان دونوں کو میرے مقابلے میں تر نوالہ نظر آئے ہوں گے۔

لیکن سرفراز بھائی بڑے اعتماد سے اپنا کام کر رہے تھے اور بقول ان کے انہوں نے سائرہ کی قربت صرف اس لئے حاصل کی تھی کہ تائی تک پہنچنے کا موقع مل جائے اور انہیں صحیح

صورتِ حال کا اندازہ ہو جائے۔

نادر خان سے کئی دن سے ملاقات نہیں ہوئی تھی اور کوئی ایسا قابل ذکر واقعہ پیش نہ
تھا، جسے کوئی اہمیت یا کوئی مقام دیا جائے۔

گکھڑ سے رائس مل کے منیجر کا فون موصول ہوا۔ اس نے کہا تھا کہ نئی فصل کا چاول
ہے، اس کے بارے میں کچھ فیصلے کرنے ہیں۔ ہماری زمینوں پر چاول کی فصل بہت
ہوئی تھی اور پچھلے دنوں اس فصل کے کٹنے کی اطلاع ملی تھی، دعوت بھی دی گئی تھی کہ ہم
فصل دیکھ لیں لیکن ان دنوں یہاں کام ہو رہا تھا اور میں سرفراز بھائی دونوں ہی اپنے
طور پر مصروف تھے۔

سرفراز بھائی کے مشورے پر میں قیصر خان کے ساتھ گکھڑ چل پڑا۔ سرفراز بھائی
مجھے اپنی گاڑی دے دی۔ یہ فیصلہ بھی کیا گیا تھا کہ ایک اور گاڑی لے لی جائے تاکہ سر
بھائی اپنے کام میں مصروف رہیں اور میں اپنے کام میں۔

الغرض قیصر خان کے ساتھ گکھڑ چل پڑا۔ اچھی جگہ تھی، تھوڑی سا گاؤں تھوڑا
شہر......!'' رائس مل کے منیجر نے ہماری رہائش کے لئے بہت اچھا بندوبست کیا تھا، ایک
خوبصورت سی عمارت میں جو غالباً منیجر ہی کی ملکیت تھی، میرے قیام کا بندوبست کیا گیا تھا۔

قیصر خان کو بھی اس عمارت میں ایک کمرہ دیا گیا تھا، جو نیچے کی منزل میں تھا، اوپر
منزل سے قرب و جوار کے مناظر بہت اچھے نظر آتے تھے۔ چاول کی جس فصل کے بار
میں منیجر نے ہمیں اطلاع دی تھی، اس سے ہمارے کئی گودام بھرے پڑے تھے۔

رات کو ساڑھے بارہ بجے تک منیجر مل کے مختلف امور کے بارے میں گفتگو کرتے رہ
پھر انہوں نے اجازت چاہی اور مجھے الوداع کہہ کر کمرے سے باہر نکل گئے۔ میں
کپڑے بدلے اور بستر پر لیٹ کر گزرے واقعات پر غور کرنے لگا۔ اتنی ساری زمین
جائیداد، رائس مل، پلازے، پاپا نے اتنا کچھ چھوڑا تھا ہمارے لئے کہ اسے سنبھالنے کے
بھی کافی وقت درکار تھا۔ سوچتے سوچتے اچانک میری نگاہ کمرے کی کھلی ہوئی کھڑکی پر
اور ایک لمحے کے لئے میرا دل اچھل کر حلق میں آ گیا۔

وہی پُر اسرار انسانی آنکھیں، جنہیں میں نے پہلی بار اپنے کمرے میں دیکھا تھا۔ یہ
وہی چمگادڑ تھی جس نے یہاں میرا استقبال کیا تھا۔ ابھی میں کسی قدر وحشت زدہ نگاہوں سے
اس چمگادڑ کو دیکھ ہی رہا تھا کہ اچانک وہ کھڑکی سے اندر داخل ہو گئی۔ میں گھبرا کر بستر سے
اٹھ گیا۔

آج اس چمگادڑ کی آنکھوں میں سفیدی کے بجائے خون جیسی سرخی لہرا رہی تھی۔ میرے
اٹھتے ہی اس نے مجھ پر حملہ کیا اور اگر میں جلدی سے اپنا چہرہ چھپا کر جھک نہ جاتا تو اس کے
خونی پنجے میرے چہرے کو ادھیڑ کر رکھ دیتے۔ اس نے میرے سر پر حملہ کیا تھا، حالانکہ
میرے بال اچھے خاصے گھنے تھے لیکن پھر بھی اس کے خونخوار لمبے ناخن میرے سر میں جلن
پیدا کرتے ہوئے گزر گئے۔

وہ پروں کو پھڑ پھڑاتی آگے بڑھ گئی تھی لیکن دیوار سے ٹکرانے کے بجائے وہ بڑی پھرتی
سے واپس پلٹی اور ایک بار پھر اس نے غوطہ لگا کر مجھ پر حملہ کیا۔ اس بار پھر اس نے غوطہ لگا
کر مجھ پر حملہ کیا۔ اس بار میرے نائٹ سوٹ کی آستین شانے کے پاس سے ادھڑ گئی تھی اور
اس کے نیچے گوشت پر بھی پنجوں کے نشانات بن گئے تھے۔ میرے حلق سے ایک چیخ سی نکلی
اور میں بستر پر لوٹ لگا کر نیچے آ رہا۔ خونخوار چمگادڑ مسلسل مجھ پر حملے کر رہی تھی، وہ بالکل
زمین کے قریب آ کر اوپر اٹھتی تھی، یوں لگتا تھا، جیسے وہ مجھے ادھیڑ کر رکھ دینا چاہتی ہو۔ میری
وحشت زدہ نگاہیں کسی ایسی شے کو تلاش کر رہی تھیں، جس سے مجھے اس چمگادڑ سے نمٹنے کا
موقع مل جائے۔

اور تو کوئی چیز نظر نہیں آئی لیکن دیوار پر ایک آرائشی تلوار نصب تھی۔ اس کے قریب ہی
ایک ڈھال بھی تھی، ہر چند کہ یہ چیزیں ڈیکوریشن کی ہوا کرتی ہیں لیکن تلوار بہر حال تانبے یا
اسٹیل کی تھی۔ میں نے چمگادڑ کے اس حملے کو بھی خالی جانے دیا، جو اس نے غوطہ لگا کر مجھ پر
کیا تھا اور اس کے بعد میں نے پھرتی سے اپنی جگہ سے اٹھ کر وہ تلوار کھینچ لی۔ اچھی خاصی
تیز دھار اور مضبوط تلوار تھی۔ چمگادڑ کو شاید میرے اس عمل کا اندازہ نہیں ہو سکا تھا چنانچہ ایک

بار پھر وہ مجھ پر جھپٹی، میں نے تلوار گھمائی لیکن چگادڑ کی بدقسمتی تھی کہ وہ تلوار کی دھار پر آ گئی، تلوار اس کی گردن پر پڑی اور میں نے ایک تیز آواز سنی، اس کے ساتھ ہی چگادڑ کی گردن دور جا پڑی تھی۔

میں سہمے ہوئے انداز میں دیوار سے لگ گیا۔ چگادڑ کا خون اگلتا ہوا دھڑ نیچے گر پڑا تھا اور اس کی گردن اِدھر اُدھر قلابازیاں کھاتی پھر رہی تھی۔ خون کے چھینٹے ہر طرف بکھر گئے تھے، میں دیوار سے ٹکا، اپنی سانسوں پر قابو پانے کی کوشش کر رہا تھا۔

اچانک ہی میں نے ایک اور منظر دیکھا۔ چگادڑ کا بدن پھیلتا جا رہا تھا، اس کے ہاتھوں، پیروں میں تشنج سا ہو رہا تھا اور ہاتھوں، پیروں کی لمبائی بڑھتی جا رہی تھی۔ میں اس منظر کو دیکھتا رہا، میرے حواس گم ہوئے جا رہے تھے۔ چگادڑ کا بدن پہلے بلی کے برابر ہوا پھر اس سے بھی بڑھا اور بڑھتا ہی چلا گیا۔

مجھے یہ سب کچھ ایک خوفناک خواب کی مانند محسوس ہو رہا تھا۔ دیکھتے ہی دیکھتے چگادڑ کے جسم نے انسانی شکل اختیار کر لی، تبھی میری نگاہ اس کے بدن کے دوسرے حصے یعنی اس کی کٹ جانے والی کھوپڑی پر پڑی اور ایک بار پھر میری آنکھوں میں اندھیرا چھانے لگا۔ یہ کھوپڑی بھی بڑی ہو گئی تھی اور وہ بھی انسانی شکل اختیار کر گئی تھی۔ الجھے ہوئے بدنما بال، مکروہ چہرہ اور پھر اسے پہچاننے میں مجھے کوئی دقت نہیں ہوئی۔

یہ گورنی تھی۔ گورنی اپنی اصل شکل اختیار کر چکی تھی، اس کا دھڑ اس کی گردن سے کوئی چار فٹ کے فاصلے پر پڑا ہوا تھا اور اب وہ ایک مکمل بدن اختیار کر گیا تھا پھر اچانک ہی میں نے اسے اٹھ کر بیٹھتے ہوئے دیکھا۔ مجھے پہلی بار احساس ہوا کہ میں بہت ہی مضبوط اعصاب کا مالک ہوں اور کوئی بھی چیز مجھے ہوش وحواس سے عاری نہیں کر سکتی، ورنہ یہ بھیانک منظر تو دل کی حرکت بند کر دینے کے لئے کافی تھا۔ گورنی اٹھ کر بیٹھ گئی، اس کے ہاتھ اِدھر اُدھر کچھ ٹٹول رہے تھے، جیسے وہ کسی چیز کو تلاش کر رہی ہو۔ گردن تو اس کے شانوں پر تھی ہی نہیں، پھر وہ آہستہ آہستہ کھسکنے لگی۔ میرے اندر اتنی ہمت نہیں تھی کہ میں اپنے بدن کو جنبش بھی دے سکتا۔

گورنی کو شاید یہ اندازہ تھا کہ اس کی کھوپڑی کہاں پڑی ہوئی ہے۔ وہ آگے بڑھی اور اس نے اپنی کھوپڑی اٹھائی اور اسے اپنے کندھوں پر عین اس جگہ رکھ لیا، جہاں سے وہ کٹی تھی۔ ایسا کرنے کے بعد وہ کچھ دیر بیٹھی جھومتی رہی اور پھر دوبارہ زمین پر دراز ہو گئی۔

میری وحشت عروج پر تھی۔ میں پاگلوں کی طرح آنکھیں اور منہ کھولے ہوئے گورنی کو دیکھ رہا تھا اور سوچ رہا تھا کہ اس کے بدن کی نئی جنبش کیا ہوتی ہے۔ کوئی دو یا تین منٹ تک

میں اس پر نگاہیں جمائے رہا لیکن اس کے جسم میں کوئی جنبش نہیں ہوئی۔ مجھے یوں محسوس ہوا جیسے اس کے بدن میں سانسوں کی آمد و رفت بھی نہیں ہے۔ گورنی کا تعلق ایک پراسرار مخلوق سے تھا۔ یہ مخلوق کس طرح سانس لیتی ہے، کیا عمل کرتی ہے، مجھے کچھ نہیں [illegible] تھا چنانچہ میں خاموش کھڑا اسے دیکھتا رہا۔

پھر مجھے یہ احساس ہوا جیسے اس کے اندر زندگی کی رمق باقی نہیں رہی ہے۔ میرے ذہن میں ایک چھناکا سا ہوا۔ اگر وہ مر گئی ہے تو اب کیا ہوگا۔ ویسے جس طرح اس کی گردن کٹ کر دور جا پڑی تھی، اس کے بعد کسی ذی روح کے اندر زندگی کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا لیکن گورنی کیا چیز تھی، اس کا مجھے علم نہیں تھا، وہ گردن کٹنے کے باوجود اپنی کٹی ہوئی گردن کو اپنے شانوں پر جمانے میں کامیاب ہو گئی تھی۔ ایسی کسی مخلوق کے بارے میں کیا کہا جا سکتا تھا کہ وہ زندہ ہے یا نہیں......! پھر بھی میں ہمت کر کے آگے بڑھا اور گھٹنوں کے بل اس کے نزدیک بیٹھ گیا۔

ڈرتے ڈرتے میں نے اس کے بدن کو چھونے کی کوشش کی تو مجھے یوں لگا، جیسے میرا ہاتھ برف کی کسی سل سے ٹکرا گیا ہو۔ جسم ٹھنڈے ضرور ہو جاتے ہیں لیکن اتنے ٹھنڈے نہیں ہوتے جتنا گورنی کا جسم ٹھنڈا تھا، اس میں زندگی کی کوئی علامت باقی نہیں تھی۔ میرے بدن میں شدید کپکپی دوڑ رہی تھی۔ یہ سب کچھ بہت عجیب ہوا تھا، بہرحال تھوڑی دیر تک اندازہ لگاتا رہا اور اس کے بعد اس بات کا یقین ہو گیا کہ گورنی میرے ہاتھوں ماری جا چکی ہے۔

پھر یکدم میرے بدن میں جھرجھری تیز ہو گئی۔ اگر صبح کو میرے کمرے سے کوئی لاش برآمد ہوتی ہے تو کون گزرے ہوئے ان واقعات پر یقین کرے گا۔ کون یہ سوچے گا کہ وہ ایک غیر انسانی مخلوق ہے، بظاہر سب کچھ انسانوں جیسا ہی تھا۔ میرے دل و دماغ قابو میں نہیں تھے، چنانچہ میں بستر پر پاؤں لٹکا کر بیٹھ گیا اور غور کرنے لگا کہ اب مجھے کیا کرنا چاہئے؟''

پھر میں نے سب سے پہلے اس تلوار کو صاف کیا جس پر خون لگا ہوا تھا۔ اسے اس کی جگہ رکھ کر میں نے اس کے دستے سے اپنے ہاتھوں کے نقوش مٹا دیئے اور پھر گورنی کی لاش کی طرف دیکھا۔ کار کی چابی میرے پاس تھی۔ میرے ذہن میں ایک خیال آیا کہ کیوں نہ گورنی کی لاش کو میں آس پاس کہیں ٹھکانے لگا دوں، یہی مناسب تھا ورنہ صبح کو میرے لئے جواب دینا مشکل ہو جاتا۔

میں نے گورنی کی لاش کو اٹھایا۔ ایک اور حیرت انگیز انکشاف مجھ پر ہوا۔ گورنی بظاہر کافی بھاری بھرکم بدن کی مالک تھی لیکن اس کا جسم بے وزن تھا، اتنا ہلکا کہ اسے اٹھانے میں

مجھے کوئی دقت نہیں ہوئی۔ میں آہستہ آہستہ سنبھل کر زینہ طے کرتا ہوا نیچے آیا۔ قیصر خا
خواب خرگوش کے مزے لے رہا تھا، وہ اپنے کمرے میں تھا، اس کے کمرے کا دروازہ بند
چنانچہ مجھے کار کی ڈگی کھول کر اس میں لاش رکھنے میں کوئی دقت نہیں ہوئی اور اس کے بعد
میں نے گاڑی اسٹارٹ کی اور وہاں سے آگے بڑھ گیا۔

راستوں کا تعین بھی ضروری تھا چونکہ گڑھ میرے لئے بالکل اجنبی اور نئی جگہ تھی لیکن
بہرحال میں سنسان راستوں پر آگے بڑھتا رہا اور راستوں کو ذہن نشین کرتا رہا، پھر مجھے ایک
ایسی جگہ نظر آ گئی، جہاں میں اس لاش کو ٹھکانے لگا سکتا تھا۔ یہ بڑے بڑے اور گہرے گڑھے
تھے، چنانچہ میں نے موقع غنیمت دیکھ کر ڈگی کھولی اور گورنی کی لاش کو کندھوں پر اٹھا
وہاں سے آگے بڑھ گیا۔ بہت زیادہ فاصلے نہیں طے کئے تھے میں نے، سڑک سے تھوڑی ہی
دور جانے کے بعد ایک ایسا گڑھا نظر آ گیا جہاں گورنی کی لاش کو پھینکا جا سکتا تھا، چنانچہ
میں نے اسے اپنے کندھے سے اتار کر نیچے گڑھے میں دھکیل دیا اور اس کے بعد میں ایک
لمحے تک وہاں کھڑا رہا پھر وہاں سے واپس پلٹ پڑا۔ میرے اندر کی جو کیفیت تھی، میرا اللہ
ہی جانتا ہے۔ میں بُری طرح کانپ رہا تھا، ہونٹ خشک ہو رہے تھے، زبان تالو سے لگی ہوئی
تھی۔ بہرحال اس عالم کے باوجود میں نے گاڑی اسٹارٹ کی اور اسے واپس موڑ کر یاد کئے
ہوئے راستوں پر چل پڑا۔

میرے ذہن میں نجانے کیا کیا خیالات آ رہے تھے۔ کچھ اچھی سوچیں بھی تھیں، مثلاً
گورنی سے پیچھا چھوٹ گیا ہے، ہو سکتا ہے اب وہاں کے حالات بھی بہتر ہو جائیں کیونکہ
گورنی کے علاوہ کسی کے دل میں میرے لئے انتقام کا کوئی جذبہ نہیں تھا۔

ابھی واپس پلٹے ہوئے مجھے پانچ ہی منٹ گزرے تھے کہ اچانک پیچھے سے مجھے ہلکی ہلکی
کراہیں سنائی دیں اور بے اختیار میرے ہاتھ اسٹیئرنگ پر ڈگمگا گئے۔ بمشکل تمام گاڑی
سنبھال کر میں نے عقب نما آئینے پر نگاہ ڈالی اور اس کے بعد قدرتی عمل تھا کہ میرا پاؤں
بریک پر جا پڑا۔ گاڑی ایک تیز چرچراہٹ کے ساتھ سڑک پر ڈگمگائی اور پھر رک گئی۔

میں نے جو کچھ دیکھا، وہ میرے دل کی حرکت بند کر دینے کے لئے کافی تھا۔ وہ گورنی
ہی تھی لیکن اس وقت پھر وہ گردن سے بے نیاز تھی اور اس کی کٹی ہوئی گردن گود میں رکھی
ہوئی تھی۔ گاڑی رکی تو اس نے دونوں ہاتھ بڑھا کر اپنی گردن اٹھائی اور اسے واپس اپنے
شانوں پر رکھ لیا اور پھر اس نے بڑے اطمینان سے دروازے کا ہینڈل کھولا اور نیچے اتر گئی
اس کے ساتھ ہی اس کی سرسراتی ہوئی آواز ابھری۔ ''تم نے اپنی زندگی بہت مختصر کر لی ہے
میرا انتظار کرنا۔'' یہ کہہ کر وہ قدم اٹھاتی ہوئی آگے بڑھ کر سڑک کے نشیب میں اتر گئی۔

میں خاموش بیٹھا اسے دیکھتا رہا تھا۔ اس وقت جیسے میرا سارا وجود موت کی آغوش میں
چلا گیا تھا، میں سو گیا تھا، میرے اندر کوئی احساس باقی نہیں رہا تھا۔ نجانے یہ کیفیت کتنی دیر
تک قائم رہی۔

چند لمحے اِدھر اُدھر دیکھتا رہا اور اس کے بعد پھر گاڑی میں سیلف لگایا۔ گاڑی ایک
سیلف میں اسٹارٹ ہو گئی تھی۔ واپسی کا سفر کیسے کٹا تھا، اللہ ہی بہتر جانتا ہے۔ گاڑی کھڑی
کی اور اس کے بعد میں نے اس میں روشنی کر دی۔ میں دیکھنا چاہتا تھا کہ گورنی کے خون
کے دھبوں نے گاڑی کو کس طرح تباہ کیا ہے لیکن مجھے ایک بھی دھبہ نظر نہیں آیا تھا۔ یہ بھی
حیرت ناک بات تھی لیکن اگر غور کیا جاتا تو کوئی بات حیرت ناک نہیں تھی۔

قیصر خان کے کمرے کے سامنے سے گزرتے ہوئے میں نے جائزہ لیا کہ وہ جاگا ہے یا
نہیں...... لیکن اندر کوئی ایسے آثار نہیں تھے۔ قیصر خان کی تیز سانسیں گونج رہی تھیں۔ میں
اوپر اپنے کمرے میں پہنچ گیا اور پھر میں نے وہاں کا جائزہ لیا۔ وہاں کوئی تبدیلی نہیں تھی۔
کوئی سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ یہاں ایک ایسا انوکھا اور حیرت ناک واقعہ پیش آیا ہے۔ وہ
خون آلود تلوار اپنی جگہ دیوار پر موجود تھی، اس پر بھی تلاش کرنے سے خون کا ایک نشان نظر
نہیں آیا، نجانے کیا ہوا کہ میں یک بیک ہنس پڑا۔ میں نے دل میں کہا۔ پاپا! آپ ٹھیک
کہتے تھے، یہاں واقعی ہماری دشمنیاں چل رہی ہیں اور خاص دشمنی اس عجیب وغریب مخلوق
سے ہے، جس سے دشمنی کا کوئی جواز نہیں تھا، ایک اتفاقیہ واقعے نے کیسے انوکھے حالات کو جنم
دے دیا ہے، پتہ نہیں آگے کیا ہوگا لیکن پاپا! ایک بات کہوں، آپ کا بیٹا بھی بہت بہادر ہے
بلکہ اب تو یہ کھیل مجھے دلچسپ لگنے لگا ہے، عارضی طور پر کسی بھی انہونے واقعے سے خوف کا
احساس ضرور ہوتا ہے لیکن بس یہ کچھ لمحوں کی بات ہوتی ہے اس کے بعد سب ٹھیک ہو جاتا
ہے۔

اپنے آپ کو خود ہی حوصلہ دیا تھا اور بستر پر لیٹ گیا تھا، پھر رات کا نجانے کونسا پہر تھا
کہ بدن کو شدید سردی کا احساس ہوا اور ایک عجیب سی اینٹھن بدن میں پیدا ہونے لگی۔ صبح
کو ہلکا ہلکا بخار ہو گیا تھا۔ قیصر خان چائے لے کر میرے کمرے میں آیا تھا۔ مجھے جاگتا دیکھ
کر مسکرا دیا اور بولا۔ ''صاب! منیجر صاب نے ادھر سارا بندوبست کر دیا تھا، میں نے ان
سے کہا تھا کہ صاب صبح کو میرے ہاتھ کا چائے پیتا ہے، مجھے جو چیز چاہئے تھا، ادھر مل گیا،
آپ چائے پیو، کیا بات ہے، آپ کا چہرہ سرخ ہو رہا ہے؟''

''ہاں قیصر خان! رات کو بے خوابی رہی لیکن کوئی خاص بات نہیں ہے۔''

''صاب! یہ بخار کا گولی ہے، گستاخی معاف اگر آپ چاہو تو!''

''ہاں دے دو۔'' میں نے قیصر خان کے خلوص کو محسوس کیا تھا۔ گولی تو عام سی تھی لیکن قیصر خان کے جذبات کو مدنظر رکھتے ہوئے میں نے پہلے گولی کھائی، اس کے بعد چائے پیا پھر میں نے کہا۔ ''یار قیصر خان! ایک بات بتاؤ، اگر ہم یہاں سے ساہیوال جانا چاہیں تو......!''

''ہم یہاں سے ایران بھی جا سکتا ہے صاب! آپ پروا کیوں کرتے ہو؟'' قیصر خان نے پُراعتماد لہجے میں کہا اور میں مسکرا دیا۔

''بس نیر صاحب سے آخری ملاقات کر کے ساہیوال چلیں گے۔'' میں نے مستانہ وار کہا۔ ارجمند کو تو میں ایک دن بھی نہیں بھولا تھا، لیکن ساہیوال جانے کا یہ فوری فیصلہ میں نے اپنی طبیعت پر چھائے ہوئے تکدر کو دور کرنے کے لئے کیا تھا، البتہ ناشتے کے بعد میں نے سرفراز بھائی کو فون کیا۔ میرا فون کافی تاخیر سے ریسیو کیا گیا تھا۔

''خیریت سرفراز بھائی! کیا کر رہے تھے آپ؟''

''کچھ نہیں، فون میرے پاس موجود نہیں تھا، میں واش روم میں تھا۔''

''اچھا اچھا، سنایئے خیریت ہے سب......؟''

''ہاں تم بتاؤ کیا ہو رہا ہے؟''

''بس منیجر صاحب سے مل لیا ہوں، اب ذرا ادھر اُدھر گھومنے کا ارادہ ہے، کوئی جلدی تو نہیں ہے میری واپسی کی......؟''

''نہیں گھر سے نکلے ہو تو آرام سے واپس آنا، یہاں سب ٹھیک ہے، ماما، دانیہ، تایا ابو وغیرہ سب لوگ ٹھیک ہیں۔'' سرفراز بھائی نے جواب دیا۔ تھوڑی سی رسمی گفتگو کرنے کے بعد میں نے فون بند کر دیا۔

ایک طرح سے مجھے ساہیوال جانے کی اجازت مل گئی تھی۔ ماما کو فون کرتا تو یقیناً وہ جلد واپسی کے لئے کہتیں لیکن اس وقت ارجمند سے ملنے کو اتنا دل چاہ رہا تھا کہ میں تھوڑا سا خود غرض بن گیا تھا۔

منیجر صاحب سے آخری بات چیت کی۔ شریف آدمی تھا اور پھر حساب کتاب کا صاف ستھرا...... تمام باتیں انہوں نے میرے سامنے رکھ دی تھیں۔ میں نے اپنی سمجھ کے مطابق انہیں مشورے دیئے اور پھر ان تمام کاغذات پر دستخط کر دیئے، جن کے ذریعے چاولوں کی خرید وفروخت کرنی تھی، پھر میں نے ان سے واپسی کی اجازت مانگی تو انہوں نے قرب و جوار کی سیر کرانے کی پیشکش کی لیکن میں نے ان سے معذرت کر لی اور قیصر خان گاڑی لے کر چل پڑا۔

راستہ کافی مختلف تھا۔ ساہیوال جانے کے لئے ہمیں خاصا لمبا چکر کاٹنا پڑا اور اس کے بعد ہم ساہیوال جانے کی جانب چل پڑے۔ دیارِ محبوب کا تصور کس قدر دلکش ہوتا ہے، الفاظ میں بیان نہیں کیا جا سکتا، قدم بھاری ہو رہے تھے، دروازے پر دستک دی تو نکہت آراء بیگم نے دروازہ کھولا تھا، مجھے دیکھ کر اچنبھے میں رہ گئیں۔ پھر ان کے چہرے سے خوشی پھوٹ پڑی۔

''دیکھنا اماں! دیکھنا ذرا کون آیا ہے؟'' ان کی آواز میں بے پناہ خوشی چھلک رہی تھی۔ سمن آراء بیگم غالباً اندرونی کمرے میں تھیں، نکہت آراء بیگم کی آواز پر وہ باہر نکل آئیں، اس دوران میں اندر داخل ہو چکا تھا، مجھے دیکھ کر وہ بھی اچنبھے میں رہ گئیں، پھر ان کے چہرے پر خوشی پھوٹ پڑی۔

''آؤ آؤ شہاب بیٹے اور کون ساتھ ہے؟'' انہوں نے میرے عقب میں دیکھتے ہوئے کہا۔

''میں تنہا ہی آیا ہوں۔'' میں نے جواب دیا۔ سمن آراء بیگم میرے قریب پہنچ گئیں۔ انہوں نے بھی پیار سے میرا ماتھا چوما اور میرا بازو پکڑ کر مجھے اندر لے گئیں۔ دونوں کے انداز سے پتہ چل رہا تھا کہ میری آمد سے وہ خاصی خوش ہوئی ہیں۔ دادا ابو کے بارے میں پوچھا تو انہوں نے بتایا کہ وہ معمول کے مطابق اپنی ڈیوٹی پر نکلے ہیں اور ارجمند بھی...... خاطر مدارات شروع ہوئی، سب کی خیریت معلوم کی گئی، ارجمند غیر متوقع طور پر آ گئی اور اس نے مجھے بڑی عجیب نگاہوں سے دیکھا۔

''کیسی ہیں ارجمند! کیا اسکول کی چھٹی ہو گئی؟'' میں نے سوال کیا

''نہیں بس ایسے ہی سر میں کچھ درد تھا، میڈم کہنے لگیں کہ تم جانا چاہو تو چلی جاؤ۔''

یہاں آ کر بہت ہی اچھا لگ رہا تھا۔ نکہت آراء چائے بنانے چلی گئیں، میں سمن آراء سے باتیں کرنے لگا، ارجمند کپڑے بدلنے چلی گئی تھی۔

شام کو کوئی پانچ بجے کے قریب دادا ابو واپس آ گئے۔ بڑی خوشیوں کا اظہار کیا گیا۔ پڑوس میں کسی کی برسی کی فاتحہ تھی، چنانچہ دادا ابو اور سمن آراء بیگم مجھ سے تھوڑی دیر کے لئے اجازت لے کر چلے گئے، نکہت آراء بیگم اور ارجمند کھانا بنانے کے لئے چلی گئی تھیں۔

ارجمند کسی کام سے اندر آئی تو میں نے اس سے کہا۔ ''ارجمند! میں نے آپ لوگوں کو دوبارہ تکلیف دی ہے محسوس تو نہیں کیا آپ نے؟''

ارجمند نے چونک کر مجھے دیکھا۔ ایک لمحے تک دیکھتی رہی پھر بولی۔ ''کوئی غلطی ہو گئی کیا......؟'' اس کا انداز بہت عجیب تھا۔

''میں سمجھا نہیں!''

''یہ خیال آپ کو کیوں آیا، آپ کو اندازہ نہیں ہے ہمارے ہاں ہمارے اپنوں میں سے کوئی آتا ہی نہیں ہے، آپ کے آنے سے آج دل کو بڑی ڈھارس ہوئی ہے، ایک مرتبہ کوئی بھی کسی کے گھر جا سکتا ہے لیکن دوبارہ اسی وقت جاتا ہے جب اس کے دل میں کسی کے لئے کوئی جگہ ہوتی ہے۔''

میں مسکرا دیا۔ پھر میں نے کہا۔ ''تو ارجمند اس کا مطلب یہ ہے کہ آپ نے کم از کم میرے دل میں اپنے لئے جگہ تلاش کر لی!''

ارجمند نے پھر بڑی بڑی آنکھیں اٹھا کر مجھے دیکھا۔ ان آنکھوں کی اس کیفیت کو میں نے دل میں اتار لیا تھا پھر اس کی نظریں جھک گئیں۔ وہ کہنے لگی۔ ''آپ لوگ بہت اچھے ہیں، کاش آپ ہم سے ہمیشہ ایسے ملتے رہیں۔''

''ایک بات بتائیں گی ارجمند! اگر سچ بولیں گی تو آپ یقین کیجئے مجھے خوشی ہو گی۔''

''جی......!''

''ارجمند! آپ مجھے بہت اچھی لگی ہیں، کیا میں اکثر یہاں آ سکتا ہوں؟''

ارجمند کا چہرہ لال ہو گیا تھا۔ کچھ لمحے وہ سوچتی رہی پھر بولی۔ ''بار بار یہ سوال کیوں کر رہے ہیں، آپ جب بھی آئیں گے ہمیں خوشی ہو گی۔''

''ارجمند! آپ اجتماعی بات کیوں کرتی ہیں، میں آپ سے آپ کے بارے میں سوال کر رہا ہوں؟''

''مجھے بہت خوشی ہو گی۔'' اس نے نگاہیں نیچی کئے کئے جواب دیا لیکن کبھی کبھی چہرے بھی بولتے ہیں، آنکھیں تو خیر ہوتی ہی حقیقت آشکارا کرنے کے لئے لیکن چہرے کے نقوش بھی دل کی بات کہہ دیتے ہیں۔ میں نے آہستہ سے کہا۔ ''آپ لوگ لاہور نہیں آئیں گے؟''

''میرا دل تو بہت چاہتا ہے، سلطانہ اور حرا بہت اچھی ہیں، اب دانیہ بھی وہاں ہیں لیکن بات میری تو نہیں ہے۔''

اتنی دیر میں نکہت آراء بیگم نے کسی کام سے ارجمند کو آواز دی تو ارجمند نے معذرت آمیز انداز میں مجھے دیکھا پھر بولی۔ ''بعد میں باتیں کریں گے۔'' اور اس کے بعد وہ چلی گئی۔

میں اسے دیکھتا رہا۔ اب تک ارجمند کے چہرے سے جو اندازہ لگایا تھا، وہ یہی تھا کہ اس نے مجھے پسندیدگی کی نگاہوں سے دیکھا ہے۔ انسان بھی کیا چیز ہے، وہی ایک چیز عشق،

بت، پیار، پسند، ہر شخص زندگی میں اس سے ضرور دو چار ہوتا ہے۔ یہاں آنے کے بعد نے کو دل نہیں چاہ رہا تھا۔

رات کو سب لوگ مل بیٹھے، میں نے دادا ابو سے کہا۔ ''جی دادا ابو! اب آپ ایک بات بتایئے، آپ لاہور نہیں آئیں گے؟''

دادا ابو نے آنکھیں اٹھا کر مجھے دیکھا اور پھر خاموشی سے گردن جھکا لی۔

''دیکھئے دادا ابو! میں کسی بھی قیمت پر آپ کو چھوڑوں گا نہیں، آپ خود اس بات کا اعتراف کر چکے ہیں کہ پاپا آپ لوگوں سے بہت پیار کرتے تھے اور پھر میری دادی اماں بھی ظاہر ہے اس گھر سے بے پناہ محبت کرتی ہوں گی چونکہ یہیں سے گئی ہیں، میں یہی کہنا چاہتا تھا دادا ابو کہ میں آپ کی عزت نفس کو مجروح نہیں کروں گا لیکن میری دلی آرزو ہے کہ میں آپ کی خدمت کروں، میرے ان الفاظ کو کوئی غلط رنگ نہ دیں، میں آپ کا احسان مند ہوں گا، بس مجھے آپ سب بہت پسند آئے ہیں اور چونکہ میں آپ سے دور رہا ہوں، اس لئے میرے دل میں اور بھی آپ کے لئے جگہ ہے، میری کسی بات کو حماقت پر تو محمول کر لیں لیکن اس کے اندر کوئی برائی نہ تلاش کریں۔''

''برائی تو تمہارے خون میں ہے بیٹے! بس میں تم سے یہ کہنا چاہتا ہوں کہ ہم اس زندگی کے عادی ہو گئے ہیں اور جہاں تک لاہور آنے کا تعلق ہے تو میرا اپنا خیال ہے کہ ممتاز احمد خان اس بات کو پسند نہیں کریں گے۔'' میں نے نگاہ اٹھا کر دادا ابو کو دیکھا پھر کہا۔ ''ایک بات بتایئے کبھی آپ کا تایا ابو سے کوئی جھگڑا ہوا ہے؟''

''بالکل نہیں، بس یوں سمجھ لو وہ تلخ مزاج ہیں، تمہیں اس بات پر حیرت نہیں ہوئی کہ جہاں آراء بیگم تک بھائی اور ماں سے ملنے نہیں جاتیں، خیر اس سلسلے میں تو جمال الدین کا کردار بہت عجیب رہا ہے، ان کی وجہ سے وہاں ناپسندیدگی کی فضا پیدا ہوئی لیکن ایک آدھ بار ان سے ملنے کی کوشش بھی کی تو انہوں نے نخوت سے ٹال دیا، پھر بھی دیکھیں گے اگر کبھی کوئی مسئلہ ہوا تو ہم بھی لاہور آئیں گے اور جہاں تک تمہارا تعلق ہے بیٹے تو تم نے دوبارہ آ کر ہمارے دلوں میں خوشیوں کی لہر دوڑا دی ہے، میں بوڑھا آدمی ہوں، ان تین خواتین کو سنبھالے ہوئے ہوں، بے شک انہوں نے اپنے آپ کو خود مضبوط کر لیا ہے لیکن پھر بھی ایک ضرورت تو محسوس ہوتی ہے، تم ہم پر کوئی مالی دباؤ مت ڈالنا، ہاں تم جب بھی آؤ گے ئی مشکل تم سے بیان کر دیں گے، افشاں بیگم اور دانیہ اور سرفراز کو دوبارہ بھی لاؤ بہت خوشی ہوئی، اگر حالات کو سازگار پاؤ تو ہمیں بھی بلا لینا، ہم لاہور آنے میں نخرے نہیں کریں گے لیکن شرط یہ ہے کہ ممتاز احمد ہمارے ساتھ برا سلوک نہ کریں، ان نگاہوں سے نہ دیکھیں

ہمیں کہ وہاں آ کر شرمندگی ہو۔''

میں نے دادا ابو کے ہاتھ پر ہاتھ رکھ دیا اور کہا۔ ''نہیں دادا ابو! میں ابھی بڑی بڑی
نہیں کروں گا لیکن آپ یہ سمجھ لیجئے کہ ایسا کبھی نہیں ہو گا۔'' سب لوگوں نے گردن ہ
تھی۔

میں دوسرے دن بھی یہیں رہا۔ ارجمند سے میں نے پھر دوبارہ بات چیت کی تو
نے کہا۔ ''ایک بات کہوں، آپ یقین کرلیں گے؟''

''آپ کی ہر بات پر یقین کروں گا ارجمند!''

''کل جو میں جلدی آ گئی تھی، اس کی وجہ میرے ذہن میں پیدا ہونے والا ایک خیا
آپ نے یقین کرنے کا وعدہ کیا ہے تو آپ یوں سمجھ لیجئے کہ بس اچانک ہی میرے
میں یہ خیال آیا تھا کہ ہوسکتا ہے آپ لوگ ہمارے گھر آئیں، بس ایک امید لئے آ گئی
دروازے کے پاس آپ کی گاڑی دیکھی تو خود دنگ رہ گئی، بعض اوقات چھٹی حس بھی
کیسے کارنامے دکھاتی ہے۔''

''ارجمند! آپ نے یہ سوچا تھا؟''

''ہاں میں جھوٹ نہیں بول رہی۔'' ارجمند نے نگاہیں جھکا کر کہا۔

''تو پھر ارجمند! میں بھی لمبے راستے نہیں اختیار کروں گا، جس طرح میں نے آپ کی
بات پر یقین کرلیا ہے، آپ بھی میری اس بات پر یقین کرلیں کہ میں، میں جب سے یہا
سے گیا ہوں، ایک لمحے کے لئے بھی آپ کو نہیں بھول سکا، آپ میرے دل کی گہرائیوں
اتر گئی ہیں، ارجمند! میں آتا رہوں گا اور کوئی دعویٰ نہیں کروں گا، ہوسکتا ہے قسمت مجھے
منزل دے دے۔''

تیسرے دن میں وہاں سے واپس چل پڑا۔ ارجمند نے ڈبڈبائی آنکھوں سے
رخصت کیا تھا، وہ اپنے آپ کو چھپا بھی رہی تھی اور بے اختیار بھی ہو رہی تھی۔ بے
اختیاری مجھ پر بھی طاری تھی اور میں راستے بھر ارجمند کو یاد کرتا رہا تھا۔

پھر کار لاہور میں داخل ہوئی تو اچانک ہی میرے دل میں خوشی کی لہریں پھوٹ اٹھیں
ارجمند نے بھی اپنی محبت کا اعتراف کرلیا تھا۔

گھر کے ماحول میں کوئی خاص تبدیلی نہیں ہوئی تھی۔ ساہیوال جا کر گویا کوئی بھی
گیا تھا، گھر میں داخل ہو کر وہ یاد آ گئی۔ جو کچھ گزری تھی، اس کے بعد دیکھیں گویا
عمل کیا ہوتا ہے۔

تایا ابو وغیرہ بھی حسب معمول تھے۔ سلطانہ اور حرا نے شکایتی لہجے میں کہا۔ ''یہ تو کچھ

نہیں ہوا، ہم نے تو سوچا تھا کہ اب ہمارے بھی دن پھر جائیں گے، دو دو بھائی مل گئے ہیں،
ہمارے خوب ناز نخرے اٹھائے جائیں گے، خوب سیر سپاٹے ہوں گے لیکن یہاں تو ٹائیں
ٹائیں فش...... بھائی صاحبان اپنے اپنے کام میں لگ گئے اور ہم وہی قیدی کے قیدی!''

دونوں کی شکایت پر مجھے کافی شرمندگی ہوئی تھی۔ میں نے کہا۔ ''سرفراز بھائی جان کو
چاہئے تھا کہ وہ میرے پیچھے میری بہنوں کو خوب سیر سپاٹے کراتے۔'' سلطانہ تو خاموش ہو
گئی لیکن حرا جھٹ سے بول پڑی۔

''جی...... اب وہ ہمارے کہاں رہے، ہو گیا وہ جو ہونا تھا۔

میں نے چونک کر حرا کو دیکھا تو سلطانہ نے جلدی سے حرا کے بازو میں چٹکی لی۔

''کچھ زیادہ نہیں بولتی ہو تم حرا......؟'' حرا بھی جھینپ سی گئی تھی۔

''کیا ہوا مجھے بتاؤ حرا! کوئی خاص بات ہے؟''

''نہیں بالکل نہیں، بس مذاق میں کہہ دیا تھا۔''

سرفراز بھائی سے شام تک ملاقات نہیں ہوئی تھی۔ میں، ماما اور دانیہ کو اپنے اس سفر کے
بارے میں بتاتا رہا تھا۔ میں نے انہیں سرسری انداز میں یہ بھی بتایا کہ میں ساہیوال کا چکر لگا
کر آ رہا ہوں۔

دانیہ نے مجھے گہری نگاہوں سے دیکھا تھا لیکن کچھ بولی نہیں تھی، البتہ جب رات تک
سرفراز بھائی نہیں آئے تو میں نے ماما سے کہا۔ ''سرفراز بھائی بہت زیادہ مصروف ہو گئے ہیں
کیا، میں انہیں فون کرتا ہوں کہ میں آ گیا۔''

''تم نے فون کیا نہیں؟''

''نہیں، میں نے سوچا کہ وہ آ ہی جائیں گے۔''

''نہ کرو ابھی فون!''

''ماما! کوئی خاص بات ہے۔''

''ہاں...... سرفراز خاصے بدل گئے ہیں، وہ اب اکثر راتوں کو بھی نہیں آتے، کہتے ہیں
کہ تائی جان کے ہاں رک گئے تھے، وہ بہت محبت کرنے والی خاتون ہیں، انہیں آج تک
غلط سمجھا گیا ہے۔''

''نہیں ماما! آپ کو معلوم ہے سرفراز بھائی نے کہا تھا کہ یہ معلومات حاصل کرنے کے
لئے کہ کیا پاپا کے قتل میں تائی جان کا ہاتھ ہے، وہ ان کے بہت قریب ہو جائیں گے، وہ
اپنے منصوبے پر عمل کر رہے ہیں، آپ کو یہ غلط فہمی کیسے ہوئی؟''

ماما نے عجیب سی نگاہوں سے مجھے دیکھا پھر بولیں۔ ''نہیں بس ایسے ہی سرفراز کا لہجہ

بدل گیا ہے، وہ کچھ بدلے بدلے سے نظر آ رہے ہیں، کم از کم ہمیں دلاسہ تو دے سکتے تھے کہ ماما میں اس لئے ان کے قریب ہو رہا ہوں لیکن بہت پُرخلوص لہجے میں کہتے ہیں کہ تائی جان گریٹ ہیں، اب وہ جتنی گریٹ ہیں، اس کا اندازہ تم اسی بات سے لگا لو کہ سرفراز ان پر ان کی اتنی عنایتیں ہوگئی ہیں لیکن ایک بار بھی یہاں نہیں آئیں اور نہ ہی ہم سے کوئی رابطہ کیا۔'' ماما کا لہجہ بڑا عجیب سا ہو گیا تھا۔

میں نے حیرت سے انہیں دیکھا پھر میں نے کہا۔ ''ماما! ذرا فون کرتا ہوں سرفراز بھائی کو!''

''تمہاری مرضی ہے، دیکھ لو!''

میں نے سرفراز بھائی کو رنگ کیا اور کچھ لمحوں کے بعد ان سے رابطہ قائم ہو گیا۔

''واپس آ گیا ہوں جناب! آپ کہاں غائب ہیں؟''

''اوہو تم نے مجھے بتایا نہیں، اگر شام تک بتا دیتے تو آج کی پارٹی میں تم بھی شریک ہو جاتے۔''

''پارٹی......؟''

''ہاں...... تائی جان کے اعزاز میں ایک وزیر نے یہ پارٹی دی ہے، بہت بڑی شخصیت ہے یوں سمجھ لو کہ آج کی اس پارٹی میں بہت بڑے بڑے لوگ شامل ہوں گے۔''

''مگر سرفراز بھائی! اگر ایسی کوئی پارٹی تھی تو ماما اور دانیہ کو بھی اس میں شریک کرنا تھا، آپ خود ہی چل پڑے؟''

''یار! سمجھا کرو، میں انہیں نہیں لے جا سکتا تھا، وہ بیچاری اس طرح کی پارٹیاں اٹینڈ نہیں کر سکتیں اور پھر ہم لوگ اپنے کاروبار کو سیٹ کرنے میں مصروف ہیں، اب یہاں آ گئے ہیں تو یہاں کے ماحول میں ڈھلنا ہو گا، تائی جان کے ذریعے بڑے بڑے لوگوں سے ملاقات ہو گی اور ہمارے کام زیادہ بہتر طریقے سے ہو سکیں گے، اچھا خیر تم سناؤ، سارے معاملات طے ہو گئے، رائس مل کے منیجر سے ڈیل ہو گئی؟''

''جی...... آپ پارٹی سے گھر واپس آئیں گے؟''

''نہیں، مشکل ہو جائے گا، وقت کا کوئی تعین نہیں ہے کہ کتنا وقت وہاں لگ جائے، تم ایسا کرنا کل گیارہ بجے کے قریب آفس آ جانا، وہیں ملاقات ہو گی، او کے، مجھے ذرا جلدی ہے۔'' میرے جواب کا انتظار کئے بغیر سرفراز بھائی نے فون بند کر دیا اور میں حیرت سے موبائل فون کو دیکھتا رہ گیا۔

اس میں تو کوئی شک ہی نہیں تھا کہ سرفراز بھائی زبان ہی دوسری بول رہے تھے۔ ان کا

انداز وہ تھا ہی نہیں، یہ کیا ہو گیا، سرفراز بھائی تو ایک منصوبے کے تحت تائی کے قریب ہوئے تھے اور تائی نے انہیں آسانی سے چت کر دیا تھا۔ ایک بھیانک تصور میرے ذہن میں بیدار ہو گیا، اگر تائی نے بھائی جان پر قبضہ جما لیا تو ایک نئے انتشار کا سامنا کرنا پڑے گا۔

بہت دیر تک میں سوچ میں ڈوبا رہا تھا۔ کافی الجھنیں ذہن میں کھڑی ہو گئی تھیں اور میں رات کو اپنے بستر پر لیٹا پریشانی سے سوچ رہا تھا کہ اس مشکل کا کیا حل نکالا جائے۔ تائی کافی خطرناک خاتون تھیں، یہاں کسی کو رازدار بھی نہیں بنایا جا سکتا تھا، تایا ابو ان کے کھلے مخالف تھے۔ ادھر دادا ابو یعنی ریاض الدین صاحب نے تایا ابو کے بارے میں یہی کہا تھا کہ وہ خشک مزاج ہیں اور کسی سے ملنا پسند نہیں کرتے۔ نجانے کب تک یہ الجھنیں ذہن پر سوار رہیں اور پھر میں سو گیا لیکن زیادہ دیر تک نہیں سویا تھا کہ کھیل شروع ہو گیا۔

کسی کے رونے کی آواز سن کر میری آنکھ کھل گئی تھی۔ میں نے چونک کر اِدھر اُدھر دیکھا تو اس وقت درحقیقت میرے رونگٹے کھڑے ہو گئے۔ آخر انسان تھا، سینے میں دل ہی تھا، کوئی فولاد کا ٹکڑا نہیں رکھا ہوا تھا۔ ہولناک مناظر کو دیکھ کر لرز جانا تو انسان کی فطرت ہے۔ میرے سامنے ڈریسنگ ٹیبل کے قریب گورنی بیٹھی ہوئی تھی، اس کی گردن اس کی گود میں رکھی ہوئی تھی اور اس کا چہرہ نمایاں تھا۔ وہ زار و قطار رو رہی تھی اور کہہ رہی تھی۔ ''ہائے اس نے لوٹ لیا ہمیں، ارے حاجی صاحب! ہمارا فیصلہ کرو، حاجی صاحب کہاں کہاں کی باتیں کر رہے ہو، تم انسان ہو، انسانوں جیسی باتیں کرو، حاجی صاحب! ہم لٹ گئے، برباد ہو گئے، میری بچی کو مار دیا اس نے اور دیکھ لو میری کیا حالت کر دی اور تم لوگ اب بھی اس کی حمایت کر رہے ہو، انصاف کرو حاجی صاحب......!''

پھر میں نے دیکھا کہ دیواروں سے کئی سائے باہر نکلے۔ ایک سایہ ایک دراز قامت عورت کا تھا، وہ آگے بڑھی اور اس نے گورنی کے بے سر جسم پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔ ''بہت ہو گیا گورنی! بہت ہو گیا تیرے ساتھ، سچ مچ انصاف نہیں ہو رہا مگر تو اتنی بے بس بھی نہیں ہے، جب کوئی تیرا انصاف نہیں کر رہا تو اپنا حق خود حاصل کر لے، تو کیوں دنیا سے ڈر رہی ہے۔''

''ہائے دائی سرکار! تم نے میرے دل کی بات کہہ دی، کوئی تو میرا ساتھ دے، سب ایک ہی بات کہتے رہے ہیں کہ گورنی! حاجی صاحب سے ہمارا میل جول ہے، کوئی ایسا عمل مت کر کہ حاجی صاحب کو اعتراض ہو، ہم سب ان کا احترام کرتے ہیں، ارے احترام تو میں بھی کرتی ہوں لیکن دیکھ لو اس احترام کے نتیجے میں کیا ہوا؟''

"حوصلہ رکھ، میں بتاؤں گی کہ تجھے کیا کرنا ہے، جا آرام کر، پریشان مت ہو، ارے واہ اچھی بات ہے سب اپنے اپنے آپ میں مست ہیں اور اس بیچاری کو تنہا چھوڑ دیا ہے، چل آرام کر تو، میں بتاؤں گی تجھے کہ آگے تجھے کیا کرنا ہے۔"

میرے بدن کا لہو تو جیسے خشک ہو گیا تھا۔ ایک نئی بات، نیا دھماکا......! دانی سرکار تو تائی جان کو کہا جاتا تھا اور یہ آواز، یہ آواز بھی تائی جان کی تھی۔ یہ کیا قصہ ہے، ان کا ان معاملات سے کیا تعلق...... انہوں نے تو مجھے یہ بتایا تھا کہ اس گھر میں ان کا داخلہ ممکن نہیں ہے، وہ وہاں نہیں جا سکتیں، ان کی اس بات کا مطلب میرے علم میں نہیں تھا لیکن اس وقت یہ بالکل ہی انہونی بات ہوئی تھی۔ میں پھٹی پھٹی نگاہوں سے انہیں دیکھ رہا تھا۔

گورنی اب بھی بلک بلک کر رو رہی تھی۔ تائی جان نے آگے بڑھ کر اس کا بازو پکڑا اور اسے اٹھا کر کھڑا کیا، پھر ان سایوں میں سے ایک نے گورنی کی گردن ہاتھوں میں تھامی اور اسے اس کے کٹے ہوئے جسم پر دوبارہ رکھ دیا۔ گورنی اندھوں کی طرح ان کے ساتھ آگے بڑھی اور پھر وہ سب کے سب ایک دیوار میں غائب ہو گئے لیکن میں پتھرایا ہوا بیٹھا رہا۔

سب کچھ میری نگاہوں کے سامنے ہوا تھا اور کسی نے میری جانب کوئی توجہ ہی نہیں دی تھی اور تو خیر سب کچھ میرے لئے اجنبی نہیں تھا لیکن تائی کے تصور نے مجھے عجیب سی کیفیت کا شکار کر دیا تھا۔ اچانک ہی مجھے احساس ہوا کہ کہیں یہ سب کچھ ایک خواب نہ ہو کیونکہ رات ہی کو بھائی جان کے سلسلے میں تائی کا تصور ذہن میں آیا تھا۔ میں نے اپنے بدن میں چٹکی کاٹی اور ایک دم اچھل پڑا۔ ناقابل یقین تھا سب کچھ، ناقابل یقین...... میں پلنگ پر بیٹھا ہی ہوا تھا لیکن اب مجھے لگ رہا تھا جیسے میں عالم خواب میں تھا اور جو کچھ ہوا تھا، وہ ایک خواب کی شکل میں تھا۔

میں بے شک اٹھ کر بیٹھ گیا تھا لیکن میرا ذہن اسی طرح ماؤف ہو رہا تھا، جیسے انسان کوئی خواب دیکھنے کے بعد چکرا سا جاتا ہے۔ میں نے دونوں ہاتھوں سے سر پکڑ لیا۔ بس اس کے بعد نیند کہاں آتی، بہت دیر تک بیٹھا سوچتا رہا پھر میرے دل میں یہ خیال گزرا کہ کیوں نہ ہم اس گھر کو چھوڑ دیں۔ جب سے یہاں آیا تھا مشکل میں گرفتار تھا اور سب سے بڑی بات یہ تھی کہ یہ مشکل میری اپنی ذات تک ہی تھی۔ دل پر ایک شدید جھنجلاہٹ اور بوجھ طاری ہو گیا تھا، بار بار مجھے زبان بند رکھنے کی ہدایت کی جاتی تھی۔ میں بستر پر لیٹ گیا تو ایک سرگوشی میرے کانوں میں ابھری۔

"دیکھو جب تک یہاں ہو، تمہاری حفاظت کی جا رہی ہے، تمہیں نقصان نہیں پہنچنے دیا جا رہا، لیکن باہر کی دنیا تمہارے لئے بے حد مخدوش ہے، جب بھی تم نے گھر سے باہر قدم

نکالے ہیں، تم پر وار کئے گئے ہیں، ایسا مت کرنا، اس گھر کا تحفظ مت چھوڑنا۔" یہ آواز وہی تھی، جسے میں نے دادی اماں کی آواز قرار دیا تھا۔

لیکن اس وقت میں اس آواز کے تجسس میں نہیں ڈوبا بلکہ میں نے کسی قدر خشک لہجے میں کہا۔ "اگر آپ دادی اماں ہیں تو میرے ساتھ یہ چوہے، بلی کا کھیل کیوں ہو رہا ہے، میں تنہا اپنی ذات پر کتنا بوجھ برداشت کئے ہوئے ہوں، اگر آپ لوگ میرے مددگار ہیں تو پھر میں یہ کس مشکل میں الجھا ہوا ہوں، میں نے تو کچھ بھی نہیں کیا اور نہ میں ان لوگوں کے خلاف کوئی عمل کر رہا ہوں، جو واقعہ ہوا، وہ بس نادانستگی میں ہوا مگر آپ مجھے بتائیں کہ میرے ساتھ یہ سب کیا ہو رہا ہے اور کیا میں دوسروں کو اس کا رازدار نہ بناؤں، نہیں دادی اماں! بات اب میرے لئے ناقابلِ برداشت ہو گئی ہے، مجھے خود بھی قدم آگے بڑھانے ہیں۔"

میری اس بات کا کوئی جواب نہیں ملا۔ میں نے کئی بار آوازیں دیں۔

"دادی اماں......! دادی اماں، دادی اماں!" لیکن اس کے بعد خاموشی ہی طاری رہی۔

میں بستر پر لیٹا رہا پھر نجانے کب نیند آ گئی۔ دوسری صبح جاگا اور معمول کے مطابق قیصر خان کے پاس پہنچ گیا۔ قیصر خان نے چائے تیار کر رکھی تھی۔ وہ بولا۔ "کیا بات ہے صاب! طبیعت ٹھیک ہے آپ کا؟"

"ہاں قیصر خان......! مرشد بہت بڑا سہارا تھے، وہ چلے گئے۔"

"میں آپ کو ایک بات بولوں صاب! آپ میری بات کا یقین کر لو گے؟"

"میں تم پر بہت زیادہ اعتماد کرتا ہوں قیصر خان! کیا بات ہے؟"

"مرشد نے آپ کے لئے اپنی جان کی قربانی دے دیا، میں بہت زیادہ بات نہیں جانتا صاب! پر یہ بات بالکل سچ ہے کہ مرشد آپ کے لئے بہت کچھ کر رہے تھے، میں نے رات کو بھی انہیں خواب میں دیکھا ہے۔"

"کیا دیکھا ہے قیصر خان......؟"

"مرشد تسبیح لئے سامنے سے چلے آ رہے ہیں، میں اور آپ ایک جگہ بیٹھے ہوئے ہیں، مرشد ہمارے سامنے آتے ہیں اور پھر آپ پر کچھ پڑھ کر پھونکتے ہیں اور خاموشی سے واپس چلے جاتے ہیں۔"

"مجھے میرے محبت کرنے والوں کا تحفظ حاصل ہے لیکن قیصر خان......!" یہ کہہ کر میں خاموش ہو گیا۔

قیصر خان سوالیہ نگاہوں سے مجھے دیکھ رہا تھا۔ پھر اس نے کہا۔ "آپ کو چائے اور دوں

صاب......؟''

''ہاں دو۔'' عجیب سی کیفیت ہو رہی تھی۔ چائے کی مزید دو پیالیاں پیں اور اس کے بعد وہاں سے اٹھ گیا۔ دل میں سرفراز بھائی کا خیال بڑی شدت سے آ رہا تھا۔ تائی کا کردار بہت ہی سنسنی خیز ہے، کس سے بات کروں، کس سے اس بارے میں کہوں۔ کوئی بات سمجھ میں نہیں آ رہی تھی۔

ناشتے پر بھی کافی الجھا رہا۔ ماما اور دانیہ بھی اداس نظر آ رہی تھیں۔ سرفراز بھائی کا رویہ انہیں مضطرب کیے ہوئے تھا۔ ہم لوگ کوئی صحیح فیصلہ نہیں کر پا رہے تھے کہ فوری طور پر ہمیں کیا کرنا چاہئے بہر حال میں نے تیاریاں کیں اور گیارہ بجے سے تھوڑی دیر پہلے گھر سے باہر نکل آیا اور قیصر خان کو لے کر چل پڑا۔

جو نیا دفتر بھائی نے مجھے دکھایا تھا، وہ ایک بہت ہی شاندار عمارت میں تھا۔ جب میں عمارت کے سامنے بھائی جان کی دی ہوئی مرسیڈیز سے نیچے اترا تو میں نے بلیک لینڈ کروزر کو دیکھا جو پارکنگ لاٹ میں کھڑی ہوئی تھی۔ گویا سائرہ بھی یہاں موجود ہے۔ مجھے یاد آ گیا کہ بھائی جان نے مجھے سائرہ کی سیٹ دکھائی تھی۔ اس وقت بھی یہ انتہائی دکھ بھری بات تھی کہ انہوں نے وہاں میرے لئے کوئی باقاعدہ انتظام نہیں کیا تھا۔ دل کو ایک دھکا سا لگا لیکن میں نے خود کو سنبھالا اور لفٹ کی جانب چل پڑا۔

لفٹ نے مجھے میری منزل پر چھوڑ دیا اور میں دروازہ کھول کر اندر داخل ہو گیا۔ آفس بلاشبہ قابلِ دید تھا، سامنے کے حصے میں چار افراد بیٹھے ہوئے تھے، پہلے تین تھے پھر ایک کا اضافہ ہو گیا تھا، سامنے ہی بہت ہی حسین شیشے کا کیبن تھا، جس میں خوبصورت پردے پڑے ہوئے تھے۔ میں اندر داخل ہوا تو ایک چپراسی ٹائپ کا آدمی کچن سے باہر نکلا۔ کچن بھی یہیں بنا ہوا تھا۔ اس نے آ کر سوالیہ نگاہوں سے مجھے دیکھا اور بولا۔ ''جی سر! کس سے ملنا ہے؟''

یہ دوسرا تازیانہ تھا۔ میں نے اسے کوئی جواب نہیں دیا اور اس بڑے کیبن کی جانب بڑھ گیا جس میں میری توقع کے مطابق سرفراز بھائی کو ہونا چاہئے تھا۔ چپراسی جلدی سے آگے بڑھ کر میرے سامنے آیا اور بولا۔ ''کس سے ملنا ہے سر! آپ اس طرح اندر نہیں جا سکتے؟''

بس جنون سا سوار ہو گیا۔ میں نے چپراسی کا گریبان پکڑا اور اسے گھسیٹتا ہوا آگے لے آیا پھر میں نے شیشے کے کیبن کا دروازہ کھولا اور چپراسی کو زور سے اندر دھکیل دیا۔

چپراسی کیبن میں قالین پر جا کر گرا اور میں اندر داخل ہو گیا۔ میں نے سرفراز بھائی کو دیکھا، جو ایک شیشے کی بڑی سی میز کے پیچھے بیٹھے ہوئے تھے، ان کے برابر ہی ایک دوسری حسین میز پر سائرہ خانم بیٹھی ہوئی تھی۔ دونوں بوکھلا گئے۔

میں نے غصیلی نگاہوں سے سرفراز بھائی کو دیکھتے ہوئے کہا۔ ''اسے بتائیے مجھے کس سے ملنا ہے' یہ کہتا تھا کہ آپ اندر نہیں جا سکتے۔'' میں نے غرائی ہوئی آواز میں کہا اور سرفراز بھائی جان نہ سمجھنے والے انداز میں مجھے اور پھر چپراسی کو دیکھنے لگے۔

سائرہ بھی خاموشی سے ہم دونوں کو دیکھ رہی تھی، پھر شاید صورتحال بھائی جان کی سمجھ میں آ گئی۔ انہوں نے سپاٹ لہجے میں کہا۔ ''نادر خان! یہ میرے چھوٹے بھائی ہیں اور تم نے یہ کیا طریق کار اختیار کیا کہ انہیں اندر آنے سے روک دیا، اگر تم انہیں نہیں پہچانتے تھے تب بھی تمہیں سلیقے سے بات کرنی چاہئے تھی پھر شہاب کو بلا مقصد اتنا غصہ نہیں آتا۔''

چپراسی اٹھ کر کھڑا ہو گیا تھا، پھر اس نے دونوں ہاتھ جوڑے اور میری طرف رخ کر کے بولا۔ ''معافی چاہتا ہوں صاحب! آئندہ ایسا نہیں ہو گا۔''

''مجھ سے غلطی ہو گئی، مجھے بتا دینا چاہئے تھا کہ میرا بھائی آنے والا ہے، اصل میں چپراسی نے تمہیں پہلے کبھی دیکھا نہیں تھا، چلو چھوڑو، اب یہ بتاؤ کیسے ہو؟''

میں نے کوئی جواب نہیں دیا اور خاموش بیٹھا رہا۔ بھائی جان نے گھنٹی بجائی اور چپراسی ڈرتا ڈرتا اندر آیا۔

''جگ میں پانی لاؤ۔'' چپراسی تھوڑی دیر کے بعد پانی لے آیا۔ میں نے بہت زیادہ برہمی کا اظہار نہیں کیا تھا لیکن میرا موڈ کافی بگڑا ہوا تھا۔

''کیسا سفر رہا شہاب! کہاں کہاں گئے، میں تو تمہارا انتظار کر رہا تھا۔''

''کیا آپ سے ملاقات کرنے کے لئے اب مجھے آفس آنا پڑے گا؟'' میں نے تلخ لہجے میں کہا۔

بھائی جان سنجیدہ نگاہوں سے مجھے دیکھتے رہے۔ پھر بولے۔ ''موڈ ٹھیک کر لو یار! ابھی نیا نیا معاملہ ہے، تم دیکھو یہ سارے کاغذات میرے سامنے ہیں، پاپا نے اتنا کچھ کیا ہے ہمارے لئے تو پھر ہمارا بھی فرض ہے کہ ہر چیز کو پوری طرح اپنے کنٹرول میں لے لیں، ظاہر حسین سے میرا برابر رابطہ ہے اور میں ہر چیز کو چیک کر رہا ہوں، ہمیں اپنا اسٹاف بھی بڑھانا پڑے گا، کچھ آؤٹ ڈور ورکر بھی رکھنا ہوں گے، یار! تم کسی طرح کا تردد نہ کرو، تھوڑے دن میں ہم ان ساری چیزوں پر قابو پا لیں گے، اللہ تعالیٰ! پاپا کی مغفرت کرے، انہوں نے یہ سب کچھ کیسے کر ڈالا ہے، میں تو سوچ کر ہی حیران ہو جاتا ہوں، ظاہر حسین سے بھی بات ہوئی ہے، کہہ رہے تھے کہ خدا انہیں کروٹ کروٹ جنت نصیب کرے، سارا نظام خود سنبھالے ہوئے تھے، کوئی اسٹاف بھی نہیں رکھا تھا اور مجال ہے کہیں کوئی گڑ بڑ ہو جائے، میرا مطلب ہے اب ہمیں یہ سب کچھ دیکھنا ہو گا، ہم ان جیسے تجربہ کار تو نہیں ہیں لیکن پھر بھی کوشش

کریں گے کہ......!'' وہ بولتے بولتے ایک دم خاموش ہو گئے۔

میں اچھی طرح محسوس کر رہا تھا کہ بھائی جان نروس ہو گئے ہیں اور جو کچھ وہ کہہ رہے ہیں، وہ بوکھلاہٹ کے عالم میں کہہ رہے ہیں۔ میں نے اپنے رویئے میں تبدیلی کی، پا وغیرہ پیا اور بولا۔ ''آپ خیریت سے تو ہیں نا......؟''

''ہاں......!''

اسی وقت سائرہ کے موبائل فون کی گھنٹی بجی اور اس نے موبائل اٹھا لیا اور بولی۔ ''جی ممی! ہاں بالکل ٹھیک ہے، سرفراز صاحب بھی ٹھیک ہیں، شہاب آئے ہیں، جی ہاں آپ بات کر لیجئے۔''

سائرہ نے فون میری جانب بڑھا دیا۔ بہرحال میں نے فون لیا اور سلام دعا کے بعد کہا۔ ''آپ کیسی ہیں تائی جان؟''

''ہاں بالکل ٹھیک ہوں، کہاں کہاں ہو آئے؟''

''بس ایسے ہی گھومنے وغیرہ گیا تھا، وہاں ہمارا ایک رائس مل ہے۔''

''ہاں بھئی ماشاء اللہ معلومات ہو چکی ہیں مجھے ساری، بڑا کمال کیا ہے امتیاز احمد نے کوئی سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ ماشاء اللہ انہوں نے اپنے خاصے اثاثے پھیلا لئے ہیں، اچھا تم کیا کر رہے ہو، یہاں آفس میں کوئی کام کر رہے ہو؟''

''نہیں تائی جان فرمایئے۔''

''آؤ میرے پاس، میں تمہارا انتظار کر رہی ہوں، فوراً آ جاؤ، انکار کی گنجائش نہیں ہے۔''

''جی......!'' میں نے کہا۔

''میں انتظار کر رہی ہوں، آ جاؤ۔'' یہ کہہ کر انہوں نے فون بند کر دیا۔

میں چند لمحات سوچتا رہا پھر میں نے کہا۔ ''تائی جان نے مجھے بلایا ہے، میں جا رہا ہوں۔''

''ٹھیک ہے، ٹھیک ہے، سلام کر آؤ۔''

بھائی جان نے اس طرح کہا، جیسے مجھ سے جان چھوٹ جانے پر خوش ہوں۔ میں اٹھ گیا۔ تھوڑی دیر کے بعد میں قیصر خان کے ساتھ تائی کی کوٹھی کی طرف جا رہا تھا۔

کوٹھی میں داخل ہو کر میں نے ڈرائنگ روم کا رخ کیا لیکن راستے میں ایک ملازمہ نے مجھے روک لیا۔

''آپ ادھر تشریف لے آیئے، دانی سرکار اس وقت اپنے کمرۂ خاص میں ہیں، آیئے!''

اس کمرۂ خاص کی طرف میں پہلے کبھی نہیں آیا تھا، نہ ہی مجھے کچھ معلوم تھا۔ ملازمہ مجھے

دو راہداریوں سے گزار کر اس کمرے تک لائی، جسے اس نے کمرۂ خاص کہا تھا اور پھر اس نے اس کا دروازہ کھول دیا۔

میں اندر داخل ہو گیا۔ اندر گھپ اندھیرا پھیلا ہوا تھا، ہاتھ کو ہاتھ سجھائی نہیں دے رہا تھا، حالانکہ دن کا وقت تھا لیکن کمرے کو کچھ اسی انداز میں بنایا گیا تھا کہ وہاں روشنی کی ایک رمق بھی داخل نہ ہو۔

میں اندھوں کی طرح دروازے پر کھڑا رہا۔ تب میں نے کمرے میں ایک مدھم سی روشنی پھوٹتے ہوئے دیکھی۔ یہ روشنی کہاں سے آ رہی تھی، اس کا مرکز کون سا تھا، اس کا کوئی پتہ نہیں چل رہا تھا، بس یوں لگ رہا تھا، جیسے کمرے کے در و دیوار روشن ہوتے جا رہے ہوں، ایک پُراسراری پیلی روشنی نے آخرکار ماحول کو اجاگر کر دیا۔ کمرے کے بالکل درمیان میں ایک بڑی سی چوکی پڑی ہوئی تھی اور اس چوکی پر تائی بیٹھی ہوئی تھیں، ان کے جسم پر کئی رنگوں سے بنا ہوا ایک لبادہ تھا اور انہوں نے بال کھولے ہوئے تھے۔ ایک عجیب سی بھیانک کیفیت تھی ان کے چہرے پر، کچھ لمحے تک خاموشی رہی پھر انہوں نے کہا۔ ''بیٹھ جاؤ شہاب! یہ سامنے جو کرسی پڑی ہے، اسے میرے سامنے کر لو اور بیٹھ جاؤ۔''

تائی کی آواز میں اس وقت ایک عجیب سا خوف زدہ کر دینے والا تاثر تھا۔ میں خوف زدہ تو نہیں ہوا تھا، متاثر ضرور ہوا تھا۔ میں نے کرسی کھینچی اور بیٹھ گیا۔

''کیسی طبیعت ہے تمہاری، کیسے ہو؟''

''آپ یہ کیا کر رہی ہیں تائی جان! یہاں مجھے گھٹن کا احساس ہو رہا ہے۔''

''بیٹھے رہو شہاب! اس وقت میں تمہارے سامنے تمہاری تائی جان کی حیثیت سے نہیں ہوں بلکہ میں نے تمہیں بہت اہم گفتگو کرنے کے لئے بلایا ہے۔'' تائی کے لہجے میں ایک عجیب سا تاثر تھا۔

میں خاموشی سے انہیں دیکھنے لگا۔ بڑی بھیانک شکل ہو رہی تھی ان کی، چند لمحے خاموش رہنے کے بعد انہوں نے کہا۔ ''اور اب بہت سی باتوں سے گریز ناممکن ہے، اگر تمہیں یاد ہے تو پچھلی رات میں تمہارے پاس آئی تھی۔''

تائی نے خود ہی اس بات کا اعتراف کر لیا جو میرے ذہن میں کانٹے کی طرح کھٹک رہی تھی اور اب اس بات کی مکمل وضاحت ہو گئی تھی۔ میں خاموشی سے انہیں دیکھتا رہا۔ تائی نے کہا۔ ''وہ وقت آ گیا ہے شہاب جب میں اپنے اور تمہارے درمیان ایک رابطہ قائم کر لوں، میرا تم سے ایک واسطہ ہے، اس کی کوئی بھی شکل سہی لیکن میں یہ چاہتی ہوں کہ تم مجھ سے تعاون کرو، میں جو کام بھی کرنا چاہتی ہوں، بڑے آرام سے کر لیا کرتی ہوں اور اس میں

مجھے کوئی دقت نہیں ہوتی، میں اگر چاہوں تو تم وہی کرو گے، جو میں کہہ رہی ہوں لیکن میں
چاہتی ہوں کہ تمہارا معاملہ بالکل خوشگوار رہے اور کوئی ایسی بات نہ ہونے پائے جو ہم دونوں
میں سے کسی کے لئے دقت کا باعث ہو، کیا سمجھے...... لیکن اس کے لئے تمہیں مجھ سے بھرپور
تعاون کرنا ہوگا، تمہارے پاپا کی دولت اور جائیداد بہت کافی ہے لیکن اگر تم ان تمام چیزوں
کو سرفراز کے لئے چھوڑ دو تو میں تمہیں ایک ایسا راستہ بتا سکتی ہوں کہ اس سے کہیں زیادہ
دولت تمہیں بھی حاصل ہو جائے، بولو کیا تم ایسا پسند کرو گے؟"

"آپ بولتی رہیں تائی جان! آپ بہت بڑی ہیں، بہت سا علم ہے آپ کے پاس لیکن
آپ میرے مزاج کو نہیں سمجھتیں، میں دنیا کی کسی چیز سے خوف زدہ نہیں ہوتا اور اس وقت
آپ کے انداز اور آپ کے اعتراف سے بھی خوف زدہ نہیں ہوں، آپ نے خود ہی مجھے بتایا
ہے کہ پچھلی رات آپ میرے کمرے میں آئی تھیں، میں نے آپ کو دیکھا تھا اور پہچان لیا
تھا، خیر چھوڑیئے آپ ان باتوں کو، بتایئے کہ آپ مجھ سے کیا چاہتی ہیں؟"

"میری بات غور سے سننا شہاب!"

"جی فرمایئے!"

"تم گورنی سے شادی کر لو۔" تائی نے ایک خوفناک دھماکا کیا اور تھوڑی دیر کے لئے
میرے ذہن میں ایک ہلچل مچ گئی۔

کچھ دیر تک تو میں اپنی سماعت پر شبہ کرتا رہا کہ جو کچھ تائی جان نے کہا ہے، وہی میں
نے سنا ہے یا یہ الفاظ میرے ذہن کا واہمہ ہیں۔ تائی کی پُرتجسس اور پُراسرار نگاہیں جیسے
میرے دماغ میں جھانک رہی تھیں۔ وہ اپنے الفاظ پر میرا ردعمل پڑھنے کی کوشش کر رہی
تھیں۔

تھوڑی دیر تک وہ خاموش رہیں پھر انہوں نے کہا۔ "ہاں، مجھے تم سے ہمدردی ہے، میں
تمہیں کچھ دینا چاہتی ہوں اور جیسا کہ میں نے تم سے کہا کہ امتیاز احمد خاں نے جتنی دولت
تم لوگوں کے لئے چھوڑی ہے وہ کچھ بھی نہیں ہے، گورنی سے شادی کرنے کے بعد تم جو کچھ
بن سکتے ہو تم نے کبھی خوابوں میں بھی نہیں سوچا ہوگا، دولت کا حاصل ہو جانا ایک عام سی
بات ہے، انسان تھوڑی سی جدوجہد کر کے دولت مند بن سکتا ہے لیکن اگر گورنی تمہارے
قبضے میں آجائے تو تم اتنے طاقتور بن جاؤ گے کہ تمہارے منہ سے نکلنے والا ہر لفظ ہر شخص کے
لئے ایک ایسا حکم بن جائے گا، جسے ٹالنا ممکن نہ ہوگا۔"

"لیکن تائی جان! آپ...... آپ گورنی کو کیسے جانتی ہیں، آپ کو اس کے بارے میں کیا
معلوم اور یہ آپ سے کس نے کہا کہ اگر میں گورنی سے شادی کر لوں تو......"

"جواب میں تائی کے چہرے میں نمایاں تبدیلی رونما ہوئی، پھر وہ بولیں۔ "میرے پاس
جو علم ہے اس سے میں نجانے کیا کچھ کر سکتی ہوں، بڑے معمولی سے ہیں یہ لوگ میرے
سامنے، جیسے ممتاز احمد خاں۔ میں نے سمن آباد والے گھر پر مقدمہ قائم کیا تھا اور اس کی وجہ یہ
تھی کہ اس گھر سے ممتاز احمد خاں کا بے دخل ہونا بہت ضروری تھا۔ لیکن تمہاری دادی اماں
آڑے آگئیں۔ میں اگر اب بھی چاہوں تو منٹوں میں فیصلہ میرے حق میں ہو سکتا ہے، لیکن
میں کیتی آراء بیگم کو نقصان نہیں پہنچانا چاہتی۔"

دفعتاً ہی میرے ذہن کا ایک خانہ کھل گیا۔ تائی کے بارے میں ویسے تو بہت سی باتیں
سن چکا تھا، پھوپھا جمال الدین نے صاف صاف کہہ دیا تھا کہ تائی جادوگرنی ہیں۔ دادا ابو
یعنی ریاض الدین صاحب کا بھی کچھ ایسا ہی خیال تھا لیکن اس وقت تائی جس انداز میں کھل

کر سامنے آئی تھیں اس سے فائدہ اٹھانا چاہئے۔ ان سے کچھ معلومات حاصل کر لینا ذہانت کی دلیل ہوگی، میں نے اپنے چہرے کے تاثرات میں نرمی پیدا کی اور مدھم لہجے میں بولا

"آپ نے مجھے عجیب سی الجھن میں ڈال دیا ہے تائی جان، اچھا ایک بات بتایئے۔ آپ بے شک صاحب علم ہیں اور مجھے اپنا سمجھ کر ایک مشورہ دے رہی ہیں، آپ گورنی کے بارے میں کیسے جانتی ہیں؟"

"پھر وہی احمقانہ سوال۔ میں نے کہا نا کہ میں اپنے علم کے ذریعے بہت کچھ جان گئی ہوں۔ گورنی کو تین بارے تمہارے ہاتھوں نقصان پہنچا ہے ابھی تک تو وہ اپنی بیٹی کے لئے رو رہی تھی اور اب وہ اپنی گردن سے محروم ہوگئی ہے۔ اب تم خود بتاؤ کسی کو اتنے نقصانات پہنچیں گے تو اس کا ردعمل کیا ہوگا؟"

"ایک سوال میرے ذہن میں پیدا ہوتا ہے تائی جان اجازت ہو تو پوچھوں؟"

"ہاں پوچھو، جس کا جواب دینا ممکن ہوگا اس کا جواب دوں گی، خاموش ہو جاؤں تو سمجھ لینا کہ جواب دینا میرے لئے ممکن نہیں ہے یا میں وہ جواب دینا مناسب نہیں سمجھتی۔"

"تائی جان! جب آپ کو اس قدر معلومات حاصل ہیں پھر آپ کو پتہ ہوگا کہ گورنی کی بیٹی سیفونہ نادانستگی میں میرے ہاتھوں ماری گئی، میں تو اسے بلی سمجھا تھا اور مجھے یوں لگا، جیسے وہ مجھ پر حملہ کرنے والی ہے، بس لکڑی گھما دی میں نے، جو اس کے سر میں لگ گئی۔ بہر حال گورنی اس کے بعد سے میری دشمن بن گئی، لیکن ایک بات بتایئے گورنی کی گردن کٹ گئی اور وہ اپنی گردن لئے لئے گھوم رہی ہے، جب اس کے اندر یہ قوت ہے کہ اس عالم میں آنے کے بعد بھی وہ اپنی اصل شخصیت میں آ سکتی ہے تو سیفونہ کے اندر یہ قوت کیوں نہیں تھی۔"

تائی جان نے نگاہیں اٹھا کر مجھے دیکھا لیکن خاموش رہیں، میں کچھ دیر انتظار کرتا رہا پھر میں نے مایوسی سے کہا۔ "اس کا مطلب ہے کہ اس سوال کا جواب آپ نہیں دیں گی۔ خیر ٹھیک ہے۔ میں آپ سے کیے ہوئے وعدے کی پابندی کرتا ہوں، دوسری ایک بات اور بتایئے کہ آپ گورنی کو کیسے جانتی ہیں؟" یہ سوال کر کے میں نے پھر تائی کو دیکھا اور انہوں نے آہستہ سے اپنا رخ تبدیل کر لیا، مجھے ہنسی آ گئی تھی۔

"ٹھیک ہے تائی جان اور کوئی سوال آپ سے کرنا بیکار ہے حالانکہ میرے ذہن میں بہت سے سوالات ہیں، مجھے ایک بات کا جواب تو کم از کم دے ہی دیجئے، میں، ماما، دانیہ سرفراز بھائی، ہم چار افراد بحرین سے یہاں آئے ہیں، پھر ان تمام مشکلات کا نشانہ مجھے ہی کیوں بنایا گیا اور کوئی بھی تو ایسی کسی مشکل میں گرفتار ہو سکتا تھا اور پھر دوسروں کو اس راز

میں شریک کرنے سے مجھے خاص طور سے منع کیا گیا، کتنا مشکل کام ہے اپنے ذہن پر قابو پانا، خیر چھوڑیئے، آپ مجھے بتایئے کہ میں یہ سب کچھ کیسے کروں؟"

"جلد بازی کی ضرورت نہیں، تم اچھی طرح غور کرو اس بات پر اور میں تمہیں یہ بتائے دیتی ہوں کہ کچھ پانے کے لئے بہت کچھ کرنا ہوتا ہے۔ تم گورنی سے شادی کے لئے تیار ہو جاؤ۔ اتفاق سے تم ایک انتہائی قدیم داستان کا حصہ بن گئے ہو اور پے در پے ایسے عمل ہوتے رہے ہیں کہ تم ان معاملات میں بہت زیادہ آگے نکل گئے ہو، وہ تمہیں اور تمہارے خاندان کو بدترین نقصان پہنچا سکتے ہیں لیکن ایک قدیم روایت نے انہیں روک رکھا ہے، یہ داستانیں اتنی عام نہیں ہیں کہ ہر شخص کو اس کے بارے میں معلوم ہو سکے اس لئے بات تم تک محدود رکھی گئی ہے، تم بھرپور طریقے سے خود کو تیار کرو اور پھر مجھے اطلاع دو۔ میں تمہیں ایک بار پھر بتائے دیتی ہوں کہ گورنی کو اپنانے کے بعد تم ایک انوکھی قوت بن جاؤ گے اور اس قوت سے تمہیں جو لطف حاصل ہوگا تم اس کا تصور بھی نہیں کر سکتے۔ اس دور میں جس قدر مشکلات زندگی کے لئے پیدا ہوگئی ہیں، اچھے اچھے لوگ بلکہ حکمراں تک اتنی آسان زندگی نہیں گزار سکتے۔

اپنی پسند سے ہر چیز نہیں حاصل کر سکتے، گورنی سے شادی کر کے تمہیں وہ سب کچھ حاصل ہو جائے گا۔ میں تمہارا ہر طرح ساتھ دوں گی اور تم بہت کچھ حاصل کر لو گے۔" تائی جان ایک گہری سانس لے کر خاموش ہوگئیں، پھر اچانک ہی انہوں نے جھرجھری سی لی اور بولیں۔ "تمہیں اٹھ جانا چاہئے، جاؤ ڈرائنگ روم میں بیٹھو اور جو کچھ میں نے کہا ہے اس پر غور کر لینا۔ میں خود تم سے رابطہ قائم کر کے جواب حاصل کروں گی، جاؤ۔" تائی اماں اپنی جگہ سے اٹھ گئیں تو بادل نخواستہ مجھے بھی اٹھنا پڑا اور میں کمرے سے باہر نکل آیا۔

باہر کوئی نہیں تھا، یہاں کئی بار آ چکا تھا اس لئے مجھے ڈرائنگ روم کا راستہ معلوم تھا۔ میں ڈرائنگ روم کی جانب بڑھ گیا اور پھر میں نے ڈرائنگ روم کا دروازہ کھولا اور اندر داخل ہو گیا لیکن اندر داخل ہوتے ہی میرے پیروں تلے سے زمین نکل گئی۔

تائی جان سفید سلک کے لبادے میں ملبوس دلکشی کا پیکر بنی ہوئی ایک صوفے پر بیٹھی ہوئی تھیں جبکہ میں انہیں اس کمرے میں ایک دوسرے ہی روپ میں دیکھ کر باہر نکلا تھا۔ دنیا کی کوئی پھرتیلی سے پھرتیلی عورت صرف چند لمحوں میں اپنا حلیہ اس طرح تبدیل نہیں کر سکتی تھی، جس طرح اس وقت یہ سب کچھ واقعہ ہوا تھا۔

تائی جان نے مدھم سی مسکراہٹ کے ساتھ مجھے دیکھا اور بولیں۔ "آؤ شہاب! کہاں رہ گئے تھے، مجھے خاصی دیر پہلے پتہ چلا تھا کہ تم آ گئے ہو۔"

میں حیرت سے گنگ اپنی جگہ ٹھٹک کر خاموش کھڑا رہ گیا تھا، میری کچھ سمجھ میں نہیں آرہا
تھا کہ میں تائی جان کی اس بات کا کیا جواب دوں۔

''آؤ......بیٹھو......'' انہوں نے کہا اور میں ایک ایک قدم آگے بڑھتا ہوا ان کے سامنے
صوفے پر جا بیٹھا۔

''تم لوگ اپنے دل میں میرے لئے کوئی مقام نہیں بنا سکتے؟'' تائی جان عجیب سے
انداز میں بولیں۔

''تائی جان میں نے آپ سے پہلے بھی کہا تھا کہ ہم لوگ رشتوں کو ترسے ہوئے ہیں۔
بحرین میں طویل قیام رہا۔ عید، بقرعید کے موقع پر لوگوں کو پاکستان آتے ہوئے دیکھتے تھے۔
اپنے عزیز و اقارب سے ملنے کے لئے لوگ بڑی خوشی سے پاکستان اور ہندوستان جایا
کرتے تھے اور ہم دکھ بھرے انداز میں سوچتے تھے کہ کاش ہم بھی عید منانے اپنے وطن
جاتے، لیکن وطن میں کوئی تھا ہی نہیں، ایسا جس سے ہماری شناسائی ہوتی۔ تائی اماں ہم آپ
کے پاس آ کر بہت خوش ہیں، آپ کے پاس آ کر بہت ذہنی سکون ملتا ہے لیکن بہت سی
سوچیں دامن گیر ہیں۔ میں کچھ مشکلات میں گھرا ہوا ہوں، تائی جان آپ صاحب علم ہیں۔
میں آپ کی شخصیت کو بہت بلند پاتا ہوں، کتنی ہی بار سوچا ہے کہ آپ سے مدد مانگوں آپ
مجھے اجازت دیجئے کہ کسی وقت آ کر آپ سے دل کی باتیں کروں۔''

''کسی وقت کیوں، ابھی مجھے فرصت ہے۔ بتاؤ کیا مشکل ہے تمہارے ساتھ؟''

''جہاں میں رہ رہا ہوں تائی جان وہ جگہ میرے لئے بڑی مشکل ہے، میں عجیب و
غریب الجھنوں میں پھنس گیا ہوں اور میری سمجھ میں نہیں آتا کہ میں کیا کروں۔''

''کمال کی بات کرتے ہو، وہ جگہ چھوڑ دو، تمہارے پاس کس چیز کی کمی ہے، بہت کا
کوٹھیاں تمہاری ملکیت ہیں، کہیں بھی منتقل ہو جاؤ۔''

''تائی جان! میں جب یہاں آیا تھا تو تایا ابو نے بڑی دلسوزی سے کہا تھا کہ میں ان
کے پاس رہوں اور میں نے ان سے وعدہ کر لیا تھا۔''

''تو پھر؟''

''تائی جان جب بھی میں نے وہ گھر چھوڑنے کے لئے سوچا کسی نادیدہ قوت نے مجھے
وہاں سے نکلنے سے منع کیا اور روکا یہ بات بھی میرے لئے الجھن کا باعث رہی ہے۔''

''بالآخر تمہیں وہ گھر چھوڑنا ہوگا۔ تمہیں وہاں کوئی نقصان بھی پہنچ سکتا ہے اور جہاں تک
وہ نادیدہ قوت جو تمہیں روکتی ہے، میں تمہیں اس کے بارے میں بتائے دیتی ہوں۔ اس
قوت کے کچھ اپنے مسائل ہیں، جو وہ تمہارے ذریعے حل کرنا چاہتی ہے، تمہیں بہت سمجھ

داری سے کام لینا ہوگا شہاب۔ دو دن کے بعد میں تم سے رابطہ قائم کروں گی اور تمہیں بہت
سے مشورے دوں گی۔ اب چاہو تو تم جا سکتے ہو۔''

میں ایک دم کھڑا ہو گیا۔ مجھے خود ذہنی الجھن ہو رہی تھی اور میں یہاں سے چلے جانا چاہتا
تھا، چنانچہ میں تائی جان کو سلام کر کے باہر نکل آیا۔

گھر کی جانب جاتے ہوئے میں نے ان کے بارے میں بہت کچھ سوچا، سب سے پہلی
بات تو یہ کہ وہ مجھے اپنے کمرے میں نظر آئی تھیں اور انہوں نے گورنی کی دلجوئی کی تھی اور
اب انہوں نے ایک بدلے ہوئے روپ میں مجھے گورنی سے شادی کرنے کے لئے کہا تھا،
اس کے ساتھ ہی انہوں نے یہ چالاکی بھی برتی تھی کہ فوراً ہی دوسرے روپ میں مجھے نظر آ
گئی تھیں، لیکن سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ تائی جان کا گورنی سے کیا تعلق تھا۔ ایک عجیب سا
الجھا ہوا معاملہ تھا، جسے سلجھانے کے لئے ابھی میرے پاس کوئی ذریعہ نہیں تھا۔

گھر میں داخل ہو گیا۔ یہاں کا ماحول ہمیشہ ہی سنسان رہا کرتا تھا۔ گھر کے مکیں ہی کتنے
تھے۔ اگر اپنے اپنے کمروں میں ہوتے تو مکمل سناٹا طاری رہتا تھا۔ میں گاڑی سے اتر کر
اندر داخل ہوا اور راہداری میں چلتا ہوا آگے بڑھنے لگا۔ اسی وقت میں نے دیکھا کہ وہی
پُراسرار عورت، جس کا نام فردوس معلوم ہوا تھا۔ دانیہ کے کمرے سے باہر نکلی تھی۔

دانیہ اسے دروازے تک چھوڑنے آئی تھی اور اس کے باہر نکل آنے کے بعد دانیہ نے
دروازہ بند کر لیا تھا۔ میں نے اس کی ایک جھلک ہی دیکھی تھی اور ان دونوں میں سے کسی
نے مجھے نہیں دیکھا تھا۔ ایک دم نجانے کیوں میرے دل میں ایک خیال سا پیدا ہوا، اس
وقت راہداری کے جس حصے میں تھا اس میں میرے داہنی جانب ایک خالی کمرہ تھا، جس کا
دروازہ کھلا ہوا تھا۔ یہ کمرہ کسی کے استعمال میں نہیں تھا۔ میں غڑاپ سے کمرے میں داخل ہو
گیا اور فردوس کے قریب آنے کا انتظار کرنے لگا۔

اس وقت میں جو کرنے جا رہا تھا وہ میری فطرت کے بالکل خلاف تھا لیکن بس نہ جانے
کیوں میرے دل میں یہ خیال جاگ اٹھا تھا، جیسے ہی فردوس اس کمرے کے دروازے کے
سامنے سے گزری، میں نے بڑی مہارت سے اس کی کلائی پکڑی اور اسے اندر کھینچ لیا۔
فردوس کے حلق سے ایک آواز نکل گئی تھی۔ میں نے اسے زور سے کھینچنے کے بعد چھوڑا تو وہ
لڑکھڑاتی ہوئی ایک طرف جا گری۔ میں نے پھرتی سے دروازہ اندر سے بند کر لیا اور اس
کے سامنے کھڑا ہو گیا۔ اس وقت میں نے دیکھا کہ فردوس کی آنکھوں میں ہلکا سا خوف
جاگ اٹھا ہے۔

میں نے انگلی اٹھا کر کہا۔ ''میں نے زندگی میں پہلی بار اس طرح کا کوئی عمل کیا ہے

فردوس لیکن اس وقت میں جنونی ہو رہا ہوں۔ تم نے گورنی کا حال دیکھ لیا ہوگا، میں تمہارا حال بھی اس سے مختلف نہیں کروں گا، اس لئے شور مچانے کی کوشش کرنا اور نہ ہی غائب ہونے کی۔ میں ہر قیمت پر تمہیں اپنے قابو میں کرلوں گا، کیا سمجھیں۔"

وہ جلدی سے اٹھ کر کھڑی ہوگئی اور اس نے اپنی پشت دیوار سے ٹکالی۔ وہ کچھ بولی نہیں تھی۔ میں نے اس سے کہا۔ "تم کچھ باتیں معلوم کرنا چاہتا ہوں، مجھے اپنے بارے میں مکمل تفصیل بتا دو، میں وعدہ کرتا ہوں کہ تمہیں ذرہ برابر کوئی نقصان نہیں پہنچاؤں گا۔ بتاؤ فردوس تم کون ہو؟"

اس نے خشک ہونٹوں پر زبان پھیری اور بدستور سہمی ہوئی نگاہوں سے مجھے دیکھتی رہی۔ میں جانتا تھا کہ وہ پُراسرار قوتوں کی مالک ہے، اس کے کچھ عمل بھی دیکھ چکا تھا اور مجھے اندازہ ہوگیا تھا کہ وہ غیر انسانی شخصیت ہے، لیکن میں نے تو گورنی کے ساتھ بھی وہ سلوک کیا تھا جو کسی مافوق الفطرت ہستی کے ساتھ نہیں کیا جا سکتا تھا اور میں اپنے عمل میں کامیاب رہا تھا، اس بات کا علم فردوس کو بھی ہوگا، اس لئے وہ سہمی ہوئی تھی۔

"فردوس مجھے جواب دو، سب سے پہلے تم مجھے اس دن نظر آئیں جب تم نے میرا کمرا صاف کیا تھا۔ اس کے بعد تم مجھے کئی بار نظر آئیں، لیکن تمہاری شخصیت آج تک میرے لئے ایک معمہ ہے، مجھے بتاؤ سیفونہ کی وہ تصویر میرے پاپا کی جیب میں کیوں تھی۔ تم کس کے کہنے پر وہ تصویر چرا کر بھاگی تھیں اور غسل خانے سے غائب ہوگئی تھیں۔ میں تمہیں بتائے دیتا ہوں کہ اگر تم نے اب بھی ایسی کوئی حرکت کی تو میں تمہیں چھوڑوں گا نہیں، سمجھ رہی ہو میری بات، بتاؤ مجھے جواب دو۔"

وہ پھر بھی خاموش رہی تو میں نے کہا۔ "اور تم نے جو دانیہ سے دوستی بڑھائی ہے، اس کے پس منظر میں کیا ہے، دیکھو مجھے جواب دے دو ورنہ اچھا نہیں ہوگا۔"

اچانک ہی ماما کی آواز سنائی دی۔ "شہاب! کہاں غائب ہو گئے، کہاں ہو تم؟"

میں نے ایک لمحے کے لئے سوچا اور ماما کی آواز کو نظر انداز کر دیا۔ اسی وقت فردوس کی آواز پہلی بار ابھری۔ "مجھے چھوڑ دو۔"

"تم غائب ہو سکتی ہو فردوس، لیکن میں تمہیں بتائے دے رہا ہوں کہ اگر تم نے ایسا کیا تو میری تم سے باقاعدہ دشمنی کا آغاز ہو جائے گا اور جس وقت بھی کہیں میں تمہیں پاؤں گا تمہیں نقصان پہنچانے کی کوشش کروں گا۔"

"دیکھو مجھے چھوڑ دو، میں تمہارے خلاف نہیں ہوں، میری ذات سے تمہیں کوئی نقصان نہیں پہنچے گا مجھے چھوڑ دو۔"

"میں جاننا چاہتا ہوں کہ تم کون ہو، سیفونہ کی اس تصویر کا میرے پاپا سے کیا تعلق تھا۔ یہ سارا گورکھ دھندہ کیا ہے، میری مدد کرو، میں بہت پریشان ہو چکا ہوں، میری مدد کرو۔"

فردوس نے عجیب سی نگاہوں سے مجھے دیکھا اس وقت ماما کی آواز پھر ابھری۔ "شہاب! کیا تم اس کمرے میں ہو؟"

یہ آواز کمرے کے دروازے پر ہی سنائی دی تھی، میں زچ ہوگیا، پھر میں نے کہا۔ "ٹھیک ہے فردوس، تم چاہو تو غائب ہو سکتی ہو، مگر میں اب تمہارا دوست نہیں ہوں۔ اس بات کو ذہن میں رکھنا۔" یہ کہہ کر میں دروازے کی جانب بڑھ گیا۔

باہر نکل کر ماما سے ملنا چاہتا تھا، پتہ نہیں انہیں میری آمد کا پتہ کیسے چل گیا، میں نے دروازہ کھولا۔ پہلے تو بالکل یہی لگا تھا، جیسے ماما اس کمرے کے دروازے پر ہوں، لیکن اب میں نے راہداری میں دونوں طرف دیکھا۔ ماما کا کہیں بھی نام و نشان نہیں تھا۔ اچانک ہی کسی خیال کے تحت میں نے واپس پلٹ کر دیکھا تو فردوس کمرے میں موجود نہیں تھی۔

ایک لمحے کے اندر مجھے اندازہ ہوگیا کہ ماما کی وہ آواز ایک دھوکا تھی لیکن اب میرے دل میں فردوس کے لئے بھی ایک برائی پیدا ہوگئی تھی۔ یہاں کا سارا معاملہ ہی عجیب ہے۔ چلو شکر ہے کہ ماما کو میرے اس عمل کا علم نہیں ہو سکا تھا۔ میں نڈھال سا اپنے کمرے کی جانب بڑھ گیا اور پھر جوتے وغیرہ اتار کر بستر پر دراز ہوگیا۔

بڑا عجیب سا دن تھا، سرفراز بھائی کے بارے میں ذہن میں بڑی الجھن تھی، صاف لگ رہا تھا کہ وہ تائی کے فریب میں آگئے ہیں اور رات کو اس کی تصدیق بھی ہوگئی۔

سرفراز بھائی کھانے سے پہلے آگئے تھے، تایا ابو، سلطانہ اور حرا، دانیہ اور ماما ہم سب نے ایک ساتھ ہی کھانا کھایا تھا۔ ماما سرفراز بھائی سے کچھ کھنچی کھنچی سی تھیں۔ اپنے کمرے میں پہنچ کر ہم سب بیٹھ گئے، وقت اتنا ہوگیا تھا کہ تایا ابو وغیرہ اپنے کمروں میں چلے گئے تھے۔ سرفراز بھائی نے خود ہی سلسلۂ کلام چھیڑا۔ "میں آپ لوگوں کو کچھ عجیب عجیب سا محسوس کر رہا ہوں۔"

"آپ جانتے ہیں سرفراز بھائی کہ ماما بہت کم گو ہیں، آج تک انہوں نے ہم سے ایسے لہجے میں گفتگو نہیں کی، جو ہم میں سے کسی کو بھی ناگوار ہو، سارے غم وہ اپنے سینے میں ہی سمو لیتی ہیں، لیکن سرفراز بھائی تھوڑا سا تردّد ہے ہمیں۔"

"سرفراز بھائی، یہ بات تو طے ہو چکی ہے کہ تائی جان سازشی ذہن کی مالک ہیں اور آپ بھی اچھی طرح جانتے ہیں کہ بہت سی جگہوں پر ان کی شخصیت مشکوک رہی ہے اور ہم یہ سوچنے پر مجبور ہو گئے ہیں کہ ہو سکتا ہے پاپا کی موت میں ان ہی کا کوئی ہاتھ ہو، جس کے

شواہد مختلف طریقوں سے ملے ہیں۔"

"میں نے تم سے کہا تھا کہ میں اس سلسلے میں بڑی گہرائیوں میں جا کر کام کروں گا، اسی لئے میں نے تائی جان سے تعلقات بڑھائے تھے اور انہیں اپنے اعتماد میں لیا تھا، مجھ پر یہ انکشاف ہوا کہ تائی جان کے بارے میں جتنی افواہیں اڑائی گئی ہیں وہ غلط ہیں، وہ تھوڑی سی خود پسند ضرور ہیں لیکن مجموعی طور پر سادہ دل اور سادہ طبیعت کی مالک ہیں۔"

"آپ کو اس بات کا یقین ہو گیا بھائی جان اور ان واقعات کے بارے میں آپ کیا کہیں گے جو پاپا کی موت کے سلسلے میں پیش آئے ہیں۔ چاند خاں اور چودھری عرفان کی موت کو آپ کس خانے میں فٹ کریں گے، نادر خان کے شکوک و شبہات کے بارے میں آپ کیا کہیں گے؟"

"صرف ایک بات کہ سازشی کوئی اور بھی ہو سکتا ہے، معاف کرنا، تایا ابو کے بارے میں تم کیا کہتے ہو، کیا تم انہیں اندر سے جانتے ہو؟" سرفراز بھائی کے ان الفاظ سبھی چونک پڑے تھے۔

میں نے تعجب سے انہیں دیکھا اور کہا۔ "اس کا مطلب ہے کہ آپ تایا ابو پر بھی شک کر سکتے ہیں؟"

"کر سکتا ہوں۔ یار تم نہیں سمجھتے، شہاب! بچے ہو بالکل، یہ کمبخت دولت انسان کو سب کچھ بھلا دیتی ہے، وہ صرف اس کے حصول کے بارے میں سوچتا ہے اور سب کچھ کرنے پر تل جاتا ہے، میں صرف اتنا کہنا چاہتا ہوں شہاب کہ جس چیز کے بارے میں ہمارے پاس کوئی ثبوت نہ ہو ہم کسی وہم کی بناء پر اسے مطعون نہیں کر سکتے۔"

"آپ جو کچھ بھی کہیں بھائی جان، لیکن آپ یقین کریں تایا ابو کے بارے میں آپ کے الفاظ مجھے پسند نہیں آئے۔"

"اپنا اپنا خیال ہوتا ہے، میں تائی جان کے بارے میں یہ بات خلوص کے ساتھ اور پورے یقین کے ساتھ کہہ سکتا ہوں کہ وہ اتنی بری نہیں ہیں۔ انہیں بے شک اپنے آپ کو بزرگ اور درویش ظاہر کرنے کا شوق ہے لیکن لوگوں کے شوق تو طرح طرح کے ہوتے ہیں، کسی ایسے شوق پر ہم کسی کو بھی بُرا قرار نہیں دے سکتے۔ تمہاری اپنی سوچ ہے، لیکن میری رائے یہی ہے کہ تائی جان کے زیادہ سے زیادہ قریب جاؤ ان پر غور کرو، تمہارے خیالات تبدیل ہو جائیں گے، کیا کہہ رہی تھیں وہ تم سے، بتایا تھا نا تمہیں؟"

"کوئی خاص بات نہیں، بس یہی کہہ رہی تھیں کہ میں آتا جاتا نہیں ہوں۔"

"آیا جایا کرو اور میں تمہیں ایک بات اور بتانا چاہتا ہوں وہ یہ کہ ہم یہاں آ کر بر

مطلب ہے اس گھر میں آ کر ایک حصار میں پھنس گئے ہیں۔ میں تایا ابو کے بارے میں تمہاری بات مان لیتا ہوں کہ وہ بہت اچھے انسان ہیں اور ہم لوگوں سے محبت بھی کرتے ہیں لیکن اس کا مطلب یہ تو نہیں ہے کہ ہم ان کی وجہ سے اپنا ایک معیار چھوڑ دیں۔ پاپا نے جب اتنا سب کچھ کیا ہے تو کیا پاپا کی یہ خواہش نہیں ہو گی کہ اگر ہم پاکستان آئیں تو اس حیثیت کے مالک ہوں کہ ہمارا اپنا مقام ظاہر ہو، پاپا یقیناً اس خاندان پر بھی یہ ظاہر کرنا چاہتے ہوں گے کہ ہم لوگ کس حیثیت کے مالک ہیں۔"

"تب پھر آپ ایک سوال کا جواب دیں گے مجھے؟" میرا لہجہ خود بخود تلخ سا ہو گیا۔

ماما اور دانیہ چونک کر مجھے دیکھنے لگی تھیں، لیکن سرفراز بھائی نے تحمل سے کہا۔ "ہاں ہاں بولو۔"

"آپ کے خیال میں پاپا کو کس نے قتل کیا؟"

"یہ کام پولیس کا ہے کہ وہ پتہ لگائے، اگر تم چاہو تو اس سلسلے میں باقاعدہ کام شروع کر سکتے ہو، اس کیس کو دوبارہ اوپن کرو، ظاہر حسین صاحب سے مشورہ لو، پولیس سے از سر نو تحقیقات کا مطالبہ کرو، مجھے اعتراض نہیں ہو گا۔"

"ٹھیک ہے بھائی جان بات کچھ عجیب سا رخ اختیار کر چکی ہے۔"

"میں تم سے ایک درخواست کرنا چاہتا ہوں بلکہ ماما اور دانیہ سے بھی، یہ جگہ ہمارے اسٹیٹس کی نہیں ہے۔ تایا ابو بہت اچھے انسان ہیں، ہم ان کا یہ احسان کبھی نہیں بھولیں گے اور اس بات کو بھی یاد رکھیں گے کہ انہوں نے ہماری بڑی دلجوئی کی، لیکن اب ہمیں یہ جگہ چھوڑنا ہو گی۔"

"کیا مطلب؟" میں ایک بار پھر اچھل پڑا۔

"ڈیفنس میں ہماری بہت سی خوبصورت کوٹھیاں ہیں۔ میں نے ان میں سے ایک کوٹھی کا انتخاب کیا ہے، بہت اعلیٰ درجے کی کوٹھی ہے۔ ہم اسے خالی کرائے لیتے ہیں، اس میں منتقل ہو جائیں گے اور دوسری بات یہ تایا ابو سلطانہ، حرا بھی اگر چاہیں تو اس کوٹھی میں ہمارے ساتھ رہ سکتی ہیں۔ ہم کوشش کر کے تائی جان سے ان لوگوں کی صلح کرائے دیتے ہیں، مجھے اعتراض نہیں ہو گا، لیکن ہماری رہائش ہمارے معیار کے مطابق ہونی چاہئے۔"

"آپ کو علم ہے بھائی جان کے یہاں دادی اماں بھی ہوتی ہیں؟"

"یار جہاں ہم ہوں گے وہاں ہمارے اپنے پیارے بھی ہوں گے۔" دادی اماں ہوئیں، تایا ابو ہوئے سب ہمارے سر آنکھوں پر، جس کوٹھی کے بارے میں، میں نے فیصلہ کیا ہے اور جو پندرہ دن کے اندر اندر خالی ہو جائے گی، تم اس کا جائزہ لے لینا، دس خاندان سما سکتے

ہیں اس میں۔ ہمارے ساتھ تو زیادہ افراد بھی نہیں ہیں۔''

''نہیں بھائی جان میں نے تایا ابو سے وعدہ کیا ہے کہ میں یہیں رہوں گا اور ان کے پاس رہوں گا، دادی اماں بھی یہیں ہیں، ہم لوگ یہ جگہ نہیں چھوڑیں گے۔''

''تو ٹھیک ہے تم رہو، میں تمہیں مجبور نہیں کروں گا۔'' سرفراز بھائی نے بڑے برے ہوئے انداز میں کہا۔ ماما پھٹی پھٹی آنکھوں سے انہیں دیکھ رہی تھیں۔

مجھے بھی غصہ آ گیا تھا، لیکن پھر اچانک ہی میرے کانوں میں ایک سرگوشی سی ابھری۔

''نہیں شہاب نہیں، یہ مناسب طریقہ نہیں ہے، ہر کام میں عقل و دانش کا ساتھ نہیں چھوڑنا چاہئے، تھوڑے سے نرم ہو، نرمی ہمیشہ فائدہ مند رہتی ہے۔'' میں نے آنکھیں بند کر لیں۔

سرفراز بھائی خاموشی سے ایک دیوار کو تک رہے تھے، کچھ لمحوں کے بعد انہوں نے کہا۔

''اور سنو شہاب، تائی جان ہمارے انٹروڈکشن کے لئے ایک ہوٹل میں عشائیہ دینا چاہتی ہیں۔ ان کا کہنا ہے کہ اس طرح ہم مقامی سوسائٹی میں روشناس ہوں گے۔ ہمارا کاروبار مختلف لوگوں سے ہے اور یہی ایک طریق کار ہوتا ہے، ان سب پر ہماری حیثیت آشکارا ہو جانی چاہئے، بہت سے معاملات سامنے آئیں گے۔ کیا کہتے ہو تم میں منظوری دے دوں، دیکھو سارے خاندان سے ملا، سب کی عزت کرتا ہوں میں۔ یہ ہمارے پاپا کا خاندان ہے، ہم اسی دنیا میں زندہ رہیں گے۔ ہمیں اپنا کام کرنا ہے، تائی جان یا کوئی ہماری بہتری کے لئے اگر کوئی کچھ کرتا ہے تو ہم اسے ہمیشہ سر آنکھوں پر رکھیں گے۔ اختلاف برائے اختلاف نہیں ہونا چاہئے اور پھر ہم تو یہ فیصلہ کر چکے ہیں کہ ہم اس پورے خاندان کو اکٹھا کریں گے اور مل جل کر رہیں گے۔''

جو سرگوشی میرے کانوں میں ابھری تھی وہ میرے لئے اجنبی نہیں تھی۔ وہی آواز، جسے میں دادی اماں کی آواز قرار دے چکا تھا۔ اس وقت بھی وہی آواز مجھے سنائی دی تھی، میں کچھ دیر خاموش رہا پھر میں نے کہا۔ ''ٹھیک ہے بھائی جان آپ کے فیصلے آپ کے اپنے ہوں گے، لیکن میں آپ سے صرف یہ عرض کرنا چاہتا ہوں کہ آپ کسی کو تعاون کے لئے مجبور نہیں کریں گے، آپ کے ذہن میں جو کچھ بھی ہے وہ اپنی جگہ، لیکن جب تک میرے پاپا کی موت کا معمہ حل نہیں ہو جاتا میں کسی پر بھی بھروسہ کرنے کے لئے تیار نہیں ہوں، ہاں اگر تائی جان میرے پاپا کی موت میں ملوث نہیں ہیں تو آپ جس طرح بھی چاہیں گے، میں آپ کے زیر ہدایت کام کروں گا۔''

''ٹھیک ہے۔ میں نے کہا نا کہ تمہارے فیصلے تمہارے اپنے ہیں، میں اس سے انکار نہیں کروں گا۔''

''آپ جب بھی تائی جان کے ساتھ مل کر یہ عشائیہ ترتیب دیں لیں مجھے آگاہ کر دیجئے گا۔'' میں نے کہا اور اپنی جگہ سے اٹھ کر کمرے سے باہر نکل آیا۔ میں اس وقت بہت زیادہ منتشر ہو گیا تھا۔

صاف پتہ چل رہا تھا کہ تائی جان اپنی بیٹی سائرہ خانم کے ساتھ مل کر بھائی جان پر مکمل قبضہ جما چکی ہیں۔ اچانک ہی مجھے دادی اماں کا خیال آیا اور میں آہستہ قدموں سے چلتا ہوا ان کے کمرے تک پہنچ گیا۔ دروازہ کھولا اور اندر داخل ہو گیا، کمرے کا ماحول بالکل ویسا ہی پراسرار تھا، میں دادی اماں کے سامنے جا بیٹھا۔

''مجھے اس کا حق ہے دادی اماں کہ اپنے طور پر اپنے فیصلے میں خود کر سکوں، ٹھیک ہے میرا کوئی مددگار نہیں ہے، آپ کے بارے میں اچھی طرح جانتا ہوں کہ آپ پورے ہوش و حواس میں ہیں۔ کونسی چیز آپ کو ہم سے اتنے فاصلے پر رکھے ہوئے ہے یہ البتہ مجھے نہیں معلوم۔ جب مجھے کوئی گائیڈ لائن نہیں مل رہی تو مجبوراً میں اپنے فیصلے کرنے میں خود مختار ہوں، آپ مجھے مختلف ہدایات دیتی ہیں، میں کہتا ہوں کھل کر میرے سامنے آیئے، آپ آ چکی ہیں میرے سامنے دادی اماں، اگر آپ یہ سمجھتی ہیں کہ میں اس بات سے لاعلم ہوں تو معافی چاہتا ہوں، یہ آپ کی بھول ہے اور سنئے ابھی تک میں آپ کی ہدایت پر عمل کر رہا ہوں، لیکن آنے والے کل کے بارے میں آپ سے وعدہ نہیں کر سکتا، میں آپ کے بیٹے کی اولاد ہوں۔ اگر آپ یہ سمجھتی ہیں کہ مجھے نفع ہو یا نقصان، آپ میری مدد نہیں کر سکتیں تو میں آپ کو مجبور نہیں کروں گا۔'' میں دادی اماں کے بالکل قریب ہی بیٹھا ہوا تھا، اچانک ہی دادی اماں کا ہاتھ اٹھا اور میری کلائی پر آ پڑا۔ ان کی انگلیوں کی گرفت میری کلائی پر تھی اور مجھے ان کے ہاتھ میں گرمی کا احساس ہو رہا تھا۔

''میں خود بھی آپ کو بہت چاہتا ہوں دادی اماں، میں نہیں جانتا کہ آپ اتنی خاموش کیوں ہیں، اگر کوئی مجبوری ہے اور آپ مجھے براہ راست مخاطب نہیں کر سکتیں، مجھ سے نہیں بول سکتیں تو ایک کام کیجئے میں آپ کا اعتماد حاصل کرنا چاہتا ہوں، اگر آپ مجھے کچھ براہِ راست بتانے سے مجبور ہیں تو میرے ہاتھ کی کلائی دبایئے، میرا آپ سے گلہ ختم ہو جائے گا، لیکن پھر آپ کی رہنمائی براہِ راست چاہوں گا میں اور یہ آخری فرمائش بھی آپ نے پوری نہیں کی دادی اماں تو آئی ایم سوری۔'' میں نے کہا اور اسی وقت مجھے اپنی کلائی پر دادی اماں کی انگلیوں کی گرفت سخت محسوس ہوئی۔ یہ صرف ایک جذباتی احساس نہیں تھا، میں نے ان کے ہاتھ پر نگاہیں جما دیں، ان کی انگلیاں پوری طرح میری کلائی کو اپنی گرفت میں لئے ہوئے تھیں اور میری کلائی پر اچھا خاصا دباؤ تھا۔ میں نے جھک کر ان کے ہاتھ کو چوم لیا اور

آہستہ سے بولا۔ ''ٹھیک ہے دادی اماں، اگر ایسی بات ہے تو میں آپ سے تعاون کروں گا، لیکن ایک وعدہ کرنا ہوگا آپ کو، وہ یہ کہ جب بھی آپ بہتر حالت میں آئیں تو سب سے پہلے مجھے مخاطب کیجئے گا۔''

میں نے دوسری بار دادی اماں کی انگلیوں کی گرفت اپنی کلائی پر محسوس کی تھی۔ گویا یہ میری باتوں کا جواب تھا۔ میرے ہونٹوں کی مسکراہٹ پھیل گئی، میں نے کہا۔ ''میں آپ کے پاس آتا رہوں گا اور آپ سے باتیں کرتا رہوں گا، آپ کا جب دل چاہے مجھے جواب دیجئے گا، چلتا ہوں اجازت دیجئے۔'' یہ کہہ کر میں دادی اماں کے کمرے سے باہر نکل آیا۔

سرفراز بھائی کی باتوں کا بوجھ میرے ذہن پر طاری تھا۔ ماما کے کمرے میں جانے کے بجائے باہر راہداری میں چل پڑا اور رات کے بے کراں سناٹے میں نکل آیا، تھوڑے فاصلے پر قیصر خان اپنی آرام گاہ میں نظر آیا تو اس کی جانب بڑھ گیا۔ تھوڑی دیر اس کے پاس بیٹھا اور اس سے ادھر ادھر کی باتیں کرتا رہا۔ مرشد کے بارے میں بھی کچھ باتیں ہوئی تھیں۔ پھر وہاں سے اٹھا اور واپس ماما کے کمرے کی طرف چل پڑا۔ میں اب ذرا بدلے ہوئے انداز میں سرفراز بھائی سے باتیں کرنا چاہتا تھا، لیکن اندر آ کر پتہ چلا کہ سرفراز بھائی جا چکے ہیں، ماما اور دانیہ اداس بیٹھی ہوئی تھیں۔

''کیا وہ اپنی گاڑی میں نہیں گئے؟''

''کیوں، کیا باہر گاڑی موجود ہے؟'' ماما نے الٹا مجھ سے سوال کر دیا۔

''نہیں، میں نے غور نہیں کیا، کیا کہہ کر گئے ہیں وہ؟''

''کچھ نہیں، کہنے لگے کہ چلتا ہوں ماما؟'' دانیہ نے شکایتی لہجے میں کہا پھر بولی۔ ''شہاب بھائی! سرفراز بھائی تو بالکل ہی بدل گئے۔''

''میں بہت پریشان ہوں، مجھے لگ رہا ہے کہ ہمارا شیرازہ منتشر ہو جائے گا۔'' ماما بولیں۔

''نہیں ماما ایسا کبھی نہیں ہوگا آپ اطمینان رکھیں، البتہ یہ بات میں پورے دعوے سے کہہ سکتا ہوں کہ سرفراز بھائی خود اپنی اسکیم کا شکار ہو گئے، تائی جان جیسی گھاگ عورت سے مقابلہ کرنا اتنا آسان کام نہیں تھا۔ بھائی جان ان کے پاس گئے تو اس لئے تھے کہ پاپا کی موت میں ان کے کردار کا جائزہ لیں، لیکن صورتحال مختلف ہو گئی اور یہ اچھا نہیں ہوا ماما۔ اب ہمیں مزید محنت کرنا ہوگی۔ بھائی جان کو تائی کے چنگل سے نکالنا آسان کام نہیں ہوگا، لیکن آپ مطمئن رہئے، شہاب ان کے لئے بہت ٹیڑھی کھیر ثابت ہوگا۔ میں آسانی سے تائی کو ان پر مسلط نہیں ہونے دوں گا۔''

میں انہیں دلاسے دیتا رہا لیکن یہ بات حقیقت تھی کہ میرے دل پر بھی بڑا بوجھ تھا۔ رات کو نجانے کب تک جاگتا رہا اور اس کے بعد اتنی گہری نیند سویا کہ صبح کو دس بجے ہی آنکھ کھلی تھی۔ ناشتہ وغیرہ تیار تھا۔ میں نے خوش دلی کے ساتھ سب کے ساتھ مل کر ناشتہ کیا۔ دن میں کوئی ساڑھے گیارہ بجے کے قریب بھائی جان کا فون موصول ہوا۔

''آفس آ جاؤ، کام ہے تم سے آ رہے ہو یا نہیں؟''

''آ جاتا ہوں بھائی جان۔''

میں نے طے کر لیا تھا کہ اب اپنے رویئے کی ساری سختی ترک کر دوں گا اور مصلحت سے کام لوں گا۔ چنانچہ بھائی جان کے پاس پہنچ گیا، سائرہ خانم بھائی جان کے برابر ہی موجود تھی۔

''بیٹھو، یہ بتاؤ کہ ہم جو کچھ کر رہے ہیں اس میں حصہ لینا پسند کرو گے یا نہیں؟''

''آپ جو حکم دیں گے میں اس کی تعمیل کروں گا۔'' میں نے نرمی سے کہا۔

سرفراز بھائی غور سے مجھے دیکھنے لگے پھر بولے۔ ''اللہ تعالیٰ کا احسان ہے کہ ہم بہت بڑی شخصیت کے مالک بن گئے ہیں، پاپا نے ہمارے لئے یہ سب کچھ کیا ہے، میں چاہتا ہوں شہاب کہ ہم ان تمام چیزوں کو مزید ترقی دیں، میں نے پہلے بھی شاید تم سے کہا تھا کہ تم باہر کے تمام معاملات سنبھالو۔ اس کے لئے اسٹاف رکھو۔ باقی معاملات میں دیکھ رہا ہوں، اچھا خیر چھوڑو، میں نے تم سے کہا تھا نا کہ تائی جان ایک ہوٹل میں عشائیہ دینا چاہتی ہیں، انہوں نے کچھ لوگوں کو اس کام پر لگا دیا ہے اور ہو سکتا ہے کہ دو تین دن کے اندر ہی اندر یہ عشائیہ ترتیب دے لیا جائے۔''

''اس میں کون لوگ شامل ہوں گے بھائی جان؟''

''شہر کے ہی نہیں بلکہ ملک کے بڑے بڑے بزنس مین، صنعت کار، اعلیٰ افسران جن سے تائی جان کے گہرے تعلقات ہیں۔''

''ہمارے اپنے کچھ لوگ بھی شامل ہو سکتے ہیں؟''

''کیا مطلب؟'' بھائی جان نے چونک کر پوچھا۔

''میرا مطلب ہے ہمارے اپنے کچھ گیسٹ۔''

''جسے دل چاہے بلاؤ، بھلا ہمیں کیا اعتراض ہو سکتا ہے؟''

''لیکن ان کا تعلق کاروبار کی دنیا سے ہونا چاہئے، ظاہر ہے یہ کوئی گھریلو تقریب نہیں ہے۔ معیاری لوگ آئیں گے، معیاری لوگوں کو شریک ہونا چاہئے۔''

''سائرہ خانم! کیا ہم دونوں بھائیوں کے ذاتی معاملات میں بھی آپ کو اتنے اختیارات

مل چکے ہیں کہ آپ ان میں مداخلت کرسکیں؟'' میں نے سرد لہجے میں کہا۔

''نہیں میرا مطلب ہے کہ......''

''کیوں بھائی جان کیا کہتے ہیں آپ؟''

''نہیں بھئی تم جسے چاہے بلاؤ ہمیں کوئی اعتراض نہیں ہوگا۔'' بھائی جان نے کہا۔

میں نے سائرہ خانم کا منہ بنتے ہوئے دیکھا لیکن میں دل ہی دل میں خوش تھا۔ میں نے اپنے ذہن میں ایک منصوبہ تیار کرلیا تھا، کوئی بہت بڑا فائدہ نہیں حاصل ہوسکتا تھا، اس منصوبے سے، لیکن بس ٹانگ اڑانے والی بات تھی۔

سب سے پہلے میں نے ظاہر حسین سے ایک گاڑی کے سلسلے میں بات کی اور کہا کہ مجھے ایک انتہائی قیمتی لینڈ کروزر چاہئے۔ ظاہر حسین صاحب نے مجھ سے تھوڑے وقت کی مہلت مانگ لی تھی، لیکن جو کام مجھے کرنا تھا اس کے لئے مجھے فوراً گاڑی درکار تھی۔ چنانچہ میں نے رینٹ اے کار سے ایک اعلیٰ درجے کی گاڑی حاصل کی۔

ڈرائیور قیصر خان ہی تھا۔ سب سے پہلے میں پھوپھا جمال الدین کے پاس شیخوپورہ پہنچ گیا۔ کافی کچھ لے کر گیا تھا۔ پھوپھا جان اور پھوپھی جہاں آراء بیگم نے میرا بہترین استقبال کیا اور میری آمد سے بہت خوش ہوئے، میں نے ان سے کہا۔

''پھوپھا جان ایک غرض سے حاضر ہوا ہوں آپ کے پاس۔''

''ہاں ہاں بولو شہاب، ہم تو اکثر تمہارے بارے میں بات کرتے رہتے ہیں، ہم دونوں میاں بیوی کا متفقہ فیصلہ ہے کہ تم بہت اچھے بچے ہو اور تم سے تعلقات رکھنے چاہئیں۔''

''آپ کا بے حد شکر گزار ہوں، پھوپھا صاحب، عرض یہ ہے کہ بھائی جان، سرفراز حسین ایک تقریب کر رہے ہیں جس میں تائی یعنی طاہرہ خانم ہمارا تعارف پاکستان کے بڑے بڑے لوگوں سے کرانا چاہتی ہیں، پھوپھا صاحب مجھے کسی کی غیبت کرنے کی عادت نہیں ہے اور نہ ہی میں اس فن سے واقف ہوں۔ تائی، بھائی جان کو اپنی مٹھی میں لینے کی فکر میں سرگرداں ہیں، آپ بھی جانتے ہیں اور میں بھی جانتا ہوں کہ طاہرہ خانم کس قماش کی خاتون ہیں، ان کے منصوبے کو فیل کرنے کیلئے مجھے آپ لوگوں کی مدد درکار ہے، کیا آپ میری مدد کریں گے؟''

پھوپھی جہاں آراء بیگم تو کچھ نہ بولیں لیکن جمال الدین کے بارے میں یہ اندازہ تھا کہ وہ کس طرح کے آدمی ہیں، فوراً ہی سینہ تان کر بولے۔ ''دیکھو میاں برا مت ماننا، رشتے رشتے ہی ہوتے ہیں، میں پھر بھی باہر کا آدمی ہوں، لیکن اگر طاہرہ خانم کے سلسلے میں کوئی عمل کر رہے ہو تو سمجھ لو سب سے پہلے جمال الدین تمہارے ساتھ ہے۔''

''پھوپھا جان مجھے آپ سے یہی امید تھی۔''

''اب یہ بتاؤ کرنا کیا ہے؟''

''کسی ہوٹل میں تقریب کی جائے گی، کسی کو علم نہیں ہے کہ اس میں کون کون شریک ہوگا۔ میں چاہتا ہوں کہ آپ دونوں بھی اس تقریب میں شریک ہوں۔''

''ہوں گے کیوں نہیں ہوں گے، کب ہے تقریب؟''

''دن منتخب نہیں ہوسکا، لیکن ایک دن پہلے میں آپ کو اطلاع دوں گا اور آپ کو لینے کے لئے گاڑی بھیجوں گا، قیصر خان آپ کو لینے آئے گا۔''

''بیٹے ہم ضرور آجائیں گے تم اطمینان رکھو، ہم انتظار کر رہے ہیں بلکہ ابھی سے تیاریاں شروع کردیں گے ذرا کچھ......''

''میرے لائق اگر کوئی خدمت ہو تو بتائیں؟''

''اگر مالی خدمت کی بات کر رہے ہو تو ضرورت نہیں ہے، اگر ہوئی تو بے تکلفی سے تم سے کہہ دیں گے۔''

''جی پھوپھا جان مجھے مسرت ہوگی۔ میں تو ڈرتے ڈرتے آپ کو کوئی پیشکش نہیں کرتا کہ کہیں آپ اسے اپنی انا پر ضرب نہ سمجھیں۔''

''اماں نہیں، کہاں کی باتیں کر رہے ہو، جب دل چاہے جو پیشکش کرنا چاہو کر دیا کرو۔'' پھوپھا جان نے پُرمزاح لہجے میں کہا اور یہاں سے مطمئن ہونے کے بعد میں نے قیصر خان سے کہا کہ اب ہمیں ساہیوال چلنا ہے۔ دادا ابو کو تیار کرنا ذرا مشکل کام تھا لیکن اپنے اس منصوبے کی تکمیل میرے لئے بے حد ضروری تھی۔ چنانچہ یہ لمبا سفر طے کر کے میں ایک بار پھر ارجمند کے در دولت پر پہنچ گیا اور کیسی انوکھی بات تھی کہ گھر کا دروازہ ارجمند نے ہی کھولا تھا، مجھے دیکھ کر کچھ لمحوں کے لئے ساکت رہ گئی۔

''کیسی ہو ارجمند؟''

''آپ کو دیکھ کر بار بار جھوٹ بولنے کو دل چاہتا ہے۔'' ارجمند نے شوخی سے کہا۔

''تو پھر یہیں کھڑے کھڑے بول دو۔'' میں نے بھی شگفتہ انداز میں کہا۔

''آپ یقین کیجئے رات کو خواب دیکھا تھا کہ آپ آرہے ہیں اور اسی لئے آج پھر اسکول نہیں گئی۔''

''مجھے یقین ہے، اللہ تعالیٰ ہماری قربتوں کے راستے ہموار کر رہا ہے۔''

''کون ہے ارجمند؟''

''شہاب آئے ہیں امی۔'' ارجمند نے نکہت آراء کی آواز میں کہا اور جلدی سے پیچھے

ہٹ گئی۔

میں اندر داخل ہوا، سمن آراء اور نکہت آراء اندرونی کمرے میں تھیں باہر نکل آئیں۔ مجھ سے بڑی محبت کا اظہار کیا، بڑے پیار سے بٹھایا، سمن آراء بیگم نے کہا۔ ''تم سوچو گے کہ سامنے آجاتے ہو تو ہم تم سے الٹی سیدھی باتیں کرنے لگتے ہیں، لیکن خدا کی قسم آج کل ہمارا زیادہ تر موضوع تم لوگ ہی رہتے ہو، بڑا اچھا لگتا ہے تمہاری باتیں کر کے۔''

''کیوں نہیں، مجھے خود بھی ہر وقت آپ لوگوں کا خیال رہتا ہے، دادا ابو کہاں ہیں؟''

''بازار سے کچھ لینے گئے ہیں ابھی آتے ہوں گے۔''

''کتنی تکلیف ہوتی ہو گی دادا ابو کو۔''

''انسان ہر چیز کا عادی ہو جاتا ہے، تم سناؤ خیریت سے ہو نا؟''

''جی، ایک درخواست لے کر آیا ہوں، دادا ابو کے آجانے پر بتاؤں گا۔''

''نکہت چائے بناؤ جلدی سے۔''

''ہاں...... اور ذرا کڑک، شیخوپورہ سے آ رہا ہوں، تھک گیا ہوں۔''

''کہاں گئے تھے؟''

''پھوپھی جہاں آراء بیگم کے گھر۔''

''خیریت سے تو ہیں نا؟''

''جی۔'' اتنی دیر میں دادا ابو بیساکھی ٹیکتے ہوئے آ گئے، مجھ سے مل کر وہ بھی بہت خوش ہوئے تھے۔

''یار ایک بات کہوں، اب دل چاہنے لگا ہے کہ تھوڑا سا اور جیوں، تمہارے مل جانے سے نجانے کیوں دل کو ایک تقویت کا سا احساس ہوتا ہے۔''

''دادا ابو جو کچھ میں آپ سے کہنا چاہتا ہوں وہ میں اپنے منہ سے نہیں کہہ سکتا، وہ درخواست ماما ہی کو زیب دیتی ہے اور وہ یہاں آ کر درخواست کریں گی، فی الحال جو کچھ میں کہنے آیا ہوں اس کے لئے بھی جرأت اور بڑی ہمت سے کام لے رہا ہوں، لیکن اس امید کے ساتھ کہ پہلی بار آپ سے کچھ مانگ رہا ہوں، آپ انکار نہیں کریں گے۔''

''ہم سے مانگ رہے ہو، چلو کیا یاد کرو گے مانگ لو۔'' دادا ابو سرمستی سے بولے۔

نکہت آراء چائے کا پانی چڑھا آئی تھیں۔ آ کر کہنے لگیں۔ ''اصل میں تم لوگوں کی باتوں سے دور نہیں رہنا چاہتی، دوبارہ کچن میں جاؤں گی تو یہ کہہ کر جاؤں گی کہ جب تک میں واپس نہ آ جاؤں، مزید باتیں نہ کی جائیں۔'' نکہت آراء کی بات پر سب ہنسنے لگے تھے۔

دادا ابو نے کہا۔ ''بھئی یہ صاحب زادے ہم سے کچھ مانگ رہے ہیں، نکہت! کیا ہماری

تقدیر بدلنے والی ہے کہ ہم جیسے قلاشوں سے کچھ مانگا جا رہا ہے۔''

''دادا ابو آپ کے قدموں کی خاک آپ کے سامنے ہے، بڑے مان سے مانگ رہا ہوں، انکار نہ کیجئے گا۔''

''ارے بابا مانگ لو جلدی سے، یہاں دل کی دھڑکنیں سست پڑنے لگی ہیں۔''

''دادا ابو آپ کو لاہور آنا ہے۔''

''لو کمال کر رہے ہو، یہ تو ہماری اپنی خواہش ہے تم یہ بتاؤ مانگ کیا رہے ہو؟''

''دادا ابو اصل میں تائی یعنی طاہرہ خانم ہمارے اعزاز میں ایک تقریب کر رہی ہیں، یہ تقریب ایک ہوٹل میں ہو گی اور میں آپ کی شرکت چاہتا ہوں۔''

''جی دادا ابو تھوڑی تفصیل بتانا چاہتا ہوں۔'' میں نے کہا اور پھر وہ ساری باتیں دادا ابو کو بتا دیں، جو میرے ذہن میں تھیں۔

دادا ابو سوچ میں ڈوب گئے پھر بولے۔ ''دیکھو بات بڑی عجیب سی ہے لیکن تم نے کہا ہے اس لئے میں ٹال نہیں سکتا۔ تقریب کے دن سے مجھے آگاہ کر دینا، گاڑی بھیجنی پڑے گی نہیں، ہمارے پاس اتنے وسائل نہیں ہیں۔''

''دادا ابو میری آرزو ہے کہ آپ میرے سر پر ہاتھ رکھیں، مجھے آپ کے تجربے کی ضرورت ہے اور اب جیسا کہ میں نے آپ سے عرض کیا کہ سرفراز بھائی تائی کے ہاتھوں ٹریپ ہو چکے ہیں، مجھے آپ جیسے تجربے کار انسان کی ضرورت ہے جو میری مدد کر سکے، ورنہ ہم ڈوب جائیں گے۔''

''اللہ نہ کرے بیٹے، میرے لائق جو بھی خدمت ہو گی میں ضرور سر انجام دوں گا۔ معاف کرنا بار بار یہ بات کہنے پر مجبور ہوں کہ میرے دل میں امتیاز احمد کا احسان اتارنے کا جذبہ نجانے کب سے پروان چڑھ رہا ہے، خدارا مجھے لالچی مت سمجھنا۔ یہ مت سوچنا کہ تمہیں صاحبِ حیثیت پایا تو اپنی غربت مٹانے کے لئے تمہاری طرف بڑھنا شروع کر دیا۔ تمہارے ہاتھ جوڑتا ہوں ایسا کبھی مت سوچنا۔''

میں نے دادا ابو کا اکلوتا پاؤں پکڑ لیا تھا، پاؤں پکڑ کر میں نے عاجزی سے کہا۔ ''دادا ابو! بابا کی قسم میں ایسا کبھی نہیں سوچوں گا۔''

''بس مجھے یقین ہے، اس کے بعد میں اور کوئی یقین دہانی نہیں چاہتا۔''

ان لوگوں کو تیار کرنے کے بعد چائے وغیرہ پی اور واپسی کی اجازت مانگی تو دادا ابو نے کہا۔ ''اگر تمہارا فوری جانا ضروری ہے تو ٹھیک ہے ہم تمہیں تیار ملیں گے۔''

دل تو پھڑ پھڑا رہا تھا کہ ان سے ان کی مالی ضرورت پوچھوں، لیکن میں ایسا نہیں کر سکتا

تھا، سب کو خدا حافظ کہا، ارجمند کو پیار بھری نگاہوں سے دیکھا اور ان کے گھر سے نکل آیا۔

آخر کار دعوت نامے چھپ گئے، دن کا تعین ہو گیا، اس دوران ظاہر حسین نے میرے لئے گاڑی کا بندوبست کر دیا۔ بہت ہی اعلیٰ درجے کی لینڈ کروزر جو انتہائی قیمتی تھی، جب میں لینڈ کروزر لے کر گھر میں داخل ہوا تو حرا، سلطانہ اور دانیہ خوشی سے چیخ پڑیں۔

لینڈ کروزر دیکھنے سے تعلق رکھتی تھی، میرے لئے ان لوگوں سے بڑھ کر اور کون ہو سکتا تھا، سرفراز بھائی معمول کے مطابق تائی کے گھر تھے، بس تھوڑی بہت دیر کے لئے آ جاتے تھے۔ انہوں نے کسی قسم کی پردہ پوشی نہیں کی تھی بلکہ علی الاعلان تائی کی آغوش میں جا بیٹھے تھے۔ تایا ابو بھی صورتحال کا جائزہ لے رہے تھے لیکن انہوں نے اپنی زبان سے ابھی تک کچھ نہیں کہا تھا۔ بہر حال لینڈ کروزر میں سب سے پہلے میں، تایا ابو، ماما، سلطانہ، حرا اور دانیہ کو لے کر قیصر خان کے ساتھ باہر نکلا اور آدھے سے زیادہ لاہور کی سیر کر ڈالی۔

باہر ہی کھانا وغیرہ کھایا، لڑکیاں بہت خوش تھیں، پہلے بھی میں انہیں پیشکش کر چکا تھا کہ جب دل چاہے پروگرام بنا لیا کریں لیکن ابھی تک کوئی ایسا پروگرام نہیں بن سکا تھا، ہماری مصروفیات ہی بہت زیادہ ہو گئی تھیں۔ خاصی رات گئے ہم لوگ واپس آئے اور اس رات میں اپنے آگے کے منصوبے کے بارے میں سوچتا رہا۔

دوسرے دن میں نے اپنے کام کا آغاز کر دیا، صبح ہی صبح قیصر خان کو لے کر نکلا، پہلے شیخوپورہ پہنچا، پھوپھا جان اور پھوپھی جان کو کارڈ دیا، ان سے تھوڑی دیر باتیں کرنے کے بعد ساہیوال جا پہنچا، وہاں بڑے احترام کے ساتھ میں نے کارڈ پیش کیا اور طے کر لیا کہ کس وقت لینڈ کروزر ان لوگوں کو لینے کیلئے آئے گی اور یہ لوگ تیار ہو کر براہِ راست ہوٹل میں پہنچیں گے۔ پسماندہ ذہنیت کا حامل کوئی بھی نہیں تھا۔ اچھے خاندان سے تعلق تھا، وقت بے شک کچھ تبدیلیاں پیدا کر دیتا ہے، لیکن انسان کی فطرت سے اس کی تمکنت نہیں جاتی، دادا ابو بھی اپنی جگہ بڑے مستحکم تھے اور پھوپھا جان جمال الدین بھی، بہر حال میں نے کسی کو بھی یہ بات نہیں بتائی تھی کہ تقریب میں کون کون شریک ہو رہا ہے، نہ ہی مجھ سے پوچھا گیا تھا۔

سائرہ خانم تو جیسے پچھلے معاملات بھول ہی گئی تھیں، انہیں شاید اندازہ ہو گیا تھا کہ شہاب ان کے مطلب کی چیز نہیں ہے جبکہ انہوں نے بآسانی سرفراز بھائی کو ٹریپ کر لیا تھا اور سرفراز بھائی پوری طرح ان کے چنگل میں پھنس گئے تھے، ابھی تک اس کوٹھی کے بارے میں پتہ نہیں چلا تھا، جس میں سرفراز بھائی منتقل ہونے کا فیصلہ کر چکے تھے۔ تاہم ہم لوگوں نے طے کر لیا تھا کہ ہم کسی بھی قیمت پر تایا ابو کا گھر نہیں چھوڑیں گے۔

دادی اماں کی بھی یہی ہدایت تھی، میں نے تمام تیاریاں مکمل کر ڈالی تھیں، چنانچہ

پروگرام کے مطابق میں نے تایا ابو، ماما، حرا، سلطانہ اور دانیہ کو ہوٹل پہنچایا، اس کے لئے میں نے تایا ابو کی کار استعمال کی تھی، کسی کو اس پر اعتراض نہیں ہوا تھا چونکہ میں نے بتا دیا تھا کہ لینڈ کروزر کچھ اور مہمانوں کو لینے کے لئے گئی ہے۔

ان سب لوگوں کے ساتھ میں لاہور کے ایک شاندار ہوٹل میں پہنچ گیا، جہاں ایک انتہائی خوبصورت ہال میں اس تقریب کا اہتمام کیا گیا تھا۔ بھائی جان ان انتظامات میں پیش پیش تھے۔ سائرہ خانم تو اب جیسے بھائی جان کا سایہ بن چکی تھیں، وہ بھی ان کے ساتھ ہی موجود تھیں، وقت آہستہ آہستہ آگے بڑھتا رہا، بھائی جان تایا ابو سے بھی بہت اچھی طرح ملے اور انہیں خوش آمدید کہا، ادھر سائرہ خانم نے بھی نجانے کس دل سے باقی لوگوں کا استقبال کیا۔

مہمان آنے لگے، لیکن سب سے زیادہ دلچسپ اور دلکش منظر وہ تھا جب ساہیوال سے دادا ابو اور شیخوپورہ سے پھوپھا جمال الدین بڑے کروفر کے ساتھ ہوٹل پہنچے، بھائی جان بھی استقبال کرنے والوں کے ساتھ موجود تھے، ان لوگوں کو دیکھ کر دنگ رہ گئے۔

سب سے بری حالت سائرہ خانم کی ہوئی، جو اس قدر بوکھلائیں کہ استقبال کے لئے آگے بھی نہ بڑھ سکیں، لیکن بھائی جان نے اپنے آپ کو سنبھالا دیا، بڑے پُرخلوص طریقے سے وہ پھوپھا جمال الدین اور دادا ابو ریاض حسین سے ملے اور انہیں بڑے احترام سے ان کی سیٹوں تک لے جایا گیا، جنہیں خاص طور سے میں نے اپنے مہمانوں کے لئے مخصوص کر دیا تھا۔

ہوٹل کے پارکنگ لاٹ پر زبردست سکیورٹی کا انتظام کیا گیا تھا کیونکہ تقریب میں شامل ہونے والے اتنے بڑے بڑے لوگ تھے کہ ان کے لئے ہر طرح کی سکیورٹی فراہم کی گئی تھی۔ دیکھنے کے قابل تقریب تھی۔

تائی ابھی تک نہیں آئی تھیں۔ میں دانیہ اور ارجمند کے ساتھ استقبال کرنے والوں کے درمیان کھڑا ہوا تھا، ارجمند اس وقت جو کچھ نظر آ رہی تھی اسے الفاظ میں بیان کرنا ممکن نہیں ہے، انتہائی خوبصورت شکل و صورت کی مالک تھی وہ اور اس وقت اس نے انتہائی سلیقے کا اور بیش قیمتی لباس استعمال کیا تھا۔

میں بار بار دزدیدہ نگاہوں سے اسے دیکھنے لگتا تھا اور میرے ذہن میں نجانے کیا کیا تصورات اُمڈنے لگے تھے، لیکن پھر میرے ذہن کو ایک شدید جھٹکا لگا، ایک بہت ہی اعلیٰ درجے کی بی ایم ڈبلیو سے ایک ایسی شخصیت نیچے اتری تھی، جس کا خواب میں بھی تصور نہیں کیا جا سکتا تھا۔

ایک لمحے کے لئے میرا دماغ ماؤف ہو گیا۔ شکر تھا کہ دانیہ اور ارجمند نے میری کیفیت کو محسوس نہیں کیا تھا جبکہ میں کچھ لمحوں کے لئے دنیا و مافیہا کو بھول کر بی ایم ڈبلیو سے اترنے والی شخصیت کو دیکھ رہا تھا۔

❁

میری نگاہوں کو کوئی دھوکا نہیں ہوا تھا، وہ سیفونہ ہی تھی، لیکن اس وقت وہ انتہائی جدید لباس، ماڈرن اسٹائل میں بنے بال اور انتہائی خوبصورت میک اپ میں تھی۔ قیمتی بی ایم ڈبلیو سے اس کے ساتھ ہی دو افراد اور اترے، ان میں ایک دراز قامت اور بھاری بدن والا شخص تھا، جس کی عمر پچاس پچپن سے کم نہیں ہو گی۔ دوسری ایک پُر وقار عورت تھی۔ یہ تینوں افراد کسی پُر وقار خاندان کے فرد معلوم ہوتے تھے، میری نگاہیں ان کا تعاقب کرتی رہیں۔ وہ آگے بڑھے اور ایک ساتھ مہمانوں کی نشستوں پر بیٹھ گئے۔

میں مسلسل سیفونہ کا جائزہ لے رہا تھا، میں نے اسے بہت اچھی طرح دیکھا تھا اور وہ میرے ذہن پر نقش تھی، چہروں میں مماثلت ہو جاتی ہے لیکن اتنی مماثلت، یقین نہیں آتا تھا کہ وہ سیفونہ کے علاوہ کوئی اور ہے۔ پھر نکہت آنٹی نے مجھے کسی بات پر مخاطب کیا اور میں ان کی جانب متوجہ ہو گیا۔ میں ان سے باتیں کر رہا تھا، لیکن انتہائی محتاط انداز میں سیفونہ اور اس کے ساتھ موجود افراد کو بھی دیکھتا جا رہا تھا۔ مہمان کافی تعداد میں جمع ہو گئے تھے اور پھر اچانک ہی کچھ ہنگامہ سا ہوا۔ لوگ اٹھ اٹھ کر پارکنگ لاٹ کی طرف جانے لگے۔

میں نے نگاہیں اٹھا کر دیکھا تو طاہرہ خانم کی بلیک لینڈ کروزر نظر آئی۔ کئی بڑی حیثیت کے لوگ آگے بڑھ کر لینڈ کروزر کا دروازہ کھول رہے تھے۔ لینڈ کروزر کے ڈرائیور کو ایک طرف ہٹا دیا گیا تھا۔ پھر طاہرہ خانم لینڈ کروزر سے برآمد ہوئیں۔ انہوں نے بہت ہی قیمتی سفید سلک کا چغہ نما لباس پہنا ہوا تھا اور اس میں کوئی شک نہیں تھا کہ اس وقت وہ بہت ہی پُر وقار نظر آ رہی تھیں۔ ان کی چال میں ایک خاص تمکنت تھی۔

بے شمار لوگ ان کے آگے پیچھے چل رہے تھے اور وہ مہمانوں کے درمیان تھیں۔ ہر شخص اپنی جگہ سے کھڑا ہو گیا تھا۔ تایا ابو اور ان کی فیملی اسی طرح بیٹھی رہی۔ ارجمند کھڑی ہوئی تو میں نے اسے بھی بیٹھنے کے لئے کہا اور اس نے اس طرح میرے حکم کی تعمیل کی، جیسے میری آواز اس کے لئے سب سے بڑی حیثیت رکھتی ہو۔ دادا ابو وغیرہ بھی بیٹھے رہے تھے، بہت سے لوگوں نے ان لوگوں کو عجیب سی نگاہوں سے دیکھا اور ان کے بارے میں چہ مگوئیاں

کرنے لگے۔

میں نے اچھی طرح محسوس کرلیا تھا کہ یہاں موجود لوگ گو بڑی حیثیت کے حامل ہیں لیکن وہ طاہرہ خانم کی پوجا کرتے ہیں۔ طاہرہ خانم ایک عظیم ملکہ کی طرح آگے بڑھیں اور انہیں سہارا دے کر اسٹیج پر چڑھایا گیا۔ وہ اسٹیج پر جا بیٹھیں ان کے آس پاس کسی نے بیٹھنے کی کوشش نہیں کی تھی۔

جب تمام مہمان آ گئے۔ ایک شخص نے ڈائس پر آ کر کہا۔ ''معزز خواتین و حضرات! یہ تقریب ہمارے ملک کی ایک عظیم شخصیت طاہرہ خانم نے اپنے بھتیجوں کی پاکستان آمد کے سلسلے میں منعقد کی ہے، سرفراز احمد اور شہاب احمد، جنہوں نے بحرین میں زندگی گزاری اور وہاں سے پاکستان منتقل ہوئے، ان کے والد امتیاز احمد خاں صاحب وفات پا چکے ہیں۔ میں طاہرہ خانم کے حکم پر سرفراز احمد اور شہاب احمد کو دعوت دینا چاہتا ہوں کہ وہ یہاں تشریف لائیں تاکہ طاہرہ خانم لوگوں سے اپنے بھتیجوں کا تعارف کرا سکیں۔''

میں اپنی جگہ سے اٹھ گیا۔ بھائی جان بھی ساتھ ہی چل پڑے۔ میں نے دیکھا کہ سائرہ بھی بھائی جان کے ساتھ ساتھ ہی اسٹیج پر پہنچی ہے۔ ہم لوگ طاہرہ خانم کے دائیں بائیں بیٹھ گئے۔ لوگوں نے تالیاں بجا کر ہمارا استقبال کیا تھا۔ سائرہ بھی سرفراز بھائی کے ساتھ ہی بیٹھ گئی۔ کچھ لمحوں کے بعد طاہرہ خانم اپنی جگہ سے اٹھ کھڑی ہوئیں اور انہوں نے ڈائس پر پہنچ کر کہا۔ ''اپنے معزز دوستوں اور کرم فرماؤں کا شکریہ ادا کرتی ہوں کہ میری دعوت پر اپنے قیمتی وقت میں سے تھوڑا سا وقت نکال کر تشریف لائے، جیسا کہ آپ کو بتایا گیا ہے کہ سرفراز اور شہاب میرے بھتیجے بلکہ میرے بچے ہیں، ان کے اثاثوں کی تھوڑی سی تفصیل ابھی میرا ایک آدمی آپ کو بتائے گا۔ یہ ابھی بچے ہیں انہیں تجربے کار حضرات کے تعاون کی ضرورت ہے اور میں پورے بھروسے اور امید کے ساتھ یہ بات کہہ سکتی ہوں کہ مجھ سے محبت کرنے والے ان سے بھرپور تعاون کریں گے، شکریہ۔'' یہ کہہ کر وہ واپس اپنی جگہ جا بیٹھیں اور پھر بڑی تفصیل سے ہمارے بارے میں بتایا جانے لگا۔

ہر چیز کا تذکرہ کیا گیا اور اس سے یہ اندازہ بھی ہوتا تھا کہ طاہرہ خانم کے علم میں ہمارے اثاثوں کی مکمل تفصیل آ چکی ہے۔ میں نے دل ہی دل میں سوچا کہ بھلا اس کے بعد طاہرہ خانم ہمارا ساتھ کیسے چھوڑ سکتی ہیں۔ سرفراز بھائی کی حرکتوں سے اندازہ ہو رہا تھا کہ وہ بھی اب طاہرہ خانم کے پجاریوں میں شامل ہو چکے ہیں، یہ ساری باتیں اپنی جگہ تھیں، مگر تجسس برقرار تھا۔

اس دوران میں نے بار بار سیفونہ کی طرف دیکھا تھا، لیکن ایک بار بھی اسے خاص طور

سے اپنی طرف متوجہ نہیں پایا تھا۔ میرے دل و دماغ میں شدید ہلچل مچی تھی۔ یہ سیفونہ ہی ہے یا اس کی کوئی ہمشکل...... لیکن دل اندر سے کہہ رہا تھا کہ کوئی نہ کوئی گڑبڑ ضرور ہے، تائی جیسی خوفناک شخصیت جو کچھ نہ کر ڈالے کم ہے، سیفونہ کو ممکن ہے اس شکل میں تائی نے ہی پالا ہو اور پھر سیفونہ کا تو نام لینا ہی بیکار تھا، اس کے روپ میں یہ گورنی ہی ہو سکتی تھی۔

تقریب جاری رہی، اس تفصیل کے بعد مہمان آپس میں گھل مل گئے، تقریباً چھ یا سات افراد سے طاہرہ خانم نے ہم لوگوں کا تعارف کرایا اور اس کے بعد اس پُراسرار خاندان کی باری بھی آ گئی۔ ادھیڑ عمر شخص، سیفونہ اور اپنی ساتھی عورت کے ساتھ طاہرہ خانم کے پاس پہنچا اور طاہرہ خانم نے اس سے ہاتھ ملایا اور پھر خاص طور سے میری طرف متوجہ ہو کر کہا۔

''ان سے ملو شہاب! یہ ارشام صاحب ہیں، باہر سے آئے ہیں، یہ ان کی صاحبزادی سنیرا اور یہ ان کی مسز ہیں، بڑا مختصر سا خاندان ہے لیکن یوں سمجھ لو کہ تمہارے ساتھ ہی یہ یہاں پاکستان میں اپنی کاروباری زندگی کا آغاز کرنا چاہتے ہیں۔ بزنس کا ہی خیال ہے ان کے دل میں بھی، اچھا ہے تمہارے ساتھ تعاون رہے گا۔''

ایک اور صاحب تائی کی جانب متوجہ ہوئے اور انہوں نے جھک کر ان کو تعظیم دی، تائی ان کی جانب متوجہ ہو گئیں۔

ادھر ارشام صاحب نے مجھ سے کہا۔ ''آپ بہت خوش نصیب ہیں، شہاب صاحب کہ ایک اتنی بڑی شخصیت کے عزیز ہیں، اگر کسی کو دانی سرکار کا قرب حاصل ہو جائے تو پھر اس کی خوش نصیبی کا ٹھکانہ ہی کیا۔''

''آپ کہاں سے تشریف لائے ہیں ارشام صاحب؟'' میں نے سوال کیا۔

''بس آپ یہ سمجھ لیجئے دنیا گرد ہوں، بہت سے ممالک گھومے ہیں، کوئی ایک ٹھکانہ نہیں ہے جس کے بارے میں آپ کو بتاؤں۔''

''اپنے پورے خاندان کے ساتھ آپ دنیا گردی کرتے ہیں؟'' میں نے چبھتا ہوا سوال کیا۔ میں نے محسوس کیا کہ ارشام صاحب کے چہرے پر ہلکی سی گھبراہٹ ہے۔ فوراً ہی ان کی بیٹی سنیرا یعنی گورنی یا اس کی بیٹی سیفونہ نے ارشام صاحب کو سنبھالا دیا۔

''ڈیڈی بہت مختلف مزاج کے انسان ہیں، بس یوں سمجھ لیجئے کہ ہمارے پاس بے پناہ دولت ہے اور ہم ملک ملک، نگر نگر گھومتے ہوئے زندگی گزارتے ہیں۔'' اس کی آواز بے حد دلکش تھی اور انداز میں بھی دلکشی تھی۔ میں ان سے باتیں کرتا رہا، ارشام صاحب نے کہا۔

''آپ اگر میرے گھر تشریف لائیں گے تو مجھے دلی خوشی ہوگی۔''

''آپ مجھے اپنے گھر کا پتہ دیجئے گا۔''

"ہاں ہاں کیوں نہیں، اصل میں ہم نے ایک انتہائی پرفضا مقام پر گھر بنایا ہے، آپ کو وہ علاقہ ذرا عجیب سا لگے گا لیکن ہے بہت ہی حسین۔ یہ میرا پتہ ہے۔" ارشام صاحب نے جیب سے اپنا کارڈ نکال کر مجھے دیا۔

میں اس کارڈ پر لکھی تحریر کو پڑھنے لگا۔ کوئی خاص بات نہیں تھی، بس ارشام لکھا ہوا تھا اور اس کے ساتھ ہی پتہ درج تھا۔

کافی دیر تک میں ان کے قریب رہا، میں نے سیفونہ کو غور سے دیکھا اس میں کوئی شک نہیں تھا کہ انتہائی پرکشش لگ رہی تھی۔ اس کی آنکھوں میں ایک خاص کشش تھی، لیکن چونکہ میرے علم میں یہ چہرہ دوسری حیثیت رکھتا تھا، اس لئے میرے ذہن پر اثر انداز نہیں ہو سکا تھا، ویسے بھی اب ارجمند کے سوا میرے ذہن میں کسی اور کی گنجائش نہیں تھی۔ میں نے زیادہ تر وقت انہی لوگوں کے ساتھ گزارا تھا جبکہ سارہ، سرفراز بھائی کے ساتھ بیٹھی تھی اور اس بات پر سلطانہ اور حرا نے کئی بار منہ بھی بنایا تھا۔

"ویسے تو سب ٹھیک ہے لیکن یہ سائرہ جس طرح چھچھورپن کا مظاہرہ کر رہی ہے، یہ اچھی بات نہیں ہے، البتہ ہمیں حیرت سرفراز بھائی پر ہے وہ اس کے چھچھورپن کو کس طرح برداشت کر رہے ہیں۔"

میں نے ان کی باتوں پر کوئی تبصرہ نہیں کیا۔ ماما بھی بیچاری بس خاموش بیٹھی ہوئی تھیں۔ ادھر تایا ابو بھی چپ بیٹھے تھے، البتہ جمال الدین صاحب خاصے اچھے انداز میں ان لوگوں سے بات کر رہے تھے۔

میں نے موقع ملتے ہی تایا ابو سے کہا۔ "تایا ابو آپ دیکھ رہے ہیں، تائی جان نے ابھی تک ان لوگوں کی جانب رخ بھی نہیں کیا، وہ اپنے غرور میں ڈوبی ہوئی ہیں اور یوں لگتا ہے جیسے انہیں یہ یاد بھی نہ رہا ہو کہ ہم لوگوں سے بھی ان کا کوئی رشتہ ہے۔"

"اس بات کو سبھی محسوس کر رہے ہیں۔"

"تایا ابو آپ سے ایک اجازت لینا چاہتا ہوں؟"

"ہاں بولو کیا بات ہے؟"

"تایا ابو کیا آپ ان لوگوں کو میرے کہنے پر اپنے گھر آنے کی دعوت نہیں دیں گے؟"

میں نے سوال کیا اور تایا ابو ایک لمحے کے لئے سوچ میں ڈوب گئے۔ پھر بولے۔

"ٹھیک ہے، کس کس کی بات کر رہے ہو؟"

"جہاں آراء بیگم، پھوپھا جمال الدین، دادا ابو اور ان کے ساتھ تینوں خواتین۔"

"میں ان سے بات کرتا ہوں۔" تایا ابو نے کہا پھر میرے سامنے ہی سب سے پہلے دادا

ابو کے پاس جا کر بولے۔ "ریاض حسین صاحب کیا آپ کچھ دن کے لئے غریب خانے کو رونق بخشیں گے۔"

دادا ابو نے چونک کر ممتاز احمد خاں صاحب کو دیکھا اور بولے۔ "حرج تو کوئی نہیں ہے، لیکن بس یہ دونوں بچیاں نوکری کرتی ہیں۔"

"نہیں دادا ابو! انہیں چھٹی دلوا لی جائے گی، کوئی بہت بڑے نقصان کی بات نہیں ہے، میری آرزو ہے کہ آپ تایا ابو کی یہ دعوت قبول کریں۔"

دادا ابو نے ایک ٹھنڈی سانس لی اور بولے۔ "ٹھیک ہے، اگر ممتاز احمد خاں صاحب ہمیں اپنے گھر میں کچھ وقت کے لئے پسند کریں تو ہمیں کوئی اعتراض نہیں ہے۔"

"بے حد شکریہ دادا ابو۔"

یہی الفاظ تایا ابو نے جمال الدین صاحب سے کہے، جمال الدین ذرا تیکھے آدمی تھے، کہنے لگے۔ "سوچ لیجئے ممتاز احمد، کہیں کچھ لوگوں سے آپ کے تعلقات کشیدہ نہ ہو جائیں، ہم تو راندۂ درگاہ ہیں، جہاں جاتے ہیں لوگوں کو نقصان ہی پہنچاتے ہیں۔"

"آپ میری دعوت قبول کیجئے مجھے خوشی ہوگی۔"

"ہم تو آپ کی خوشی میں خوش ہیں، کیوں جہاں آراء بیگم؟"۔

پھوپھی جان نے گردن جھکا دی تھی، ان کی آنکھوں میں آنسو ڈبڈبا آئے تھے، بہر حال یہ اجازت میرے لئے انتہائی خوشگوار حیثیت رکھتی تھی، میں نے ماما اور دانیہ کو بتایا تو وہ دونوں بھی خوش ہو گئیں۔ حرا اور سلطانہ تو پہلے ہی خوشی سے اچھل رہی تھیں اور وہ ارجمند اور نکہت آراء بیگم کے ارد گرد منڈلانے لگی تھیں۔

بہر حال اس کے بعد ڈنر شروع ہوا۔ تائی نے جو کچھ بھی کیا تھا وہ اپنے شایان شان کیا تھا۔ اخراجات کے بارے میں مجھے علم نہیں تھا کہ انہوں نے خود اٹھائے تھے یا بھائی جان ہی خرچ کر رہے تھے، لیکن کسی غرور کی بات نہیں کر رہا، ہمارے لئے یہ اخراجات کوئی حیثیت نہیں رکھتے تھے۔

بھائی جان ہمارے ساتھ نہیں آئے تھے، وہ اس تقریب کے اختتامی امور میں مصروف تھے۔ حرا اور سلطانہ تو خوشی سے دیوانی ہوئی جا رہی تھیں، معصوم سی لڑکیاں تھیں۔ اپنے گھر آ جانے والے اتنے سارے مہمانوں کی خوشی ان سے برداشت نہیں ہو پا رہی تھی۔ کھانا وغیرہ تو کھا کر آئے تھے۔ چائے کی فرمائش ہوئی اور ساری کی ساری لڑکیاں کچن کی جانب دوڑ گئیں۔ ان کا اپنا گروپ بن گیا تھا۔ حرا، سلطانہ، دانیہ، ارجمند سب کی سب ایک دوسرے کے گلوں میں گھل مل گئی تھیں۔ ارجمند کا چہرہ بھی خوشی سے گلنار ہو رہا تھا۔

پھر تھوڑی دیر کے بعد چائے آ گئی، چائے ختم کر کے سمن آراء بیگم نے کہا۔

"بھائی صاحب آپ اجازت دیں تو میں باجی کی صورت دیکھ لوں، میرا دل تڑپ رہا ہے، آپ کی اجازت کا انتظار کر رہی تھی۔"

تایا ابو بھی خوش نظر آ رہے تھے، وہ سنجیدہ طبیعت کے مالک تھے اور اپنی کسی کیفیت کا بہت کم ہی اظہار کیا کرتے تھے۔ انہوں نے خوش دلی سے کہا۔ "کیوں نہیں، آپ اماں جی سے ضرور مل لیجئے، آیئے۔"

سب کے سب گیتی آراء بیگم کے کمرے کی جانب چلنے کے لئے تیار ہو گئے۔ سمن آراء بیگم کسی قدر لڑکھڑا رہی تھیں۔ دادا ابو نے مجھے اشارہ کر کے کہا۔ "شہاب! ذرا انہیں سنبھال لو۔"

میں نے جلدی سے آگے بڑھ کر سمن آراء بیگم کو سہارا دیا۔ ان کے وجود میں لرزش تھی اور بدن پسینے میں ڈوبا ہوا تھا، مجھے ان کی جذباتی کیفیت کا اندازہ تھا۔ پتہ نہیں کتنے عرصے کے بعد بہن سے مل رہی تھیں۔

دادی اماں کی کیفیت میں کوئی تبدیلی نہیں تھی۔ وہ اسی طرح مرجھائے ہوئے پھول کی مانند اپنے بستر پر پڑی ہوئی تھیں، سمن آراء بیگم نے رک کر انہیں دیکھا۔ پھر آہستہ آہستہ آگے بڑھ کر ان کے پاس پڑی ہوئی کرسی پر جا بیٹھیں اور انہیں دیکھتی رہیں۔ ان کا چہرہ سرخ ہونے لگا تھا۔ بدن میں لرزش بدستور تھی۔ پھر ان کے منہ سے رندھی ہوئی آواز نکلی۔

"باجی...... باجی...... باجی......" یہ کہہ کر انہوں نے گیتی آراء بیگم کا ہاتھ پکڑ لیا۔

تمام لوگ آبدیدہ ہو گئے تھے۔ ارجمند اور نکہت آراء ہولے ہولے رو رہی تھیں۔ دانیہ، حرا اور سلطانہ پر بھی رقت طاری تھی۔ میں بھی خاموشی سے دادی اماں کا چہرہ دیکھ رہا تھا۔ میں ان لوگوں کو کیا بتاتا کہ دادی اماں کس عالم میں ہیں۔ ان میں سے کوئی ان کی اس کیفیت کے بارے میں نہیں جانتا تھا لیکن میں نے دیکھا کہ دادی اماں کی آنکھوں سے آنسوؤں کے قطرے بہنے لگے ہیں۔

سمن آراء بیگم نے بھی ان آنسوؤں کو دیکھ لیا۔ وہ شدید جذباتی انداز میں بولیں۔ "باجی...... باجی، میں سمن ہوں آپ کی سمن...... باجی، میں آپ کی سمن آراء ہوں باجی، باجی آنکھیں کھولئے۔"

کوئی کچھ نہیں بولا۔ سمن آرا بیگم آوازیں دیتی رہیں۔ "باجی باجی" کہتی رہیں، لیکن بس آنسوؤں کے سوا اور کوئی چیز سامنے نہیں آئی تھی۔

تایا ابو ہی نے سمن آراء بیگم کے پاس پہنچ کر کہا۔ "اگر آپ یہ سمجھ رہی ہیں کہ وہ بولیں

گی، بات کریں گی تو اس کی توقع نہ رکھئے، وہ بے شک کوما میں ہیں، لیکن مکمل طور پر ہوش و حواس سے عاری نہیں ہیں، ان کے کانوں میں آوازیں بھی جاتی ہیں، وہ سنتی اور سمجھتی بھی ہیں، لیکن ان کے انداز میں کوئی تبدیلی نہیں ہوتی، آپ کی یہ کوشش بے مقصد ہے۔"

ریاض صاحب نے تایا ابو کو دیکھا اور بولے۔ "علاج ہو رہا ہے؟"

"بھرپور طریقے سے، جو کچھ ہم کر رہے ہیں، وہ اپنی ماں کے لئے کر رہے ہیں، اس کا کسی پر احسان نہیں ہے۔"

نجانے تایا ابو نے یہ لہجہ کیوں اختیار کیا تھا، بہرحال کافی دیر تک یہ غمناک منظر جاری رہا۔ اس کے بعد سمن آراء بیگم اپنی جگہ سے اٹھ گئیں اور ایک ایک کر کے سب باہر نکل آئے۔

تایا ابو، ریاض صاحب سے دادی اماں کے علاج معالجے کے بارے میں باتیں کرتے رہے، کوشش کی جا رہی تھی کہ ماحول میں خوشگواری واپس آ جائے، سبھی اس سلسلے میں کوشش کر رہے تھے اور میں خاص طور سے یہ بات محسوس کر رہا تھا کہ ہم سے ایک بہت بڑی غلطی ہو گئی ہے، وہ یہ کہ ہم نے سرفراز بھائی کو تائی کے چنگل میں پھنسا دیا ہے۔

سرفراز کو یہ جاننے کے بعد کہ سب لوگ یہاں آئے ہوئے ہیں، گھر آنا چاہئے تھا، ان کی مرسڈیز واپس جا چکی تھی لیکن وہ نہیں آئے تھے۔ یہاں تک کہ سونے کا وقت ہو گیا۔

تایا ابو کا رویہ کسی کے ساتھ برا نہیں تھا، لیکن کچھ باتیں اس بارے میں ضرور ہوئی تھیں، خاص طور سے تائی اماں کو موضوع بنایا گیا تھا۔

"یہ خاتون میرے خیال میں قطعی غیر انسانی حیثیت اختیار کر چکی ہیں، انہوں نے کچھ لمحے بھی ہمیں نہ دیئے، حالانکہ ہمارے بھائی کی بیوی ہیں۔"

"ہیں نہیں، تھیں...... اب ان سے ہمارا کیا تعلق رہ گیا۔" پھوپھی جہاں آراء بیگم نے فوراً ہی لقمہ دیا۔

"ایک بات تو ہم کہیں گے بھائی، طاہرہ خانم نے امتیاز احمد کے بڑے بیٹے پر قبضہ جما لیا ہے۔" پھوپھا کے اس تبصرے پر کسی کے منہ سے ایک لفظ بھی نہیں نکل سکا، البتہ سب نے ایک دوسرے کی صورت ضرور دیکھی تھی۔

میں ان لوگوں کے آرام کا جائزہ لینے کے بعد ماما کے کمرے میں پہنچ گیا، ماما کے چہرے پر غم کا تاثر تھا، دانیہ بھی خاموش بیٹھی تھی۔

"ارے...... کوئی میٹنگ ہو رہی ہے کیا؟"

میں نے صورتحال کا جائزہ لینے کے باوجود لہجے کو خوشگوار بنانے کی کوشش کی۔ دونوں

میں سے کوئی کچھ نہیں بولا تو میں ان کے پاس جا کر بیٹھ گیا۔ ”کیا بات ہے، اتنے خاموش کیوں ہیں آپ لوگ؟“

”نہیں شہاب بھائی، سرفراز بھائی کے بارے میں بات کر رہے تھے، وہ تو اس طرح ہم سے دور ہو گئے کہ یقین نہیں آتا۔ ایک بات بتایئے شہاب بھائی! جیسا کہ سرفراز بھائی نے کہا تھا کہ وہ اپنے طور پر تائی کے قریب ہو کر صورت حال معلوم کرنے کی کوشش کریں گے۔ یہ بات تو سمجھ میں آتی ہے کہ انہوں نے سائرہ کو بہت قریب کر لیا ہے اور یہ سوچا جا سکتا ہے کہ وہ اس طرح سائرہ کو قبضے میں کر کے تائی کو اپنی مٹھی میں لینا چاہتے ہوں۔“

”سوال ہی نہیں پیدا ہوتا، اس موقع پر اگر میں وہی پرانے گھسے پٹے جملے ادا کروں تو غلط نہیں ہوں گے کہ میں ماں ہوں اور ماں سے زیادہ اولاد کی نگاہ کوئی اور نہیں پہچان سکتا۔ ایسی کوئی بات نہیں ہے، تم نے دیکھا کہ کس طرح بڑے بڑے طبقے کے ایسے سنجیدہ شکل و صورت کے مالک لوگ اور بڑی بڑی حیثیتوں والے طاہرہ خانم کو اس طرح سر آنکھوں پر بٹھائے ہوئے تھے کہ دیکھ کر حیرت ہو رہی تھی۔ ظاہر ہے یہ سب کچھ طاہرہ خانم کا فن ہی ہو گا جس کی وجہ سے ایسے ایسے سمجھدار لوگ ان کے جال میں پھنسے ہوئے ہیں تو پھر سرفراز بیچارے نے اور کچھ دیکھا ہی کیا ہے۔“ ماما کی آواز بھرائی ہوئی تھی۔

انہیں بیٹے کے اس طرح طاہرہ خانم کے قبضے میں چلے جانے کا سخت رنج تھا، میں بھی پوری سختی سے ان کی بات کی تردید نہیں کر سکتا تھا کیونکہ میں بھی بھائی جان کے رویئے کو دیکھ رہا تھا، بھائی جان صرف ایک بار پھوپھی جہاں آراء بیگم اور دادا ابو کے خاندان سے آ کر ملے تھے اور اس کے بعد اس طرح پیچھے ہٹ گئے تھے، جیسے انہیں اس سلسلے میں برا بھلا کہا گیا ہو کہ یہ لوگ اس تقریب میں کیوں آئے۔

بہر حال دوسرا دن گزر گیا، آج میں نے ان لوگوں کے اعزاز میں ایک چھوٹی سی آؤٹنگ کا پروگرام رکھا تھا، تایا ابو بیچارے کسی مسئلے میں مداخلت نہیں کر رہے تھے۔ جب ہم جانے لگے تو سمن آراء بیگم ہمارے ساتھ جانے پر آمادہ نہیں ہوئی تھیں۔

”نہیں بچوں تم گھومو، پتہ نہیں میں کب سے اپنی بہن سے جدا ہوں، مجھے ان کے پاس رہنے دو۔“

ان سے ضد نہیں کی گئی، ماما نے بھی معذرت کر لی تھی اور کہا تھا کہ وہ ساتھ نہیں جائیں گی، اسی طرح تایا ابو بھی نہیں گئے تھے۔

ہم لوگ باہر نکل گئے۔ میں خود ڈرائیونگ کر رہا تھا اور سلطانہ مجھے راستوں کے بارے میں گائیڈ کر رہی تھی۔ ہم لوگوں نے لاہور کی سیر کی۔ دوپہر کا کھانا باہر ہی کھایا۔ شام تک سیر

دتفریح کرتے رہے۔ آخر کار واپس گھر پہنچے۔

یہاں کے معمولات میں کوئی تبدیلی نہیں تھی، بس یہی اطلاع ملی کہ سرفراز بھائی نے کوئی رابطہ کیا نہ ہی یہاں آئے، تایا ابو نے بھی دبی زبان میں کہا۔

”سرفراز تو یوں لگتا ہے جیسے مستقل وہیں کے ہو گئے، ویسے میں زبان کھولے بغیر نہیں رہوں گا۔ طاہرہ خانم معمولی شخصیت نہیں ہیں، اوّل تو وہ ویسے ہی جوڑ توڑ کی مالک تھیں اور پھر اوپر سے انہوں نے کچھ پُراسرار علوم بھی حاصل کر لئے ہیں۔ اللہ تعالیٰ خیر ہی کرے۔“

تین دن تک یہ لوگ یہاں رہے، میں نے ان سب کے لئے بہت سے تحائف خریدے تھے۔ دادا ابو اور پھوپھی جہاں آراء بیگم کو جب یہ تحائف دیئے گئے تو پھوپھی یا جمال الدین نے تو کوئی خاص بات نہیں کہی۔ البتہ دادا ابو کہنے لگے۔

”بیٹے! تمہارے پاپا بہت عظیم انسان تھے، میں تم سے پہلے بھی کہہ چکا ہوں کہ ان کے احسان سے ہماری گردن کبھی نہیں اٹھ سکتی۔ ان تحائف کے انبار سے تم ہمارے شانوں کا بوجھ اور نہ بڑھاؤ۔“

”دادا ابو! میں آپ سے عرض کر دیتا ہوں کہ میں بھی ضدی آدمی ہوں، میں پھر کبھی آپ کے درِ دولت پر حاضری نہیں دے سکوں گا۔“

”اچھا بھائی، ٹھیک ہے جیسا کہو گے ویسا کریں گے، ہم تمہیں کھونا نہیں چاہتے۔“ دادا ابو نے بات کا رخ تبدیل کر دیا۔

ارجمند کو خاص طور سے میں نے ایک بہت ہی خوبصورت موبائل سیٹ دیا تھا۔ اس میں سم بھی ڈال دی تھی اور ارجمند سے کہا تھا۔ ”ارجمند بے شک میں حد سے زیادہ آگے بڑھ رہا ہوں، لیکن میں آپ سے کہہ چکا ہوں کہ میں آپ سے محبت کرنے لگا ہوں۔ اگر آپ چاہیں تو سب کو یہ بات بتا دیں کہ میں نے آپ کو موبائل سیٹ دیا ہے، اجازت لے لیں، ان لوگوں سے کہ کیا آپ اس موبائل سیٹ پر مجھ سے بات کر سکتی ہیں۔ اگر کوئی بڑا اعتراض نہ ہو تو آپ مجھے دن میں ایک بار فون ضرور کریں یا مجھے اجازت دیجئے کہ میں آپ کو فون کیا کروں اور اگر یہ لوگ اجازت نہیں دیتے آپ کو اس کی تو پھر آپ یہ سیٹ پھینک دیجئے گا، مگر ایک بار مجھے فون کر کے یہ کہہ دیجئے گا کہ آپ کو اجازت نہیں ملی، میں نے اپنا نمبر اس میں فیڈ کر دیا ہے۔“

ارجمند کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی تھی۔ اس نے منہ سے ایک لفظ بھی نہیں کہا تھا۔

پھر میں ان سب کو لے کر قیصر خان کے ساتھ چل پڑا۔ میری شاندار لینڈ کروزر میرے اس چھوٹے سے خاندان کو سمیٹ کر ہر جگہ سفر کرنے کے لئے تیار رہتی تھی۔ پہلے ہم لوگوں

نے شیخوپورہ کا رخ کیا اور پھوپھا جان اور پھوپھی جان کو ان کے گھر چھوڑا۔ پھوپھی جان نے پیشکش بھی کی تھی کہ دوپہر کا کھانا ان کے گھر پر کھایا جائے، لیکن دادا ابو نے معذرت کرتے ہوئے کہا تھا۔ "نہیں جہاں آراء بیگم! یہ ہمارا حق نہیں ہے، بلکہ اگر اتنے عرصے کے بعد کچھ بہتر ماحول پیدا کرنا چاہتے ہو تو تم دونوں ہمارے گھر آؤ اور ہمیں عزت دو، ہمیں بہت خوشی ہوگی۔"

"آئیں گے جناب، بالکل آئیں گے، ہم بھی اکیلے ہی زندگی گزار رہے ہیں، خدا ان لوگوں کو دنیا کی بری نگاہوں سے محفوظ رکھے، جنہوں نے ایک بار پھر مردہ جسموں میں زندگی دوڑا دی ہے۔"

دادا ابو کو لے کر ساہیوال پہنچے، یہاں چائے وغیرہ ان کے ساتھ ہی پینی پڑی تھی اور اس کے بعد میں نے اجازت مانگ لی۔

بھائی جان کا رویہ میری نگاہوں میں شدید طریقے سے کھٹک رہا تھا اور اب میں پوری سنجیدگی کے ساتھ ان کے بارے میں سوچ رہا تھا۔ پاپا کی موت کے بعد دل اندر سے بڑا کمزور سا ہو گیا تھا، ہمارے لئے تو بھائی جان پاپا ہی کی مانند تھے۔ اگر ان پر کوئی اس طرح قبضہ جما لے تو اس نقصان کو پورا کرنا آسان نہیں تھا۔ میں اپنے بھائی کو بہت زیادہ چاہتا تھا۔

راستے بھر میں سوچتا رہا تھا کہ اس سلسلے میں کیا کرنا چاہئے۔

بہر حال سفر طے ہوا، گھر پہنچ گیا، کوئی خاص بات نہیں تھی۔ اب تو بھائی جان کے بارے میں پوچھتے ہوئے بھی یہ احساس رہتا تھا کہ کہیں ماما اور دانیہ کی دل آزاری نہ ہو، گھر کے معمولات میں کوئی خاص بات نہیں تھی۔ دانیہ ایک راہداری میں نظر آئی تو میں نے بے اختیار اس سے سرفراز بھائی کے بارے میں پوچھا۔ دانیہ سے پتہ چلا کہ سرفراز بھائی گھر واپس نہیں آئے۔

"دانیہ! میں سرفراز بھائی کی طرف سے فکر مند ہوں، اگر تائی جان نے ان پر بھرپور طریقے سے قبضہ جما لیا ہے تو وہ انہیں ہم سے چھین لیں گی۔"

"آپ ایک بار بات تو کیجئے، بھائی ہیں آپ ان کے، بچے نہیں ہیں، پوچھیں تو سہی ان سے کہ کیا یہ پاپا کی موت کی تفتیش کا کھیل ہے یا پھر......"

"تھوڑی سی بات تو کی ہے میں نے ان سے، تائی جان کی بڑی طرفداری کر رہے تھے اور ایسے وقت کر رہے تھے، جب تائی جان وغیرہ کوئی بھی موجود نہیں تھا۔"

"جھانکے نہیں ہیں اس وقت سے اب تک۔ یہ بھی نہیں دیکھا کہ ساہیوال اور شیخوپورا سے آنے والے مہمان ہیں یا گئے، فون تک نہیں کیا۔"

"ذرا نمبر ملاؤ ان کا۔" میں نے اپنا موبائل دانیہ کو دیتے ہوئے کہا اور دانیہ بھائی جان کے نمبر ڈائل کرنے لگی۔ چند ہی لمحات کے بعد رابطہ قائم ہو گیا۔ اس نے فون میری جانب بڑھا دیا۔

"میں شہاب بول رہا ہوں بھائی جان۔"

"ہاں شہاب خیریت بتاؤ۔"

"ہم تو خیر، خیریت سے ہیں، آپ کو کیا ہو گیا؟"

"کیا بات ہے یار تم لوگ اس طرح کی طنزیہ باتیں کیوں کرتے ہو مجھ سے؟"

"تشریف لائیں گے آپ ذرا؟ میں نے لہجہ خشک کر کے کہا۔

چند لمحات کے لئے بھائی جان خاموش ہو گئے، پھر بولے۔ "تم آ سکتے ہو؟"

"نہیں۔"

دوسری بار بھی خاموشی طاری ہو گئی، شاید وہ میرے لہجے کی سنگینی کو محسوس کر رہے تھے، پھر انہوں نے کہا۔

"تقریباً ساڑھے آٹھ بجے آؤں گا۔"

"گڈ، ماما سے ملنے؟"

"یار میں ساڑھے آٹھ بجے آؤں گا، اسی وقت تم سے ذرا تفصیلی بات ہو گی۔" بھائی جان نے سپاٹ لہجے میں کہا اور فون بند کر دیا۔

میرے دماغ میں بھی غصے کی لہریں بیدار ہو گئی تھیں۔ بہر حال بھائی جان وقت کے پابند تھے۔ ساڑھے آٹھ بجے پہنچ گئے، اس وقت کھانا لگتا تھا اسی کی تیاریاں ہو رہی تھیں، جب ہم نے انہیں کھانے کے لئے مدعو کیا تو وہ بولے۔ "میں نے کھانا کھا لیا ہے۔"

"کوئی جلدی تو نہیں ہے آپ کو واپس جانے کی؟" میں نے سوال کیا۔

"نہیں، تم لوگ اطمینان سے کھانا کھاؤ، میں ذرا دادی اماں کے کمرے میں ہوں۔" انہوں نے کہا اور اٹھ کر باہر نکل گئے۔

تایا ابو نے خاموشی اختیار کر رکھی تھی۔ کم ہی بولتے تھے وہ ہمارے معاملات میں، کھانے سے فراغت ہو گئی۔ میں نے حمیدہ سے کہا کہ وہ سرفراز بھائی کو ماما کے کمرے میں بھیج دے، ہم تینوں ماما کے کمرے میں پہنچ گئے۔ کچھ ہی لمحوں کے بعد بھائی جان بھی آ گئے۔

ماما نے غصیلی نگاہوں سے انہیں دیکھا اور بولیں۔ "ایک سوال کر سکتی ہوں تم سے؟"

"جی ماما، کہئے کیا بات ہے؟"

"تمہیں پتہ تھا کہ ساہیوال سے ریاض حسین آئے ہیں اور شیخوپورہ سے جمال الدین اور

جہاں آراء بیگم۔ تمہیں یہ بھی معلوم تھا کہ وہ یہاں ہمارے ساتھ قیام کریں گے۔ تمہیں اتنی توفیق نہیں ہوئی کہ کچھ وقت انہیں دیتے؟“

”ماما مجھے اجازت دیجئے کہ جو کچھ میرے دل میں ہے، آپ سے صاف صاف کہہ دوں۔“

”اسی لئے تمہیں بلایا ہے، جو تمہارے دل میں ہے وہ تم صاف صاف کہہ دو اور جو ہمارے دل میں ہے وہ ہم بھی صاف صاف کہہ دینا چاہتے ہیں۔“

”جی آپ فرمائیے۔“

”نہیں پہلے تم بولو۔ تم نے کہا تھا نا کہ امتیاز احمد کے قتل کی تفتیش کے لئے میں تائی جان سے قریب ہونا چاہتا ہوں، تم نے یہ بھی کہا تھا کہ میں ایک ایسا کھیل کھیلوں گا کہ تائی جان کو چاروں شانے چت کر دوں گا، مجھے تو یوں لگ رہا ہے سرفراز کہ تم خود چاروں شانے چت ہو گئے ہو۔“

سرفراز بھائی کے ہونٹوں پر ایک طنزیہ مسکراہٹ پھیل گئی، انہوں نے کہا۔ ”ماما معافی چاہتا ہوں، ہم نے زندگی، دنیا سے کسی حد تک دور دور رہ کر گزاری ہے، آپ بتائیے بحرین میں ہمارا کون تھا، میں نے نوکری کی، بس ایک ایک سیٹ اپ تھا جو چل رہا تھا۔ پاپا کی موت کے بعد وہ سیٹ اپ خراب ہو گیا اور ہم یہاں آ گئے۔ خاندان کے لوگوں کے بارے میں معلومات حاصل ہوئیں۔ ہمارے پاپا نے اربوں روپے کی دولت چھوڑی ہے، ہم ارب پتی ہیں ماما، آپ یہ بتائیے کہ ہمارا طرز زندگی کیا ہونا چاہئے؟“

”طرز زندگی بیٹے صرف پیسے سے بنتا ہے، انسان کی اپنی شخصیت کچھ نہیں ہوتی؟“

”ہوتی ہے ماما میں مانتا ہوں لیکن دیکھئے نا دنیا کو فیس کرنے کے لئے انسان کو ٹیپ ٹاپ کرنا پڑتی ہے۔ آپ اس کھنڈر میں رہ رہی ہیں، یہاں کون ہم سے ملنے آتا ہے، ہماری جو حیثیت ہے اس کا آپ کو اندازہ ہے، اگر ہم کسی بڑے آدمی کو اپنے ہاں مدعو کرتے ہیں تو کیا یہ گھر کسی کو بلانے کے قابل ہے؟“

”میرا نظریہ مختلف ہے اور یہی نظریہ تمہارے پاپا کا بھی تھا، ہم یہ جانتے ہیں کہ گھر انسانوں سے بنتے ہیں، انسان گھروں سے نہیں بنتے۔“

”ماما یہ جملے خوبصورت ہیں، میں مانتا ہوں لیکن حقیقت ان سے بالکل مختلف ہے۔“

”کیوں آخر؟ تم مجھے بتاؤ ہم بحرین میں رہتے تھے، کیا ہمارے لوگوں سے تعلقات نہیں تھے، کیا وہ بہت معمولی لوگ تھے، جو ہم سے ملتے تھے کیا ہم ان کے درمیان غیر مطمئن تھے۔“

”اُفوہ آپ نہیں سمجھ رہیں ماما، ہر جگہ کا ایک الگ انداز ہوتا ہے وہ ملک ہمارے لئے اجنبی تھا، ہم غیر تھے وہاں، یہاں یہ سب کچھ نہیں ہے، ہمارے بہت سے اپنے ہیں، ہمارا اپنا ایک ماحول ہے، ہمارا ایک سیٹ اپ ہے لائف کا، آپ مجھے صرف ایک بات بتائیے کہ کیا ہمارے پاس بہت اچھے لوگ آ سکتے ہیں؟“

”کیوں نہیں آ سکتے اگر تمہارے اندر یہ صلاحیت ہے کہ تم لوگوں کو اپنی جانب متوجہ کر سکتے ہو تو اچھے لوگ ضرور آئیں گے ہمارے پاس، کیوں نہیں آئیں گے۔“

”آپ وہ بحث کر رہی ہیں ماما جس کا کوئی سر پاؤں نہیں ہے۔“

”سر پاؤں ہے سرفراز، تمہیں ہم سے صاف بات کرنا ہوگی۔“

”جی فرمائیے۔“

”یہ بتاؤ طاہرہ بیگم کا کردار تمہاری نگاہوں میں کیا ہے؟“

”ماما اتفاق کی بات ہے کہ آپ نے ہوٹل میں آنے والے کا اندازہ دیکھ لیا، یہ سب ملک کے بڑے بڑے صنعت کار تھے، بڑے بڑے دولت مند لوگ تھے، آپ نے دیکھا کہ وہ لوگ کسی پجاری کی طرح تائی جان کی پوجا کرتے ہیں۔“

”وہ ایک ڈرامہ باز خاتون ہے اور اس نے توہمات کا سہارا لے کر یا جیسا کہ لوگ کہتے ہیں کہ پُراسرار علوم کا سہارا لے کر ان سب کو اپنا مطیع کیا ہے۔“

”تو ماما ایک مقام تو ہوا نا ان کا۔“

”میں تم سے صرف ایک سوال کر رہی ہوں، تم گھر سے غائب کیوں رہتے ہو؟“

”اس لئے ماما کہ میں ان سے بہت کچھ سیکھ رہا ہوں، دنیا داری بھی سیکھ رہا ہوں اور دین داری بھی۔“

”ہونہہ...... دین داری اور وہ بھی اس جادوگر عورت سے۔“

”آپ چاہیں کسی کو کتنی ہی گالیاں دے لیں، اپنے گھر بیٹھ کر، میرا خیال ہے اچھی بات نہیں ہے یہ۔“

میں اس دوران خاموشی سے بھائی جان اور ماما کی گفتگو سن رہا تھا، میں نے پہلی بار اس گفتگو میں دخل دیا۔

”ایک بات بتائیے بھائی جان پاپا کو کس نے قتل کیا ہے؟“

”کیا مطلب؟“

”آپ یہی تفتیش کرنے گئے تھے نا، آپ مجھے بتائیے کہ پاپا کی موت کن حالات میں واقع ہوئی اور کیا انسپکٹر نادر خان کا شبہ پاپا کی موت کے سلسلے میں طاہرہ خانم پر نہیں تھا؟“

"شبہ تھا، ثبوت تو نہیں تھا، یقین تو نہیں تھا؟"

"کیا اس دوران آپ نے کوئی تفتیش کی؟ آپ کس نتیجے پر پہنچے؟"

"صرف اس پر کہ تائی جان اس طرح کی خاتون نہیں ہیں۔"

"چاند خاں کیوں مارا گیا؟"

"کیا تائی نے چاند خاں کو قتل کیا۔ چاند خاں نادر خاں کے ہاتھوں مارا گیا ہے۔ یہاں پولیس کے تفتیش کرنے کا انداز یہی ہے۔ شدید ترین تشدد کرتی ہے اور اس سے اموات بھی واقع ہو جاتی ہیں۔ ہو سکے تو اخبارات بھی پڑھ لیا کرو۔"

"اور چودھری عرفان کے بارے میں کیا خیال ہے؟"

"یار یہ پولیس والے جو ہوتے ہیں نا یہ بس کسے چھوڑتے ہیں جس کو چاہیں گھیر لیں، نادر خان کا بس نہیں چل رہا تھا کہ تائی جان پر ہاتھ ڈال دے کیونکہ انہوں نے اس کی توہین کی تھی۔"

"اس کا مطلب ہے کہ آپ پوری طرح ٹریپ ہو چکے ہیں۔"

"یہی تو بیوقوفی ہے شہاب تمہارے سوچنے کی۔"

"اور ماما کی بھی۔"

"نہیں ان کے بارے میں یہ الفاظ میں نہیں استعمال کرتا، تمہیں سوچنا چاہئے کہ تائی جان نے کس طرح اسٹیج پر بلا کر ہمارا تعارف یہاں کے لوگوں سے کرایا جو مستقبل میں ہمارے لئے نجانے کتنے سودمند ثابت ہو سکتے ہیں، وہ ہمیں ایک مقام دینا چاہتی ہیں، ہمیں کیا بنانا چاہتی ہیں وہ۔"

"اور سائرہ کو آپ کی تحویل میں دینا چاہتی ہیں۔"

"یہ تم نجی باتیں کر رہے ہو۔ میرا خیال ہے کسی کی بھی ذاتیات پر یہ حملہ مناسب نہیں ہے۔"

"بھائی جان مستقبل کا پروگرام بتا سکتے ہیں آپ؟"

"ہاں بتا سکتا ہوں، تم لوگ اگر یہاں رہنا چاہتے ہو تو شوق سے رہو، میں ڈیفنس والی کوٹھی سیٹ کر رہا ہوں، اس کھنڈر میں، میں نہیں رہ سکتا۔"

"گڈ...... ٹھیک ہے، ہم آپ سے ہاتھ دھو لیتے ہیں۔"

"اور میری بات سن لو تم سرفراز، میں جانتی ہوں کہ تم طاہرہ خانم کے جال میں پھنس چکے ہو۔ میں امتیاز احمد کی بیوہ ہوں، ان کی جائیداد میں سے جو حصے ہوں گے، ان میں سے ایک دانیہ کا، ایک شہاب کا اور ایک تمہارا، وکیل ظاہر حسین سے اس بارے میں بات چیت

کر چکی ہوں اور بہت جلد اس سلسلے میں کوئی فیصلہ کن بات ہو جائے گی۔"

"اگر آپ یہی بات مناسب سمجھتی ہیں ماما تو آپ کی مرضی ہے، کر لیجئے جو آپ کرنا چاہتی ہیں، اچھا مجھے اجازت، بہت سے کام مجھے دیکھنے ہیں۔"

سرفراز بھائی نے کرخت لہجے میں کہا اور اپنی جگہ سے اٹھ گئے۔ پھر انہوں نے ماما سے واپسی کی اجازت بھی نہیں لی اور باہر نکل گئے تھے۔

ہم تینوں پر سکتہ طاری تھا۔ پاپا دنیا سے چلے گئے تھے۔ بڑی مشکل سے ہم نے ان کی جدائی برداشت کی تھی اور اپنے آپ سے سمجھوتہ کیا تھا۔ لیکن اب یوں لگ رہا تھا، جیسے ہم میں سے ایک اور کم ہو گیا ہو کچھ دیر کے بعد ماما نے کہا۔ "ممتاز احمد بھائی نے ہمیں پہلے ہی ہوشیار کیا تھا، ہمیں غور کرنا چاہئے تھا۔"

"میں چاہتا ہوں ماما ہم ان سے اپنی مشکل کا تذکرہ نہ کریں، یہ خود اپنا مذاق اڑانے کے مترادف ہوگا۔"

"بھائی جان ایسے ہو جائیں گے۔" دانیہ نے حسرت بھرے لہجے میں کہا۔

"نہیں دانیہ۔ ایسی بات نہیں ہے، تائی جان واقعی ایک خطرناک جادوگرنی ہیں، بھائی جان ان کے جادو کا شکار ہو گئے ہیں، وہ پورے خلوص سے پاپا کے قتل کی تفتیش کرنا چاہتے تھے لیکن ان پر تائی جان کا جادو چل گیا۔" میں نے کہا۔

"اب کیا ہوگا؟" دانیہ بولی۔

کسی کے پاس اس سوال کا کوئی جواب نہیں تھا، بہت دیر تک خاموشی طاری رہی پھر ماما نے کہا۔ "ہم کسی سے نہیں لڑیں گے، ہم یہاں اجنبی ہیں اور اپنی آنکھوں سے طاہرہ خانم کے اختیارات کا جائزہ لے چکے ہیں۔ لوگ کس طرح اس کا احترام کرتے ہیں، ہم نے خود دیکھ لیا ہے، ہم کچھ نہیں کر سکتے اگر سرفراز، امتیاز کے اثاثوں کا بٹوارہ چاہتے ہیں تو ٹھیک ہے۔ ہمیں کون سا ان کے بارے میں معلوم تھا، اس وقت بھی اللہ پر بھروسہ کیا تھا اور اب بھی اللہ پر بھروسہ کرتے ہیں لیکن دکھ بس اس بات کا ہے کہ سرفراز اس طرح کھو جائیں گے۔" ماما کی دکھ بھری آواز نے مجھے بہت متاثر کیا تھا۔ دانیہ کی آنکھوں میں بھی آنسو آ گئے تھے۔ بہرطور کافی دیر تک یہ سب کچھ ہوتا رہا پھر اس کے بعد میں اپنے کمرے میں آ گیا۔

واقعی سرفراز بھائی نے بڑا عجیب و غریب انداز اختیار کیا تھا لیکن میں ڈبل مائنڈڈ تھا۔ انہوں نے مجھے گورنی سے شادی کا مشورہ دے کر اپنا تعلق گورنی سے بھی ظاہر کر دیا تھا، لالچ بھی دیا تھا کہ اگر میں ساری جائیداد چھوڑ دوں اور صرف گورنی سے شادی کر لوں تو مجھے وہ سب کچھ مل جائے گا جس کے بارے میں بقول ان کے میں سوچ بھی نہیں سکتا تھا۔ کیا ہے

یہ سب کچھ؟ میں انہی سوچوں میں گم تھا کہ دروازے پر آہٹ ہوئی، آنے والی دانیہ تھی
اسے دیکھ کر میں جلدی سے اٹھ بیٹھا۔ ''آؤ...... آؤ دانیہ! خیریت، کیا بات ہے، سب ٹھیک
ہے نا، ماما ٹھیک ہیں۔''

''ارے آپ تو گھبرا گئے سب ٹھیک ہے۔ میں نے سوچا، آپ سے تھوڑی سی گپیں لگا لی
جائیں، ماحول کیسا برا ہو گیا، بھائی جان کے طرزِ عمل سے مجھے بھی دکھ ہوا ہے۔ آپ کو بھی
اور ماما کو بھی، ماما تو خیر لیٹ گئیں۔ میں نے کہا تھا کہ آئیں ماما! ذرا شہاب بھائی کے کمرے
کا چکر لگاتے ہیں مگر ماما نے کہا کہ نہیں تم خود چلی جاؤ میں آرام کرنے کے موڈ میں ہوں۔''

''آؤ بیٹھو۔''

''چھوڑیئے شہاب بھائی جو کچھ ہوگا دیکھا جائے گا، ہم لوگ بحرین سے چل کر پاکستان
آ گئے ہیں، ظاہر ہے یہاں کے حالات مختلف ہیں، ہمیں الگ الگ واقعات سے واسطہ پڑا
ہے، اصل میں میرے ذہن میں بڑی کھچڑی پک رہی ہے۔''

''چلو ٹھیک ہے مجھے بھی چکھاؤ وہ کھچڑی کیسی پکی ہے۔''

شہاب! بھائی ایک لڑکی ہے، جو مجھے بہت پسند آئی ہے، اس کے بارے میں آپ سے
باتیں کرنا چاہتی ہوں۔''

''لڑکی؟ تم مجھ سے لڑکی کے بارے میں باتیں کرو گی، بھئی کسی لڑکے کے بارے میں
باتیں کرتیں تو شاید مجھے تمہاری پسند کا صحیح اندازہ ہو جاتا۔''

''جنابِ عالی باتوں میں نہ چلائیں وہ جو کہا جاتا ہے کوئی محاورہ، جس میں کچھ ایسا اظہار
کیا جاتا ہے کہ ہم نے بھی دنیا دیکھی ہے یا پھر شادی نہیں کی تو باراتیں تو دیکھی ہیں، ہاں
یہی محاورہ صحیح ہے تو جناب ہم نے لڑکی اور لڑکے کی آنکھوں میں جو کچھ دیکھا ہے، اس کے
بارے میں کچھ آپ سے گفتگو کرنی ہے۔''

''گڈ کیجئے۔'' میں نے مسکرا کر کہا۔

''ایک صاحبزادی جو ابھی تھوڑے وقت پہلے یہاں سے گئی ہیں، ارجمند ہے غالباً ان کا
نام، ان کی آنکھوں میں کچھ دیئے وغیرہ جل اٹھے ہیں، دیئے ہی جلتے ہیں نا ایسے موقع پر؟''

''اچھا پھر؟''

''اب فضول باتوں سے گریز فرمائیں کیا خیال ہے؟''

''بابا کس بارے میں۔''

''ارجمند آپ کو پسند ہے۔''

''ہاں بہت زیادہ۔'' میں نے یہ کہہ کر دانیہ کو چونکا دیا۔

ایک لمحے تک وہ حیرت بھری نگاہوں سے مجھے دیکھتی رہی، پھر اس نے ایک زور دار
قہقہہ لگایا اور کہا کہ ''بہت تیز ہیں آپ بہت تیز۔''

''چلو ٹھیک ہے ہماری بہن کہہ رہی ہے تو ہم مان لیتے ہیں۔''

''تو پھر کیا خیال ہے، ویسے آپ کو سچ بتاؤں، سب مجھے پسند آئے ہیں۔ سمن آراء بیگم،
نکہت آراء اور اس بارے میں پاپا سے متعلق جو کہانی میں نے سنی ہے، اس نے مجھے بہت ہی
متاثر کیا تھا، نجانے کتنا میں اس کے بارے میں سوچتی رہی، میں نے یہ بھی سوچا کہ ہو سکتا
ہے نکہت آراء بیگم نے میرے پاپا کو پسند بھی کیا ہو لیکن میرے پاپا اپنی انا کا شکار ہو کر ملک
ہی چھوڑ گئے۔ خیر چھوڑیئے ان ساری باتوں کو ذرا ارجمند صاحبہ کے بارے میں بتایئے۔''

''دانیہ سنجیدگی سے بتاؤ ارجمند مجھے پسند ہے۔ مجھے اب صرف یہ بتاؤ کہ میں ان لوگوں کو
کیسے لاؤں۔ دادا ابو بہت ہی حساس اور خوددار انسان ہیں، نجانے کیا کیا کہہ کر میں نے
انہیں تھوڑا سا اپنے حق میں رام کیا ہے ورنہ وہ تو کسی کا کچھ قبول کرنے والوں میں سے نہیں
ہیں، میں اصل میں یہ کہنا چاہتا ہوں کہ ہم بھائی جان سے اس مسئلے میں کم از کم ضرور تعاون
حاصل کر لیں یعنی یہاں سے کسی کوٹھی میں منتقل ہو جائیں کیونکہ بہر حال یہ گھر تایا ابو کا ہے ہم
یہاں اس طرح کھل کر اپنے معمولات سر انجام نہیں دے سکتے۔''

''آپ یقین کریں کئی بار میں نے بھی سوچا ہے لیکن بھائی جان کے ساتھ منتقل ہونے کا
مطلب یہ ہے کہ ہم لوگ بھی تائی جان کے چنگل میں جا پھنسیں۔'' دانیہ نے کہا اور میں سوچ
میں ڈوب گیا۔

''ہاں ٹھیک ہے، بھائی جان نے جس انداز میں ہم سے بات چیت کی ہے اس کے بعد
ہمیں بھی حق حاصل ہے کہ ہم اپنے بارے میں مناسب فیصلہ کر سکیں، ماشاء اللہ ہماری
بہت سی کوٹھیاں ہیں یہاں، ہم کسی اور کوٹھی کو اپنے لئے منتخب کر لیتے ہیں بھائی جان جہاں
ان کا دل چاہے رہیں۔''

''اس طرح یہ شیرازہ منتشر تو ہو گیا نا۔''

''نہیں دانیہ کچھ نہیں ہوتا، ہر شخص کو اپنی زندگی بنانے کا حق ہے۔ بھائی جان اگر سختی سے
فیصلے کہہ سکتے ہیں چاہے وہ کسی کے ٹرانس میں ہی کیوں نہ ہوں تو ہم بھی کہہ سکتے ہیں۔''

''اچھا چلئے ایک بات ہو گئی وہ یہ کہ ارجمند بیگم ہماری بھابی بن سکتی ہیں۔''

''بشرطیکہ دادا ابو، سمن آراء بیگم اور نکہت آراء بیگم مان جائیں۔''

''کیوں اس کا بھی خطرہ ہے آپ کو؟''

''وہ لوگ بہت خوددار ہیں اور بعض اوقات انسان انتہا پسندی پر اتر آتا ہے۔''

"چلئے ہم آخری حد تک کوشش کریں گے بلکہ کامیاب ہو جائیں گے۔ آپ بالکل بے فکر رہیں۔"

مجھے یقین ہو گیا تھا کہ دانیہ یہاں صرف میرا دل بہلانے آئی تھی، میرے ذہن سے بھائی جان کی ٹینشن کم کرنے کے لئے، لیکن اس کے جانے کے بعد میں بہت کچھ سوچتا رہا۔ تائی جان نے ہم پر بھرپور وار کئے تھے، بھائی جان تو خیر ان کے ٹرانس میں آ گئے تھے لیکن مجھے کیا کرنا چاہئے۔ بہت سوچنے سمجھنے کے بعد ایک ہی بات ذہن میں آئی کہ تائی جان کو انہی کے ہتھیار سے مارا جائے۔

بہت سی باتیں ہو چکی تھیں۔ تائی جان شاید سیفونہ کو ایک ماڈرن اور حسین لڑکی کے روپ میں پیش کر کے مجھے رجھانا چاہتی تھیں۔ ارشام اور اس کی بیوی کون تھے؟ یہ میں نہیں جانتا تھا، ہو سکتا ہے تائی جان ہی کے ہرکارے ہوں۔ مجھے ایک دم شدید سنسنی کا احساس ہوا۔ تائی نے سیفونہ کو سنیرا کا نام دے کر میرے سامنے پیش کیا تھا، اس کے پس منظر میں کچھ نہ کچھ اور ہو گا۔ بہت غور و خوض کے بعد میں نے فیصلہ کیا کہ چونکہ ارشام نے مجھے اپنے ہاں آنے کی دعوت دی ہے، کسی کو اطلاع دیئے بغیر ارشام کے دیئے ہوئے پتے پر پہنچ جاؤں اور دیکھوں کہ یہ سب کچھ کیا ہے۔

سیفونہ مر چکی تھی اگر وہ کسی اور نئے نام سے میرے سامنے آئی تو ظاہر ہے کہ اس کے پس منظر میں گورنی ہی ہو گی۔ میں اپنی جگہ سے اٹھا اور میں نے وہ پتہ دیکھا جو ارشام نے مجھے دیا تھا۔ قیصر خان مجھے اس پتے پر لے جا سکتا تھا۔ آخری فیصلہ میں نے یہی کیا تھا کہ بھائی جان تو خیر جو کوشش کرنے کے لئے گئے تھے اس میں ناکام ہو گئے اور سائرہ کے چنگل میں آ گئے لیکن میں کوشش کروں گا کہ میں کسی کے چنگل میں نہیں آؤں اور اس کے بعد میں نے ارجمند کے بارے میں سوچا اور میرے ہونٹوں سے مدھم آواز نکلی۔

"ارجمند تم عبادت گزار ہو میرے لئے دعا کرنا کہ تائی اماں کے ہاتھوں میں کسی مشکل کا شکار نہ ہو جاؤں کیونکہ بہرطور اب میں تمہاری امانت ہوں۔" یہ احساس میرے لئے بہت دلنشیں تھا۔

دوسری صبح ماما بہت سنجیدہ تھیں۔ انہوں نے ناشتے کے بعد کہا۔ "میں نے بہت کچھ سوچا ہے شہاب۔ ظاہر حسین سے میں تمام تفصیل طلب کر کے بٹوارے کے بارے میں بات کرنا چاہتی ہوں۔ مجھے منع نہ کرنا کیونکہ میرا اپنا بھی کوئی مقام، کوئی فیصلہ ہے۔"

"سو فیصد ہے ماما، آپ سے آپ کے حقوق کون چھین سکتا ہے۔ آپ مجھے حکم دیں، میں کیا کروں؟"

"ظاہر حسین کو فون کرو کہ کل مجھ سے ملیں۔"

"بہتر ہے" میں نے کہا۔ ماما کو مطمئن کر کے میں پروگرام کے مطابق اس پتے پر جانے کی تیاری کرنے لگا، جو ارشام نے مجھے دیا تھا، پھر کسی کو کچھ بتائے بغیر میں قیصر خان کو لے کر چل پڑا۔

❀

راستہ کافی طویل تھا، قیصر خان یہ فاصلے طے کرتا ہوا آخر کار ایک ایسی آبادی تک پہنچ گیا، جسے آبادی نہیں کہا جا سکتا تھا۔ وہاں بنگلے ضرور تعمیر ہو رہے تھے، لیکن کافی فاصلے پر۔ سڑکیں بھی نیم پختہ تھیں۔ پتے کے مطابق جس سڑک سے گزر کر اس کوٹھی تک جانا تھا اس سڑک پر کافی درخت موجود تھے، چونکہ ابھی ان سڑکوں پر آمدورفت نہیں شروع ہوئی تھی اس لئے یہ پتوں وغیرہ سے اٹی پڑی تھیں۔ جب قیصر خان نے بڑی سڑک سے لینڈ کروزر ذیلی سڑک پر اتاری تو ایک دم سے سڑک پر پڑے ہوئے پتے اس طرح آگے کی طرف دوڑنے لگے جیسے کوئی کسی کو دیکھ کر بھاگنا شروع کر دیتا ہے۔ ہوا کا نام ونشان نہیں تھا، لیکن پتے اڑ کر آگے جا رہے تھے۔ اس بات کو قیصر خان نے بھی محسوس کرلیا سڑک کافی لمبی تھی۔

قیصر خان نے مدھم لہجے میں کہا۔ ”آپ دیکھ رہے ہو صاب، یہ سب عام بات نہیں ہے، ہوا بالکل نہیں چلتا، پر آپ دیکھو سامنے کا منظر۔“

میں نے قیصر خان کی بات کا کوئی جواب نہیں دیا، لمبی سڑک پر دو تین جگہ عمارتوں پر مزدور کام کرتے ہوئے نظر آئے۔ کنسٹرکشن کا سامان لے جانے والے ٹرک بھی کھڑے ہوئے تھے۔ کوئی چار کلومیٹر کا فاصلہ طے کرنے کے بعد بڑے بڑے ہندسوں میں اس کوٹھی کا نمبر نظر آیا جس کا پتہ ارشام نے دیا تھا اور تھوڑی دیر کے بعد کار اس انتہائی خوبصورت کوٹھی کے عظیم الشان گیٹ کے سامنے جا پہنچی، جو تقریباً چھ سات کنال کے رقبے پر بنی ہوئی تھی۔ کار گیٹ کے سامنے جا کر رکی تو کچھ ہی لمحوں کے بعد گیٹ کھل گیا اور اس پر لگے ہوئے انٹرکام سے آواز ابھری۔ ”براہِ کرم اندر آ جایئے، سامنے پورچ ہے۔“ یہ ایک نسوانی آواز تھی۔

قیصر خان نے میری طرف دیکھا اور میں نے اسے آگے چلنے کا اشارہ کر دیا۔ کوٹھی بہت خوبصورت تھی۔ سبز گھاس کے لان دونوں طرف نظر آ رہے تھے، ان کے اختتام پر خوبصورت پھول اور پودے لگے ہوئے تھے۔ پورچ بے حد شاندار تھا اور آگے جا کر دو حصوں میں تقسیم ہو گیا تھا، یہاں بے حد خوبصورت ٹائل لگے ہوئے تھے، سامنے ہی شیشے کا دروازہ تھا۔ میں

نے قیصر خان کو لینڈ کروزر ایک سمت روکنے کے لئے کہا اور جب اس نے گاڑی روک دی تو میں شیشے کے دروازے کی جانب بڑھ گیا اور جیسے ہی میں دروازے کے قریب پہنچا وہی آواز پھر سنائی دی۔

”اندر آ جایئے اور داہنے ہاتھ پر مڑ جایئے، راہداری کے اختتام پر ڈرائنگ روم کا دروازہ ہے۔ ہم آپ کو اس گھر میں خوش آمدید کہتے ہیں۔“

میں نے معنی خیز انداز میں گردن ہلائی، اس دور میں اس طرح کے انٹرکام اور اسپیکر لگا لینا کوئی مشکل کام نہیں ہے، جدید ترین کوٹھیوں میں یہ نظام موجود ہے، لیکن نجانے کیوں یہاں یہ سب کچھ مجھے عجیب سا لگا تھا۔

بہر حال میں اس ڈرائنگ روم تک پہنچ گیا، جس کی نشاندہی کی گئی تھی، دروازہ کھولا اور اندر داخل ہو گیا، جس قدر عالیشان کوٹھی تھی اتنا ہی خوبصورت ڈرائنگ روم بھی تھا۔ اندر قدم رکھا ہی تھا کہ سامنے والے دروازے کا پردہ ہٹا اور ایک خوبصورت گاؤن میں ملبوس مسز ارشام اندر آ گئیں۔

”ہیلو۔“ انہوں نے مسکراتے ہوئے کہا اور چند قدم آگے بڑھ آئیں پھر بولیں۔

”تمہاری اچانک آمد نے بڑا دل خوش کیا ہے آؤ بیٹھو پلیز۔“

انہوں نے ایک صوفے کی طرف اشارہ کیا اور خود دوسرے صوفے پر بیٹھ گئیں، میں بھی مؤدبانہ انداز میں بیٹھ گیا۔

”کیسے ہیں سب لوگ۔ تنہا آئے ہو؟“

”جی، پہلے حاضر ہونا چاہتا تھا، لیکن کچھ مصروفیات تھیں، جن کی وجہ سے نہ پہنچ سکا، ارشام صاحب کیسے ہیں؟“

”آ رہے ہیں ابھی، ان کی عادت ہے کہ جب تک لباس تبدیل نہ کر لیں، کسی کے سامنے نہیں آتے۔“ اسی وقت سیفونہ یا پھر اس کا دوسرا نام، سنیرا بتایا گیا تھا اندر داخل ہوئی۔ وہ انتہائی غضب کی لگ رہی تھی، بڑے دلکش انداز میں مسکراتی ہوئی میرے قریب آئی اور گردن جھکا کر کھڑی ہو گئی۔

”آپ کا آنا بہت اچھا لگا ہے مسٹر شہاب۔“

”شکریہ سنیرا، کیسی ہیں آپ؟“

”بس جیسی بھی ہوں، آپ کے سامنے ہوں۔“ اس کی مترنم آواز ابھری۔

پھر پیچھے سے ارشام صاحب آ گئے۔ وہ ایک خوبصورت سوٹ میں ملبوس تھے۔ میں نے ایک بات خاص طور سے محسوس کی، یہ لوگ مجھ سے ہاتھ ملانے سے گریز کر رہے تھے۔ انداز

میں کوئی خاص بات بے شک نہیں تھی، لیکن استقبال کا جو انداز ہوتا ہے، اس میں تھوڑی سی تبدیلی تھی۔

''سنائیے سب لوگ کیسے ہیں؟ ویسے آپ خوب آئے۔ گھر تلاش کرنے میں کوئی دقت تو نہیں ہوئی؟''

''نہیں......آپ کا گھر بے پناہ خوبصورت ہے۔''

''مجھے گھر بنانے کا شوق ہے۔''

میں نے مختصر الفاظ میں انہیں اپنے بارے میں بتایا تو وہ بولے۔ ''دانی سرکار جیسی عظیم خاتون کا عزیز کوئی معمولی شخصیت کا مالک تو نہیں ہو سکتا، ویسے کیا ارادہ ہے؟ سرفراز صاحب کے بارے میں تو سنا ہے کہ انہوں نے بہت شاندار آفس بنایا ہے، کسی دن ان کا آفس بھی دیکھیں گے، آپ کوئی الگ کاروبار کرنے کا ارادہ رکھتے ہیں یا اپنے بھائی ہی کے ساتھ؟''

''کاروبار تو سرفراز بھائی بھی کچھ نہیں کر رہے، ہماری جائیداد یہاں اتنی ہے کہ اس ہی کی دیکھ بھال ایک بہت بڑا مسئلہ ہے، کوئی نیا کام کہاں پھیلائیں گے۔''

''ہاں ٹھیک ہے، زندگی میں اتنے پھیلاؤ بھی مناسب نہیں ہیں کہ انسان انہیں میں الجھ کر رہ جائے، بھئی سیرا تمہاری عمر کے ہیں شہاب، تمہارے ہی مہمان ہیں، ہمارے گھر کی تعریف کی ہے انہوں نے، جاؤ انہیں گھر دکھاؤ اور بیگم آپ مہمان کی خاطر مدارت کی تیاری کیجئے۔''

''ہاں کیوں نہیں۔'' مسز ارشام نے کہا اور سیرا میری جانب متوجہ ہو گئی۔

''آیئے نا۔'' اس نے کہا اور میں اٹھ گیا۔

مکان کا ایک ایک گوشہ قابل دید تھا، ہم لان پر آ گئے، کوٹھی کے پچھلے حصے میں سوئمنگ پول بنا ہوا تھا۔ سیرا پوری طرح مجھے لبھا رہی تھی۔ اس نے سوئمنگ پول کے کنارے سنگ مرمر سے بنی ایک بینچ پر بیٹھتے ہوئے کہا۔ ''میرے ڈیڈی بادشاہ گر ہیں، اگر کوئی ان کا دل جیت لے تو یوں سمجھ لیجئے شہاب کہ اس نے دنیا جیت لی، اچھا آپ یہ بتایئے کیا آپ نے کبھی کسی سے محبت کی ہے؟''

''مس سیرا محبت کے بغیر تو زندگی نامکمل ہوتی ہے۔''

''کون ہے وہ خوش نصیب؟''

''بہت سے، میرے پاپا جن کا انتقال ہو گیا، میری ماما، میرے تایا، میری بہن، میرا بھائی، مجھے ان سب سے بے پناہ محبت ہے۔''

''بڑا ڈپلومیٹک جواب دے رہے ہیں آپ، چلئے ٹھیک ہے، آپ نے ایک خاص نام

نہیں لیا، ہو سکتا ہے وہ خاص نام ابھی تک آپ کی زندگی میں شامل نہ ہوا ہو۔''

''اب ہو گیا ہے۔'' میں نے میٹھی نگاہوں سے سیرا کو دیکھتے ہوئے کہا۔

''آپ کی باتیں بڑی معنی خیز ہوا کرتی ہیں، لیکن خیر آہستہ آہستہ سمجھ لوں گی میں انہیں۔'' وہ بولی۔

''جی جی۔'' میں نے کہا۔

پھر سیرا مجھے لئے ہوئے ڈائننگ روم میں پہنچی تھی، جہاں ایک طویل میز بچھی ہوئی تھی اور اس کے اطراف کرسیاں لگی ہوئی تھیں، یہاں مسٹر ارشام بیٹھے ہوئے تھے اور مسز ارشام کھانے کی اشیاء لگا رہی تھیں۔

''ارے یہ کیا آنٹی، آپ خود کیوں تکلف کر رہی ہیں، کوئی ملازم وغیرہ نظر نہیں آیا، مجھے گھر میں۔''

مسز ارشام ہنس پڑیں اور بولیں۔ ''یہ سوال آپ مسٹر ارشام سے کریں شہاب صاحب جن کا کہنا ہے کہ خواتین اسی وقت خاتون خانہ لگتی ہیں، جب گھر کے کام کاج خود کریں، جو لوگ ملازموں پر اپنے گھر کو چھوڑ دیتے ہیں وہ اپنے گھر سے مخلص نہیں ہوتے، بلکہ شاید اپنے آپ سے بھی مخلص نہیں ہوتے کیونکہ ان کی تن آسانی خود انہیں بھی بہت نقصان پہنچاتی ہے۔''

مجھے ایک دم احساس ہوا کہ میں ضرورت سے زیادہ بول گیا ہوں، سیرا میرے سامنے ہی بیٹھ گئی۔ ارشام صاحب اور مسز ارشام سامنے رکھی ہوئی قابیں کھولنے لگے۔ دفعتاً ہی مجھے احساس ہوا کہ یہ میں کیا کر رہا ہوں، جس مشکوک گھر میں، میں داخل ہوا ہوں یا جن لوگوں کے بارے میں مجھے صحیح طور پر اندازہ نہیں ہے کہ ان کی اصلیت کیا ہے، ان کے گھر کھانا پینا تو بڑی خطرناک بات ہو گی، اب کیا کروں، کس طرح اس سے احتراز کروں۔ کوئی بات سمجھ میں نہیں آ رہی تھی۔ سیرا نے ایک ڈش اٹھائی، میرے سامنے کی پلیٹ سیدھی کر کے اس میں ایک چمچہ رکھا اور بولی۔ ''لیجئے شہاب صاحب۔''

میں نے پریشان نگاہوں سے اس ڈش کو دیکھا، لیکن اچانک ہی میری آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں۔ اس ڈش میں شوربے جیسی کوئی چیز بھی تھی اور اس شوربے میں کالے کالے کوئی ایک انچ لمبے کیڑے کلبلا رہے تھے، میں نے حیرانی سے انہیں دیکھا اور پھر سیرا کی طرف، سیرا نے ڈش پر نگاہ ڈالی اور ایک دم سے اس کے منہ سے ایک آواز سی نکل گئی، اس نے جلدی سے ڈش واپس رکھ دی اور اس پر ڈھکن ڈھک دیا۔

''کیوں کیا بات ہے؟''

''کک...... کچھ کچھ نہیں، موم...... آپ یہ لیجئے پلیز۔'' اس نے دوسرا خوبصورت برتن اٹھایا اور اس کی قاب کھولی اور پھر جلدی سے اسے کھٹ سے نیچے رکھ دیا۔ یقیناً اس میں بھی کچھ تھا، میرے اندر ایک عجیب سی کیفیت بیدار ہو گئی تھی۔ مسز ارشام نے جلدی سے ان ڈشوں کو دیکھا اور پھر پھٹی پھٹی نگاہوں سے ارشام کو دیکھنے لگیں۔

''کیا بات ہے آخر؟'' ارشام صاحب نے بھی سامنے رکھے ہوئے برتن دیکھے اور ان کے چہرے کی کیفیت بھی بدل گئی۔

''یہ سب کیا ہے، کیا ہر ڈش میں اسی طرح کے کیڑے بھرے ہوئے ہیں؟''

''پپ...... پتہ نہیں کیا ہوا ہے۔'' مسز ارشام نے کہا اسی وقت میں کرسی سے اٹھ گیا۔

''کوئی بات نہیں ہے آنٹی، ویسے بھی میرا کچھ کھانے کو دل نہیں چاہ رہا تھا، پلیز آپ مائنڈ نہ کیجئے۔'' میں نے کہا اور اس کے بعد میں ڈائنگ روم میں رکا ہی نہیں۔ میں تیزی سے باہر نکل آیا، اندر سے کوئی نہیں نکلا تھا، پتہ نہیں ان لوگوں کے ساتھ کیا ہوا، لیکن میرے دل میں خوشی کا ایک تاثر تھا، میں تو خود یہاں کچھ نہیں کھانا چاہتا تھا۔ یہ ڈشوں میں کیڑے نکل آنا معمولی بات نہیں تھی اور ایک دم میرے ذہن میں یہی تصور پیدا ہوا کہ یہاں میری مدد کی گئی ہے اور یہ بات بھی ثابت ہو گئی کہ یہ لوگ غلط تھے۔

میں چند لمحے کھڑا سوچتا رہا کہ وہ آئیں اور معذرت وغیرہ کریں، لیکن ڈائنگ روم سے کوئی باہر نہیں آیا تھا۔ کچھ لمحے میں نے انتظار کیا اور اس کے بعد آواز دی۔ ''مس سنیرا، آنٹی، ارشام۔''

جب کوئی جواب نہیں ملا تو میں واپس ڈائنگ روم کی جانب پلٹا اور دروازہ کھول کر میں نے اندر جھانکا، لیکن پورے کمرے میں کوئی موجود نہیں تھا، ڈائنگ روم میں اور کوئی دروازہ بھی نہیں تھا اور میں ڈائنگ روم کے دروازے کے سامنے ہی کھڑا ہوا تھا۔ کوئی میرے سامنے باہر بھی نہیں نکلا تھا، لیکن اندر بھی کوئی موجود نہیں تھا۔

کچھ دیر تک میں پھٹی پھٹی نگاہوں سے اِدھر اُدھر دیکھتا رہا، پھر دل میں کچھ خیال آیا تو آگے بڑھا اور ٹیبل پر سجے ہوئے برتنوں کو کھول کھول کر جھانکنے لگا، ہر برتن خالی تھا، اس طرح صاف و شفاف جیسے دھو کر رکھا گیا ہو، میرے منہ سے بے اختیار نکلا۔ ''میرے خدا، میرے خدا۔'' اس کے بعد میں ڈائنگ روم سے باہر نکل آیا۔

راہداری میں، ڈرائنگ روم میں کوئی بھی موجود نہیں تھا، قرب و جوار سے کسی آہٹ کی آواز بھی نہیں سنائی دے رہی تھی۔ یہ آسیب زدہ گھر اپنی اصل شکل میں آ گیا تھا۔ وہاں سے باہر نکلا اور پورچ میں پہنچ گیا، جہاں قیصر خان لینڈ کروزر کے اگلے حصے سے پشت لگائے

کھڑا ہوا تھا۔ مجھے دیکھ کر جلدی سے سنبھل گیا اور میں نے لینڈ کروزر کا پچھلا دروازہ کھول کر اندر بیٹھتے ہوئے کہا۔ ''چلو۔''

قیصر خان لینڈ کروزر کو موڑنے کے بجائے ریورس میں ہی دروازے تک لے آیا تھا۔ دروازہ پہلے ہی کی مانند خود بخود کھل گیا اور لینڈ کروزر باہر نکل آئی۔

یہ پُراسرار اور سنسنی خیز واقعہ میرے لئے شدید تجسس کا باعث بن گیا تھا اور اس وقت میرے پورے بدن میں ایک سنسناہٹ سی دوڑ رہی تھی۔ میں حالات پر غور کر رہا تھا۔ سنیرا، مسز ارشام اور ان کی بیگم آخر کار اصل شکل میں آ گئے تھے، یقیناً اگر ان ڈشوں میں کیڑے نہ ہوتے اور مجھے ان میں سے ایک آدھ نوالہ لینا پڑتا تو پتہ نہیں مجھ پر اس کے کیا اثرات مرتب ہوتے۔ خدا نے مجھے بچا لیا تھا، میری مدد کی گئی تھی اور پھر دوران سفر مجھے سوچتے سوچتے یہ احساس ہوا کہ میری مدد تو ہر جگہ کی جا رہی ہے۔

دادی اماں کی آواز نے مجھے جگہ جگہ روکا تھا، میں خطرناک ترین حالات میں گھر گیا تھا، لیکن مجھے آج تک کوئی نقصان نہیں پہنچا تھا، ہم پر گولیوں کی بارش ہوئی، نجانے کیا کیا ہوا لیکن کچھ پُراسرار قوتیں ہمیشہ میری مدد کرتی رہیں، یقیناً اس وقت بھی میری مدد کی گئی ہے، ورنہ میرے پاس تو کوئی جواز نہیں رہا تھا، ان لوگوں کی خاطر مدارت قبول نہ کرنے کا۔

یہ لمبا سفر طے ہو گیا۔ بالکل اتفاق کی بات تھی کہ اس وقت میں ادھر سے گزرا جہاں ظاہر حسین کا دفتر تھا اور مجھے فوراً ماما کی ہدایت یاد آ گئی۔ انہوں نے ظاہر حسین سے دوسرے دن ملنے کی بات کی تھی۔ میں نے قیصر خان کو اشارہ کیا اور قیصر خان نے اس عمارت کے سامنے لینڈ کروزر روک دی، جس میں ان کا دفتر تھا۔

ظاہر صاحب میرے اس طرح اچانک پہنچنے پر حیران رہ گئے۔

''آؤ بیٹھو، اس اچانک ملاقات سے خوشی بھی ہوئی ہے اور حیرت بھی، یقیناً میرے لائق کوئی خدمت ہی ہو گی۔''

''جی...... ماما کا پیغام لایا تھا۔''

''خیریت سے ہیں، بھابی صاحبہ؟''

''جی، وہ آپ سے ملنا چاہتی ہیں کل دن میں کسی بھی وقت ملاقات کر لیں۔''

''میں حاضر ہو جاؤں گا۔ اس کے علاوہ اگر کوئی اہم بات ہے تو مجھے ضرور بتاؤ شہاب۔''

''جی اہم بات ہے اور آپ کو بتانا میرے اپنے ذہن کے مطابق ضروری ہے۔''

''ہاں بتاؤ میرے ذہن میں تجسس بیدار ہو گیا ہے۔''

''ظاہر صاحب پچھلے کچھ واقعات شاید ایسے رہے ہیں کہ تائی صاحبہ ایک سازشی اور

خطرناک خاتون ہیں، یہ بات بھی کسی حد تک متفقہ طور پر تسلیم کی جاتی ہے کہ وہ پُراسرار طور
جانتی ہیں۔ پچھلی جو وارداتیں ہوئی ہیں اور جس طرح پاپا کی موت واقع ہوئی ہے اس میں
کچھ شبہات کا اظہار نادر خان نے بھی کیا تھا اور اس کے بعد کے واقعات بھی آپ کے علم
میں ہیں۔ سرفراز بھائی ان واقعات کے بعد تھوڑے سے جذباتی ہو گئے اور انہوں نے دعویٰ
کیا کہ وہ اپنے طریقے سے یہ معلوم کرنے کی کوشش کریں گے کہ کیا پاپا کی موت میں تائی کا
کوئی ہاتھ ہے۔ ہم نے سرفراز بھائی پر مکمل بھروسہ کیا اور انہیں اس بات کی اجازت دے دی
لیکن بات الٹی ہو گئی، تائی نے اپنی صاحبزادی کو آگے بڑھایا، خود بھائی جان کا بھی یہی ارادہ
تھا کہ سائرہ خانم کے ذریعے ہی تائی کو ٹریپ کرنے کی کوشش کریں گے، لیکن وہ خود ٹریپ
ہو گئے اور اب صورتحال یہ ہے کہ وہ بالکل گھر نہیں آتے۔ یا تو سائرہ خانم کے ساتھ آفس
میں ہوتے ہیں یا پھر رات کو تائی کے ساتھ رہتے ہیں، بھائی جان بہت ہی فرمانبردار انسان
تھے لیکن اب وہ ماما کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر اپنا مؤقف ظاہر کرتے ہیں اور کہتے ہیں
کہ تائی اماں کے خلاف وہ کچھ بھی نہیں سن سکتے۔ ماما سے بات ہوئی تھی تو ماما نے کہا کہ اب
مجبوری ہے کہ پاپا کے تمام اثاثوں کا بٹوارہ کر لیا جائے۔ دانیہ کو اس کا حصہ، مجھے میرا اور
بھائی جان کو ان کا حصہ دے دیا جائے۔ میرا خیال ہے کہ ماما اسی سلسلے میں آپ سے بات
کرنا چاہتی ہیں۔''

ظاہر حسین نے گردن جھکا لی اور سوچ میں ڈوب گئے، پھر کچھ لمحوں کے بعد کہنے لگے۔

''مجھے وقت بتا دیجئے میں پہنچ جاؤں گا۔''

''میرا خیال ہے دوپہر کا کھانا آپ ہمارے ساتھ کھا لیجئے۔''

''میں کھانے کے وقت سے پہلے پہنچ جاؤں گا۔'' ظاہر حسین نے مختصراً کہا، تھوڑی دیر
تک ان سے باتیں ہوتی رہیں، وہ خاصے سمجھ دار آدمی تھے، بات چونکہ سرفراز بھائی کی تھی
اس لئے انہوں نے اس پر کوئی تبصرہ نہیں کیا۔

میں گھر واپس آ گیا، ماما اور دانیہ سنجیدہ تھیں، تایا ابو کو ابھی تک اس بارے میں کچھ نہیں
بتایا گیا تھا۔ سلطانہ، حرا وغیرہ کے ساتھ بڑا اچھا وقت گزرا، دونوں معصوم سی لڑکیاں تھیں،
چھوٹی چھوٹی خوشیوں کے درمیان جینے والی۔ اس دن میں نے بڑی سنجیدگی سے سوچا کہ تایا
ابو ضعیف ہو چکے ہیں، ظاہر ہے وہ حرا اور سلطانہ کو بوجھ محسوس کرتے ہوں گے، میں نے اس
رات امی سے بھی بات کی۔ اس وقت تایا ابو بھی کھانے کی میز پر موجود تھے، میں نے کہا۔

''ماما، ہمارے خاندان میں ماشاء اللہ بہنوں کے انبار لگے ہیں، حرا، سلطانہ، دانیہ، ادھر
ارجمند، اُدھر سائرہ خانم، کتنی ساری لڑکیاں ہیں اور ہم ان کے رشتوں کے لئے ذرا بھی فکر

رہے نہیں ہیں، اب یہ ذمہ داری تایا ابو کی تو نہیں ہے کہ حرا اور سلطانہ کے لئے لڑکے دیکھتے
پھریں، ویسے یہ کام ہمیں شروع کر دینا چاہئے۔''

''ارے یہ جناب والا پٹڑی سے کیسے اتر گئے؟ سلطانہ زیادہ تیز تھی، فوراً ہی بولی۔

''بھئی، بچیوں کا ان معاملات میں بولنا ٹھیک نہیں ہوتا، بڑے بات کر رہے ہیں۔''

''تایا ابو مسکرائے اور بولے۔ ''بس میری یہی ایک ذمہ داری ہے اور میں نے پہلے ہی تم
سے کہا ہے کہ میرا کوئی بیٹا نہیں ہے، بہت سے معاملات میں، میں آگے بڑھنا چاہتا ہوں،
لیکن عمر آڑے آ جاتی ہے۔''

''آپ فکر کیوں کرتے ہیں تایا ابو، ہم لوگ ہیں نا، بھائی جان کتنے ہی ہم سے دور ہو
جائیں اور تائی جان کے قبضے میں چلے جائیں، میں آپ سے ایک وعدہ کرتا ہوں کہ آپ کی
ہر کوشش میں آپ کا ساتھی بنوں گا۔''

تایا ابو نے خاموشی سے گردن جھکا لی تھی۔ ماما نے البتہ پورے خلوص سے کہا۔ ''ہاں،
ممتاز بھائی اب یہ کام آپ کا نہیں ہے، ہم لوگوں کو شاید اللہ تعالیٰ نے اسی لئے آپ کے
پاس بھیج دیا ہے کہ ہم سب مل کر کام کریں، کوئی اگر اپنا رنگ دکھاتا ہے تو دکھائے، ہمارا بھی
اللہ ہے۔'' یہ بات ذرا سی سنجیدہ ہو گئی۔ میں نے تو ماحول کو ذرا شگفتہ کرنے کے لئے کہا
تھا لیکن تایا ابو کی آنکھوں میں جھلملاتے آنسو ایک دم ہمیں سنجیدہ ہونے پر مجبور کر رہے تھے۔

دادی اماں کی زیارت کی وہ بڑے سکون و آرام سے محو استراحت تھیں۔ پھر رات کو میں
اپنے کمرے میں تھا۔ کوئی ساڑھے گیارہ بجے کا عمل تھا کہ میرے موبائل فون پر وائبریشن
ہوئی اور میں نے فون اٹھا لیا۔ یہ کون ہو سکتا ہے؟ ایک لمحے تک تو میں نمبر ہی نہ پہچان سکا
اور میں نے فون کان سے لگا کر کہا۔ ''ہیلو''۔

''سلام پیش کرتی ہوں۔'' آواز ارجمند کی تھی۔ مجھے فوراً ہی اس کا نمبر یاد آ گیا۔

''کمال ہے ارجمند صاحبہ، کمال ہے، کیا اس طرح دل میں بیٹھ کر موبائل فون پر بات کی
جاتی ہے۔''

''آپ کو ایک مزے کی بات بتاؤں۔ مجھے موبائل فون استعمال کرنا نہیں آتا، میری ایک
دوست ہے زبیدہ، میں نے اس سے پوچھا تھا، موبائل دیکھ کر مجھے چھیڑ رہی تھی، میں نے
صاف بتا دیا کہ میرے کزن نے دیا ہے، لیکن میں نے آپ کا نام نہیں بتایا اسے، ورنہ بات
بات پر مجھے چھیڑتی۔''

''چلئے ٹھیک ہے میرا شکریہ ادا کر دیجئے کہ اس نے آپ کو موبائل کا استعمال بتایا اور آپ
انہیں کہیئے کہ اس وقت مجھے جو کچھ مل گیا ہے میں بتا نہیں سکتا۔''

"ایک بات بتایئے، یہ محبت کے معاملے میں انسان اتنا ٹرینڈ کیسے ہو جاتا ہے، خیر میں تو آپ کے لئے اجنبی نہیں ہوں لیکن پتہ یہی چلا ہے کہ کوئی کسی کے لئے کتنا ہی اجنبی ہو لیکن محبت کے معاملات میں ساری اجنبیت ختم ہو جاتی ہے۔"

"خدا کی قسم اگر مجھے یہ معلوم ہوتا کہ ٹیلیفون پر آپ اتنی سادگی کے ساتھ اتنی اچھی بات کر سکتی ہیں تو شاید میں پہلے ہی ٹیلیفون لے کر آپ کے گھر کے دروازے پر قدم رکھتا۔"

"کیا کر رہے تھے آپ؟"

"بس تمام معمولات سے فراغت حاصل کر کے اپنے کمرے میں اپنے بستر پر ہوں۔"

"کس وقت سو جاتے ہیں؟"

"اگر کسی اپنے کی یاد آ جائے تو رات رات بھر جاگتا رہتا ہوں۔"

"وری گڈ اور سنایئے۔"

"بس کوئی خاص بات نہیں ہے، یونہی وقت گزر رہا ہے۔"

"میں نے بے وقت کی راگنی تو نہیں شروع کر رکھی۔"

"کاش اس راگنی کے لئے وقت کی کوئی قید ہی نہ ہو۔" ارجمند سے بہت ساری باتیں ہوتی رہیں اور مجھ پر یہ انکشاف ہوا کہ وہ بہت اچھی گفتگو کر لیتی ہے، میں نے اس سے کہا۔

"ارجمند ایک بات بتایئے، میں آپ کو فون کر سکتا ہوں۔"

"کمال کی بات کر رہے ہیں، نہ کرنے کی کیا بات ہے۔"

"تو میں آپ کو فون کیا کروں گا۔"

"میں نے بھی آپ کو اسی لئے فون کیا ہے کہ خاموشی کا یہ طلسم توڑ دیا جائے۔"

ارجمند سے گفتگو کر کے دل اس قدر خوش ہوا تھا کہ اس کے بعد بڑی پر سکون نیند آ گئی۔

دوسرے دن کوئی ساڑھے بارہ بجے ظاہر حسین اپنا مخصوص بیگ اٹھائے ہوئے آ گئے، میں نے اور ماما نے ان کا استقبال کیا۔ وہ ہمارے کمرے میں آ کر بیٹھ گئے، انہوں نے اپنا بیگ کھول کر کچھ کاغذات نکالتے ہوئے کہا۔ "بھابی صاحبہ، بجائے اس کے کہ ہم فضول باتوں میں وقت ضائع کریں، میں براہ راست گفتگو شروع کئے دیتا ہوں، کل شہاب میاں نے مجھے آپ کا حکم پہنچایا اور تھوڑی سی تفصیل بھی بتا دی، صرف ایک دعا کر سکتا ہوں کہ خداوندِ عالم، امتیاز احمد کے خاندان کو منتشر نہ کرے اور اگر کوئی اس انتشار کے درپے ہے تو اسے ناکامی کا سامنا کرنا پڑے۔"

"آمین۔" ماما نے کہا پھر بولیں۔ "شہاب نے آپ کو سب کچھ بتا دیا ہے، ہم بے سائبان رہ گئے ہیں، اگر امتیاز احمد زندہ ہوتے تو ظاہر ہے مجھے کسی بات کی پروا نہیں ہوتی۔

نہیں چھوڑتی۔

تائی نے گردن کی جنبش سے مجھے خوش آمدید کہا اور اشارے ہی سے سامنے والے ...نے پر بیٹھنے کا حکم دیا۔ میں خاموشی سے بیٹھ گیا تو انہوں نے چند لمحے آنکھیں بند کیں۔ ...آنکھیں کھول کر بولیں۔

"سناؤ کیسے ہیں سب لوگ، افشاں بیگم کیسی ہیں اور تمہاری بہن دانیہ۔"

"سب ٹھیک ہیں تائی جان آپ خیریت سے ہیں؟"

"نہیں۔" تائی نے جواب دیا۔

"کیا بات ہے، تائی جان؟"

"دیکھو شہاب، تمہاری عمر چھوٹی سی ہے اور پھر سب سے بڑی بات یہ ہے کہ تمہیں کوئی ...مشورہ دینے والا نہیں ہے، میں اب بھی تم سے کہتی ہوں کہ میں تمہاری ہمدرد ہوں، مجھ سے تعاون کرو، فائدے میں رہو گے۔"

"میں یہ بات جانتا ہوں تائی جان۔"

"نہیں۔ نہ تم مجھ سے مخلص ہو، نہ سچ بولتے ہو، اگر تم مجھ سے مخلص ہوتے تو فوراً سب سے پہلے مجھے بتاتے کہ تم ارشام ہاؤس گئے تھے۔"

"تائی جان میں سخت حیران تھا۔"

"نہیں...... ایسی کوئی بات نہیں ہے۔ تم نے جان بوجھ کر مجھے کچھ بتانے سے گریز کیا ہے، اب اس قدر احمق نہ تم ہو اور نہ میں، میں تم سے بالکل صاف صاف باتیں کرتی رہی ہوں اور میں صاف صاف باتیں کرنا چاہتی ہوں۔ ارشام یا اس کی بیوی کا کوئی وجود نہیں ہے۔ وہ محض دھوکا تھے۔ اصل میں سیفونہ کو تمہارے سامنے پیش کر کے تمہیں اس کی شخصیت سے روشناس کرانا چاہتی تھیں، سیفونہ کا ایک وجود تھا، جواب نہیں ہے، گورنی کی بہت بڑی آرزو ہے کہ وہ اپنی بیٹی کو حاصل کرنے کے لئے اس کے جسم میں داخل ہو کر اپنا مقصد پا لے، یقین کرو اسے تمہاری طلب نہیں ہے، وہ صرف اپنی بیٹی کو مجسم چاہتی ہے۔ میں نے اس شاندار تقریب میں سیفونہ اور اس کے اہل خاندان کو تمہارے سامنے اس لئے پیش کیا تھا کہ تم اپنی امی اور اپنے دور سے لواحقین کو یہ بتا سکو کہ تم نے کسی جاہل یا ہلکے خاندان کی لڑکی سے شادی نہیں کی۔ تمہیں دھوکا دینا مقصود نہیں تھا بلکہ سیفونہ سے تعارف کرانا تھا کہ مستقبل میں اگر تم اسے اپنی بیوی کی حیثیت سے دنیا میں روشناس کراؤ گے تو تمہیں کوئی شرمندگی نہیں ہوگی، وہ اتنی ہی پُرکشش ہو کر تمہارے ساتھ رہے گی اور زندگی کے ہر عمل میں تمہارا ساتھ دے گی۔"

آپ قانون کے مطابق ساری کارروائی کر لیں، میں، شہاب اور دانیہ آپ کے ہر کاغذ
دستخط کرنے کے لئے تیار ہیں، آپ پلیز یہ کام جتنی جلدی ہو سکے کر لیجئے۔"

"میں کر رہا ہوں اور اس کے بعد ضروری کارروائیاں بھی کروں گا۔"

ظاہر حسین قانونی شقیں سمجھاتے رہے کہ کس طرح کس کا کتنا حق بنتا ہے۔ پھر انہوں
نے دوپہر کا کھانا ہمارے ساتھ کھایا اور چلے گئے۔

اس وقت شام کے تقریباً ساڑھے چار بجے تھے کہ مجھے تائی کا فون موصول ہوا۔ میں اس
نمبر کو نہیں پہچانتا تھا، میں نے پُرتجسس لہجے میں کہا۔ "ہیلو کون؟"

"میں طاہرہ خانم بول رہی ہوں شہاب، کیا کر رہے ہو؟"

"کچھ نہیں تائی جان مجھے آپ کا ٹیلیفون نمبر نہیں معلوم تھا، اس لئے میں نے آپ سے
یہ سوال کر ڈالا، فرمایئے آپ خیریت سے تو ہیں؟"

"ہاں بالکل ٹھیک ہوں، کتنی دیر میں آسکتے ہو میرے پاس؟"

"جب آپ حکم کریں۔" میں نے جواب دیا۔

"تو پھر آجاؤ، میں انتظار کر رہی ہوں۔ آج درس کا دن نہیں ہے، اس لئے مجھے فرصت
ہے، آجاؤ۔"

"میں حاضر ہو رہا ہوں۔" میں نے کہا اور دوسری طرف سے فون بند ہو گیا۔

میرے ہونٹوں پر خود بخود مسکراہٹ آگئی، میں اچھی طرح سمجھ گیا تھا کہ سٹر ارشام اور
مس سیرا کی کہانی تائی کے کانوں تک پہنچ چکی ہو گی بلکہ شاید اسی وقت پہنچ گئی ہو گی، جب
میں اس عالیشان کوٹھی سے چلا آیا تھا۔ تائی شاید انتظار کر رہی ہوں گی کہ میں یہ حیرت ناک
کہانی لے کر ان تک پہنچوں۔

طویل انتظار کے بعد ان سے برداشت نہیں ہو سکا اور انہوں نے مجھے فون کر ڈالا۔ میں
تیار ہو کر قیصر خان کے ساتھ چل پڑا۔ راستے میں قیصر خان نے مجھ سے کہا۔ "مرشد کی قبر پر
چلنا ہے، مجھے حکم ملا ہے کہ میں آپ کو لے کر آؤں۔"

"ٹھیک ہے قیصر خان ابھی ذرا طاہرہ خانم کے گھر چل رہے ہیں، واپسی میں قبرستان
ہوتے ہوئے آئیں گے۔"

"ٹھیک ہے صاب۔"

تھوڑی دیر کے بعد ہم تائی کی کوٹھی پر پہنچ گئے۔ ایک ملازمہ نے میری رہنمائی ڈرائنگ
روم تک کی۔ ڈرائنگ روم میں تائی بیٹھی ہوئی تھیں۔ بہت ہی نفیس لباس پہننے کی شوقین
تھیں۔ سائرہ کے بارے میں مجھے اس بات کا علم تھا کہ وہ ایک لمحے کے لئے سرفراز بھائی

"تائی جان ایک بات بتایئے آپ؟" میں نے اس وقت اپنا لہجہ تبدیل کر لیا، اب تک
[illegible]انداز میں بہت ہی احترام اور عقیدت ہوتی تھی لیکن اس وقت میں نے ذرا سخت لہجہ
[illegible]رکیا تھا۔

[illegible]تائی نے نگاہیں اٹھا کر مجھے دیکھا اور بولیں۔

"ہاں پوچھو۔"

"یہ گورنی آخر کون ہے، آپ مجھے اس کے بارے میں کچھ تفصیل بتایئے؟"

ایک لمحے کے لئے تائی کے چہرے پر حیرت کے نقوش نظر آئے، یہ حیرت صرف میرے
[illegible]رتھی، وہ خاموشی سے مجھے دیکھتی رہیں پھر بولیں۔ "تم ابھی نہیں سمجھ پاؤ گے۔ جب اس
[illegible]ساتھ تمہیں حاصل ہو جائے گا تو زندگی بھر مجھے دعائیں دیتے رہو گے کہ میں نے ایک
[illegible]ائل کرایا، جس کے لئے اچھے اچھے ترستے ہیں اور اس عمل سے نہیں گزر پاتے، دیکھو،
[illegible]طور سے یوں ہوتا ہے کہ میں نے کسی سے کچھ کہا تو اس نے میرے کہے کو اپنا ایمان بنا
[illegible]تم میرے اپنے ہو کر مجھ پر بھروسہ نہیں کر پاتے۔"

"تائی جان جو واقعات مجھے ارشام کے گھر میں پیش آئے ہیں کیا آپ اس سے واقف
[illegible]ہیں؟"

"ہاں۔"

"اوّل تو آپ نے مجھے یہ نہیں بتایا کہ گورنی کون ہے اور پھر جو کچھ وہاں ہوا اگر آپ
[illegible]علم میں ہے تو براہِ کرم مجھے ذرا اس کے بارے میں بتا دیجئے۔"

"تم نہیں سمجھ پا رہے شہاب، جہاں تم رہتے ہو، وہاں تمہارے خلاف سازشیں ہو رہی
[illegible]ہیں۔ تمہارے مخالف تمہارے خلاف ایک محاذ قائم کئے ہوئے ہیں، وہ ہر جگہ اپنی ٹانگ
[illegible]اڑاتے ہیں، گورنی بے شک اسی دنیا کی مخلوق ہے لیکن ہم میں سے نہیں ہے، بس اس سے
[illegible]بارہ میں اور کیا بتاؤں۔ تم اس سے شادی کر لو اور سب کچھ بھول جاؤ جیسا کہ میں تم سے
[illegible]کہہ چکی ہوں کہ زندگی بھر طاہرہ خانم کو دعائیں دو گے، تمہیں دنیا میں وہ سب کچھ حاصل ہو
[illegible]جائے گا جس کے تم خواہشمند ہو، زر و جواہرات دولت کے انبار اور جب تم یہ سب کچھ
[illegible]حاصل کر لو گے تو میں بھی تم سے کچھ مانگوں گی اور تم خوشی سے مجھے وہ سب کچھ دے دو گے،
[illegible]اُنے گورنی کی بیٹی مار دی ہے، وہ تڑپ رہی ہے اور اس کا حل صرف یہی ہے کہ تم اس
[illegible]سے شادی کر لو۔"

"آپ اس دن گورنی کے ساتھ تھیں تائی جان جب آپ میرے گھر میں تھیں جبکہ آپ
[illegible]نے یہ بھی کہا تھا کہ آپ اس گھر میں نہیں جا سکتیں؟"

''دیکھو، میری پوری زندگی میں کسی نے مجھ سے اس طرح کے سوالات نہیں کئے، تم پورا سمجھ لو کہ کچھ پُراسرار واقعات کا میری زندگی سے بہت گہرا تعلق ہے، میں نے کبھی کسی کو ایسی پیشکش نہیں کی اور بات صرف تمہارے لئے نہیں ہے، بلکہ گورنی کے لئے بھی ہے، وہاں موجود کچھ لوگ، جن میں معاف کرنا تمہاری دادی اماں بھی ہیں، میرے اور میرے شناساؤں کے خلاف ایک محاذ قائم کئے ہوئے ہیں۔ اتفاق کی بات ہے کہ تم ٹارگٹ بن گئے ہو اور پھر تم سے ایک ایسا عمل بھی ہو گیا ہے جو دکھ بھرا ہے۔ میں تم سے ایک بار پھر کہتی ہوں کہ گورنی سے شادی کر لو اور سب کچھ بھول جاؤ۔ میں تمہاری ہر طرح کی آسائشوں کی ذمہ داری لے سکتی ہوں اور اگر تم ایسا نہیں کرو گے تو وہ تمہارا پیچھا کرتی رہے گی۔ اس کے دل میں انتقام کے جذبے بھی پیدا ہوتے ہیں لیکن میں اسے تمہارے خلاف کوئی بھرپور ردعمل ظاہر کرنے سے روکتی ہوں۔ سارے کردار ایک ایک کر کے تمہارے سامنے آ گئے ہیں۔ تم نے ایک عقل کی بات کی وہ یہ کہ تم نے کسی اور کو کچھ نہیں بتایا، یہی غنیمت تھا تمہارے لئے، ورنہ جو بھی ان حالات سے واقف ہو جائے گا، وہ ان لوگوں کا شکار ہوتا رہے گا جو دوسری پارٹی کے ہیں، ان کا تعلق گورنی سے ہے، یہ بہت ہی خطرناک بات ہو گی۔ تم مجھ سے ملتے رہو، میں تمہاری بہتری کے لئے سوچتی رہوں گی، اس سے زیادہ واضح الفاظ میں اور کیا کہوں تم سے۔''

''جبکہ ابھی تک مجھے یہ نہیں معلوم ہو سکا کہ گورنی کی اصلیت کیا ہے؟''

''یہ تمہیں اسی وقت معلوم ہو گا، جب تم اس سے شادی کر لو گے، جا سکتے ہو میں کسی کو اس سے زیادہ وقت نہیں دیتی، غور کرنا اور مجھے بتانا ورنہ صورتحال سے نمٹنے کے لئے تیار رہنا۔''

''تائی جان، آپ کے قدموں کی خاک ہوں، کچھ بھی نہیں آتا مجھے، لیکن ایک عرض کروں، ضدی آدمی ہوں، میں گورنی سے شادی نہیں کروں گا، چاہے وہ کسی بھی شکل میں سامنے آئے۔'' یہ کہہ کر میں اپنی جگہ سے اٹھا اور دروازے سے باہر نکل آیا۔

مجھے واقعی غصہ آ رہا تھا۔ گورنی سے شادی کر لو، گورنی سے شادی کر لو، تائی پتہ نہیں اپنے آپ کو سمجھتی کیا ہیں۔ باہر آ کر گاڑی میں بیٹھا اور قیصر خان نے گاڑی اسٹارٹ کر کے آگے بڑھا دی۔

''قیصر خان قبرستان چلنا ہے۔''

''ٹھیک ہے صاب۔'' قیصر خان نے کہا۔

تھوڑی دیر کے بعد ہم قبرستان پہنچ گئے، میں نے قبرستان کے گیٹ کے ساتھ بنی ہوئی

دکان سے پھول، اگربتیاں اور ماچس لی اور اس کے بعد ہم مرشد کی قبر پر پہنچ گئے، قبر پر کچھ پرندے بیٹھے ہوئے تھے، ہمارے قریب پہنچنے سے اڑ گئے اور سب سے پہلے میری نگاہ قبر پر رکھی ہوئی کسی سفید چیز پر پڑی۔ قیصر خان نے بھی اسے دیکھ لیا اور جھک کر اسے اٹھایا یہ ایک تعویذ تھا۔

وہ تعویذ میری طرف بڑھاتے ہوئے بولا۔ ''صاب یہ آپ کے لئے ہے۔''

مجھے وہ دونوں تعویذ یاد آ گئے جن کے بارے میں خواب کی کیفیت میں مرشد نے ہدایت کی تھی لیکن بعد میں گورنی اور خراتون وغیرہ نے وہ تعویذ مجھ سے چھین لئے تھے۔

ہم نے قبر کی صفائی کی، پھول ڈالے، اگربتیاں جلائیں اور اس کے بعد فاتحہ خوانی کی اور واپس چل پڑے۔ بڑی دلچسپ بات تھی، ایک طرف تو میری مخالف پُراسرار قوتیں میرے خلاف عمل پیرا تھیں تو دوسری طرف میری حفاظت کرنے والی قوتوں میں اضافہ ہوتا جا رہا تھا۔

راستے میں خاموشی رہی، مجھے تائی کی باتیں یاد آ گئی تھیں۔ گورنی تو خیر جو کوئی بھی تھی، لیکن خود تائی کیا تھیں وہ تو اسی خاکی مخلوق میں سے ایک تھیں جبکہ اب یہ اندازہ ہو رہا تھا کہ گورنی کا تعلق یقیناً جنات سے ہے، بڑی عجیب سی بات تھی۔

جب ذہن پراگندہ ہو جاتا ہے تو ایک خوشگوار تاثر اسے تر و تازہ کرنے کے لئے کافی ہوتا تھا اور یہ احساس یہ خیال ارجمند کا تھا۔ میں نے آنکھیں بند کیں اور ارجمند کا تصور کرنے لگا، پھر اس وقت چونکا جب کار سمن آباد والے گھر کے گیٹ سے اندر داخل ہوئی تھی۔

قیصر خان نے کار اس کی مخصوص جگہ روک دی، گھر میں کوئی قابلِ ذکر بات نہیں تھی، کسی نے مجھ سے کوئی خاص سوال بھی نہیں کیا اور معمولات کے مطابق وقت گزرا، ماما اور دانیہ کے چہرے کے نقوش میں ایک مستقل افسردگی منجمد ہو گئی تھی۔ پاپا تو اس دنیا سے گئے ہی تھے، لیکن سرفراز بھائی کی بے رخی نے ایک اور تازیانہ دل پر لگایا تھا۔

رات کو میں ان تمام واقعات کے بارے میں سوچنے لگا۔ صحیح معنوں میں کسی کی کیفیت کو آخری کیفیت نہیں کہا جا سکتا۔ زندگی اور وقت کے نشیب و فراز چل رہے تھے۔ بحرین میں جو وقت گزرا تھا اس کی نوعیت الگ تھی۔ پاپا ملازمت کر رہے تھے، سرفراز بھائی نوکری کر رہے تھے۔ میں بقول شخصے عیش کر رہا تھا اور اپنے مستقبل پر غور کر رہا تھا لیکن گردش وقت اپنی تحریر الگ ہی رکھتی ہے۔ پاپا گم ہوئے، میں یہاں آیا، اہل خاندان سے ملاقات ہوئی، مختلف کردار سامنے آئے، کچھ اچھے کچھ بُرے، پھر پاپا کی موت کا علم ہوا اور اس کے بعد سے اب تک کے واقعات ان میں دو خوشگوار کیفیتیں تھیں، ایک تو اتنی بڑی دولت اور جائیداد

کا مالک ہونا، پاپا نے یہاں اگر اتنا کر ڈالا تھا پھر وہ بحرین میں نوکری کیوں کر رہے تھے،
سب کچھ اتنا تھا کہ ہماری کئی نسلیں آرام سے کھا سکتی تھیں۔ پاپا نے ان تمام اثاثوں کو ہم پر
ظاہر کیوں نہیں کیا۔ وہ کیا چاہتے تھے پھر ان چیزوں کا سامنے آنا اور بھی بہت سے خیالات
دل میں آئے۔ مثلاً تائی، سائرہ خانم جس نے پہلے مجھ سے پھر یوں یگانگت کا اظہار کیا، پھر
سرفراز بھائی کے ملتے ہی اس طرح چولا بدل لیا، جیسے مجھ سے کبھی کوئی واسطہ ہی نہ رہا ہو۔
خیر میرے دل میں بھی اس کے لئے کوئی مقام نہیں پیدا ہوا تھا کہ مجھے دکھ ہوتا۔ البتہ یہ دکھ
ضرور تھا کہ تائی جیسی شاطر عورت نے ایک کامیاب جال سرفراز بھائی پر پھینک دیا تھا اور
اب جائیداد کی تقسیم کا مسئلہ آ گیا تھا۔

طاہرہ خانم نے ارشام کو متعارف کرایا تھا، میں وہاں پہنچا اور ان لوگوں نے میرے
ساتھ جو رویہ اختیار کیا وہ واقعی بہت ہی متاثر کن تھا، کوشش کی گئی تھی کہ سیفونہ کو سیرا کے نام
سے مجھ تک پہنچایا جائے اور اس کے بعد مجھے بھی ٹریپ کیا جائے لیکن خوش بختی نے پہلے ہی
مرحلے پر اور پہلی ہی ملاقات پر ان کا راز فاش کر دیا اور یہ راز فاش کرنے میں ان قوتوں کا
دخل تھا جو میری حمایت میں کام کر رہی تھیں اور اس کے بعد مرشد کی طرف سے عطا کیا ہوا یہ
تعویذ...... بس ایک عجیب احساس دل میں پیدا ہوتا تھا اور یوں لگتا تھا، جیسے پاکستان آنا
میرے لئے بڑی خوشگوار کیفیت کا حامل ہے۔ میں جن طلسمی حالات میں گھر گیا تھا وہ
درحقیقت اب میری ضرورت بن چکے تھے۔

نجانے کب نیند آ گئی۔ اس کے بعد وہی صبح، وہی شام، کوئی واقعہ رونما نہیں ہوا۔ البتہ
ظاہر حسین نے ایک دو بار ملاقات کر کے بتایا تھا کہ بھرپور طریقے سے بٹوارے کی کارروائی
کر رہے ہیں اور بہت جلد سرفراز بھائی کو اس سلسلے میں اطلاع دینا چاہتے ہیں۔ جہاں تک
سرفراز بھائی کا تعلق تھا وہ تو ہاتھ سے نکل ہی گئے تھے۔ ان تین چار دنوں میں انہوں نے
ٹیلیفون کیا تھا، نہ گھر کا چکر لگایا تھا۔ یوں لگتا تھا، جیسے وہ ہم لوگوں کو فراموش کر چکے ہیں۔

پھر ایک دن ظاہر حسین نے مجھے فون کیا۔

''شہاب گھر پر ہی ہو کہیں نکلے ہوئے تو نہیں ہو؟''

''نہیں بتایئے کیا بات ہے؟''

''ملنا چاہتا ہوں، بہت ہی اہم مسئلہ ہے۔''

''آپ تشریف لے آیئے یا میں آ جاؤں؟''

''نہیں میں محترمہ افشاں بیگم کے سامنے بات کرنا چاہتا ہوں۔''

''تو پھر تشریف لے آیئے۔''

''میں آ رہا ہوں۔''

ظاہر حسین پہنچ گئے، ان کے چہرے پر واقعی تشویش کے آثار تھے۔

''بہت بڑی کارروائی ہوگئی ہے، بہت ہی بڑی۔''

''خیریت، ظاہر حسین صاحب۔'' ماما نے تشویش بھرے لہجے میں کہا۔

''ایک بہت بڑے ایڈووکیٹ ہیں سردار علی بیگ، میں بٹوارے کی کارروائی کر رہا تھا اور
اس سلسلے میں کچھ قانونی عمل بھی ضروری تھے، سردار علی بیگ صاحب مجھ سے آ کر ملے اور
انہوں نے مجھ سے امتیاز احمد کے اثاثوں کے بٹوارے کے بارے میں معلومات حاصل کیں،
میں نے چونک کر کہا کہ کیا بات ہے تو انہوں نے ایک عجیب و غریب انکشاف کیا۔

''کیا؟'' میں نے اور ماما نے حیران لہجے میں پوچھا۔

''انہوں نے بتایا کہ امتیاز صاحب کی ایک اور بیگم بھی یہاں موجود ہیں اور ان کے تین
بچے ہیں دو بیٹے اور ایک بیٹی۔'' ظاہر حسین نے بتایا تو ہم پر درحقیقت بم سا گر پڑا۔ میں
شدت حیرت سے گنگ رہ گیا تھا۔ ماما پھٹی پھٹی آنکھوں سے ظاہر حسین کو دیکھ رہی تھیں۔

''سردار علی بیگ تمام کاغذات، ان خاتون کی تصاویر، ان کا پتہ، نکاح نامے کی کاپی
ساری تفصیلات لائے ہیں۔ یہ نکاح تقریباً چار سال پہلے ہوا اور امتیاز احمد صاحب ان
خاتون کے سب سے بڑے بیٹے کی عمر اس وقت ساڑھے آٹھ سال ہے۔ دوسرا اس سے
ڈیڑھ سال چھوٹا اور تیسری بیٹی ہے۔ سردار علی بیگ نے کہا کہ چونکہ بات بٹوارے کی ہو رہی
ہے، اس لئے تمام اثاثوں میں ان تینوں کا اور ان خاتون کا بھی برابر کا حصہ ہے۔ کاغذات
اس طرح مکمل ہیں کہ میں دنگ رہ گیا ہوں۔'' انہوں نے کہا۔

کافی دیر تک ہم لوگوں پر سکتہ سا طاری رہا، پھر ماما نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔ ''یہ
ناممکن ہے، بات صرف دولت اور جائیداد کی نہیں ہے بلکہ اس سے مرحوم امتیاز احمد کے کردار
پر جو حرف آتا ہے وہ ناقابلِ برداشت ہے۔''

''یہ تمام چیزیں ساتھ لایا ہوں جو سردار علی بیگ نے مجھے فراہم کی ہیں۔'' یہ کہہ کر انہوں
نے اپنا بیگ کھولا۔

اس میں سے سب سے پہلے ایک لفافہ نکالا جس میں چند تصویریں رکھی ہوئی تھی، ان
تصویروں میں سے ایک تصویر ایک خوش شکل نوجوان عورت کی تھی، ظاہر حسین نے کہا۔ ''یہ ہما
امتیاز احمد ہیں، یعنی وہ خاتون جن کے بارے میں دعویٰ کیا گیا ہے کہ یہ امتیاز احمد کی بیگم ہیں
اور یہ تصویریں ان کے تینوں بچوں کی ہیں۔'' انہوں نے باقی تصویریں نکال کر سامنے رکھ
دیں۔ خوبصورت بچے تھے لیکن ان میں سے کسی بچے میں پاپا کے چہرے کے نقش نہیں تھے

کچھ لمحے ہم ان تصویروں کو دیکھتے رہے۔ پھر ظاہر حسین نے دس گیارہ سال پہلے ہونے والے اس نکاح کے دوسرے کاغذات نکال کر دکھائے، نکاح نامہ، اور بہت سی ایسی چیزیں۔

''آپ اس نکاح نامے کے بارے میں کیا کہتے ہیں؟''

''یہ دستخط سو فیصد امتیاز احمد خاں کے ہیں، یہ اس نکاح کے گواہان ہیں، خیر اس کی تصدیق تو ہو جائے گی لیکن میرا تجربہ یہ کہتا ہے کہ یہ نکاح نامہ جعلی نہیں ہے۔ اگر اس میں اور کوئی ہیر پھیر کی گئی ہے تو میں نہیں کہہ سکتا، اس کے علاوہ آپ لوگوں کی طرح میں بھی حیران ہوں جس کی دو وجوہات ہیں، پہلی بات یہ کہ امتیاز احمد خاں اس طرح کے انسان نہیں تھے، وہ ایک اچھے کردار کے مالک تھے، دوسری بات یہ کہ وہ عام طور سے اپنے معمولات سے مجھے آگاہ رکھتے تھے اور اگر ایسا کوئی نکاح واقعی ہوتا تو اس میں سب سے زیادہ معتبر اور پہلا گواہ میں ہی ہوتا لیکن میرے علم میں ایسی کوئی بات نہیں ہے، یہ دونوں چیزیں اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ جائیداد کی تقسیم کا معاملہ سامنے آتے ہی یہ سب کچھ کیا گیا ہے۔''

''ظاہر صاحب! اس سلسلے میں ہمارا ایک ساتھی اور مددگار موجود ہے، یعنی انسپکٹر نادر خان جنہوں نے ہر مرحلے پر بڑے مخلصانہ طریقے سے ہمارا ساتھ دیا ہے، میرا خیال ہے میں نادر خان سے بات کرتا ہوں۔''

''نادر خان سے آپ کیا بات کریں گے، ظاہر ہے یہ قانونی معاملات ہیں اور اس میں نادر خان ہماری کوئی مدد نہیں کر سکتے، کیونکہ یہ کاغذات، یہ تصویریں اور نکاح نامہ جو ہمارے سامنے ہے، وہ قانون کی تمام ضرورتیں پوری کرتا ہے۔''

ماما نے کہا۔ ''لعنت بھیجو جائیداد اور ان تمام چیزوں پر، ہماری تقدیر میں جو کچھ ہو گا مل جائے گا۔ ہم اسی میں گزارا کر لیں گے، لیکن میرا دل گواہی دیتا ہے کہ یہ ساری سازش طاہرہ خانم کی ہی ہے، وہ جس قدر تعلقات اور وسائل کی مالک ہیں، ان میں ایسی کسی کردار کو کھڑے کر دینا کوئی مشکل کام نہیں ہے اور جہاں تک اس نکاح نامے پر دستخطوں کا سوال ہے تو میں اپنے ضمیر کا حساب لے کر یہ بات پورے دعوے سے کہہ سکتی ہوں کہ امتیاز احمد اس طرح کے انسان نہیں تھے، وہ مجھ سے اور اپنے بچوں سے بے پناہ پیار کرتے تھے اور اس کے لئے میں قسم کھا سکتی ہوں۔''

''ماما ہم اس کہانی کو نظر انداز نہیں کر سکتے، جس کی وجہ سے پاپا کو اپنا گاؤں اور اپنی جائیداد چھوڑنی پڑی تھی۔ نکہت آراء بیگم اس کہانی کی گواہ ہیں اور ہما کی جو تصویر ہم نے دیکھی ہے وہ آنٹی نکہت آراء بیگم کے مقابلے میں کچھ بھی نہیں ہے۔ پاپا کوئی ایسا عمل نہیں کر سکتے، اس کی گواہی تو ہمیں قدم قدم پر مل سکتی ہے۔''

''ایک کام کیوں نہ کیا جائے وہ یہ کہ ہم ہما خاتون سے ملیں اور ان سے اس معاملے میں تحقیقات کریں، ان کا پتہ تو موجود ہے نا؟''

''ہاں پتہ موجود ہے، ایک پوش علاقے میں ایک فلیٹ ہے، جس میں ان کی رہائش بتائی گئی ہے، لیکن وہی بھابی صاحبہ کی بات سامنے آ جاتی ہے کہ اگر کام طاہرہ خانم نے کیا ہے تو کچا نہیں ہو گا، یعنی جس کردار کو اس حیثیت سے ان تمام ثبوتوں کی روشنی میں کھڑا کیا گیا ہے وہ بھی کوئی کچا کردار نہیں ہو گا۔''

''پھر بھی ہما خاتون سے ملاقات تو کی جائے۔''

''ایک اور مشورہ دیتا ہوں میں آپ کو بہتر ہے کہ اس سلسلے میں سرفراز صاحب کو بھی اپنے اعتماد میں لیں۔ اندازہ لگائیں کہ وہ کیا کرتے ہیں یا کیا کہتے ہیں، اگر وہ اس بات کی تصدیق کرتے ہیں اور اس کے حق میں ہیں تو پھر یہ بات واضح طور پر کہی جا سکتی ہے کہ طاہرہ خانم نے ہی یہ سب کچھ کیا ہے۔''

''ٹھیک ہے، کیا آپ یہ چیزیں ہمارے پاس چھوڑ سکتے ہیں۔''

''ہاں تو آپ ہی کے لئے لایا ہوں۔ چھ چھ کاپیاں کرائی ہیں میں نے ان تمام چیزوں کی کیونکہ کیس تو بہرحال مجھے ہی ڈیل کرنا ہے۔'' ظاہر حسین نے کہا اور وہ تمام چیزیں ہمارے حوالے کر دیں۔ تھوڑی دیر کے بعد وہ رخصت ہو گئے۔

ہم پر چرکے پر چرکے لگ رہے تھے، لیکن ان تمام چرکوں کو برداشت کرنا تھا، ماما کی اجازت سے میں نے سرفراز بھائی کو فون کیا۔

فون فوراً ہی ریسیور کر لیا گیا تھا۔ سرفراز بھائی کی آواز سنائی دی۔

''ہیلو......!''

''بھائی جان! میں شہاب بول رہا ہوں، آپ کو ایک زحمت دینا تھی۔'' میری آواز میں خود بخود طنز پیدا ہو گیا۔

''جی......!''

''ماما اور دانیہ آپ سے ملنا چاہتی ہیں۔''

''میں اُدھر ہی آ رہا ہوں، تھوڑے سے فاصلے پر ہوں، خدا حافظ!'' سرفراز بھائی نے کہا۔ میں نے بھی خدا حافظ کہہ کر فون بند کر دیا۔

ہم سرفراز بھائی کا انتظار کرنے لگے۔ میرے ذہن میں ایک خیال آیا تھا اور کچھ ہی دیر کے بعد اس کی تصدیق ہو گئی۔ جس جگہ ہم بیٹھے ہوئے تھے، وہاں سے گیٹ اور کار پارکنگ نظر آتی تھی۔ کار سے سرفراز بھائی اور سائرہ نیچے اترے تھے۔ سائرہ اب سرفراز بھائی کا سایہ ہی بن گئی تھی۔ سبھی کے منہ بن گئے لیکن کسی نے کچھ نہیں کہا۔ سرفراز بھائی اور سائرہ کسی اور سے ملے بغیر سیدھے ہمارے کمرے میں آئے تھے۔ یہ بات بھی مجھے شدید ناگوار گزری کیونکہ ہمارے کمرے تک آتے ہوئے تایا ابو اور دادی اماں کے کمرے وغیرہ بھی پڑتے تھے لیکن سرفراز بھائی بالکل ہی ''آؤٹ'' ہو گئے تھے۔

انہوں نے ماما کے کمرے پر دستک دی اور اندر آ گئے۔ ہم تینوں خاموش بیٹھے ہوئے تھے۔ سرفراز بھائی نے مدھم سی مسکراہٹ کے ساتھ کہا۔ ''یقیناً کوئی میٹنگ ہو رہی ہو گی، کیسی ہیں ماما آپ؟''

''ٹھیک ہوں۔'' ماما نے سرد لہجے میں کہا۔

''آپ لوگ کیسے ہیں؟'' سائرہ خانم نے بھی اپنا فرض پورا کیا۔

''ٹھیک ہیں بیٹے! بیٹھو، ہم نے بلایا تھا تمہیں لیکن پتہ چلا کہ تم خود ہی آ رہے ہو۔''

''جی ماما! پہلے میں بتائے دیتا ہوں کہ میں کیوں آ رہا تھا؟''

''جی آپ بتا دیجئے۔'' دانیہ جو کبھی کسی سے طنزیہ گفتگو نہیں کرتی تھی، طنز بھرے لہجے میں بولی۔

سرفراز بھائی چونک کر اسے دیکھنے لگے پھر انہوں نے کہا۔ ''اصل میں اب میں آپ لوگوں کو یہاں سے لے جانا چاہتا ہوں، میں نے آپ کو بتایا تھا ماما کہ میں نے ڈیفنس میں ایک کوٹھی خالی کرا لی ہے، ایک بہت ہی بڑی انٹیریئر ڈیکوریٹر فرم سے میں نے آپ سب لوگوں کے مزاج کے مطابق کوٹھی فرنشڈ کرائی ہے ماما! آپ لوگ دیکھیں گے تو آپ کو پسند آئے گا سب کچھ، آپ لوگ بلا وجہ مجھ سے ناراض سے ہو گئے ہیں، ماما! میں نے اپنا مؤقف آپ کو بتا دیا ہے، پاپا نے نہ جانے کتنی محنت کی ہو گی ہمارے لئے، انہوں نے ہمیں ارب پتی بنایا ہے تو ماما ہمیں ان کے اسٹیٹس کو گرانا نہیں چاہئے، بے شک وہ اب اس دنیا میں نہیں ہیں لیکن ہم انہی کی اولاد ہیں نا، لوگ ہم سے مل کر اور ہمارے بارے میں گفتگو کرتے ہوئے یہی کہیں گے کہ یہ امتیاز صاحب کا خاندان ہے، ان کے صاحب زادگان ہیں وغیرہ وغیرہ تو ماما! آپ تیاریاں کیجئے، میں نے شہاب، دانیہ اور آپ کا کمرہ الگ الگ ڈیکوریٹ کرایا ہے، دل خوش ہو جائے گا آپ کا!''

''ویری گڈ! بڑی خوشی ہوئی یہ تفصیل سن کر، اب آپ سے ہم بھی کچھ باتیں کرنا چاہتے ہیں۔''

''ہاں بولو، کیا بات ہے؟''

''بھائی جان! آپ سے تنہائی میں گفتگو ہو گی۔ سائرہ کو یہاں سے جانا ہو گا۔'' میں نے بے دھڑک کہا۔

بھائی جان چونک کر مجھے دیکھنے لگے پھر بولے۔ ''شہاب! سائرہ ہم میں سے ایک ہیں، کوئی ایسی بات نہیں ہے جسے چھپایا جائے، میں تنہائی میں بھی اگر تم سے کوئی گفتگو کروں گا اور سائرہ مجھ سے پوچھیں گی کہ کیا بات ہو رہی تھی تو میں انہیں مکمل تفصیل بتاؤں گا۔''

''یہ آپ کے ذاتی معاملات ہیں بھائی جان! آپ ہماری، اپنی اور گھر کی تمام باتیں کسی چوراہے پر کھڑے ہو کر دنیا کو بتائیں لیکن جو بات میں آپ سے کرنا چاہتا ہوں، وہ تنہائی میں ہی کرنی ہے۔''

میرا لہجہ کافی خراب ہو گیا تھا۔

بھائی جان کو حیرت بھی ہو رہی تھی اور غصے کے تاثرات بھی ان کے چہرے پر ابھر رہے تھے۔ ماما کا چہرہ سپاٹ تھا لیکن وہ میری اس گفتگو سے غیر متفق نہیں نظر آ رہی تھیں۔ بھائی جان کچھ لمحے خاموش رہے پھر بولے۔ ''میرا خیال ہے تمہیں سائرہ کی توہین نہیں کرنی

چاہئے، جو بات کرنی ہے، ان کے سامنے ہی کرو۔"

"جی نہیں! اگر آپ اس وقت تنہائی میں بات نہیں کرنا چاہتے تو جا سکتے ہیں۔"

سرفراز بھائی چونک کر مجھے دیکھنے لگے۔ وہ سخت حیران نظر آ رہے تھے۔ اچانک ہی سائرہ اپنی جگہ سے کھڑی ہو گئی اور بولی۔ "کوئی بات نہیں سرفراز! شہاب ٹھیک کہہ رہے ہیں، بے شمار باتیں ایسی ہوتی ہیں، جو تنہائی میں ہی کی جا سکتی ہیں، میں باہر چلی جاتی ہوں، آپ بیٹھیں پلیز!"

"نہیں سائرہ! تم......!"

"بیٹھیں سرفراز!" سائرہ کا لہجہ بھی ناقابلِ یقین تھا۔ بالکل یوں لگا جیسے وہ بھائی جان کو حکم دے رہی ہو اور اس کے بعد وہ کھٹ کھٹ کرتی ہوئی باہر نکل گئی۔

سرفراز بھائی غصیلی نگاہوں سے مجھے دیکھنے لگے، پھر انہوں نے ماما کو دیکھا اور اس کے بعد دانیہ کو...... اس کے بعد خود کو پرسکون کرنے کی کوشش کرنے لگے، پھر انہوں نے کہا۔

"جی......! کیا بات ہے بتایئے؟"

"وکیل ظاہر حسین صاحب سے آپ کی ملاقات کب سے نہیں ہوئی؟"

"میں غیر ضروری طور پر کسی سے ملاقات نہیں کرتا۔"

"ہاں اب اس بات کا پورا احساس ہونے لگا ہے، خیر کاغذات دیکھئے، وکیل سردار علی بیگ نے ظاہر حسین سے ملاقات کی ہے اور یہ بتایا ہے کہ ابو نے یہاں پاکستان میں ایک اور شادی کر رکھی تھی اور ان کے تین بچے ہیں، دو بیٹے اور ایک بیٹی...... جائیداد کا بٹوارہ ہوگا تو ان خاتون کا حصہ ماما کے حصے کے برابر اور ان کے بچوں کا ہمارے برابر......!"

میری نگاہیں بھائی جان پر گڑھی ہوئی تھی اور میں ان کے تاثرات کا جائزہ لے رہا تھا۔ مجھے کچھ ہی لمحوں میں علم ہو گیا کہ بھائی جان کو اس بات کی بالکل خبر نہیں ہے۔ وہ تصویرِ حیرت بنے رہے اور اس کے بعد انہوں نے کاغذات دیکھنا شروع کر دیئے۔ ایک ایک کاغذ کو بہت دیر تک دیکھتے رہے پھر ایک گہری سانس لے کر بولے۔ "نہیں، یہ ممکن نہیں ہے، پاپا ایسے نہیں تھے۔"

"خدا کا شکر ہے کہ آپ نے اپنے باپ کی وکالت میں کچھ کہا۔"

"شہاب! پلیز مجھ سے طنزیہ باتیں مت کرو۔"

"بھائی جان! میرا خیال ہے پاپا کے بعد میں صرف آپ کی عزت کرتا تھا، لفظ تھا پر غور کیجئے گا، وہ عزت اب میرے دل میں آپ کے لئے بالکل نہیں ہے چونکہ آپ نے میری ماما کا خیال نہیں رکھا، آپ نے بڑے ہونے کا ثبوت نہیں دیا، آپ تائی جان کے جال میں

پھنس گئے جبکہ آپ یہ کہہ کر گئے تھے کہ آپ تائی جان کو اپنے جال میں پھنسا لیں گے۔"

"یار! تم کمال کرتے ہو، جس شخص کے بارے میں ہمارے ذہن میں یہ تاثر تھا کہ وہ ہمارا مخالف ہے، وہ ہمارا مخالف نہیں نکلا بلکہ ایک سادہ سی شخصیت نکلی، تائی جان کے قریب ہو تو تمہیں احساس ہو کہ ان کے ظاہر اور باطن میں کتنا فرق ہے، اوپر سے وہ کچھ نظر آتی ہیں، لیکن اندر سے اتنی نرم اور محبت کرنے والی خاتون ہیں کہ اگر کوئی ان کے ساتھ رہ لے تو ان کا گرویدہ ہو جائے۔"

"جیسے آپ ہو گئے ہیں۔"

"شہاب! میں تمہارا بڑا بھائی ہوں، تھوڑا سا تو احترام کرو میرا!"

"جی بھائی جان! چلیں چھوڑیں، کیا کہتے ہیں آپ اس بارے میں، میرے ذہن میں جو خیال ہے، اس کی تفصیل آپ کو بتائے دیتا ہوں، یہ اسکینڈل تائی جان کا بنایا ہوا ہے، پاپا اس قدر بدکردار نہیں تھے کہ ایسا عمل کرتے، آپ بھی جانتے ہیں اور میں بھی جانتا ہوں، دولت اور جائیداد تو خیر غیر متوقع طور پر ہمیں ملی ہے، بے شک ہم اس کی قدر کرتے ہیں اور اس کے حصول سے منحرف نہیں ہیں لیکن پاپا کے کردار پر جو حرف آیا ہے، وہ میرے، دانیہ اور ماما کے لئے ناقابلِ برداشت ہے، ہمارے ذہن میں سو فیصد یہی خیال ہے کہ یہ کردار تائی جان نے پیدا کیا ہے اور اس طرح وہ ہمارے درمیان تفرقہ ڈالنا چاہتی ہیں اور ہماری جائیداد میں بٹوارہ اور حصہ چاہتی ہیں۔"

"تمہارے ذہن میں ان کے لئے جو زہر بھرا ہوا ہے، اس کے تحت بول رہے ہو ورنہ ان کے پاس بھی بہت کچھ ہے کہنے کو اور دوسری بات یہ کہ وہ مجھ پر بہت اعتماد کرتی ہیں، اگر وکیل سردار علی بیگ یا کسی اور سے ان کا کوئی تعلق ہوتا تو وہ مجھ سے تذکرہ ضرور کرتیں، کیا سمجھے؟"

"آپ اس سلسلے میں کیا کہتے ہیں؟"

"نہیں، یہ ساری چیزیں میں بھی دیکھ رہا ہوں، یہ میرے لئے بھی ناقابلِ یقین ہیں، مجھے بس اتنا سا اختلاف ہے کہ تم اس واقعے کو تائی جان سے منسلک نہ کرو، بتاؤ اب ہمیں کیا کرنا چاہئے؟"

"میں ان خاتون سے ملنا چاہتا ہوں، کیا آپ ہمارے ساتھ چلیں گے؟"

"نہیں، ان سے ملنے سے پہلے ہمیں وکیل سردار علی بیگ سے ملنا ہے اور ان سے ان خاتون کے بارے میں تفصیلات معلوم کرنی ہیں۔"

"مجھے اس سے اتفاق نہیں ہے، وکیل صاحب کو میں ابھی نہیں بتانا چاہتا کہ میں اس

عورت سے ملنے والا ہوں، ورنہ اس سازش کے تحت وہ اپنی تیاریاں کر لیں گے۔‘‘

’’تمہارا مطلب ہے کہ وکیل صاحب اس عورت کو ہوشیار کر دیں گے؟‘‘

’’مگر وہ تو ویسے بھی اس عورت کی وکالت کریں گے۔‘‘

’’بھائی جان! بٹوارے کی بات تائی جان کے علم میں ہے، وہ یقینی طور پر اس جائیداد پر آپ کی فوقیت چاہتی ہوں گی۔‘‘

’’ماما! شہاب بہت آگے بڑھ گئے ہیں، میرا خیال ہے ہم دونوں بھائیوں کے درمیان یہ اختلاف دیوار نہ بن جائے، آپ انہیں سمجھایئے۔‘‘

’’بھائی جان! یہ بات آپ کے علم میں لانا ضروری تھی، اس لئے میں نے آپ کو زحمت دینا چاہی تھی، ہم تینوں کے ذہن میں صرف ایک ہی بات ہے، وہ یہ کہ یہ نیا کردار تائی جان سامنے لائی ہیں، آپ ذہن نشین کر لیجئے اس بات کو کہ میں اپنے باپ کے کردار پر اس طرح کے کسی حرف کو برداشت نہیں کروں گا۔‘‘

’’تو تمہارا کیا خیال ہے، مجھے پاپا کے کردار پر یہ انگشت زنی اچھی لگے گی، تم جذباتی ہو رہے ہو، میں بہرحال تم سے بڑا ہوں، اگر میں بھی جذباتی ہو گیا تو ہمارے خاندان کو نقصان پہنچے گا، لاؤ یہ کاغذات مجھے دے دو، میں اس سلسلے میں چھان بین کرتا ہوں۔‘‘

’’نہیں بھائی جان! اب نہیں کیونکہ ہمیں آپ پر اعتماد نہیں رہا۔‘‘

’’پھر مجھے بلانے کی ضرورت کیا تھی؟‘‘

’’بس ایک فرض پورا کرنا تھا۔‘‘

’’میں تمہیں ایک بات بتاؤں شہاب! تم تائی جان سے نہیں لڑ سکو گے۔‘‘

’’کوشش تو کروں گا بھائی جان کہ اپنے باپ کی عزت بچا سکوں، جہاں تک دولت کا تعلق ہے تو ماما موجود ہیں، ہم سب کچھ آپ کے حوالے کرنے کو تیار ہیں، آپ اسے تائی جان کے حوالے کر دیں، کاغذات تیار کرا لیں، میں اور ماما ان پر دستخط کر کے ہر چیز سے دستبردار ہو جائیں گے۔‘‘

سرفراز بھائی غصے سے کھڑے ہو گئے تھے۔ انہوں نے کہا۔ ’’ماما! ایک نگاہ اس کوٹھی پر ڈال لیں، یہ شہاب تو پاگل ہو گیا ہے، اب میں اسے کیا کہوں۔‘‘

’’نہیں ہم تھوکتے ہیں اس جگہ پر جہاں تم جیسا ناپاک شخص موجود ہو۔‘‘ ماما نے زہریلے لہجے میں کہا۔

’’ٹھیک ہے ماما! جب آپ کا مجھے گالیاں دینے کو دل چاہے، مجھے فون کر کے بلا لیجئے گا اور جہاں تک جائیداد کے کاغذات کا تعلق ہے، شہاب تو میں ظاہر حسین سے بھی کاغذات

لے سکتا ہوں۔‘‘

میں نے کوئی جواب نہیں دیا تو سرفراز بھائی مڑ کر واپس چل پڑے۔ ہم نے انہیں اس کھڑکی سے سائرہ خانم کے ساتھ کار میں بیٹھ کر واپس جاتے ہوئے دیکھا۔ تھوڑی دیر تک اس ملاقات اور تمام گفتگو کا تاثر قائم رہا پھر ماما نے بڑی فراخدلی سے کہا۔ ’’ٹھیک ہے ایک دشمن ہمارے سامنے آیا ہے، وہ تمام تر کوششیں کر رہا ہے اور ہم نے اس کا چیلنج قبول کر لیا ہے تو اب جنگ ہو گی اور جہاں تک اس کوٹھی اور سرفراز کا وہاں قیام کا فیصلہ ہے تو وہ بے شک وہاں قیام کرے لیکن ہم یہیں پر رہیں گے، ہاں اگر ممتاز بھائی کو ہمارے یہاں قیام پر کوئی اعتراض ہو گا تو پھر کوئی بھی جگہ منتخب کی جا سکتی ہے، اب بتاؤ کیا کرنا ہے؟‘‘

’’دانیہ! ان کاغذات میں ان خاتون کا پتہ درج ہے جنہیں پاپا کی بیگم بتایا جاتا ہے، ان کا نام شاید ہما ہے، میں، ماما اور تم ان سے ضرور ملیں گے۔‘‘

’’ایک بات کہوں شہاب......؟‘‘

’’جی ماما! ضرور کہئے۔‘‘

’’میرا خیال ہے اس مسئلے میں ممتاز بھائی کو بھی شریک کر لیا جائے، تم نے محسوس کیا ہو گا کہ انہوں نے اب تک ہماری کسی ذاتی بات میں مداخلت نہیں کی ہے اور بڑے صبر و سکون کے ساتھ خاموش رہے ہیں، اب انہیں اتنا بھی بے حقیقت نہ کیا جائے کہ ان کی شخصیت ہی ختم ہو جائے۔‘‘

’’ضرور ماما ضرور اور یہ بات بھی طے ہے کہ ہم ان کے ساتھ ہی رہیں گے۔‘‘

پھر تایا ابو سے ایک جذباتی قسم کی نشست ہوئی۔ ماما نے گفتگو شروع کی۔

’’ممتاز بھائی جان! آپ ہمارے لئے سب کچھ ہیں، میں آپ کو اپنا بڑا مانتی ہوں، آپ نے اب تک ہمارے ساتھ جس محبت کا سلوک کیا ہے اور ہمیں جس پیار سے اپنے ساتھ رکھا ہے، ہم زندگی میں کبھی اسے نہیں بھول سکتے۔‘‘

’’صرف ایک بات بتاؤ۔‘‘ اچانک ہی تایا ابو نے مضطرب لہجے میں کہا اور ہم سب سوالیہ نگاہوں سے انہیں دیکھنے لگے۔

’’کیا یہ گھر چھوڑ رہے ہو تم لوگ......؟‘‘

’’ہم یہاں سے کہیں نہیں جائیں گے تایا ابو! چاہے ہمیں پچاس کوٹھیاں مل جائیں۔‘‘

’’جزاک اللہ...... اللہ تمہیں اس محبت کا صلہ عطا فرمائے بیٹے! میں بالکل نہیں چاہتا کہ تم یہاں سے جاؤ، میری تو زندگی بڑھ گئی ہے تم لوگوں کی آمد سے، بڑا بے رونق تھا یہ گھر...... تمہاری وجہ سے یہاں رونق ہو گئی ہے، میں ان رونقوں کو قائم رکھنا چاہتا ہوں۔‘‘

"تو ہم یہاں سے کہیں نہیں جا رہے تایا ابو اور جو کچھ بھی یہاں کریں گے، آپ کی اجازت سے کریں گے۔"

"یہ گھر بیٹے مکمل طور پر تمہارا ہے، تم یہاں جسے چاہو بلاؤ، رکھو، مہمان نوازی کرو، مجھے اس میں شریک کرنا چاہو تو خلوصِ دل سے حاضر ہوں، یہ میرا آخری فیصلہ اور آخری الفاظ ہیں۔"

"بات ختم ہو گئی تایا ابو! ہم یہاں سے کہیں نہیں جائیں گے۔"

"شکریہ......!"

"اب تایا ابو آپ کو مزید کچھ باتیں بتانا چاہتے ہیں، سرفراز بھائی کا رویہ تو محسوس کر ہی لیا ہوگا؟"

"ہاں آخر کار طاہرہ خانم ہمارے گھر کے ایک اور فرد کو چھیننے میں کامیاب ہو گئیں، میں دیکھ رہا ہوں اور دل ہی دل میں دکھ کا شکار ہوں لیکن اپنے مقام کو نگاہوں کے سامنے رکھے ہوئے ہوں، سرفراز کو دوش نہیں دوں گا، طاہرہ خانم کے بارے میں بتا چکا ہوں کہ ویسے بھی بہت تیز طرار ہیں اور پھر نجانے کون سے علوم جانتی ہیں، ان کے پاس بہت کچھ ہے، خدا سرفراز کی حفاظت کرے۔"

"تایا ابو! کچھ اور انوکھے اور دلچسپ واقعات پیش آ چکے ہیں جو آپ کے علم میں لانا ضروری ہیں۔" میں نے کہا اور تایا ابو کو ہما خاتون کے بارے میں تفصیلات بتائیں۔

تایا ابو حیران نگاہوں سے ہمیں دیکھنے لگے پھر انہوں نے کہا۔ "تم لوگوں کو علم تو ہو چکا ہوگا کہ امتیاز احمد نے گھر کیوں چھوڑا تھا، مجھے یقین ہے کہ یہ بات تمہارے علم میں ضرور آ گئی ہوگی کہ والد صاحب مرحوم نے انہیں اپنے ایک نازیبا مقصد کے لئے استعمال کرنا چاہا تھا لیکن امتیاز احمد اس کردار کا انسان نہیں تھا اور اب بھی میں دعوے سے کہتا ہوں کہ جب طاہرہ خانم کو اس بات کا علم ہوا کہ جائیداد اور دولت کا بٹوارہ ہو رہا ہے تو انہوں نے یہ چال چلی، سیدھی سی بات ہے کہ ہما خاتون جو بھی ہیں، وہ طاہرہ خانم کی آلۂ کار ہیں اور طاہرہ کے لئے یہ مشکل نہیں ہے کہ تمام باتیں سچ ثابت کر دیں۔"

"تایا ابو! کیا تائی جان کے اس قدم کو ناکام بنانے کی کوئی ترکیب ہے؟" میں نے سوال کیا۔

تایا ابو سوچ میں ڈوب گئے، پھر بولے۔ "میں تو صرف دعا ہی کر سکتا ہوں، بے شک اس گھر کے سلسلے میں جب طاہرہ خانم نے مقدمہ قائم کیا تو میں نے دل و جان سے یہ مقدمہ اس لئے لڑا کہ میرے اور میری بچیوں کے لئے اب اس گھر کے سوا کچھ نہیں ہے، اللہ

اللہ نے میری مدد کی، میں تمہیں پہلی بار یہ بتا رہا ہوں کہ میری ماں کی دعائیں میرے ساتھ ہیں اور اس مقدمے میں طاہرہ خانم کو ناکام بنانے میں میری دعاؤں کا بڑا عمل دخل ہے، اللہ کی طرف سے ہماری مدد ہوتی رہی ہے اور اب بھی میرا ایمان ہے کہ گیتی آراء بیگم جب تک زندہ ہیں، ہمارا بال بیکا نہیں ہوگا، ان کی دعائیں ہمارے ساتھ ہیں۔"

میرے ذہن میں ایک بار پھر دادی اماں کا خیال آیا اور میری آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ تایا ابو نے تو یہ بات صاف الفاظ میں کہہ دی کہ طاہرہ خانم نے اگر ایسا کوئی جال پھیلا دیا ہے تو اس جال سے نکلنا ہمارے لئے ناممکن ہے لیکن نجانے کیوں میرا دل ہار ماننے کو تیار نہیں تھا۔

سرفراز بھائی کے ساتھ میں نے جو سلوک کیا تھا، اس پر میرا دل رو رہا تھا لیکن میں نے ٹھیک ہی کیا تھا۔ تایا ابو سے کافی دیر تک باتیں ہوتی رہیں اور اس کے بعد میں وہاں سے اٹھ گیا۔ دل پر ایک عجیب سا بوجھ تھا۔ دادی اماں کے کمرے کی جانب چل پڑا اور دروازہ کھول کر اندر داخل ہو گیا۔ سارا منظر جانا پہچانا تھا، دادی اماں بدستور کوما میں تھیں، میں ان کے پاس بیٹھ گیا۔

"دادی اماں! آپ کا جو بھی مسئلہ ہے، میں نہیں جانتا کیونکہ میرے پاس وہ علم نہیں ہے لیکن جو کچھ میرے ساتھ پیش آ رہا ہے، وہ آپ کو سب معلوم ہے، تائی جان باقاعدہ ہمارے خلاف محاذ کھول چکی ہیں۔ انہوں نے بھائی جان کو اپنے قابو میں کر لیا ہے اور دادی اماں اس رات کو میں نے گھر کے اس حصے میں موجود تہہ خانے میں آپ کو حاجی صاحب کے ساتھ دیکھا تھا، اس کے علاوہ بھی بہت سے واقعات میرے علم میں ہیں، آپ بس ایک بات کا جواب مجھے دے دیجئے، کیا ہم یہاں سے چلے جائیں؟"

میں نے بڑے جذباتی لہجے میں سوال کیا تھا اور اس کا جواب بھی فوراً ہی مل گیا۔ دادی اماں کے ہاتھ نے اپنی جگہ سے جنبش کی اور میری کلائی پر آ پڑا اور اس کے بعد انہوں نے میری کلائی مضبوطی سے پکڑ لی۔ میری آنکھوں سے آنسو امڈ آئے۔

"آپ کی اس گرفت سے میں نے یہ نتیجہ اخذ کیا ہے کہ آپ کو یہاں سے ہمارا جانا پسند نہیں، دادی اماں! بھائی جان کو اتنی آسانی سے تو نہیں چھوڑا جا سکتا، پاپا تو ہمیں چھوڑ کر چلے گئے، بھائی جان کو میں نے پاپا کا مقام دیا تھا لیکن وہ کتنے بیگانے ہو گئے، آپ کو یقیناً اندازہ ہوگا اس بات کا!" دادی اماں کا ہاتھ دو تین بار لرزا اور ان کی انگلیوں کی ہلکی اور تیز گرفت نے یہ ظاہر کیا کہ وہ مجھے حوصلہ دینا چاہتی ہیں۔

میں کافی دیر تک ان کے پاس بیٹھا دل کی باتیں کرتا رہا پھر ماما، دانیہ، حرا اور سلطانہ آ

گئیں۔ حرا، دادی اماں کو فیڈ کرانے آئی تھی۔ بات ختم ہو گئی۔

رات کے کوئی ساڑھے گیارہ بجے کا وقت تھا کہ موبائل پر بیل ہوئی۔ میں نے نمبر دیکھا، ارجمند کا فون تھا، ایک دم سے دل کو خوشی کا احساس ہوا۔

''جناب! کیسے ہیں آپ......؟''

''ارجمند! میں بالکل ٹھیک ہوں، اس وقت تمہارے فون سے جتنی خوشی ہوئی ہے، بیان نہیں کر سکتا۔''

''آپ نے فرمایا تھا کہ آپ ہمیں فون کرتے رہیں گے لیکن وعدہ وفا نہیں ہوا۔''

''ارجمند! یقین کریں ڈرتا ہوں، کچھ حدود مقرر کر لی ہیں حالانکہ دل ان حدود کو قبول نہیں کرتا۔''

''آپ بڑے گہرے الفاظ بولتے ہیں، جن میں لفظ کم ہوتے ہیں جذبات زیادہ...... جناب آپ کا جب دل چاہے فون کر لیا کریں، نہ گھر سے مجھ پر کوئی پابندی ہے اور نہ ہی کوئی آپ کے فون کا بُرا مانتا ہے، بڑے اچھے نمبر ہیں آپ کے ہمارے ہاں!''

''خدا کا شکر ہے ارجمند! بہت سے معاملات میں بڑا پریشان ہوں، اللہ تعالیٰ نے دنیا کی ہر دولت سے نواز دیا ہے لیکن ساتھ ہی ساتھ کچھ مسائل بھی ہیں۔''

''کیا......؟''

''اچھا ایک کام کریں آپ فون بند کریں، میں آپ کو فون کر رہا ہوں۔''

''ٹھیک ہے۔'' ارجمند نے کہا اور فون بند کر دیا۔ بڑی نفیس عادت تھی اس کی، کسی بھی بات میں بحث نہیں کرتی تھی، فوراً بات مان لیا کرتی تھی۔ میں نے اسے فون کیا اور چند لمحات کے بعد دوبارہ رابطہ قائم ہو گیا۔

''ہاں ارجمند بہت سی ایسی باتیں ہیں، جو میری ذات تک ہی ہیں، میں تم سے شیئر کرنا چاہتا ہوں۔''

''نوازش! اب ارشاد فرما دیجئے۔'' اور میں نے دل کے چھالے ارجمند کے سامنے چھوڑ دیئے لیکن پُراسرار واقعات کا پردہ رہنے دیا تھا کیونکہ اس کے لئے مجھے بار بار ہدایت کی گئی تھی کہ کسی دوسرے کو اس میں شریک نہ کروں۔

''تائی جان کو ہم نے اسی دن دیکھا تھا، اس سے پہلے بھی ایک دو بار ان کی زیارت ہو چکی ہے، اس دن ان کا مقام دیکھا، واقعی بڑے زبردست تعلقات ہیں ان کے شہاب! کہیں وہ آپ کو کوئی نقصان نہ پہنچا دیں۔''

''ارجمند! حالات سے لڑنا مجھے بھی آتا ہے، لیکن بس بہت سے سہارے حاصل نہیں ہیں۔''

''آپ ایک کام کریں تایا ابو سے اس بارے میں بات کریں نا، ہو سکتا ہے وہ کوئی رائے دے سکیں۔''

''بس ارجمند! بات بہت زیادہ پھیلانا نہیں چاہتا، چلیں چھوڑیں اور سنایئے کیا کیا ہو رہا ہے؟''

''وہی رفتار بے ڈھنگی جو پہلے تھی، سو اب بھی ہے، آئیں گے نہیں؟''

''آؤں......؟''

''یہ پوچھنے والا سوال ہے، ہم تو انتظار کر رہے ہیں کہ جناب چکر لگائیں گے، ساہیوال، لاہور سے اتنا دور بھی نہیں ہے، ماشاء اللہ آپ کی شاندار گاڑی تو فراٹے بھرتی ہے، آ جایئے نا!''

''ابھی آ جاؤں......؟''

''نہیں، صبح کو، دوپہر کا کھانا ہمارے ساتھ کھایئے گا، میں اپنی پسند کی کچھ چیزیں تیار کروں گی اور پورے بھروسے کے ساتھ آپ کو کھلاؤں گی کہ آپ کو پسند آئیں گی۔''

''ٹھیک ہے ارجمند!'' تھوڑی دیر تک ارجمند سے باتیں ہوتی رہیں۔ بڑی دلکشی تھی اس کی آواز اور الفاظ میں۔

ایسی اچھی نیند آئی کہ صبح ہی کو آنکھ کھلی۔ قیصر خان کے ساتھ چائے پی۔ طبیعت میں ایک فرحت سی تھی۔ دل میں فیصلہ کر لیا تھا کہ دنیا کا کوئی کام آج نہیں کروں گا اور ہر صورت ساہیوال جاؤں گا۔ چنانچہ تیار ہوا، ماما سے اجازت لی۔ ماما نے کچھ نصیحتیں کیں کہ ذرا محتاط رہوں، دشمن ہر طرف سے وار کر سکتا ہے۔

پھر انہوں نے قیصر خان کے پاس جا کر خود اسے ہدایات دیں اور کہا کہ میرا خاص خیال رکھے اور اس کے بعد ہم چل پڑے۔ قیصر خان نے میری خواہش پر میری گاڑی ہوائی جہاز بنا دی تھی۔ ہم ساہیوال پہنچ گئے۔

ارجمند نے شاید سب کو بتا دیا تھا کہ میں آ رہا ہوں۔ بڑی خوبیوں کی مالک تھی، کسی بھی بات کو صیغۂ راز میں نہیں رکھتی تھی، لیکن اس کے اندر ایک اعتماد بھی تھا۔ میرا بہت اچھا استقبال کیا گیا۔ نکہت آراء بیگم، سمن آراء بیگم اور ارجمند سے بہت دیر تک باتیں ہوتی رہیں۔ ارجمند اجازت لے کر بار بار کچن میں چلی جاتی تھی۔ ایک بار تنہائی کا موقع ملا تو اس نے کہا۔ ''جناب عالی! مائنڈ نہ کیجئے گا، امتحان دے رہی ہوں اصل میں......!''

''امتحان......؟''

"جی ہاں، یہ بتانا چاہتی ہوں کہ مجھے بڑے اچھے کھانے پکانے آتے ہیں۔"

"جو بعد میں بھی آپ مجھے پکا کر کھلائیں گی، کیوں؟" میں نے کہا اور ارجمند مسکرانے لگی۔

دوپہر کا کھانا کھایا، تین قسم کی سبزیاں تھیں، ایک سبزی گوشت تھا، پتہ نہیں یہ محبت کا عطیہ تھا یا پھر واقعی کھانے لاجواب تھے۔ خوب ڈٹ کر کھایا۔ ارجمند نے منع کر دیا تھا کہ دادا ابو سے اس بارے میں بات نہ کی جائے۔ اس لئے بس سرسری سی باتیں ہوئیں۔ گھر جانا بھی ضروری تھا۔ تین ساڑھے تین بجے ان لوگوں سے اجازت لی اور گھر واپس چل پڑا۔ ذہنی کوفت دور ہو گئی تھی۔ ان لوگوں کا رویہ اتنا اچھا تھا کہ مجھے یہ یقین ہو گیا تھا کہ اگر ارجمند کے سلسلے میں دادا ابو اور سمن آراء بیگم سے بات کی جائے تو وہ انکار نہیں کریں گے اور ارجمند کی دلفریب مسکراہٹیں تو دیکھ ہی چکا تھا، جو میری بھرپور حمایت کرتی تھیں۔

رات کو ماما کے ساتھ نشست جمی۔ بہت سی باتیں ہوتی رہیں۔ ظاہر حسین نے دوبارہ رابطہ نہیں کیا تھا۔ طے یہ ہوا کہ کل ظاہر حسین سے اس سلسلے میں بات کی جائے اور آگے کے لئے لائحہ عمل متعین کیا جائے لیکن دوسرے دن میرے ذہن میں ایک اور خیال آیا۔ وہ یہ کہ نادر خان سے اس موضوع پر بات کی جائے۔

میں نے ماما سے کہا تو وہ بولیں۔ "تم نے میرے منہ کی بات چھین لی، بہت عرصے سے اس سے رابطہ بھی نہیں ہوا، بہت ہمدرد انسان ہے، ہو سکتا ہے ہمیں کوئی صحیح مشورہ دے دے۔"

میں نے ان کاغذات کی کئی فائلیں بنوالی تھیں، جو ظاہر حسین سے مجھے حاصل ہوئے تھے اور جن میں ہما خاتون کے بارے میں تفصیلات موجود تھیں اور ان کی طرف سے کیا جانے والا دعویٰ بھی...... یہ تمام کاغذات محفوظ کئے اور اس کے بعد نادر خان کا نمبر تلاش کر کے اسے فون کیا۔ رابطہ ہو گیا اور جب میں نے اپنے بارے میں بتایا تو نادر خان نے فوراً ہی کہا۔ "کمال ہے شہاب صاحب! یقین کر لیجئے جھوٹ نہیں بول رہا، تھوڑی دیر پہلے ہی آپ کے بارے میں سوچا تھا کہ آپ کی کوئی خیر خبر نہیں ملی۔"

"غلطی ہماری ہے نادر صاحب! بہر حال میں حاضر ہونا چاہتا ہوں۔"

"آپ تشریف لایئے، سر آنکھوں پر۔ تھانے آ رہے ہیں......؟"

"جی تھانے ہی آ جاتا ہوں۔"

نادر خان سے ملاقات ہوئی۔ اس نے اپنی مصروفیات کے بارے میں بتاتے ہوئے کہا کہ وہ انویسٹی گیشن ٹیم لے کر ایک دوسرے شہر گیا تھا اس لئے خود بھی ہم لوگوں سے رابطہ نہیں

قائم کر سکا۔ رسمی گفتگو کے بعد میں نے کہا۔ "آپ یہ بتایئے ہمارے سلسلے میں کیا ہو رہا ہے؟"

"دیکھئے ایک بات میں آپ سے پہلے بھی عرض کر چکا ہوں کہ میں دھن کا پکا ہوں، میں نے اپنے دو بندے خاص طور پر طاہرہ خانم پر لگا رکھے ہیں اور ان کی مصروفیات کو مانیٹر کر رہا ہوں، کہیں نہ کہیں ضرور گرفت میں آئیں گی اور اس وقت میں اپنی نوکری داؤ پر لگا دوں گا، نتیجہ چاہے کچھ بھی ہو لیکن طاہرہ خانم کو چھوڑنا نہیں ہے، معافی چاہتا ہوں آپ کے سامنے یہ الفاظ کہہ رہا ہوں بہرطور وہ آپ کی عزیزہ ہیں۔"

"ٹھیک ہے نادر خان! آپ اپنے طور پر جو کچھ کہہ رہے ہیں، وہ ٹھیک ہی کہہ رہے ہیں لیکن افسوس ہمارے وسائل ہمارا ساتھ نہیں دے رہے، آپ نے تھوڑی سی عزت دے دی ہے، چنانچہ جو بھی مشکل ہوتی ہے، اسے لے کر آپ کے پاس آ جاتے ہیں۔"

"ارے کیسی باتیں کر رہے ہیں شہاب صاحب! مجھے کہنا نہیں چاہئے، ہو سکتا ہے میں آپ کے دلوں میں وہ مقام حاصل نہ کر پایا ہوں لیکن میں یہ سوچتا ہوں کہ تمام باتوں سے ہٹ کر میرے اور آپ کے درمیان ایک خاص ربط ہے، چلئے چھوڑیئے ان جذباتی باتوں کو، کیا پریشانی لاحق ہے آپ کو......؟"

"تائی جان نے کچھ نئی مشکلات میں ڈال دیا ہے، سرفراز بھائی نے ان حالات کا مقابلہ کرنے کا فیصلہ کیا تھا اور چیلنج کر کے گھر سے نکلے تھے کہ تائی جان کو چت کر دیں گے لیکن خود چت ہو گئے، تائی جان نے ان پر اچھی طرح قابو پا لیا اور اب وہ انہی کا کلمہ پڑھتے ہیں، ڈیفنس میں انہوں نے اپنے لئے کوٹھی خالی کرائی ہے، اس کو فرنشڈ کر لیا ہے اور ہو سکتا ہے کہ وہاں منتقل ہو گئے ہوں کیونکہ اب وہ بہت کم ہمارے پاس آتے ہیں، سائرہ خانم ان کے ساتھ لگی رہتی ہیں، کچھ دن پہلے تھوڑی سی تلخ کلامی ہوئی تو ماما نے ان سے کہہ دیا کہ وہ تمام دولت اور جائیداد کا بٹوارہ کر دیں گی اور اس کے لئے انہوں نے ظاہر حسین کو ہدایات بھی جاری کر دیں اور انہوں نے اس سلسلے کی تمام کارروائیاں مکمل کرنی شروع کر دیں، ظاہر ہے تائی جان ہماری طرف سے کبھی غافل نہیں رہتیں، سرفراز بھائی کو ٹریپ کرنے کے بعد انہوں نے یہ بھی ضروری سمجھا کہ ہم پر نگاہ رکھیں چنانچہ ایک وکیل صاحب جن کا نام شاید سردار علی بیگ ہے، کے ذریعے ایک خاتون نے دعویٰ کیا کہ میرے مرحوم والد نے ان سے شادی کر لی تھی اور ان کے تین بچے ہیں، دو بیٹے اور ایک بیٹی...... یہ دعویٰ اچانک ہی دائر کیا گیا ہے، مطلب یہ ہے کہ اب اس جائیداد کے اور بھی حصے بخرے ہوں، نادر صاحب! آپ کے سامنے بالکل سچائی سے عرض کر رہا ہوں کہ دولت ہماری منزل نہیں ہے لیکن جس انداز

میں سارے کام ہو رہے ہیں، انہیں خاموشی سے تسلیم کر لینے کا مطلب یہ ہے کہ ہم تائی جان کے سامنے سرنگوں ہو گئے، بس یہی احساس مجھے اور ماما کو قتل کر رہا ہے، ماما نے خصوصی طور پر مجھے ہدایت کی کہ جو ہونا ہے، وہ تو ہو ہی جائے گا لیکن نادر خان کو حالات سے آگاہ کر دیا جائے، اس لئے میں آپ کے پاس حاضر ہوا ہوں۔"

"اچھا، تو محترمہ طاہرہ خانم نے اب یہ پانسہ پھینکا ہے، براہِ کرام آپ ذرا مجھے وہ تمام کاغذات دکھا دیجئے۔"

"میں آپ کے لئے یہ لے کر آیا ہوں۔" میں نے کہا اور وہ کاغذات نادر خان کے حوالے کر دیئے۔ نادر خان بہت دیر تک کاغذات دیکھتا رہا تھا اور پھر اس نے انہیں احتیاط سے رکھتے ہوئے کہا۔ "بس یوں سمجھ لیجئے کام شروع ہو گیا، یہ ہما خاتون صاحبہ کون ہیں، کیا ہیں، میں ذرا اس کا جائزہ لیتا ہوں لیکن ایک بات اور بھی آپ سے عرض کر دوں، خدانخواستہ یہ دعویٰ اگر حقیقت نکلتا ہے تو......؟"

"آپ یقین کیجئے یہ دولت اور جائیداد ہمارے علم میں پہلے بھی نہیں تھی، ہمیں جو کچھ ملا ہے، بیشک یہ ہمارے لئے غیر متوقع ہے لیکن ہمیں اچھا لگا ہے اور ہم اس سے استفادہ کرنا چاہتے ہیں، البتہ اگر وہ دعویٰ سچائی پر مبنی ہے تو پھر قانونی طور پر انہیں ان کا حق ملنا چاہئے۔"

"اوکے! تحقیقات شروع ہو جائے گی، آپ بے فکر رہیں۔"

"بہت نوازش، بہت شکریہ!" نادر خان سے تھوڑی دیر تک بات چیت ہوتی رہی اور اس کے بعد میں نے اس سے واپسی کی اجازت مانگ لی۔

دل پر ایک عجیب سا بوجھ طاری ہو گیا تھا۔ دل تو چاہا تھا کہ ان خاتون سے ملاقات کروں، جو میرے پاپا کی بیگم ہونے کا دعویٰ کرتی ہیں، ان بچوں کو بھی دیکھوں، جو میرے سوتیلے بہن، بھائی ہیں۔ جو تفصیلات ہمیں فراہم کی گئی تھیں، وہ اس قدر جاندار تھیں کہ ظاہر حسین بھی تھوڑے سے متاثر ہو گئے تھے۔

گھر واپس پہنچ گیا، تایا ابو، حرا اور سلطانہ کے ساتھ بیٹھ کر خوب گپیں ہانکتا رہا، ماما اور دانیہ کو بھی شریک کر لیا تھا۔ بہر حال دن گزر گیا۔ رات کو وہی کمرہ، جس میں لاتعداد واقعات پیش آنے کے باوجود میں نے اسے نہیں چھوڑا تھا، وہ میرا مسکن تھا۔

سرفراز بھائی یاد آئے، ہم ساتھ ہی سوتے تھے، اس وقت ان کا خالی بستر دیکھ کر دل پر ایک عجیب سا بوجھ طاری ہو گیا۔

گھر کے تمام لوگ سو چکے تھے۔ دل نے ایسے ہی بغاوت کی تو اٹھ کر باہر نکل آیا، اپنے ان دوستوں کو دیکھنا چاہتا تھا، جو میرے خلاف کمربستہ تھے۔ کاش کسی طرح دادی اماں زبان

کھول دیں اور مجھے بتائیں کہ یہ سب کیا ہے اور آگے کیا ہونے والا ہے۔ ان کا کردار تو ثابت ہو چکا تھا، ڈاکٹر اشتیاق بھی مجھے اسی گروپ کے کوئی فرد نظر آتے تھے بہرطور اپنی جگہ سے نکلا۔

تمام کمرے نیم تاریک تھے۔ سونے والے سو چکے تھے، دادی اماں کے کمرے کی جانب قدم اٹھ گئے، دیکھنا چاہتا تھا کہ اس رات کے پہر میں وہ کیا کر رہی ہوتی ہیں، ان کے کمرے میں داخل ہو کر روشنی جلائی تو ایک دم سے میرے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی، دادی اماں بستر پر موجود نہیں تھیں، میرے ذہن میں شدید تجسس بیدار ہو گیا، واش روم وغیرہ دیکھا، دادی اماں کے بستر کے نیچے دیکھا، سب کچھ دیکھنے کے بعد میں سوچنے لگا کہ اب کیا کرنا چاہئے۔ ایک دم دل میں خیال آیا کہ کسی دن ایسے ہی موقع پر دادی اماں کے دروازے کے باہر تالا لگا دوں گا پھر دیکھوں گا دادی اماں کیا کرتی ہیں۔ اس خیال سے ہونٹوں پر مسکراہٹ آ گئی۔

ویسے تو دادی اماں مجھے اشارے دیا کرتی تھیں کہ ان میں زندگی موجود ہے۔ ایک بڑی عجب کی بات تھی کہ یہ سارے پُراسرار واقعات صرف میری ذات سے منسوب ہو کر رہ گئے تھے، بس وہ پُراسرار عورت فردوس، دانیہ سے ملتی تھی، باقی کسی کو کوئی ایسا احساس نہیں تھا، تایا ابو نے کبھی اس موضوع پر بات نہیں کی تھی اور پھر سچی بات یہ ہے کہ میں بھی کسی اور سے ان تمام چیزوں کا تذکرہ نہیں کرنا چاہتا تھا۔

باہر راہداری میں آ گیا اور اچانک ہی میری نگاہ ایک طرف اٹھ گئی۔ ایک سایہ سا اس عمارت کی طرف جا رہا تھا، جو ہمارے لئے مخصوص کی گئی تھی اور جہاں ہم ابھی تک نہیں پہنچے تھے۔ اس عمارت سے مدھم مدھم روشنی ہو رہی تھی اور سایہ مناسب قدموں سے اس طرف بڑھ رہا تھا لیکن عقب سے میں نے اسے اچھی طرح پہچان لیا، وہ دادی اماں ہی تھیں۔

سب سے بڑی پہچان دادی اماں کے لمبے اور خوبصورت بال تھے جو اس عمر کی کسی خاتون کے لئے تصور بھی نہیں کئے جا سکتے تھے۔ میرے ہونٹوں پر ایک شرارت آمیز مسکراہٹ پھیل گئی۔ میں نے سوچا کہ دادی اماں کا پیچھا کروں اور میں بڑی احتیاط سے ان کے پیچھے پیچھے چل پڑا۔

دادی اماں کا سفید ہیولا اس عمارت کے دروازے پر پہنچ کر ایک لمحے کے لئے رکا اور پھر اندر داخل ہو گئیں۔ میں دبے قدموں آگے بڑھ رہا تھا۔ اس دوران حالات جس طرح پیش آتے رہے تھے، انہوں نے مجھے نڈر اور بے خوف بنا دیا تھا، میں نے گورنی سے باقاعدہ مقابلہ کیا تھا، اپنی دانست میں، میں نے اسے ختم کر دیا تھا، یہ الگ بات ہے کہ وہ انسان

نہیں کچھ اور تھی۔

چند لمحوں کے بعد میں نے دروازہ کھولا اور اندر داخل ہو گیا۔ دیکھنے والا منظر تھا، اندر سفید روشنی ہو رہی تھی جس کے مرکز کا کوئی پتہ نہیں تھا، اس سفید روشنی میں سفید لمبے لمبے چغوں والے افراد نظر آ رہے تھے، ان سب کے چہرے ڈھکے ہوئے تھے بس سر سے پاؤں تک سفید لمبے لمبے چغے نظر آ رہے تھے۔ میں جیسے ہی آگے بڑھا، ان میں بھگدڑ مچ گئی، سب ایک دوسرے سے ٹکرانے لگے اور پھر دیکھتے ہی دیکھتے ان کے بدن پتلے ہوتے چلے گئے، بالکل پتلے...... کسی رسی کی مانند اور وہ سب زمین پر بیٹھتے چلے گئے۔

وہ سب سانپوں کا روپ اختیار کر گئے تھے اور پھر وہ اِدھر اُدھر گھسنے کی کوشش کرنے لگے۔ مجھے یوں لگا جیسے وہ زمین میں سوراخ بنا کر ان میں داخل ہوتے جا رہے ہوں۔ دیکھتے ہی دیکھتے پوری جگہ صاف ہو گئی لیکن وہ ایک سایہ، جسے میں نے سب سے پہلے دیکھا تھا اور یقین کر لیا تھا کہ وہ دادی اماں ہیں، وہ وہاں کھڑا رہ گیا تھا۔ سائے کا چہرہ ڈھکا ہوا تھا لیکن اس کے بال ہوا میں اڑ رہے تھے۔ میں نے نڈر لہجے میں کہا۔ ''دادی اماں! یہ آپ ہیں نا......؟''

اسی وقت میں نے ایک سفید لباس والے شخص کو عقب سے آتے ہوئے دیکھا۔ وہ دادی اماں کے پاس پہنچ گیا تھا اور پھر اچانک ہی اس نے ایک سفید چادر دادی اماں پر ڈال دی اور دوسرے لمحے وہ دونوں میری نگاہوں سے اوجھل ہو گئے۔ میں نے غرائی ہوئی آواز میں کہا۔ ''دادی اماں! آپ کو کتنا ہی تحفظ مل جائے، میں سمجھ چکا ہوں کہ چونکہ آپ جن نہیں ہیں، اس لئے آپ سانپوں کا روپ نہیں دھار سکیں، لیکن میں آپ کو روشنی میں لے کر آؤں گا، سمجھیں!'' یہ کہہ کر میں نے پوری قوت سے دروازے کی جانب چھلانگ لگائی اور دوسرے حصے کی جانب دوڑنے لگا۔ میں دادی اماں سے پہلے ان کے بستر تک پہنچنا چاہتا تھا لیکن میں یہ نہ کر سکا۔

پوری قوت سے دوڑتا ہوا جب میں دادی اماں کے کمرے کے دروازے پر پہنچا تو دروازہ بالکل معمول کے مطابق تھا۔ میں نے دروازہ کھول کر اندر دیکھا تو دادی اماں اپنے مخصوص انداز میں بستر پر پڑی ہوئی تھیں۔ میں آہستہ آہستہ اندر داخل ہو گیا۔ اس وقت میرے اندر ایک جنون سا جنم لے رہا تھا، میں ان کے بستر کے پاس پہنچ کر کھڑا ہو گیا۔

''آپ لوگ مجھے مکمل تحفظ دے رہے ہیں دادی اماں! میں جانتا ہوں کہ آپ میری محافظ بنی ہوئی ہیں، میری ہر اچھائی سوچتی ہیں لیکن مجھے اپنے آپ میں شامل کریں، میں نے آج تک زبان بند رکھی ہے، آپ کے ہر حکم کی تعمیل کرتا رہا ہوں لیکن دادی اماں مجھے بھی

اپنے اعتماد میں لیں، میں جانتا ہوں کہ آپ ان لوگوں میں شامل ہیں، وہ سب سانپ بن گئے تھے، آپ سانپ نہیں بن سکیں، اس لئے کہ آپ جن زاد نہیں ہیں، شامل تو ہیں نا ان لوگوں میں......! دادی اماں مجھے بھی اپنے ساتھ شامل کر لیجئے ورنہ ایک بات آپ کو بتا دوں کہ میرے ذہن پر بھی شیطان قبضہ کر سکتا ہے اور اس وقت میں جو کچھ کروں گا، آپ کو یقیناً پھر میرے سلسلے میں سوچنا پڑے گا، چلیں ٹھیک ہے یہی سہی...... اب جو میرے دل میں آئے گا، میں کروں گا۔'' میں نے کہا اور ان کے کمرے سے باہر نکل آیا۔

پتہ نہیں میری کیا کیفیت ہو رہی تھی۔ میں نے سوچا کہ اب مجھے کچھ کر ڈالنا چاہئے۔ بستر پر لیٹ کر یہی سوچیں دامن گیر رہی تھیں، پھر اچانک ہی میرے ذہن میں ایک نئے خیال نے جنم لیا اور میں اپنے اس خیال پر عمل کرنے کے لئے تیار ہو گیا۔ تھوڑا سا غور کرنا تھا اور اس کے بعد کام شروع کر دینا تھا اور دوسرے دن میں نے بڑی احتیاط کے ساتھ تیاریاں شروع کر دیں۔

عمارت کے اس دوسرے حصے میں جیسا کہ میں پہلے بتا چکا ہوں، درختوں کی بہتات تھی، جھاڑ جھنکاڑ بُری طرح اُگے ہوئے تھے، سوکھی خشک ٹہنیوں کے انبار تھے۔ سوکھے پتوں کے ڈھیر تھے۔ میں نے بڑے محتاط انداز میں قیصر خان کے ساتھ مل کر بے شمار سوکھی خشک ٹہنیاں اکٹھی کیں اور انہیں اس ویران عمارت کے اندر بھرنا شروع کر دیا، جہاں سے اس تہہ خانے میں جانے کا راستہ تھا۔ کوشش کی تھی کہ کسی کو پتہ نہ چلنے پائے۔ ویسے بھی تایا ابو اندر ہی رہا کرتے تھے بس صبح کے وقت مالی بابا آ جاتا تھا تو کیاریوں کی دیکھ بھال کر لی جاتی تھی، ورنہ باقی لوگ اندر ہی وقت گزارتے تھے۔ میں نے خشک ٹہنیاں جمع کر کے اندر پہنچا دیں اور پھر قرب و جوار میں بھی سوکھے پتوں کے انبار جمع کر دیئے۔ قیصر خان نے بس ایک بار پوچھا تھا۔

''صاب......! اگر آپ بولو تو میں باہر سے مزدور بلا لائے، آپ خود یہ کام کیوں کرتے ہو؟''

''یار قیصر خان! بس دل چاہ رہا ہے۔''

قیصر خان کو میری بات پر اعتبار آیا ہو نہ آیا ہو لیکن بیچارہ کچھ پوچھ نہیں سکا تھا اور میری خوش قسمتی تھی کہ جو کچھ میں نے کیا تھا، خفیہ طریقے سے ہو ہی گیا تھا، تھوڑی سی مٹی وغیرہ ضرور اڑی تھی لیکن باہر کوئی تھا ہی نہیں جو توجہ دیتا۔

میرا کام ہو گیا تھا۔ اس عمارت کے اندرونی حصے میں جہاں سے تہہ خانے میں جانے کا راستہ تھا اور جہاں وہ بلی جس کے بارے میں پتہ چلا تھا کہ وہ سیفونہ ہے، میرے ہاتھوں

ہلاک ہوئی تھی، وہ حصہ اب خشک ٹہنیوں سے بھرا ہوا تھا، میں نے یہ پورا دن گھر پر ہی گزارا، کوئی خاص کام تھا بھی نہیں بس میرے اندر جو ضد پیدا ہوئی تھی، اس کے تحت میں کام کر رہا تھا۔

رات ہو گئی۔ کھانا وغیرہ کھایا گیا۔ سرفراز بھائی کی وجہ سے گھر کی فضا میں کچھ تھوڑی سی اداسی پیدا ہو گئی تھی۔ حرا اور سلطانہ بہت ہی اچھی طبیعت کی لڑکیاں تھیں، نوجوان ہونے کے باوجود میں نے ان کی نگاہوں میں کوئی چور نہیں پایا تھا۔

ساڑھے گیارہ بجے ہوں گے، عمارت کے مکین اپنے اپنے کمروں میں سونے کے لئے جا چکے تھے۔ میں باہر نکل آیا، میرے ایک ہاتھ میں مٹی کے تیل کی بوتل اور جیب میں ماچس تھی۔ چھپتا چھپاتا دبے قدموں وہاں پہنچا۔ تقریباً آدھی بوتل میں نے ان خشک پتوں پر چھڑکی اور اس کے بعد باقی اندر اچھال دی۔ مٹی کے تیل کی بو پھیل گئی تھی اور اب میں وقت ضائع نہیں کرنا چاہتا تھا چنانچہ میں نے ماچس کی تیلی جلا کر خشک ٹہنیوں اور پتوں میں آگ لگا دی اور اس کے بعد پوری ماچس اندر پھینک دی۔

پتے خشک تھے، ہوا چل رہی تھی چنانچہ سیکنڈوں میں آگ بھڑک اٹھی اور کچھ ہی لمحوں کے بعد اندر تک پھیل گئی، دھوئیں کے غول کے غول فضا میں بلند ہونے لگے اور پتوں کی پیلی روشنی نے ماحول روشن کر دیا۔

میں بھاگتا ہوا قیصر خان کے پاس پہنچ گیا۔ قیصر خان کا ٹھکانہ یہاں سے خاصے فاصلے پر تھا۔ ویسے بھی اس بات کے امکانات نہیں تھے کہ آگ درختوں تک پھیل جائے لیکن پھیل بھی گئی تو کوئی خاص فرق نہیں پڑتا، بجھائی جا سکتی تھی۔ مجھے جو کرنا تھا، وہ میں نے کر دیا تھا۔ قیصر خان بھی گھبرا کر اٹھ گیا اور پھر سب سے پہلی چیخ اسی کی ابھری تھی۔

''آگ، آگ......!'' اور پھر حیرت سے اس نے مجھے دیکھا۔

''صاب! آگ لگ گیا۔'' میں نے قیصر خان کا شانہ دبا دیا اور اسے پُرسکون رہنے کے لئے کہا۔ ہوا بالکل اتفاقیہ طور پر بند ہو گئی تھی ورنہ واقعی اس بات کے امکانات تھے کہ آگ پوری عمارت میں پھیل جاتی۔ کچھ ہی لمحوں کے بعد اندر بھی شور مچا۔ تایا ابو، دانیہ، حرا سلطانہ کے ساتھ دوڑتے ہوئے باہر آئے، وہ سب کے سب خوف زدہ ہو گئے تھے۔ تایا ابو نے کہا۔

''فائر بریگیڈ کو فون کرو شہاب! آگ لگ گئی۔''

''تایا ابو! آگ بہت شدید تو نہیں ہے۔''

''پھیل نہ جائے کہیں، یہ آگ لگ کیسے گئی؟'' تایا ابو نے پریشان لہجے میں کہا۔ میں پوری طرح آگ کی نگرانی کر رہا تھا۔ مجھے یہ اندازہ ہو گیا تھا کہ آگ پھیلے گی نہیں لیکن پھر

بھی میں نے احتیاطاً موبائل فون پر ہی انکوائری سے فائر بریگیڈ کا نمبر لیا اور اس کے بعد فائر بریگیڈ کو فون کر دیا۔

اچانک ہی میری آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں۔

میں نے بے شمار سائے دیکھے تھے جو اس عمارت سے نکل نکل کر بھاگ رہے تھے، ان میں عورتیں بھی تھیں، بچے بھی تھے، مرد بھی تھے، یہ سب کے سب اس عمارت سے نکل نکل کر بھاگ رہے تھے۔

میں نے پریشان نگاہوں سے اپنے ساتھ موجود باقی لوگوں کو دیکھا لیکن ان کے انداز سے یہ پتہ نہیں چل رہا تھا کہ وہ بھی ان بھاگنے والوں کو دیکھ رہے ہیں۔ مجھے تو اب ان کی چیخیں اور آوازیں تک سنائی دے رہی تھیں۔ خدا کا شکر تھا کہ وہ سب کچھ میں ہی دیکھ اور سن رہا تھا۔

قیصر خان بھی خاموشی سے کھڑا آگ کو دیکھ رہا تھا۔

بھاگنے والوں کی تعداد بہت زیادہ تھی۔ ان میں سے کچھ گیٹ کی طرف بھاگے تھے، کچھ دیواریں کود رہے تھے، کچھ کا رخ دوسرے حصے کی جانب تھا۔ وہ لوگ بھاگتے رہے، آگ خوب بھڑکی لیکن اندازے کے مطابق پھیلی نہیں۔

جب ہوا چل رہی تھی تو میرا خیال تھا کہ آگ پھیل جائے گی لیکن ایسا نہیں ہوا تھا۔ میں نے دادی اماں سے کہا تھا کہ دادی اماں میں کچھ کر بیٹھوں گا۔ اب کسی کو مجھ سے کوئی شکایت نہیں ہونی چاہئے تھی۔ میں بجھتی ہوئی آگ کو دیکھتا رہا۔ آگ خوب بھڑک کر آہستہ آہستہ سرد ہوتی جا رہی تھی اور پھر مدھم مدھم تپش کے علاوہ اور کچھ نہیں رہ گیا تھا۔ ٹوٹی پھوٹی عمارت کو بھلا اس آگ سے کیا نقصان پہنچ سکتا تھا سوائے اس کے کہ اس کی بے نوری میں کچھ اور اضافہ ہو گیا تھا۔

میرا دل ایک دم سے چاہنے لگا کہ میں عمارت کے اس دوسرے حصے کی جانب جاؤں، جو ہمارے لئے مخصوص کیا گیا تھا اور اب تک بے آباد پڑا ہوا تھا۔ میں دیکھوں کہ اس عمارت سے بھاگ جانے والوں کا کیا حال ہے لیکن پھر عقل نے تھوڑا سا ساتھ دیا۔ اب اس طرح زندگی کو داؤ پر لگا دینا بھی مناسب نہیں تھا۔ چنانچہ میں نے صبر کیا۔

اتنی دیر میں فائر بریگیڈ کی دو گاڑیاں پہنچ گئیں اور ہمیں ان کی جانب متوجہ ہونا پڑا، پھر رات کو تقریباً چار ساڑھے چار بجے تک وہ لوگ آگ بجھاتے رہے تھے۔ آگ اتنی تھی بھی نہیں کہ نہ بجھتی، وہ لوگ اپنا کام مکمل کر کے واپس چلے گئے۔

ان کے جانے کے بعد سب اپنے اپنے کمروں میں چلے گئے۔ تایا ابو نے البتہ اس بات

پر تشویش کا اظہار کیا تھا کہ وہاں آگ کیسے لگ گئی لیکن میں نے بھی اسی طرح معصومیت کا اظہار کیا تھا، جیسے دوسرے کر رہے تھے۔ البتہ قیصر خان کی آنکھوں میں ایک معنی خیزی کیفیت تھی۔ میں نے اس کے شانے کو تھپکتے ہوئے کہا۔ ''آرام کرو قیصر خان! صبح ملاقات ہوگی، چائے پینے آؤں یا نہ آؤں؟''

''صاب! اب آرام کون کرے گا اور آپ دیکھو آرام کرنے بھی دیا جاتا ہے یا نہیں!''

میں نے مسکرا کر قیصر خان کو دیکھا۔ یہ واحد آدمی تھا جو کسی حد تک میرے رازداروں میں سے تھا۔ میں نے سوچا کہ صبح اس سے اسی موضوع پر بات کروں گا، دیکھو باقی رات کیسے گزرتی ہے؟

رات خوب ہنگامہ آرائی ہوئی تھی۔ پڑوس کے لوگ بھی باہر نکل آئے تھے اور اس وقت گھروں کو واپس گئے تھے، جب فائر بریگیڈ والے واپس گئے۔ انہوں نے آگ کی وجوہات بھی پوچھی تھیں اور تایا ابو نے انہیں یہی کہا تھا کہ اتفاقیہ طور پر کہیں سے کوئی چنگاری سوکھے پتوں پر آ پڑی تھی، جس کی وجہ سے خشک پتوں نے آگ پکڑ لی۔

میں صبح کو قیصر خان کے پاس پہنچا تو اس نے چائے بنا رکھی تھی اور وہ میرا انتظار کر رہا تھا۔

''ہاں قیصر خان، کہو کیا حال ہے؟'' میں نے چائے کے گھونٹ لیتے ہوئے کہا اور قیصر خان معنی خیز نگاہوں سے مجھے دیکھنے لگا۔

''صاب آپ مالک ہے، آپ نے کون سا کام کیوں کیا، یہ بات آپ ہی جانتا ہے، میں کیا بول سکتا ہوں۔''

''میں تو اپنے کمرے میں چلا گیا تھا اور کوئی خاص بات محسوس کی تم نے۔''

''جی صاب، وہ سامنے والی عمارت کے حصے میں بار بار روشنی ہوتی رہی، دروازہ کھلتا اور بند ہوتا رہا۔''

''کوئی نظر بھی آیا؟''

''نہیں صاب، پر مرشد نے آپ سے کہا تھا اور میرا بھی یہی خیال تھا یہ عمارت بہت پرانا ہے صاب، اس عمارت کے بننے سے پہلے پتہ نہیں ادھر کیا تھا۔ ایسا بات مناسب نہیں تھا، اگر آپ ہم سے پوچھ لیتا تو ہم اپنا دونوں ہاتھ جوڑ کر آپ کو بولتا کہ نہیں صاب، ایسا کوئی کام مت کرو، دشمنی پڑ جاتا ہے۔'' قیصر خان محتاط لہجے میں بول رہا تھا۔

میں نے ایک گہری سانس لی اور خاموشی سے چائے کے گھونٹ لیتا رہا، بیچارہ قیصر خان اس کے علاوہ اور کیا کہہ سکتا تھا، بہرحال کافی دیر تک اس کے ساتھ وقت گزارا اور اس کے بعد حمیدہ نے ناشتہ لگ جانے کی اطلاع دی۔ ناشتے کے کمرے میں تایا ابو کے ساتھ، حرا، سلطانہ، دانیہ، ماما سب بیٹھے ہوئے تھے، رات کو بھڑک اٹھنے والی آگ پر ہی تبصرہ ہو رہا تھا،

ماما کہہ رہی تھیں۔

"آگ اگر درختوں تک پھیل جاتی تو بڑا نقصان ہو جاتا، دوسری عمارتوں میں بھی آگ لگ جاتی۔"

"ہاں یہ بات تو ہے۔"

"رات کو پڑوسی بھی بڑے بُرے بُرے منہ بنا رہے تھے، وہ کہہ رہے تھے کہ نجانے ممتاز صاحب نے یہ جنگل کیوں پھیلایا ہوا ہے، کسی بھی وقت کوئی خطرناک بات ہو سکتی ہے۔"

تایا ابو خاموشی سے ناشتہ کرتے رہے اور ناشتے کے بعد انہوں نے مجھے اشارہ کیا اور وہاں سے چل پڑے۔ ماما وغیرہ اپنے کمرے میں چلی گئیں۔ میں تایا ابو کے ساتھ ان کے کمرے میں آ گیا، تایا ابو سنجیدہ تھے۔

"بات اصل میں یہ ہے شہاب، تم نے ایک بار مجھ سے کہا تھا کہ اس علاقے کی صفائی کرا دی جائے اور میں نے شاید پہلی بار تم سے تمہاری کسی بات پر انکار کیا تھا۔"

"جی تایا ابو کوئی خاص وجہ ہے اس کی......" میں نے فوراً ہی بات کو سمجھ لیا۔

"اماں جی کی اجازت نہیں ہے۔"

"کس کی؟" میں نے حیرانی سے پوچھا۔

"ہاں، میں تمہاری دادی اماں کی بات کر رہا ہوں۔ جب بھی میں نے یہ جنگل کٹوانے کے بارے میں سوچا، وہ میرے خواب میں آ گئیں اور انہوں نے سختی سے مجھے ہدایت کی کہ خبردار ان درختوں کو بالکل نہ کٹوانا، اس علاقے کو ایسے ہی رہنے دو کیونکہ یہ ہماری ملکیت نہیں ہے۔"

"ملکیت نہیں ہے؟"

"ہاں، بس کچھ ایسے ہی معاملات ہیں شہاب، قدرت نے اپنی اس کائنات میں بڑی مخلوق پیدا کی ہے اور اس مخلوق کے رہنے کے لئے اس نے ہی انتظامات کئے ہیں۔ کوئی بھی جگہ، جہاں تم رہتے ہو، تمہاری اپنی نہیں ہوتی۔ لاتعداد کیڑے، مکوڑے، پرندے وہاں رہتے ہیں اور سبھی اسے اپنا اپنا گھر سمجھتے ہیں۔ اماں جی نے خواب مجھے ہدایت کی ہے کہ یہ جگہ بھی خالص ہماری اپنی نہیں ہے، یہاں کوئی اور بھی مخلوق رہتی ہے...... لیکن وہ اپنے طور پر مصروف ہے اور ہم اپنے طور پر، طویل عرصے سے میں یہاں رہ رہا ہوں، لیکن ہمیں کوئی نقصان نہیں پہنچا، البتہ ایک بات میں تم سے پوچھنا چاہتا ہوں۔"

"جی تایا ابو؟" میں نے کہا اور تایا ابو گہری نگاہوں سے مجھے دیکھنے لگے۔

"دن کی روشنی میں اس جگہ کا معائنہ کیا تھا میں نے، جہاں آگ لگی تھی وہاں اندر تک

کوئلے بھرے ہوئے ہیں، جو پتے اور ٹہنیاں باہر جلی ہیں وہ وہاں نہیں تھیں بلکہ انہیں وہاں پہنچایا گیا تھا۔ اس کے علاوہ کچھ ایسے آثار بھی ملے ہیں جیسے اس علاقے کی صفائی کی گئی ہو اور وہ پتے اس ٹوٹے کھنڈر کے گرد جمع کئے گئے ہوں...... کیا یہ کام تم نے کیا تھا؟"

"نہیں تایا ابو، میں کیوں کرتا۔" میں نے پہلے ہی فیصلہ کر لیا تھا کہ اگر اس سلسلے میں مجھ پر کوئی شبہ کیا گیا تو میں انکار کر دوں گا۔ یہ بات تو میں کسی طرح قبول کر ہی نہیں سکتا تھا۔

تایا ابو نے میری بات پر فوراً ہی یقین کر لیا اور بولے۔ "ظاہر حسین صاحب نے جو انکشاف کیا ہے، کیا اس سلسلے میں کوئی پیش رفت ہوئی؟"

"ابھی تک تو نہیں، ویسے میں نے نادر خان سے رابطہ قائم کر لیا ہے۔"

"واہ...... یہ اچھی بات ہے۔ نادر خان کیا کہتے ہیں اس بارے میں؟"

"وہ بیچارہ بہت ہی اچھا آدمی ہے۔ تمام کاغذات کا ایک سیٹ میں نے اسے دے دیا ہے، وہ اپنے طور پر بھی اس سلسلے میں کوشش کرے گا۔" میں یہ کہتے کہتے رک گیا کہ نادر خان نے طاہرہ خانم کا پیچھا نہیں چھوڑا۔ ان پر اب بھی کام کر رہا ہے۔ یہ بات تایا ابو کو بتانے کی نہیں تھی۔ بہرحال تایا ابو سے باتیں ہوتی رہیں۔ انہوں نے کہا کہ تمہیں سب سے پہلے اس عورت نما خاتون سے ملنا چاہئے۔ کس قماش کی عورت ہے اور تمہارے ساتھ اس کا کیا رویہ ہے۔ تھوڑا بہت تو پتہ چلے گا۔"

"ٹھیک ہے تایا ابو، میں نادر خان سے ملتا ہوں۔" اور نادر خان سے ملاقات کر کے میں نے یہی پیش کش کی، کیوں نہ ہم ہما خاتون سے ملیں۔

"نادر خان صاحب، میں جانتا ہوں کہ آپ نے اپنے طور پر مخلصانہ کام شروع کر دیا ہو گا لیکن بس ایسے ہی کیونکہ میرا ذہن ہر وقت ان الجھنوں میں رہتا ہے۔ میں نے سوچا کہ آپ سے ملاقات کی جائے۔"

"میں تمہیں ایک دلچسپ بات بتاؤں شہاب کہ کچھ دیر پہلے میں یہی سوچ رہا تھا کہ اب ہما خاتون سے ہمیں براہ راست ملاقات کر لینی چاہئے۔ میں نے یہ فیصلہ کیا تھا کہ تم سے مشورہ کروں گا کہ چلو ہم دونوں ہما خاتون کے پاس چلتے ہیں۔ میں پولیس کی وردی میں تمہارے ساتھ نہیں چلوں گا۔ تم اپنی حیثیت سے اس سے ملنا اور مجھے اپنا دوست بتا دینا...... کیا سمجھے؟"

"ٹھیک ہے۔" ہم لوگوں نے فیصلہ کیا اور اس کے بعد نادر خان تھانے سے اٹھ گیا اور ہم اس کے گھر کی جانب چل پڑے۔

نادر خان کی بیگم بھی بڑی خوش اخلاق تھی۔ اس نے مجھ سے سب کی خیریت پوچھی۔ نادر

خان اسے ہم لوگوں کے بارے میں بہت کچھ بتا چکا تھا۔ اتنی دیر میں وہ تیار ہو کر آ گیا۔ اس کی بیوی نے پیشکش کی کہ چائے پی کر جائیں لیکن نادر خان نے منع کر دیا اور ہم دونوں باہر نکل آئے۔

پھر ہم مطلوبہ پتے پر پہنچ گئے۔ یہ فلیٹ تھے لیکن بہت قیمتی اور اچھے فلیٹوں میں شمار ہوتے تھے۔ انہی میں سے ایک فلیٹ کا پتہ ہمیں دیا گیا تھا چنانچہ ہم اس فلیٹ کے سامنے پہنچ گئے۔ بیل بجائی تو ایک پُرکشش عورت نے جس کی عمر تیس بتیس سال ہو گی، دروازہ کھول کر سوالیہ نگاہوں سے ہمیں دیکھا تو میں نے آگے بڑھ کر کہا۔ ''میڈم، ہمیں ہما خاتون سے ملنا ہے۔''

''جی فرمائیے، میں ہی ہوں ہما۔''

''میڈم! میرا نام شہاب ہے، شہاب امتیاز احمد...... میں بحرین سے آیا ہوں۔ آپ کے وکیل صاحب کے ذریعے مجھے آپ کا پتہ معلوم ہوا۔ میں آپ سے ملنا چاہتا تھا۔

ہما خاتون نے گہری نگاہوں سے مجھے دیکھا، پھر نادر خان کی طرف۔ اس کے بعد بولی۔

''آئیے۔'' اس کا لہجہ سپاٹ سا تھا۔

ہم دونوں اندر داخل ہوئے تو اس نے دروازہ اندر سے بند کر دیا، گویا وہ خاصی پُراعتماد عورت تھی۔ فلیٹ اندر سے بہت شاندار تھا، جس ڈرائنگ روم میں ہمیں لے جایا گیا، وہ انتہائی قیمتی فرنیچر سے آراستہ تھا۔ فرش پر موٹا قالین بچھا ہوا تھا۔ بہت سے ڈیکوریشن پیس رکھے ہوئے تھے اور ایک طرف ایک بہت ہی خوبصورت اسٹینڈ پر ایک بڑی تصویر تھی، جسے صوفے پر بیٹھتے ہوئے میں نے دیکھا اور میرے دل کو ایک دھکا سا لگا۔

یہ ہما خاتون اور پاپا کی تصویر تھی۔ دونوں پاس پاس کھڑے تھے اور دونوں کے ہاتھوں میں پھول نظر آ رہے تھے۔ پاپا ایک خوبصورت لباس میں تھے اور ہما خاتون اس تصویر میں بیس بائیس سال کی نظر آ رہی تھیں۔

کچھ لمحے میں نے تصویر پر نگاہیں جمائے رکھیں، اس دوران ہما خاتون نے کہا۔ ''یہ شہاب صاحب ہیں اور آپ کون ہیں؟''

''میرا نام نادر خان ہے، میں شہاب کا دوست ہوں۔''

''جی شہاب...... افسوس مجھے پہلے آپ کے بارے میں علم نہیں تھا، وہ تو اتفاق سے میرے وکیل سردار علی بیگ کی ملاقات وکیل ظاہر حسین سے ہو گئی اور مرحوم امتیاز احمد کی جائیداد کے بٹوارے کی بات سامنے آئی تو میرے وکیل نے مجھے مجبور کیا کہ میں اپنے آپ کو منظر عام پر لاؤں ورنہ امتیاز احمد کی خواہش تھی کہ میرا نام صیغۂ راز میں ہی رہے، اب میں اپنے بچوں کا حق تو نہیں مار سکتی تھی۔''

''ہما خاتون، آپ کی شادی کتنے عرصے پہلے ہوئی تھی؟'' نادر خان نے سوال کیا۔

''پلیز! یہ بیکار باتیں آپ لوگ مجھ سے نہ کریں۔ شہاب! میں خود بھی آپ سے ملنا چاہتی تھی۔ میں نے جائیداد وغیرہ کے بارے میں کبھی سوچا بھی نہیں تھا لیکن بس قدرت کی مرضی یہی تھی۔ کیا پئیں گے آپ؟''

''نہیں شکریہ...... میں آپ سے چند باتیں معلوم کرنا چاہتا تھا۔ جائیداد وغیرہ کا جہاں تک مسئلہ ہے، جیسی بھی صورتحال ہوئی، دیکھا جائے گا لیکن ہمیں نہیں معلوم تھا کہ پاپا نے یہاں دوسری شادی کر رکھی ہے۔''

''امتیاز احمد بہت ہی اچھے انسان تھے، بہت ہی نفیس، بہت گریٹ، اصل میں ان کی زندگی سے کچھ ایسے واقعات وابستہ تھے جن کی بنا پر وہ کچھ دلبرداشتہ سے رہتے تھے۔ مثلاً ان کے بھائیوں کا ان کے ساتھ سلوک، گھر سے علیحدگی، بحرین روانگی۔ آپ لوگوں کے بارے میں مجھے پورا پورا علم تھا۔ آپ کی والدہ افشاں بیگم کے بارے میں بھی امتیاز نے مجھے تفصیل سے بتایا تھا۔ ہماری ملاقات ایک سفر کے دوران ہوئی تھی۔ میں کچھ ایسے حالات کا شکار تھی کہ مجھے امتیاز احمد سے شادی کرنی پڑی، جبکہ انہوں نے مجھے کھل کر بتا دیا تھا کہ ان کی بیگم اور تین بچے مناما میں موجود ہیں۔ میں آپ کو مختصر بتاؤں کہ میرے حالات ایسے تھے کہ میرا شادی کرنا ضروری تھا ورنہ شاید میں کسی اور عورت کے حق پر ڈاکہ نہ ڈالتی۔ افسوس میں ان حالات کے بارے میں کچھ نہیں بتا سکتی، شہاب مجھے معاف کرنا، یہ ایک ناگوار کام ہے، جو مجھے سرانجام دینا پڑ رہا ہے لیکن میرے بچے تم لوگوں سے ابھی بہت چھوٹے ہیں۔ انہیں زندگی کی دوسری سہولیات بھی درکار ہوں گی۔ یہ ساری باتیں نہایت افسوسناک ہیں لیکن کرنا پڑتا ہے۔ اب عدالت جو بھی فیصلہ کرے۔ میرے وکیل میرے حقوق کا دعویٰ کریں گے اور وہ تمام ثبوت پیش کریں گے، جو حقیقت پر مبنی ہیں اور ان میں کوئی مفروضہ چیز نہیں ہے، جیسے یہ تصویر آپ دیکھ رہے ہیں۔''

''کیا میں اسے قریب سے دیکھ سکتا ہوں؟'' نادر خان نے سوال کیا۔

ہما خاتون نے کسی قدر ناگوار نگاہوں سے اسے دیکھا، پھر بولیں۔ ''ضرور دیکھئے، میں اسے چھپانا تو نہیں چاہتی۔''

نادر خان تصویر کے قریب پہنچ گیا۔ اس نے اس فریم کو اٹھایا اور چہرے کے قریب کر کے دیکھنے لگا۔ تھوڑی دیر تک اسے دیکھتا رہا، پھر بولا۔ ''واقعی بڑی خوبصورت تصویر ہے۔''

ہما خاتون نے کوئی جواب نہیں دیا۔ وہ مجھ سے بولیں۔ ''آپ ایسا کریں شہاب، یہ سارے مسئلے تو چلتے رہیں گے، آپ اپنی مما اور بہن بھائی کے ساتھ آئے ہیں نا، آئیے

ہمارے ساتھ کھانا کھایئے، مجھے خوشی ہوگی۔ کچھ بھی، ہے ہمارے درمیان امتیاز احمد مرحوم کا رشتہ تو ہے۔"

"جی، ماما بھی آپ سے ملنا چاہتی ہیں، وہ دیکھنا چاہتی ہیں کہ پاپا نے اگر ایسا کوئی عمل کیا ہے تو وہ کون خاتون ہیں، جنہوں نے پاپا جیسی چٹان کو پگھلا لیا۔"

"نہیں...... امتیاز احمد بہت اچھے انسان تھے، چلیں خیر ٹھیک ہے، جو قدرت کو منظور تھا، میں چائے بنواتی ہوں۔"

"نہیں، ہم دوبارہ حاضر ہوں گے، اس کے بعد یہ چائے وغیرہ پی لی جائے گی۔"

"مجھ سے اگر کوئی بھی بات پوچھنا چاہیں یا کوئی کام تو براہِ کرم فوراً آ جائیں اور یہ میرا فون نمبر رکھ لیجئے۔ یہ گھر کا نمبر ہے اور یہ موبائل کا۔" ہما خاتون نے کاغذ پر دو نمبر لکھ کر مجھے دیئے اور میں نے انہیں دیکھ کر جیب میں رکھ لیا اور اس کے بعد ہم اجازت لے کر اٹھ کھڑے ہوئے۔

"ویسے یہ آنا نہ ہوا، مجھے یوں لگتا ہے جیسے تمہارا دل میری طرف سے صاف نہیں ہے، شہاب! بہر حال تم سے میرا تھوڑا بہت رشتہ ہے، اس لئے میں چاہتی ہوں کہ تم مجھ سے ملتے رہو۔"

"میں حاضری دوں گا۔ بچے کہاں ہیں؟"

"گئے ہوئے ہیں، دوبارہ آؤ گے تو ان سے ملاقات بھی ہوگی۔"

"اجازت"...... اور اس کے بعد ہم باہر نکل آئے۔ میں نے وہاں ڈرائنگ روم میں بھی نادر خان کے چہرے پر کھویا کھویا پن دیکھا تھا۔ باہر آ کر ہم کار میں بیٹھے تب بھی وہ سوچ میں ڈوبا نظر آیا۔

"جی نادر خان صاحب کیا بات ہے، آپ بہت زیادہ خاموش خاموش سے ہیں۔"

"کچھ ہے یار، کوئی بات ہے، جو دماغ میں ڈنک مار رہی ہے۔"

"ظاہر ہے آپ کا تعلق پولیس سے ہے، جن باریکیوں میں آپ جا سکتے ہیں ہم نہیں جا سکتے۔ میں خود بھی حیران ہوں۔ پاپا درحقیقت اس طرح کے انسان نہیں تھے۔ یہ خاتون بے شک انتہائی خوبصورت ہیں، پُروقار بھی ہیں، گفتگو کا انداز بھی بہت اچھا ہے لیکن میں آپ کو اپنے خاندانی حالات کیا بتاؤں۔ پاپا بالکل اس طرح کے انسان نہیں تھے، وہ ہم سب سے مخلص تھے اور ان کی زندگی کا ہر عمل ہمیں معلوم تھا۔"

"بالکل مگر چلیں ٹھیک ہے۔ ویسے ایک بات بتاؤں۔ میں ان خاتون کو تھانے بلاؤں گا۔" نادر خان نے نجانے کس خیال کے تحت کہا...... اور میں چونک کر اسے دیکھنے لگا۔ نادر

خان بدستور کھویا کھویا سا تھا۔ کچھ لمحوں کے بعد اس نے کہا۔ "یہ بات تو یقینی ہے کہ یہ اسکرپٹ طاہرہ خانم ہی کا ہے۔ جائیداد کی تفصیل سامنے آنے کے بعد انہوں نے اپنا کام شروع کر دیا۔ اپنی بیٹی کے ذریعے انہوں نے سرفراز صاحب کو قابو میں کیا۔ پھر مزید دولت کے حصول کے لئے ان خاتون کو تین بچوں کے ساتھ سامنے لایا گیا۔ بڑی دلچسپ صورت حال ہے۔ ویسے شہاب کھیل مزے کا ہے، ہمت سے کھیلو گے نا۔"

"نادر خان جیسے قابل اعتماد دوست کا سہارا حاصل ہو تو ہر کھیل کھیلا جا سکتا ہے۔"

"تو سمجھ لو کہ نادر خان کی جان حاضر ہے۔ آؤ کسی ریستوران میں بیٹھ کر باتیں کریں گے۔" وہ بولا۔ میں نے گردن ہلا دی۔

ایک چھوٹے سے ریستوران میں چائے کے گھونٹ لیتے ہوئے اس نے کہا۔ "اس طرح کے اسکرپٹ بڑی ذہانت سے تیار کئے جاتے ہیں لیکن ہمارا کام ان میں خامیاں تلاش کرنا ہوتا ہے اور وہیں ہمیں ایسے منصوبوں کو فیل کرنا ہوتا ہے۔ مثلاً تھانے بلا کر میں ان خاتون سے جو سوالات کروں گا، وہ کچھ اس طرح کے ہوں گے۔ نمبر ایک، ہما خاتون کو امتیاز صاحب کی موت کی اطلاع کب اور کیسے ہوئی۔ انہیں امتیاز احمد کے اہل خاندان کے بارے میں تفصیل معلوم تھی تو انہوں نے اس موت کی تصدیق کے لئے کسی سے ملاقات کیوں نہ کی۔ نمبر دو، امتیاز صاحب کی اس خفیہ شادی کا علم کسی کو نہیں تھا اور یہاں ان کے بیوی بچے تھے تو انہیں کسی رمزی صاحب کے فلیٹ میں قیام کی ضرورت کیوں پیش آئی یا انہوں نے رمزی صاحب کے مصنوعی نام سے فلیٹ کیوں خریدا۔ ہما خاتون کو صرف جائیداد کی تقسیم کے وقت ہی شوہر کی یاد کیوں آئی۔ سب سے اہم پوائنٹ یہ ہے کہ یہ فلیٹ ان کے پاس کب سے ہے، جس میں وہ رہ رہی ہیں۔ یہ فلیٹ کب خریدا یا کرائے پر حاصل کیا گیا۔ امتیاز صاحب کے بچے کون سے اسکولوں میں کب سے پڑھتے ہیں اور وہاں ان کی ولدیت میں کیا نام درج ہے۔ وغیرہ لیکن......" نادر خان خاموش ہو گیا۔ میں تحسین آمیز نظروں سے اسے دیکھ رہا تھا۔ واقعی زبردست سوالات تھے، جو ایک ذہین پولیس آفیسر ہی سوچ سکتا تھا۔ اس کے خاموش ہونے پر میں سوالیہ نظروں سے اسے دیکھنے لگا۔ کچھ دیر کے بعد اس نے کہا۔

"پروگرام بدلنا پڑے گا۔"

"کیا......؟"

"ہما خاتون کو تھانے بلانا مناسب نہیں ہوگا کیونکہ مقابلہ طاہرہ خانم جیسی خطرناک عورت سے ہے۔"

"میں نہیں سمجھا۔" میں نے کہا۔

''ظاہر ہے ان سوالات کی تفصیل طاہرہ خانم کو معلوم ہو گی اور وہ اپنے اسکرپٹ کی خامیاں دور کر لیں گی جبکہ ہم عدالت میں ان سوالات کو اٹھا کر مؤثر نتیجہ حاصل کر سکتے ہیں۔''

''بالکل ٹھیک۔'' میں نے تائید کی۔ پھر کہا۔

''ایک بات بتائیں۔ آپ کو یقین ہے کہ یہ کہانی طاہرہ خانم ہی کی ترتیب دی ہوئی ہے۔''

''بہت زیادہ بلند پروازی کبھی کبھی بری طرح گراتی ہے۔ طاہرہ خانم نے میری بے عزتی کی تھی، جس کی رنجش مجھے ہے لیکن میں ان کی حیثیت اور اختیارات بھی جانتا ہوں، اس لئے کوئی بھی عمل بہت ٹھوس بنیاد پر کرنا ہوگا۔ میں ہر قدم محتاط ہو کر اٹھاؤں گا۔''

''ٹھیک ہے۔''

''اٹھیں؟'' اس نے پوچھا اور میں نے آمادگی ظاہر کر دی۔ ''مجھے گھر پر ہی ڈراپ کر دو۔ وردی پہن کر تھانے جاؤں گا۔''

نادر خان کو اس کے گھر چھوڑ کر واپس آتے ہوئے میرا ذہن ہما خاتون میں الجھا رہا۔ میں ان کی شخصیت پر غور کر رہا تھا۔ یہ خاتون خاصی دلکش تھیں۔ کیا واقعی پاپا ان سے شادی کر سکتے تھے۔ پاپا ان سے کس طرح متاثر ہو سکتے تھے۔ اگر صرف حسن و جمال کی بات ہوتی تو میری ماما بھی کم پُرکشش نہیں تھیں اور پھر پاپا نے اپنی نیک فطرت کی بنا پر نکہت آراء جیسی حسین ترین خاتون کو نظر انداز کر دیا تھا۔ وہ کسی طرح ایسا نہیں کر سکتے تھے۔ بہر حال ہما خاتون سے یہ ملاقات کافی سنسنی خیز رہی تھی۔ ویسے پاکستان آنے کے بعد سے اب تک تمام حالات سنسنی خیز ہی تھے۔ پاپا نے پاکستان چھوڑ دیا تھا لیکن خود یہاں آتے رہے تھے اور یوں لگتا ہے، جیسے وہ چاہتے تھے کہ زندگی میں کبھی ہم پاکستان نہ آئیں۔ کیا اس کی وجہ ہما خاتون تھیں؟''

پھر ایک اور سنسنی خیز رات کا آغاز ہو گیا۔ معمول کے مطابق دستر خوان لگا تھا۔ کئی کھانے پکے تھے، عموماً دستر خوان پر کئی کھانے ہوتے تھے۔ اس وقت بھی بریانی، نرگسی کوفتے، کڑاہی اور پالک گوشت موجود تھا۔

ہم سب دستر خوان پر بیٹھے تو ایک عجیب ناگوار سی بو کا احساس ہوا۔ سب سے پہلے تایا ابو چونکے تھے۔ انہوں نے کھانے کے برتن سونگھنا شروع کئے اور سب کے ہاتھ رک گئے۔

''کیا بات ہے ابو......'' حرا نے پوچھا۔

''ایک عجیب سی بدبو محسوس ہو رہی ہے۔ افشاں بہن تم دیکھنا کسی کھانے سے تو بو نہیں

آ رہی۔''

ماما نے بھی کھانوں کی ڈشیں سونگھیں۔ پھر بولیں۔ ''نہیں ممتاز بھائی، یہ سب ٹھیک ہیں۔''

''بو مجھے ہی آ رہی ہے یا تم لوگوں کو بھی اس کا کوئی احساس ہے؟''

''بو تو کمرے میں داخل ہوتے ہی محسوس ہوئی تھی تایا ابو۔'' میں نے کہا۔

''ہاں بو آ رہی ہے۔'' سلطانہ بھی بولی اور سب چاروں طرف دیکھنے لگے۔ اتنے میں حمیدہ کچھ چیزیں لے کر اندر آئی تو تایا ابو نے کہا۔ ''حمیدہ، تمہیں کچھ بو محسوس ہو رہی ہے۔''

''جی، صاحب جی۔''

''کمرے کی صفائی اچھی طرح کی ہے۔ کہیں کوئی چوہا وغیرہ تو نہیں مر گیا۔''

''پورا کمرہ صاف ہے صاحب جی۔ آپ دیکھ لیں کوئی ایسی چیز نہیں ہے۔''

''کل ساری چیزیں نکال کر کمرہ فنائل سے دھونا۔ سلطانہ اور حرا تمہاری مدد کریں گی۔''

''جی صاحب۔'' حمیدہ نے کہا۔ سب کھانے میں مصروف ہو گئے لیکن کچھ بے کیفی سی رہی البتہ ایک اور چونکا دینے والی بات ہوئی۔

دانیہ ایک مہذب لڑکی تھی۔ اسے ماما نے ہر طرح کے آداب سے مرصع کیا تھا لیکن اس وقت اس نے ایک حرکت کی۔ اس نے بریانی کی پلیٹ اس طرح بھری کہ بس چاول گرنے کی کسر رہ گئی تھی۔ پھر اس نے بڑے غیر مہذب انداز میں کھانا شروع کیا۔ کسی اور نے شاید اس بات کو محسوس نہیں کیا تھا لیکن مجھے بہت عجیب لگا۔ اس کے علاوہ یہ چاول اتنے تھے کہ دانیہ چار بار میں بھی انہیں نہیں کھا سکتی تھی۔ مجھے اس کی خوراک معلوم تھی، لیکن دانیہ نے بڑے آرام سے پلیٹ خالی کر لی، پھر اس نے خاصے بڑے سائز کے چار نرگسی کوفتے پلیٹ میں نکالے اور روٹی لے کر ان پر پل پڑی۔

اب دوسرے لوگ بھی ادھر متوجہ ہوئے لیکن کسی کے دل میں کوئی خیال نہیں آیا۔ البتہ میں اس بات کو نظر انداز نہیں کر سکا تھا۔ دانیہ غضب ڈھا رہی تھی۔ کم از کم چھ افراد کا کھانا کھا چکی تھی وہ۔ لوگ تقریباً کھانا ختم کر چکے تھے لیکن وہ دوسروں سے بے نیاز کھانے میں مصروف تھی۔ کڑاہی کی پوری پلیٹ چٹ کر کے اس نے دوبارہ بریانی کی ڈش اپنی طرف سرکائی تو ماما بولے بغیر نہ رہ سکیں۔

''دانیہ بیٹے۔ کیا بات ہے زیادہ بھوک لگ رہی ہے؟''

دانیہ جیسے سوتے سے چونک پڑی۔ اس نے پلیٹ رکھتے ہوئے کہا۔ ''نہیں ماما...... کھا چکی۔''

سب اٹھ گئے اور کھانے کے کمرے سے باہر نکل آئے۔ میرے ذہن میں ایک عجیب وہم بیدار ہو گیا تھا۔ میں نے دانیہ پر نگاہ رکھی اور میرے وہم کو تقویت ملتی رہی۔ دانیہ کسی مشکل کا شکار تھی، کسی احساس میں الجھی ہوئی تھی، کچھ عجیب سا انداز تھا اس کا۔ میں نے فیصلہ کرلیا کہ اس سے بات کروں گا۔

❀❀❀

رات کے کوئی ساڑھے دس بجے تھے۔ سب لوگ کمروں میں جا چکے تھے۔ میں ماما کے کمرے میں داخل ہو گیا۔ ماما آنکھیں بند کئے بستر پر لیٹی تھیں۔ دانیہ تکئے کے سہارے نیم دراز تھی۔ میرے کمرے میں داخل ہونے پر بھی اس کے انداز میں تبدیلی نہیں ہوئی۔ تب میں نے اسے آواز دی۔ ''دانیہ......''

وہ اچھل پڑی۔ ماما نے بھی میری آواز پر آنکھیں کھول دیں۔ دانیہ تو کچھ نہ بولی لیکن ماما نے کہا۔ ''کیا بات ہے؟''

''کچھ نہیں ماما۔ ایسے ہی دانیہ کو بلانے آیا تھا۔ آؤ گی دانیہ باہر، ایک دو چکر لگائیں گے۔'' اس سے پہلے کہ وہ کچھ بولتی، میں نے تحکمانہ لہجے میں کہا۔ آؤ......''

وہ اپنی جگہ سے اٹھ گئی۔ ''ہم آتے ہیں ماما۔''

''میں بھی آؤں۔'' ماما نے کہا۔

''نہیں آپ آرام کریں، ہم ابھی آتے ہیں۔''

میں نے جلدی سے کہا اور دانیہ کا ہاتھ پکڑنے کے لئے ہاتھ بڑھایا لیکن دانیہ اچھل کر پیچھے ہٹ گئی۔ اس کے چہرے پر عجیب سے خوف کے آثار پھیل گئے۔ میں نے حیرت سے اسے دیکھا اور کہا۔ ''کیا ہوا؟''

''ایں......'' دانیہ چونک پڑی، پھر بولی۔

''کچھ نہیں۔ مجھے یوں لگا جیسے آپ گدگدی کرنے کے لئے ہاتھ بڑھا رہے ہوں! چلئے۔'' وہ تیزی سے آگے بڑھی اور مجھ سے پہلے دروازے سے باہر نکل گئی۔

یہ سب کچھ بدلا بدلا سا تھا، کوئی اور کچھ نہیں محسوس کر سکتا تھا لیکن میرے ذہن میں کچھ اور ہی پک رہا تھا، میں نے یہاں بھی وہی بو محسوس کی تھی اور یہ میرا وہم نہیں تھا۔

ماما سے میں اس بو کے بارے میں نہیں پوچھ سکا تھا لیکن کمرے میں داخل ہوتے ہی مجھے اس بو کا احساس ہوا تھا اور اس وقت بھی جب دانیہ کے ساتھ کمرے سے باہر نکل آیا تھا، وہ بو مسلسل محسوس ہو رہی تھی۔

دانیہ مجھ سے دو قدم آگے چل رہی تھی۔ میں نے اس کا ہاتھ پکڑنے کے لئے ہاتھ بڑھایا

تو وہ عجیب سے انداز میں پیچھے ہٹ گئی تھی۔ یہ بھی ایک تجربہ تھا۔ اس کے ساتھ آگے بڑھتا ہوا بالکل غیر ارادی طور پر دادی اماں کے کمرے کے سامنے رکا اور ایک دم میرے دل میں آیا کہ میں دانیہ کو دادی اماں کے پاس لے جاؤں۔ میں نے اسے آواز دی اور وہ رک گئی۔

''آؤ دانیہ ذرا اندر آؤ۔'' میں نے کہا، لیکن دانیہ کے چہرے پر پھر وہی کشمکش پیدا ہوئی۔

''آؤ کیا بات ہے؟''

میں نے کہا تو وہ خوفزدہ لہجے میں بولی۔

''نن...... نہیں نہیں، میں اندر نہیں جاؤں گی، مجھے ڈر لگتا ہے۔''

''دادی اماں سے...... آؤ تم کیا فضول حرکتیں کر رہی ہو، آؤ۔'' میں اس کی طرف بڑھا تو اچانک ہی اس نے باہر کی جانب چھلانگ لگا دی۔

وہ تیزی سے دوڑتی ہوئی راہداری کے باہر جانے والے حصے کی طرف بھاگی تھی۔ میں اسے آوازیں دیتا ہوا اس کے پیچھے دوڑا لیکن دانیہ کی رفتار ناقابلِ یقین تھی۔ اس نے راہداری سے باہر چھلانگ لگائی اور پھر بے اختیار دوڑتی چلی گئی۔ اس کا رخ اس پرانے حصے کی جانب تھا، جو ہماری رہائش گاہ کے طور پر تیار کیا گیا تھا۔ میں ایک لمحے کے لئے رکا لیکن دانیہ کے خوف کی وجہ میں نہیں سمجھ سکا تھا۔ دوسرے لمحے وہ پرانے حصے کا دروازہ کھول کر اندر چلی گئی۔ میں نے اس کا پیچھا نہیں چھوڑا۔ میں بھی تیزی سے دوڑتا ہوا کھلے دروازے سے اندر داخل ہو گیا اور پھر میں نے رک کر اسے آواز دی۔ ''دانیہ کیا تم پاگل ہو گئی ہو، دانیہ...... دانیہ کہاں چھپی ہوئی ہو تم، دانیہ......''

میں ایک ایک حصے کو روشن کرتا ہوا دانیہ کو آوازیں دیتا رہا لیکن صاف محسوس ہو رہا تھا کہ اس وقت یہاں کوئی انسانی وجود موجود نہیں ہے، ہر طرف ہُو کا عالم طاری تھا اور کہیں سے سانس تک کی آواز نہیں سنائی دے رہی تھی۔

''دانیہ کہاں چلی گئیں تم، اگر چھپ گئی ہو تو سامنے آؤ، میں تمہیں کچھ نہیں کہوں گا، بات تو سنو میری۔''

لیکن ہر طرف مکمل خاموشی تھی، کوئی سرسراہٹ بھی نہیں سنائی دے رہی تھی۔ میں ایک دیوار سے ٹک کر کھڑا ہو گیا اور میرے اندر بے چینی کا سمندر موجزن ہو گیا۔ دانیہ یقیناً عجیب و غریب کیفیت کا شکار تھی۔ وہ اس وقت اپنے آپے میں نہیں تھی۔ میں یاد کرنے لگا کہ اس سے پہلے کب میں نے اس کی کیفیت میں کوئی تبدیلی محسوس کی تھی لیکن صبح تک ٹھیک تھی بلکہ شام کو بھی ٹھیک تھی، بس اس وقت نجانے اسے کیا ہو گیا تھا۔ اتنا کھانا کیسے کھا گئی تھی۔

تھک ہار کر میں واپس پلٹا لیکن دل کی عجیب کیفیت ہو گئی تھی۔ دانیہ کہاں غائب ہو گئی میری سمجھ میں نہیں آ رہا تھا۔ واپس دبے قدموں اندر آ گیا اور جھجکتا ہوا ماما کے کمرے میں داخل ہو گیا۔ ماما سے اس سلسلے میں کیا کہوں گا لیکن دوسرے ہی لمحے میری آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں۔ دانیہ اپنے بستر پر آنکھیں بند کئے ہوئے لیٹی تھی، ماما بھی شاید نیم خوابیدہ تھیں۔

میرے قدموں کی چاپ پر بھی انہوں نے چونک کر آنکھیں نہیں کھولیں۔ میں دیر تک کمرے میں کھڑا گہری گہری سانسیں لیتا رہا، پھر آہستہ قدموں سے دانیہ کی جانب بڑھا۔ دانیہ کی آنکھیں بھی بند تھیں۔ میں نے اس کے قریب پہنچ کر اسے مدھم مدھم آوازیں دیں لیکن ان آوازوں کا کوئی ردعمل اس کے چہرے پر نہیں ہوا۔ اس کا مطلب تھا کہ وہ سو رہی ہے مگر بات میری سمجھ میں بالکل نہیں آ سکی تھی کہ دانیہ کو کیا ہوا؟

میں واپس اپنے کمرے کی طرف بڑھا اور اپنے بستر پر آ کر لیٹ گیا۔ میرا دل بری طرح دھڑک رہا تھا۔ اب تک جو کچھ ہوا تھا، اس کا تعلق میری اپنی ذات سے تھا اور مجھے کوئی نقصان بھی نہیں پہنچا تھا بلکہ ایک طرح سے میرے ہاتھوں ان پُراسرار قوتوں کو ہی نقصان پہنچ رہا تھا۔ یہ پہلا مرحلہ تھا کہ میرے علاوہ کوئی اور اس کیفیت کا شکار ہوا لیکن وہ میری بہن دانیہ تھی۔

نجانے رات کے کون سے پہر تک اس بارے میں سوچتا رہا۔ میں نے سوچا کہ اگر دانیہ پر کوئی عمل کیا گیا ہے تو پھر دیکھ لوں گا میں سب کو۔ یہ بات میرے ذہن میں ایک آتشیں حیثیت اختیار کرنے لگی تھی۔

دوسری صبح میں، قیصر خان کے پاس جانے سے پہلے ماما کے کمرے کی طرف گیا تاکہ دانیہ کی کیفیت کا جائزہ لوں۔ کمرے کا دروازہ کھولا تو ماما جاگ رہی تھیں۔

''اچھا ہوا تم آ گئے۔ دانیہ کیا تمہارے پاس آئی تھی؟''

میں نے چونک کر دانیہ کے بستر کی طرف دیکھا، وہ وہاں موجود نہیں تھی۔

''کہاں گئی وہ؟......وہ تو اتنی صبح جاگتی نہیں ہے۔''

''تبھی تو میں حیران ہوں، مجھے محسوس ہوا تھا کہ وہ جاگ کر باتھ روم کی جانب بڑھی، جب بہت دیر ہو گئی تو میں نے باتھ روم جا کر اسے آوازیں دیں۔ باتھ روم کا دروازہ کھلا ہوا تھا لیکن دانیہ باتھ روم میں نہیں تھی۔ میں سوچ رہی تھی کہ باہر جا کر اسے دیکھوں کہ تمہارے قدموں کی آہٹ سنائی دی تو میں یہ سمجھی کہ وہ واپس آ گئی ہے، اتنی صبح جاگتی نہیں ہے وہ۔''

''ماما، وہ کہاں گئی ہے۔ میں دیکھتا ہوں۔'' میں نے کہا اور اس کے بعد میں باہر نکل آیا۔

ا ذہن بُری طرح خراب ہو رہا تھا۔ باہر پہنچا تو قیصر خان جاگ رہا تھا۔

''قیصر خان، دانیہ تو باہر نہیں آئی؟''

''جی صاب، ہم تو خود حیران تھا، وہ ادھر سامنے گئی ہیں۔'' اس نے گھر کے پرانے حصے کی جانب اشارہ کیا اور میں بے اختیار اس طرف دوڑا۔

''کیا ہوا صاب، کیا بات ہے؟'' قیصر خان یہ کہتا ہوا میرے پیچھے پیچھے آیا۔ میں نے ے نہیں روکا اور دوڑتا ہوا سامنے والے حصے کے دروازے سے اندر داخل ہو گیا۔ اندر قدم رکھتے ہی میں نے ایک بار پھر دانیہ کو آواز دی۔

''دانیہ کیا شرارت ہے، کہاں ہو تم، میرے سامنے آؤ، دانیہ......''

لیکن ہر طرف پُراسرار خاموشی طاری تھی۔ کوئی سرسراہٹ تک نہیں سنائی دے رہی تھی۔ میں آگے بڑھا اور ایک ایک کمرے کی تلاشی لینے لگا، پھر ایک کمرے میں پہنچا تو ایک دم مجھے ایک آواز سنائی دی۔ یہ ''میاؤں'' کی آواز تھی۔ میں نے پلٹ کر دیکھا تو سفید رنگ کی ایک خوبصورت سی بلی ایک کارنس پر بیٹھی مجھے دیکھ رہی تھی۔ میری نگاہیں اس سے ملیں تو ایک بار پھر اس نے منہ سے باریک سی آواز نکالی۔ میں غصے سے اس کی جانب بڑھا تو جیسے اس نے میری کیفیت کو محسوس کر لیا۔ ایک بہت ہی لمبی چھلانگ لگا کر وہ ایک روشندان پر پہنچی اور پھر دوسرے لمحے روشندان سے باہر نکل گئی۔ میں پھر دانیہ کو آوازیں دینے لگا، پھر اس وقت قیصر خان کی آواز باہر سے ابھری۔

''صاب صاب، اُو اُو......'' اچانک ہی یوں لگا، جیسے قیصر خان کو کچھ ہو گیا ہو۔ اس کی اُو اُو کی آوازیں بڑی عجیب سی تھیں۔

میں جلدی سے دروازے سے باہر آیا تو میں نے دیکھا کہ قیصر خان کی گردن ٹیڑھی ہو رہی ہے، اس کا ایک پاؤں اوپر اٹھا ہوا ہے۔ انداز ایسا تھا جیسے کسی نے اس کی گردن میں ہاتھ ڈال کر اسے گرانے کی کوشش کی ہو اور پھر ایک زوردار آواز ہوئی۔ قیصر خان تقریباً تین چار فٹ دور جا کر دیوار سے ٹکرایا۔ اس کے منہ سے خون ابل پڑا تھا۔

''قیصر خان، قیصر خان......'' میں نے اسے آواز دی اور قیصر خان نے سہارا لے کر اٹھنے کی کوشش کی لیکن یوں لگا جیسے پھر کسی نے اس کے جبڑے پر گھونسہ مارا ہو۔ میرے رونگٹے کھڑے ہو گئے لیکن خوف سے نہیں...... میں ایک عجیب سے جوش کے عالم میں، میں آگے بڑھا اور میں نے ہوا میں گھونسے چلانے شروع کر دیئے۔

''سامنے آؤ، مجھ سے لڑو، سامنے آؤ کون ہو تم سامنے آؤ۔''

مجھے یوں لگا جیسے کوئی ایک دم پیچھے ہٹا ہو۔ قیصر خان ایک طاقتور آدمی تھا، بے شک جو

کچھ بھی اس کے ساتھ ہوا تھا لیکن اس نے بہت زیادہ اثر قبول نہیں کیا تھا، منہ سے خون نکل رہا تھا جو یقیناً گھونسوں کا نتیجہ تھا، وہ فوراً ہی کھڑا ہو گیا اور مجھے دیکھنے لگا۔ میں دروازے کی جانب بھاگا تھا۔

"باہر نکل کر دکھاؤ یہاں سے، اب میں بھی تمہیں دیکھوں کہ تم کون ہو۔" چند لمحے دروازے کے پاس کھڑا رہا اور اس کے بعد غصے کے عالم میں پورے کمرے میں چکراتا پھرا۔

قیصر خان اپنے منہ سے نکلنے والا خون صاف کر رہا تھا۔ اچھا خاصا زخمی ہوا تھا لیکن باہمت آدمی تھا۔ جب کوئی آواز نہیں سنائی دی تو ایک بار پھر میں نے دانیہ کو آواز دی۔

"میں بھی سارے کمرے کو دیکھا صاب، پر چھوٹی بٹی ادھر نہیں ہے، حالانکہ میں نے اس کو ادھر ہی آتے ہوئے دیکھا تھا۔"

"میرا ہاتھ پکڑو قیصر خان۔" میں نے کہا اور اس نے آگے بڑھ کر میرا ہاتھ پکڑ لیا۔

"تمہیں تکلیف ہو رہی ہے؟"

"ارے نہیں صاب، کوئی تکلیف نہیں ہے، آپ کا جو مرضی ہو بولو، قیصر خان آپ کا خادم ہے۔" قیصر خان نے سینے پر ہاتھ رکھ کر کہا۔

بہر حال اس کے بعد میں قیصر خان کے ساتھ ایک ایک کمرے میں چکراتا رہا اور میں نے پورے گھر کی تلاشی لے ڈالی لیکن دانیہ یہاں موجود نہیں تھی۔ البتہ وہ مدھم مدھم سی ناگوار بُو جو کسی کچے گوشت جیسی تھی جس میں تعفن اٹھنے لگا ہو، یہاں بھی پھیلی ہوئی تھی۔ قیصر خان بدستور میرے ساتھ تھا اور اس کے انداز میں بھی خوف کے آثار نہیں تھے۔ میں پورے گھر کا جائزہ لینے کے بعد باہر نکل آیا۔

"قیصر خان تمہارے منہ میں چوٹ لگی ہے۔"

"جی صاب، بس پانی کی کلی کرے گا، سب ٹھیک ہو جائے گا۔" قیصر خان نے بے خوفی سے جواب دیا۔

"تو پھر آؤ۔" کچھ لمحوں کے بعد میں اس کے ٹھکانے پر پہنچ گیا۔

"میں چائے کا پانی رکھا تھا تو صاب، خراب ہو گیا ہوگا، دوبارہ رکھتا ہوں۔"

"پہلے تم اپنا حلیہ درست کرو، یہ بتاؤ اور تو کہیں چوٹ نہیں لگی؟"

"نہیں صاب۔"

"قیصر خان، میں ذرا اندر چکر لگا لوں۔"

"جیسا آپ بولو صاب، ابھی چائے بنائے؟"

"ہاں تم چائے تیار کرو، میں ابھی آتا ہوں۔"

مجھے رات کے واقعات یاد تھے۔ میں سوچ رہا تھا کہ ہو سکتا ہے، رات ہی کی طرح دانیہ پھر اندر پہنچ گئی ہو، ایک نگاہ اسے دیکھ آؤں، اس کے بعد کچھ سوچوں گا۔ یہ سوچ کر تیز قدموں سے اندرونی حصے کی جانب بڑھا اور راہداری میں داخل ہو گیا لیکن سامنے ہی مجھے حرا اور سلطانہ نظر آئیں جو گھبرائی گھبرائی سی تیز قدموں سے چلی آ رہی تھیں۔

"ملی......؟" دونوں نے سوال کیا اور مجھے صورتحال کا اندازہ ہو گیا۔ دانیہ اس وقت اندر نہیں پہنچی تھی، پیچھے سے تایا ابو اور ماما بھی آتے نظر آئے۔ ماما کی حالت کافی خراب تھی، آنکھوں میں آنسو ڈبڈبائے ہوئے تھے۔

"کیا ہوا، کچھ پتہ چلا، کدھر گئی ہے وہ؟" ماما نے مجھے دیکھتے ہی سوال کیا۔

"نہیں ماما کچھ پتہ نہیں چلا۔" میں نے جواب دیا۔

ماما سسکیاں لینے لگیں، تایا ابو نے انہیں سہارا دیتے ہوئے کہا۔ "نہیں، بھابی روئیے نہیں، انشاء اللہ تعالیٰ واپس آ جائے گی، کہیں جا تو نہیں سکتی۔ چلو، اُدھر دیکھو۔" ہم سب پھر منتشر ہو گئے۔

پتہ نہیں حمیدہ کسی کام سے میرے کمرے میں گئی اور وہاں سے چیختی چلاتی واپس آئی۔

"یہ ہیں، یہ ہیں دانیہ بی بی......"

یہ آواز سبھی نے سن لی اور ہم سب بے اختیار کمرے کی جانب دوڑے۔ دانیہ حیران پریشان سی میرے پلنگ پر بیٹھی ہوئی تھی۔ اس نے کسی قدر خوف بھری نگاہوں سے ہمیں دیکھا۔

ماما نے دوڑ کر اسے لپٹا لیا۔ "یہاں کیا کر رہی ہو دانیہ، یہاں کیوں آ گئیں کسی کو بتائے بغیر۔"

دانیہ نے کچھ کہنے کے لئے منہ کھولا لیکن بول نہ سکی۔ میں تھوڑے فاصلے سے اسے دیکھ رہا تھا اور ایک دم مجھے یہ احساس ہوا تھا کہ اس وقت دانیہ صحیح کیفیت میں ہے، نہ تو وہ بدبو اٹھ رہی تھی اور نہ ہی دانیہ کے چہرے پر وہ انوکھی کیفیت پائی جاتی تھی، جو میں نے پہلے دیکھی تھی۔ وہ پریشانی سے ایک ایک کی صورت دیکھ رہی تھی۔ ماما اسے اٹھا کر اپنے کمرے میں لائیں۔

"تمہیں کیا ہوا ہے دانیہ، کہاں چلی گئی تھیں؟"

"خدا کی قسم ماما مجھے نہیں معلوم، پتہ نہیں کیوں مجھے اپنے کندھوں پر ایک بوجھ سا محسوس ہو رہا ہے۔ میرے کندھوں میں درد بھی ہو رہا ہے ماما، مجھے کیا ہوا ہے۔ کل سے اب تک کی

کوئی بات مجھے یاد نہیں ہے۔ کل اس وقت کی باتیں یاد ہیں جب میں باہر کیاری میں پھول توڑنے گئی تھی۔ میں نے کچھ پھول توڑے تھے جو نجانے کیوں میرے ہاتھ سے گر گئے اور پھر یوں لگا ماما جیسے میں کھو گئی ہوں، مجھے کچھ یاد نہیں رہا، کل سے اب تک کی باتیں مجھے بالکل یاد نہیں ہیں۔ خدا کے واسطے مجھے بتایئے، مجھے کیا ہوا ہے، کیا میں بیمار ہو گئی ہوں؟"

تایا ابو نے آگے بڑھ کر کہا۔ "نہیں بیٹا، کبھی کبھی اس طرح سر چکرا جاتا ہے، کوئی خاص بات نہیں ہے، آرام کرو۔ میں ڈاکٹر اشتیاق کو فون کرتا ہوں، وہ آئیں گے تمہیں دیکھ لیں گے۔" تایا ابو کمرے سے باہر نکل گئے۔

حرا اور سلطانہ دیر تک بیٹھی دانیہ کو تسلیاں دیتی رہی تھیں۔ دانیہ ایک ہی بات کہہ رہی تھی کہ اسے نہیں معلوم کیا ہوا ہے، بار بار ماما سے پوچھ رہی تھی کہ ماما مجھے کچھ ہوا ہے کیا؟ ماما بیچاری خود کوئی جواب نہیں دے پا رہی تھیں۔ دانیہ کو لٹا دیا گیا۔ ماما نے کہا۔ "شہاب! اگر تم مناسب سمجھوں تو سرفراز کو فون کر کے بتا دو کہ دانیہ کی طبیعت خراب ہو گئی ہے۔"

میں نے سرد نگاہوں سے ماما کو دیکھا تو ماما جلدی سے بولیں۔ "نہیں اگر تم چاہو تو رہنے دو۔"

"رہنے ہی دیں ماما، بھائی جان کو اب ہمارے کسی مسئلے سے کوئی دلچسپی ہی نہیں ہے۔ دانیہ تم آرام کرو، میں ذرا باہر جا رہا ہوں۔" یہ کہہ کر میں قیصر خان کے پاس پہنچ گیا۔

قیصر خان میرا انتظار کر رہا تھا، کافی دیر ہو گئی تھی۔ یہ چائے کا وقت بھی نہیں تھا لیکن اس بیچارے نے چائے تیار کر رکھی تھی۔ میں اس کے پاس پلنگ پر بیٹھ کر چائے پینے لگا۔

"قیصر خان، کیا کہتے ہو ان تمام باتوں کے بارے میں؟" میں نے کہا۔

"میں کیا بولے گا صاب، ایک بات بس میرے ذہن میں آتا ہے۔"

"کیا؟"

"صاب ہم لوگوں کو ادھر آگ نہیں لگانا چاہئے تھا۔ بات یہ ہے کہ کوئی بھی جگہ کسی ایک کی نہیں ہوتی، ادھر جو آبادی ہے، اسے ہمارے ہاتھوں نقصان پہنچا ہے...... اللہ خیر کرے۔"

"جو واقعات پیش آتے رہے ہیں قیصر خان، ان میں سے کچھ تمہارے علم میں بھی ہیں۔"

"ہاں صاب! ہم نے آپ کو پہلے بھی بولا کہ ادھر باقاعدہ دوسری آبادی ہے، میرا پٹائی بھی اسی وجہ سے ہوا کہ میں نے آپ کے ساتھ ادھر آگ لگانے میں مدد کیا تھا۔"

"میں معافی چاہتا ہوں قیصر خان کہ تمہیں میری وجہ سے تکلیف ہوئی۔"

"خدا کا قسم صاب نہیں، ہم پٹھان لوگ ہے، عزت سے جیتا ہے عزت سے مرتا ہے۔

آپ کا نمک کھایا ہے، جو آپ پر گزرے گا وہی ہم پر گزرے گا۔ ہم کو اس کا پروا نہیں ہے۔ آپ میرے کو یہ بتاؤ کہ بٹی صاب کا کیا ہوا؟"

"وہ اندر موجود ہے اور...... قیصر خان میں تمہیں اور کیا بتاؤں۔ میں تو خیر کافی دن سے ان لوگوں کے جال میں پھنسا ہوا ہوں مگر میرے گھر کا دوسرا فرد پہلی بار شکار ہوا ہے۔"

"آپ جس طرح بھی چاہو کام کرو صاب، قیصر خان آپ کے ساتھ ہے، پر ایک مشورہ ضرور ہے، وہ یہ کہ کوئی ایسا لڑائی مت لڑو، جو ایک دوسرے کو تکلیف پہنچے۔"

اب میں قیصر خان کو کیا بتاتا کہ صورت حال کیا ہو گئی ہے، یہی میرا تھوڑا بہت راز دار تھا۔ اس کے بعد دن بڑی بے کیفی سے گزرا۔ تایا ابو سے ملاقات ہوئی تو پتہ چلا کہ ڈاکٹر اشتیاق ڈھاکہ گئے ہوئے ہیں، انہیں وہاں کوئی کام تھا۔

دانیہ کی طبیعت اب کافی ٹھیک تھی اور کوئی ایسی بات نہیں تھی جو باعث تشویش ہوتی۔ البتہ میرے ذہن میں کھچڑی پک رہی تھی۔ جیسا کہ دانیہ نے بتایا کہ وہ کیاریوں کے پاس پھول چن رہی تھی، اس کے بعد سے اسے کچھ یاد نہیں۔ اس کا مطلب ہے کہ رات کو اس نے دستر خوان پر جو کچھ کیا تھا، وہ بھی عالم ہوش میں نہیں کیا تھا، وہ کسی خاص کیفیت کا شکار تھی۔ قیصر خان نے جو کہا تھا کہ براہِ راست ان لوگوں سے لڑائی نہ لڑی جائے، وہ بھی ایک صحیح بات تھی۔

یہ بات تو اچھی طرح معلوم ہو چکی تھی کہ یہ عمارت آسیب زدہ ہے، یہاں جنوں کی آبادی بھی ہے لیکن میں کیا کرتا، میں تو ان تمام چیزوں سے ناواقف تھا اور اسی ناواقفیت کی بناء پر میرے ہاتھوں سے سیفونہ کا خون ہو گیا تھا۔ اب یہ تو کسی طور ممکن نہیں تھا کہ میں گورنی سے شادی کر لیتا۔ سیفونہ کسی بھی رنگ میں آئے، میں اس سے شادی تو نہیں کر سکتا تھا۔

سیفونہ اور گورنی کے تصور کے ساتھ ہی میرے ذہن میں ارشام، سیرا اور مسز ارشام آئیں۔ سیرا نے جس طرح میری جانب قدم بڑھائے تھے، اگر میں کسی اور کیفیت میں ہوتا تو شاید اس سے متاثر ہو جاتا لیکن قدرت نے مجھے فوراً ہی صورت حال سے روشناس کرا دیا تھا۔ میرے دل میں ایک خیال اُبھرا کہ کیوں نہ ایک بار پھر ان کے گھر جا کر ان سے ملنے کی کوشش کی جائے۔ اس وقت تو وہ سب غائب ہو گئے تھے۔ اب دیکھتا ہوں کہ وہ ملتے ہیں یا نہیں۔ یہ خیال دل میں کچھ جڑ سا پکڑ گیا تھا۔

دانیہ کی کیفیت رات کو بھی بہتر رہی، رات کو وہ پُرسکون طریقے سے سوئی۔ میں نے کئی بار ماما کے کمرے میں جا کر اسے دیکھا، اس وقت تو وہ بدبو آ رہی تھی اور نہ ہی دانیہ کے

چہرے میں کوئی تبدیلی تھی۔

میں بہت دیر تک اپنی اس بہن کو دیکھتا رہا، بے پناہ پیار تھا مجھے اس سے، دو حملے ہو چکے تھے اس پر، اسے ان حملوں سے کیسے بچایا جائے، میں سوچ رہا تھا۔ سب سے بڑی مشکل یہ تھی کہ اس بارے میں میرا کوئی رازدار نہیں تھا۔ کوئی ایسا نہیں تھا، جو مشورہ دے سکے۔

تایا ابو بیچارے ایک بے ضرر آدمی تھے۔ یہ تو کسی طور ممکن نہیں تھا کہ اس پُراسرار مخلوق کے ساتھ رہتے ہوئے انہیں اس کی یہاں موجودگی کے بارے میں معلوم نہ ہو لیکن وہ خود کسی نقصان پہنچانے والوں میں سے نہیں تھے۔ مجھے ابتداء میں سلطانہ اور حرا سے ہونے والی باتیں بھی یاد تھیں، جن میں انہوں نے اس گھر کے بارے میں باتیں کرنے سے معذرت کی تھی۔ چنانچہ تایا ابو بیچارے اس سلسلے میں کوئی مشورہ نہیں دے سکتے تھے۔

تھوڑا بہت رازدار قیصر خان بن گیا تھا بلکہ میری وجہ سے اس نے مار بھی کھائی تھی لیکن وہ بھی کیا مشورہ دے سکتا تھا۔ اس طرح میں تنہا ہی اس مشکل سفر کا مسافر تھا۔ کیا کروں؟

پھر ایک خیال دل میں آیا۔ کیوں نہ چور ہی سے گھر کی رکھوالی کرائی جائے۔ تائی جان، جو ان معاملات میں کھل کر سامنے آ گئی تھیں۔ اس رات وہ مجھے یہاں نظر بھی آئی تھیں اور پھر انہوں نے کھل کر گورنی سے شادی کے لئے کہا تھا۔ ان سے بات تو کی جائے۔ میں نے قیصر خان سے تیار ہونے کے لئے کہا۔ ''کوئی تکلیف تو نہیں ہے قیصر خان۔ چلو گے میرے ساتھ؟''

''سات سمندر پار بھی چلے گا صاب، کوئی تکلیف نہیں ہے۔'' قیصر خان نے بہادری سے کہا۔ مجھے بڑا حوصلہ ہوا۔ قیصر خان اس نادیدہ مخلوق سے مار کھا کر بھی خوفزدہ نہیں ہوا تھا جبکہ میں نے تو انہیں نقصان ہی پہنچایا تھا۔

تیار ہو کر ماما کے پاس گیا، وہ کسی قدر غصے میں تھیں۔ یہ غصہ انہیں سرفراز بھائی پر آ رہا تھا۔ کہنے لگیں۔

''کہیں جا رہے ہو؟''

''جی ماما، حکم دیجئے۔''

''سرفراز سے ملنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ ظاہر حسین سے کہو کہ انہوں نے خاموشی کیوں اختیار کی ہوئی ہے؟ فوراً جائیداد کی تقسیم کی کارروائی مکمل کریں تاکہ ہم آگے کے کام کر سکیں۔''

''بہتر ماما۔'' میں نے کہا۔ پھر پیار سے دانیہ سے پوچھا۔ ''تمہاری طبیعت کیسی ہے دانیہ۔''

''ٹھیک ہوں بھائی جان، بس ایک بوجھ سا ہے۔ گردن کے پٹھے بھی اکڑے ہوئے ہیں۔ باقی اور کوئی خاص بات نہیں ہے سوائے حیرانی کے۔''

''حیرانی کیوں؟''

''ارے میرے دو دن کھو گئے اور مجھے پتہ ہی نہیں کہ میں کہاں چلی گئی تھی۔''

''چلو اب بھول جاؤ سب کچھ، کسی دن گھومنے پھرنے کا پروگرام بناتے ہیں۔''

اس کے بعد میں قیصر خان کے ساتھ چل پڑا۔ قیصر خان اچھے موڈ میں تھا۔ راستے میں اس نے کہا۔

''کدر چلے صاب؟''

''تائی جان کے گھر۔''

''واپسی میں مرشد کے مزار پر ضرور چلے گا۔''

''ٹھیک ہے۔'' میں نے جواب دیا۔ کچھ دیر کے بعد ہم طاہرہ خانم کی عالیشان کوٹھی پر پہنچ گئے۔

گیٹ پر کھڑے دربان نے مجھے پہچان کر سلام کیا اور بولا۔ ''دانی سرکار گھر پر نہیں ہے سر۔ چھوٹا خانم بھی دفتر پر ہے۔''

''اوہ......'' میں نے ہونٹ سکوڑ لئے۔ دربان سے مزید کچھ پوچھنا فضول تھا۔ میں نے تو قیصر خان سے واپس چلنے کے لئے کہا تو اس نے گاڑی موڑ لی اور آہستہ روی سے چلنے لگا۔

میرے دل میں پہلے سے یہ خیال تھا کہ ایک بار پھر ذرا ارشام صاحب کی کوٹھی چل کر دیکھا جائے۔ مس سیرا کس حال میں ہیں۔ ارشام کیسے ہیں۔ اب اس بات میں تو کوئی شک ہی نہیں تھا کہ وہ خاندان تائی جان کی تخلیق تھا اور اگر میں وہاں کچھ کھا پی لیتا تو یقیناً کچھ اور ہی ہو جاتا لیکن میرے ہمدردوں نے کھانوں کی قابیں کیڑوں سے بھر کر مجھے کھانے سے روک دیا اور اس جعلی خاندان کو روپوش ہونا پڑا۔

اس وقت مجھے سرفراز بھائی کا خیال آیا اور دکھ بھرا احساس میرے دل میں جاگ اٹھا۔ میرا اکلوتا بھائی جو پاپا کی موت کے بعد میرے لئے پاپا کا نعم البدل تھا، کس طرح ہم سے دور ہو گیا۔ تائی جان جیسی خطرناک عورت نے نہ جانے کس طرح اسے قابو میں کیا ہو گا۔ اس میں سو فیصد ان کا قصور تو نہیں ہے۔ اس وقت یہ احساس بڑی شدت سے دل میں پیدا ہوا اور میری آنکھیں ڈبڈبا گئیں۔

میں سرفراز بھائی کو اس طرح تو نہیں چھوڑ سکتا۔ ماما کی ناراضگی بیشک اپنی جگہ درست

ہے لیکن انہیں مکمل صورت حال کا علم نہیں ہے۔ نہیں...... کچھ کرنا ہو گا۔ تائی جان کا طلسم توڑ کر بھائی جان کو آزاد کرانا ہو گا۔

''کدھر چلے صاب؟'' قیصر خان کی آواز نے خیالات منتشر کر دیئے اور میں نے اسے ارشام کے گھر چلنے کی ہدایت کر دی۔ قیصر خان نے گاڑی کی رفتار بڑھا دی تھی۔

❀

پتے یاد رکھنے میں بھی قیصر خان اپنی مثال آپ تھا۔ وہ اطمینان سے ڈرائیونگ کرتا ہوا اس جگہ پہنچ گیا، جہاں شہر کے نواحی علاقے میں خال خال کوٹھیاں بنی ہوئی تھیں اور اسی علاقے میں ارشام کی کوٹھی واقع تھی، جو جنگل میں منگل کا سماں پیش کرتی تھی لیکن اس کوٹھی کے گیٹ پر نگاہ پڑتے ہی میرے چہرے پر ایک بار پھر حیرت کے نقوش بیدار ہو گئے۔

سو فیصد یہی کوٹھی تھی لیکن زمین آسمان کا فرق محسوس ہو رہا تھا۔ اس وقت کوٹھی کا گیٹ چمکدار اور آس پاس کا ماحول انتہائی شفاف تھا۔ گیٹ کے دوسری طرف جو کچھ نظر آ رہا تھا، وہ بھی قابلِ دید تھا۔ پہلے ایک انتہائی خوبصورت لان اور سرخ بجری سے سجا ہوا راستہ اصل عمارت تک جاتا تھا لیکن اس وقت وہاں پیلے رنگ کی بدصورت جلی ہوئی گھاس اور کچا بدنما راستہ نظر آ رہا تھا۔ یہی کیفیت گیٹ کی بھی تھی۔ بدرونق، جگہ جگہ سے اکھڑنے ہوئے رنگ اور مڑی ہوئی گرل والا یہ گیٹ انتہائی بدشکل لگ رہا تھا۔

میں نے قیصر خان سے کہا۔ ''قیصر خان ہم غلط نہیں آ گئے۔ پہلے بھی تم یہاں آ چکے ہو۔ کیا اس عمارت کی یہی شکل تھی؟''

''نہیں صاب۔''

''پھر یہ اتنی جلدی کیا ہوا، ابھی تو چند ہی روز گزرے ہیں۔''

''میرے کو ایک بات بولو صاب، آپ کا مہربانی ہو گا۔ آپ پہلے اس عمارت میں خاص بندے کو ملنے آیا، کوئی جانا پہچانا لوگ ادھر رہتا تھا یا پھر صاف یہ عمارت بھی اسی عمارت کا برانچ آفس ہے، جس میں ہم لوگ رہتے ہیں۔''

قیصر خان کے لفظ ''برانچ آفس'' سے میں کافی محظوظ ہوا، پھر بھی میں نے کہا۔ ''تمہارا کیا مطلب ہے قیصر خان؟''

''صاب ادھر بھی غلط لوگ ہی رہتا معلوم ہوتا ہے۔''

''چلو ذرا گیٹ کھولو اندر کا حال بھی دیکھتے ہیں۔''

''ٹھیک ہے صاب۔'' قیصر خان نے کہا اور نیچے اتر کر گیٹ کھولا۔ اس میں کوئی تالا

وغیرہ نہیں پڑا ہوا تھا۔ گیٹ کھولنے کے بعد وہ گاڑی اندر لے گیا اور پھر گیٹ بند کرنے کے لئے اترنے لگا تو میں نے کہا۔

”نہیں، کھلا رہنے دو۔“

اس نے گاڑی آگے بڑھا دی اور تھوڑا سا آگے بڑھتے ہی ہمیں، بائیں سمت جو تھوڑا سا درختوں کی آڑ میں تھا لیکن پورچ ہی کا ایک حصہ تھا، تائی جان کی شاندار قیمتی کار کھڑی ہوئی نظر آئی اور میری آنکھیں معنی خیز انداز میں پھیل گئیں۔

قیصر خان نے بھی کار دیکھ لی تھی لیکن اس نے کوئی تبصرہ نہیں کیا۔ اس وقت یوں لگ رہا تھا جیسے اس عمارت میں کسی زندہ انسان کا کوئی وجود نہ ہو لیکن تائی جان کی گاڑی کا کھڑے ہونا اس بات کو تقویت دیتا تھا کہ اور کوئی یہاں ہو نہ ہو کم از کم تائی جان ضرور موجود ہیں۔

میں نے قیصر خان سے کہا۔

”قیصر خان تم یہاں رکو میں اندر ہو کر آتا ہوں۔“

”صاب آپ حکم کرو تو میں بھی آپ کے ساتھ چلوں۔“

”نہیں قیصر خان تم ایسا کرو، گاڑی کا رخ بدل لو، گیٹ بند کرنے کی ضرورت نہیں ہے، ممکن ہے ہمیں یہاں سے بھاگنا پڑے، ویسے اس بات کے امکانات نہیں ہیں کیونکہ میں بھاگنے والوں میں سے نہیں ہوں، پھر بھی تم یہاں چوکس رہو، میں اندر ہو کر آتا ہوں۔“ میں نے کہا، پھر گاڑی سے اتر کر تائی جان کی گاڑی تک پہنچا۔

اس بات پر مجھے تعجب تھا کہ اگر تائی جان یہاں آئی ہیں تو ان کے ڈرائیور کو گاڑی کے آس پاس ضرور موجود ہونا چاہئے تھا یا پھر ان کا ڈرائیور بھی ان کے ساتھ ہی اندر عمارت میں موجود ہے۔

بہر حال میں نے عمارت کے اندر قدم رکھ دیا، پہلے بھی اس عمارت کو دیکھا تھا لیکن اس وقت جو کچھ دیکھ رہا تھا، وہ واقعی ناقابلِ فہم تھا۔ عمارت سو فیصد وہی تھی لیکن اس قدر اجاڑ اور ویران کہ یقین نہ آئے۔

دفعتاً میں چونک پڑا۔ ایک سرسراہٹ سنائی دی تھی۔ میں نے جلدی سے پلٹ کر دیکھا تو مجھے بہت سے چوہے نظر آئے، جو دوڑ لگاتے ہوئے دیوار میں بنے ہوئے سوراخوں میں داخل ہو گئے۔ مجھے شدید حیرت ہوئی۔ میں نے ایک بار پھر کمرے پر نگاہیں دوڑائیں۔ اس کے کئی دروازے اور کھڑکیاں نظر آ رہی تھیں، جن پر بے حد خوبصورت بیل بوٹے بنے ہوئے تھے، کمرے کی چھت بھی مجھے خاصی بلند محسوس ہوئی، ابھی میں ادھر اُدھر دیکھ ہی رہا تھا کہ سامنے والے دروازے کا پردہ ہلا اور مجھے یوں لگا جیسے کوئی اس پردے کو ہٹا کر کمرے میں

جھانک رہا ہے لیکن جیسے ہی میری نگاہ اس طرف اٹھی، جھانکنے والا ایک دم سے غائب ہو گیا۔

”کون ہے، تائی جان! تائی جان! کہاں ہیں، آپ؟“ میں نے آواز دی لیکن میری آواز کمرے میں گونج کر رہ گئی۔

میں تیزی سے اس پردے کی جانب بڑھا، جس کے دوسری طرف مجھے کوئی نظر آیا تھا، اُدھر بھی ایک بڑا سا کمرہ تھا، جسے میں نے پہلے نہیں دیکھا تھا، حالانکہ سنیرا مجھے کوٹھی دکھاتی پھری تھی اور میں نے اس کوٹھی کی بڑی تعریف کی تھی لیکن اس وقت یہ سب کچھ ناقابلِ فہم تھا۔ میں حیرت سے پھٹی پھٹی آنکھوں سے یہ سب کچھ دیکھ رہا تھا اور میری سمجھ میں کچھ نہیں آ رہا تھا۔

ایک بار پھر میں نے اس دوسرے کمرے میں نگاہیں دوڑائیں۔ کمرے کی دیواروں پر کئی بڑی بڑی تصویریں لگی ہوئی تھیں لیکن ان پر گرد کی موٹی تہہ جمی ہوئی تھی۔ میں نے غور سے ان تصویروں کو دیکھا لیکن پہچان نہیں سکا کہ تصویریں کس طرح کی ہیں۔ ایک خاص بات اور تھی کہ کمرے کے ہر گوشے میں مجھے چھوٹے چھوٹے سوراخ نظر آ رہے تھے اور ان سوراخوں سے زرد زرد آنکھیں چمک رہی تھیں، ہلکی ہلکی سی سرسراہٹیں بھی محسوس ہو رہی تھیں۔

”میرے خدا یہ سب کیا ہے۔“ اچانک یہ گھر آخر کس طرح تبدیل ہو گیا؟ کمرے میں مجھے ایک اور عجیب سی چیز نظر آئی۔ دائیں جانب سیاہ رنگ کا ایک موٹا سا رسا لٹک رہا تھا، جو لٹکتا ہوا تاریک چھت تک چلا گیا تھا۔

میں نے رسے کے قریب جا کر اسے چھو کر دیکھا، جیسے ہی میں نے اسے چھوا، مجھے مدھم مدھم آوازیں سنائی دیں، جیسے گھنٹیاں بج رہی ہوں۔

میں نے رسے کو چھوڑ دیا اور پلٹ کر دیکھا لیکن جو کچھ وہاں دیکھا، اسے دیکھ کر میرے بدن میں ہلکی سی سرد لہر دوڑ گئی۔ پہلے میں نے اس اونچی کرسی کو نہیں دیکھا تھا جس پر طرح طرح کے نقش و نگار بنے ہوئے تھے لیکن اس وقت جو میں نے دیکھا تو مجھے اس کرسی پر کوئی بیٹھا ہوا نظر آیا۔

سیاہ لباس میں ملبوس ایک شخصیت جس کی سرخ آنکھیں انگارے کی مانند دہک رہی تھیں۔ وہ مجھے گھور رہی تھی۔ اس کا باقی بدن سیاہ لبادے میں چھپا ہوا تھا۔ میرے جبڑے بھینچ گئے۔ میں نے کرسی کی جانب قدم اٹھائے تو اچانک ہی سیاہ رنگ کے لباس میں ملبوس شخصیت اپنی جگہ سے اٹھی اور تیزی سے باہر جانے والے دروازے سے نکل کر غائب ہو

گئی۔

میں نے اس کا پیچھا نہیں کیا۔ کمرے میں ایک بار پھر موت کی سی خاموشی چھا گئی۔ میں اِدھر اُدھر دیکھنے لگا کہ کوئی چیز میرے ہاتھ آ جائے تو میں یہاں موجود پُراسرار شخصیت کا مقابلہ کروں۔

میں پھر اس کمرے سے باہر نکل آیا اور سوچنے لگا کہ اب مجھے کیا کرنا چاہئے۔ تائی جان کا کہیں پتہ نہیں تھا جبکہ ان کی گاڑی میں نے باہر دیکھی تھی۔ کمرے سے باہر نکلنے کا ارادہ کرتے ہوئے میں اس رسے کے پاس سے پھر گزرا اور میرا پاؤں اچانک ہی پھسل گیا۔ میں نے گرنے سے بچنے کے لئے رسے کا سہارا لیا۔ جونہی رسا کھنچا، مجھے سامنے والی دیوار کا ایک حصہ کھسکتا ہوا نظر آیا۔ اس سے تیز روشنی باہر پھوٹ پڑی تھی اور اس روشنی نے کمرے کے ماحول کو منور کر دیا تھا لیکن یہ جگہ کھلتے ہی ایک عجیب سی بھیانک آواز میرے کانوں میں ابھری۔

آواز بہت حیران کن تھی، کوئی اونچی آواز میں ''ہوں، ہوں'' کر رہا تھا۔ میں نے ایک لمحے کے لئے سوچا اور اس کے بعد دیوار کے سرک جانے سے بننے والے راستے کی جانب قدم بڑھا دیئے۔

دوسری طرف روشنی میں کچھ سیڑھیاں نظر آ رہی تھیں۔ میرے قدم ان سیڑھیوں کی جانب اٹھ گئے اور میں آہستہ آہستہ وہ سیڑھیاں طے کرنے لگا۔ کوئی دس سیڑھیاں تھیں اور اس کے بعد ایک وسیع و عریض ہال لیکن اس ہال میں بھی مجھے جو منظر نظر آیا، اس نے مجھے دم بخود کر دیا۔

جو روشنی یہاں پھیلی ہوئی تھی، وہ چراغوں کی روشنی تھی اور یہ چراغ جس جگہ رکھے ہوئے تھے، وہ ناقابل یقین تھی۔ یہ سفید رنگ کے سانپ تھے جو کنڈلی مارے سر اٹھائے ایک گھیرا بنائے بیٹھے ہوئے تھے اور چراغ ان کے سروں پر روشن تھے لیکن چراغ بھی بہت عجیب تھے۔ ان کی روشنی عام چراغوں جیسی نہیں تھی بلکہ ان میں جو کچھ جل رہا تھا وہ بھی ناقابل یقین تھا۔ یہ انسانی انگلیاں تھیں جو ان چراغوں میں رکھی ہوئی تھیں اور ان کے سروں سے سفید رنگ کی روشنی پھوٹ رہی تھی۔

سانپ جو دائرہ بنائے بیٹھے تھے، اس کے اندر دو انسانی وجود نظر آ رہے تھے، ان میں سے ایک چوکی پر بیٹھا ہوا تھا اور دوسرا اس کی طرف رخ کئے، جس کی پشت میری جانب تھی۔ چوکی پر جو شخصیت بیٹھی ہوئی تھی، ایک نگاہ میں اسے پہچانا جا سکتا تھا۔ یہ سو فیصد طاہرہ خا[نم] تھیں جو ایک لمبا جبہ پہنے ہوئے تھیں، جو کئی رنگ کا تھا۔ ان کے سر کے بال، دو چوٹیوں [کی]

[شک]ل میں گندھے ہوئے تھے اور یہ چوٹیاں ان کے شانوں پر لہرا رہی تھیں۔ بڑا عجیب و غریب حلیہ بنا رکھا تھا انہوں نے۔ ان کی آنکھیں بند تھیں اور ان کے سامنے جو انسانی وجود پشت کئے ہوئے بیٹھا تھا اور جس کے حلق سے وہ بھیانک ''ہوں ہوں'' کی آواز ابھر رہی تھی، وہ بھی ایک نگاہ میں پہچانا جا سکتا تھا۔ یہ گورنی تھی، سو فیصد گورنی جو گھٹنے موڑے باادب بیٹھی ہوئی آہستہ آہستہ ہل رہی تھی اور اس کے منہ سے ''ہوں ہوں'' کی آواز نکل رہی تھی۔

پھر اچانک ہی تائی جان کی نگاہیں میری جانب اٹھیں۔ انہوں نے چونکے بغیر مجھے دیکھا اور پھر دونوں ہاتھوں سے سانپوں کو مجھے جگہ دینے کا اشارہ کیا۔ سانپ ایک طرف سے ہٹ گئے اور تائی جان کی آواز ابھری۔ ''آؤ شہاب بیٹھو۔''

گورنی نے ہلنا اور ''ہوں ہوں'' کرنا بند کر دیا لیکن میں اس دائرے میں داخل نہیں ہوا بلکہ دو قدم آگے بڑھ کر تھوڑا سا ان دونوں کے قریب ہو گیا اور پھر میں نے کہا۔ ''میں بیٹھنے نہیں آیا بلکہ یہ دیکھنے آیا تھا کہ آپ کی پیدا کردہ اس مخلوق کا کیا حال ہے، جو پہلے ہی مجھے دیکھ کر غائب ہو گئی تھی۔ میں آپ سے بات کرنا چاہتا ہوں تائی جان۔''

''تو بات کرو، ویسے میں تمہیں بتاؤں کہ تم راستے خود بند کرتے جا رہے ہو، تم نے ایک جنگ اپنے آپ پر مسلط کر لی ہے۔ شہاب تم یہ جنگ ہار جاؤ گے، اپنے آپ کو سنبھالو۔''

''میں، آپ سے پوچھنا چاہتا ہوں تائی جان کہ آپ لوگ کیا چاہتے ہیں؟ آپ کو معلوم ہے کہ یہ سارا کھیل شروع کرنے میں میرا کوئی ہاتھ نہیں تھا، بس یوں سمجھ لیجئے کہ اتفاقات راستہ بناتے رہے، میں تو اپنے پاپا کی تلاش میں مناما چھوڑ کر یہاں آیا تھا، مجھے یہاں قیام کی پہلی ہی رات عجیب و غریب واقعات سے واسطہ پڑا۔ میں نہیں جانتا تھا کہ یہ سب کون ہیں، جو یہاں آتے ہی میرے دشمن ہو گئے۔''

تائی جان کا ایک بھیانک قہقہہ فضا میں بلند ہوا اور انہوں نے انگلی اٹھا کر کہا۔ ''ساری دنیا ایک ہی بات کہتی ہے کہ نا آگہی انسان کو نڈر بنا دیتی ہے۔ اگر تم واقف ہوتے کہ یہ آتشیں مخلوق کیا ہے اور کس طرح تم پر حاوی ہو سکتی ہے تو تمہارے دل کی حرکت ہی بند ہو جاتی...... لیکن تم عجیب و غریب حرکتیں کرتے رہے ہو۔ سیفونہ نے تمہیں دیکھا اور تم سے متاثر ہو گئی۔ وہ تمہاری طرف بڑھنا چاہتی تھی لیکن تم نے اپنی بدنصیبی پر مہر لگا دی اور سیفونہ کو اپنے ہاتھوں سے قتل کر دیا۔''

''تائی جان ایک منٹ، اب آپ جب ہماری جج بنی ہیں تو انصاف کی بات کیجئے۔ میں تجسس میں ڈوب کر اس عمارت میں پہنچا اور وہ بلی میرے راستے میں آ گئی۔ بالکل اتفاق تھا

کہ میرے ہاتھ میں پکڑی ہوئی لکڑی زیادہ طاقت سے اس کے سر پر پڑی اور وہ مرگئی۔ آپ مجھے بتایئے اس میں میرا کیا قصور ہے؟''

''وہ مرگئی، لیکن تم تسلیم کرو گے کہ تمہارے ہاتھوں مری۔ ایک ماں اپنی بیٹی کی موت برداشت نہیں کر سکی۔ گورنی تم سے عشق نہیں کرنے لگی ہے، وہ صرف اپنی بیٹی کے جسم میں داخل ہو کر اسے زندہ کر لینا چاہتی ہے۔ یہ ان کے اپنے معاملات ہیں لیکن چونکہ تم سیفونہ کے مطلوب تھے اور وہ تم سے محبت کرنے لگی تھی، اس لئے مجبوری ہوگئی کہ اگر تم گورنی سے شادی کرلو تو پھر وہ سیفونہ کے جسم میں داخل ہو سکتی ہے ورنہ نہیں۔ بات سمجھ رہے ہو نا...... تم نے ایک عمل کیا ہے، اس کے نتیجے میں تم پر یہ ذمہ داری عائد ہوگئی ہے لیکن اگر تم نے ایسا نہ کیا تو تم یہ سمجھ لو کہ گورنی تمہیں زندہ نہیں چھوڑے گی۔ وہ تمہیں کوئی نقصان نہیں پہنچا رہی، اس لئے کہ شاید تم کبھی اس کی بات ماننے پر تیار ہو جاؤ، ورنہ وہ تمہیں لمحوں میں ہلاک کر دے...... کیا سمجھے؟''

''اور اگر میں یہ بات نہ مانوں تو آپ لوگ کیا کریں گی؟''

''جو کچھ بھی ہوگا تمہیں ابھی اس کا اندازہ نہیں ہے۔ تمہاری یہ بے خوفی عدمِ واقفیت کی بنیاد پر ہے۔''

''میری رہنمائی کیجئے تائی جان، اگر میں آپ سے یہ معلوم کرنا چاہوں کہ باقی معاملات کیا ہیں، چلئے گورنی کی بات تو آپ چھوڑ دیجئے، وہ جگہ اور یہ سب کچھ کیا ہے؟''

''لمبی کہانی ہے شہاب، تم نے برسوں کے ساتھ رہنے والوں کے درمیان تفرقہ ڈال دیا ہے۔ گیتی آراء بیگم نے ہی کیا کم خرابیاں پیدا کر رکھی تھیں کہ تم بھی آ گئے اور تم نے خود کو ایک اور فریق بنا لیا۔''

''آہ، کیا دلچسپ کہانی سنا رہی ہیں آپ، تھوڑی سی تفصیل اور بتائیں گی مجھے۔''

''ہاں میں چاہتی ہوں کہ تم تھوڑی سی تفصیل سمجھ لو تاکہ اس کے بعد جو کچھ ہو، سمجھداری کے عالم میں ہو، ورنہ نقصان اٹھاؤ گے، کوئی فائدہ نہیں۔''

''وہ تھوڑی سی تفصیل کیا ہے تائی جان! براہِ کرم مجھے آگاہ کیجئے۔ ہاں یہ ہو سکتا ہے کہ حقیقتوں سے واقف ہونے کے بعد میں ان حقیقتوں سے متفق ہو جاؤں۔''

چوکی پر بیٹھی ہوئی تائی جان کے چہرے پر خشونت کے آثار تھے، وہ خونی نگاہوں سے مجھے دیکھ رہی تھیں، پھر انہوں نے کہا۔ ''یہ ایک باقاعدہ آبادی ہے اور اس آبادی میں دو الگ الگ خیالات رکھنے والے طبقے آباد ہیں۔ حاجی صاحب سفید پوشوں کی رہنمائی کرتا ہے۔ ان کے عقائد بھی مختلف ہیں۔ یہ صدیوں سے یہاں رہتے ہیں۔ چھوٹی موٹی چپقلشیں ہوتی

رہتی ہیں اور یہ ان کا حل تلاش کر لیتے ہیں لیکن تمہاری وجہ سے ایک بڑا تنازع پہلی بار پیدا ہوا ہے۔ اس کا حل ضروری ہے۔''

''دادی اماں کا کیا کردار ہے؟'' میں نے تائی جان کے انکشافات سے دلچسپی لیتے ہوئے کہا۔

''گیتی آراء بیگم......'' تائی اماں نے نفرت بھرے لہجے میں کہا۔ پھر بولیں۔ ''وہ صرف میری دشمن ہیں۔''

''کیوں......؟''

''ان کا خیال ہے کہ ان کے بیٹے کو میں نے قتل کیا ہے۔''

''پاپا کو؟'' میں نے دھڑکتے دل کے ساتھ پوچھا۔

''نہیں، ولایت احمد کی بات کر رہی ہوں۔''

تائی جان نے ایک سنسنی خیز انکشاف کیا اور میرے بدن میں سرد لہریں دوڑ گئیں۔ گویا بڑے تایا ابو کی موت بھی مشکوک ہے ورنہ دادی اماں کا یہ خیال کیوں ہوتا لیکن تعجب کی بات ہے کہ پھوپھی جہاں آراء بیگم نے، نہ ہی تایا ممتاز احمد خاں نے اس بات کا کوئی تذکرہ کیا، یہاں تک کہ ریاض صاحب نے بھی اس بارے میں کوئی بات نہیں کی تھی۔ ذرا حیرانی کی بات تھی۔

تائی جان جیسے کسی خیال میں کھو گئی تھیں۔ انہوں نے کہا۔ ''گیتی آراء بیگم نے صرف اس خیال کے تحت مجھ سے دشمنی کا آغاز کر دیا۔ میری ہی دشمنی کی بنا پر وہ حاجی صاحب کی تحویل میں آ گئیں اور انہوں نے ان سے رجوع کر لیا جس کے نتیجے میں انہیں دنیاوی معمولات ترک کرنے پڑے اور دنیا کی نگاہوں میں وہ کوما میں چلی گئیں لیکن اصل میں انہوں نے میری دشمنی میں یہ راستہ اختیار کیا اور اپنی زندگی کی تمام ضرورتیں ترک کر دیں۔ وہ صرف مجھے زک پہنچانا چاہتی ہیں اور اس کے لئے عمل پیرا ہیں، انہوں نے میرے بہت سے راستے بند کئے ہیں۔''

''آپ واقعی میرے دل میں گھر کرتی جا رہی ہیں تائی جان، مجھے ان واقعات کا پہلے کوئی علم نہیں تھا، اگر مجھے یہ سب کچھ معلوم ہو جاتا تو میرا رویہ ہی بدلا ہوا ہوتا۔ اچھا اب آپ مجھے ایک بات بتایئے، چلئے ٹھیک ہے دادی اماں اس شک کی بنا پر کہ ان کے بیٹے ولایت احمد کو آپ نے قتل کیا ہے، آپ کی دشمن بن گئیں لیکن آپ کا ان سے کیا تعلق ہے؟''

تائی جان صحیح معنوں میں میرے جھانسے میں آ گئی تھیں۔ میں نے ذومعنی الفاظ ادا کئے تھے، اور یقیناً یہی سمجھی ہوں گی کہ میں نرم ہو رہا ہوں اور ان سے متفق ہونے جا رہا ہوں، میں نے

کہا۔" آپ خود کیسے ان میں شامل ہوئیں؟"

"نہیں، میں ان میں شامل نہیں ہوئی، پُراسرار علوم کی دلچسپی میرے بچپن کا شوق تھا اور میں نے اس شوق کی تکمیل کے لئے نجانے کیا کیا پاپڑ بیلے ہیں، یہاں تک کہ مجھے ایک عقیدے کا پیروکار بننا پڑا اور یہ عقیدہ خراتون کا عقیدہ ہے، جو بے شمار علوم سے نوازتا ہے اور دنیا بھر کے عیش قدموں میں ڈال دیئے جاتے ہیں۔ میں نے اپنے علم اور اس عقیدے کا سہارا لے کر بہت کچھ حاصل کیا ہے۔ تم نے اس دن تقریب میں دیکھا ہوگا کہ لوگ کس طرح ایک دیوی کی طرح میری پوجا کرتے ہیں، یہ سب کچھ میرے اپنے علم اور محنت کا نتیجہ ہے اور یہی پیشکش میں تمہیں کر رہی ہوں۔ سرفراز مجھ سے متفق ہو چکا ہے۔ میں چاہتی ہوں کہ تم گورنی سے شادی کر لو اور اس کے بعد تمہیں جو کچھ ملے گا تم سوچ بھی نہیں سکتے۔ سرفراز کو وہ سب کچھ نہیں مل سکتا کیونکہ وہ صرف میرا پیروکار ہوگا لیکن تم براہِ راست ان لوگوں میں شامل ہو جاؤ گے اور اگر تم ان میں شامل ہو گئے تو تم یہ سمجھ لو کہ ہمارے تمام اختلافات ختم ہو جائیں گے۔ تم ہم میں سے ایک ہو گے اور گورنی یقیناً ہر طرح تمہاری مدد کرے گی کیونکہ وہ تمہاری بیوی ہو گی۔ ارے تم سوچ بھی نہیں سکتے کہ تمہیں کیا مل جائے گا۔ بہت وقت لگایا تم نے بڑے گھاٹے کے سودے کئے لیکن انسان کو جب بھی عقل آ جائے، یہ موجود ہے گورنی، اسے خوشخبری سنا دو۔"

"تائی جان ایک بات اور بتایئے آپ۔ جب آپ کے پاس اس قدر وسائل ہیں تو پھر آپ بھائی جان کے ذریعے ہماری جائیداد کی طرف نگاہیں کیوں دوڑا رہی ہیں؟"

"کچھ باتیں ایسی ہوتی ہیں جو صیغۂ راز میں رہنی چاہئیں۔ اور پھر کیتی آراء سے میری براہِ راست لڑائی ہے، میں انہیں بھی کچھ دکھانا چاہتی ہوں۔"

"ایک بات اور بتایئے تائی جان، پاپا کی موت کیسے واقع ہوئی؟"

"میں نہیں جانتی...... بالکل نہیں جانتی۔" تائی جان عجیب سے لہجے میں بولیں۔

صاف پتہ چل گیا کہ وہ کچھ چھپا رہی ہیں۔ میں نے کہا۔

"تائی جان! کیا دادی اماں کو پاپا کی موت پر بھی اس بات کا شک تو نہیں ہے کہ اس موت کا ذریعہ بھی آپ ہیں؟"

"میں نے کہا نا، مجھے نہیں معلوم، اس بارے میں کچھ نہیں جانتی میں۔"

"چلئے ایک آخری بات اور بتا دیجئے، کیا ہما خاتون اور ان کے بچے آپ ہی کی تخلیق ہیں؟"

تائی جان کا چہرہ ایک بار پھر بگڑنے لگا۔ چند لمحات وہ خونی نگاہوں سے مجھے دیکھتی

رہیں۔ پھر غرائے ہوئے لہجے میں بولیں۔ "تم خود کو بہت زیادہ چالاک سمجھ رہے ہو، اپنی دانست میں تم مجھے بیوقوف بنا رہے ہو، میں تمہارے دل میں موجود ایک ایک بات پڑھ سکتی ہوں۔"

"نہیں تائی جان نہیں، ناراض ہونے کی بات نہیں ہے۔ جب کسی کو اپنے قریب لایا جاتا ہے تو اس کے ساتھ نرمی سے پیش آنا پڑتا ہے، ویسے بھی میں آپ کا بھتیجا ہوں۔ رشتہ بھی ہے میرا آپ سے اور آپ مجھے کچھ نئے رشتوں میں شامل ہونے کی دعوت دے رہی ہیں۔ نرم رہئے تائی جان، نرم رہئے۔"

"جتنے سوالات تم مجھ سے کر چکے ہو، میں نے ایک اچھے جذبے کے تحت ان کے جوابات دیئے ہیں لیکن بے شمار سوالات ایسے ہیں جو ہم میں شامل ہونے کے بعد تمہارے علم میں آئیں گے اور تمہیں ان کا صحیح جواب مل سکے گا۔ بولو، یہ گورنی موجود ہے، اس کے ساتھ سمجھوتہ کرو گے؟"

"مجھے کیا کرنا ہوگا تائی جان؟"

"آؤ...... پھر چراغوں کے اس حصار میں آ جاؤ، اسے ہاتھ پکڑ کر اٹھاؤ اور اسے دلاسہ دو کہ تم اس سے شادی کر لو گے، اسے سکون آ جائے گا اور یہ اپنا مقام پا لے گی۔"

مجھے ان جادو ٹونوں کے بارے میں کوئی صحیح علم ہی نہیں تھا۔ میں تو ایک مست بیل کی مانند تھا، جو کسی چیز کی پروا نہیں کرتا تھا اور بے خوفی سے سارے کام کر لیتا تھا۔ پہلے تو میں اس حصار میں داخل نہیں ہوا تھا لیکن اب میرے دل میں قہقہے مچل رہے تھے۔ میں تائی جان کو اپنا کھیل دکھانا چاہتا تھا چنانچہ میں اس حصار کی جانب بڑھا اور سفید سانپ جن کے سروں پر دیئے جل رہے تھے۔ گھبرا کر اِدھر اُدھر منتشر ہونے لگے۔ گورنی کی "ہوں ہوں" رک گئی تھی۔ میں آگے بڑھا اور پھر اچانک ہی میں نے پوری قوت سے ایک لات گورنی کی پشت پر ماری اور گورنی قلابازی کھا گئی۔ اس کی گردن جسے اس نے سنبھال کر اپنے شانوں سے جوڑ رکھا تھا، کسی فٹ بال کی طرح لڑھک کر دور جا گری اور گورنی زمین پر تڑپنے لگی۔ میں نے ہنستے ہوئے آگے بڑھ کر اس کا ہاتھ پکڑا اور کہا۔ "اٹھو...... آؤ میں تمہیں صحیح مقام کی سیر کراؤں۔" گورنی کی کٹی ہوئی گردن سے جو دور پڑی ہوئی تھی، ایک بھیانک چیخ نکلی۔ اس نے پوری قوت سے اپنا ہاتھ میرے ہاتھ سے چھڑایا اور اندھوں کی طرح اٹھ کر ایک طرف بھاگی۔ دوسرے لمحے وہ چوکی پر بیٹھی ہوئی تائی جان سے ٹکرائی اور تائی جان کے حلق سے بھی ایک چیخ نکل گئی۔

"اسے روکئے میری پیاری تائی جان، اسے روکئے، میں اسے بڑی خوش خبری دینا چاہتا

ہوں۔'' میں آگے بڑھا لیکن تائی جان بھی گھبرا کر کھڑی ہو گئیں۔

انہوں نے گورنی کو ایک طرف دھکا دیا اور ان کا چہرہ انگارے کی طرح چمکنے لگا۔ ''تعویذ جو تو نے پہنا ہوا ہے، اگر تیرے گلے میں نہ ہوتا تو میں تجھے ایسا مزہ چکھاتی کہ تُو موت کے بعد بھی یاد رکھتا۔ تیرے پورے جسم پر کوڑھ ابھر آتا اور میں اس کوڑھ میں آگ لگا دیتی۔ تجھے اس آگ کی اذیت ساری زندگی اپنے بدن میں محسوس ہوتی۔''

تائی جان کے ان الفاظ پر پہلی بار مجھے اپنی گردن میں پڑے ہوئے تعویذ کا خیال آیا۔ یہ تعویذ مجھے مرشد کی قبر سے ملا تھا اور قیصر خان نے اس کا موم جامہ کرا کے بڑی عقیدت سے میری گردن میں ڈال دیا تھا۔ یہ تعویذ مجھے اس طرح تحفظ دے گا، میں نے خواب میں بھی نہیں سوچا تھا۔

''مگر تائی جان، میں تو آپ کی ہدایت پر یہ سب کچھ کر رہا ہوں۔''

میں آگے بڑھا تو تائی جان چوکی سے اچھل کر نیچے اتر گئیں اور بولیں۔ ''پیچھے ہٹ، بہت زیادہ چالاک بننے کی کوشش مت کر، دیکھ لوں گی میں تجھے اور تیرے ہمدردوں کو، تجھے جلد اندازہ ہو جائے گا کہ میری دشمنی کیا چیز ہے۔''

''مگر میں تو آپ کا دوست ہوں تائی جان، مجھے ابھی کچھ اور باتیں بھی آپ سے معلوم کرنی ہیں۔ بیچارے چودھری عرفان کا قتل، مرشد کی موت، میرے پاپا کی موت، آپ کا ان تینوں موتوں سے کیا تعلق ہے؟''

''میں کہتی ہوں پیچھے ہٹ اور باہر نکل جا، ورنہ نقصان اٹھائے گا۔'' تائی جان نے کہا اور پھر اچانک ہی انہوں نے اپنے دونوں ہاتھ اٹھائے۔

سفید سانپ ایک دم سے اس طرح منتشر ہو کر بھاگے، جیسے ان پر آگ برسا دی گئی ہو۔ گورنی اندھوں کی طرح دوڑتی ہوئی ایک دیوار سے ٹکرائی اور اس میں سما گئی۔ یہی کیفیت اس کے سر کی ہوئی تھی۔ چراغوں کے بجھ جانے سے تہہ خانے میں گھور اندھیرا چھا گیا اور کچھ لمحوں کے بعد مجھے محسوس ہوا کہ وہاں کسی انسانی زندگی کا وجود نہیں ہے۔

کچھ دیر میں وہیں کھڑا گہری گہری سانسیں لیتا رہا، دل و دماغ میں ہلچل مچی ہوئی تھی۔ بہت کچھ ذہن میں آ رہا تھا لیکن اب اس تہہ خانے میں کھڑے رہنے سے کوئی فائدہ نہیں تھا۔ مجھے یہاں سے نکل جانا چاہئے، چنانچہ میں واپس چل پڑا اور کچھ دیر کے بعد باہر آ گیا۔

قیصر خان اطمینان سے گاڑی سے کچھ فاصلے پر ایک جگہ بیٹھ گیا تھا۔ مجھے دیکھ کر جلدی سے کھڑا ہوا اور میرے قریب آ کر بولا۔ ''واپس چلئے صاب۔''

''ہاں۔'' میں قیصر خان کے برابر کا دروازہ کھول کر بیٹھ گیا۔ ایک نگاہ میں نے تائی جان

کی گاڑی کی طرف دیکھا، وہ اسی طرح کھڑی ہوئی تھی۔ قیصر خان گاڑی اسٹارٹ کر کے اسے آگے بڑھا لے گیا اور ہم گیٹ سے باہر نکل آئے۔

قیصر خان خاموش تھا، ضرورت سے زیادہ، ویسے بھی نہیں بولتا تھا۔ میں جانتا کہ اس کے دل میں بہت سے سوالات جنم لے رہے ہوں گے لیکن اس وقت تہہ خانے میں ہونے والے واقعے کے بارے میں سوچ رہا تھا۔ دفعتاً ہی میرے ذہن میں گردن میں پڑے ہوئے تعویذ کا خیال آیا تو میں نے کہا۔ ''مرشد کی قبر پر چلنا ہے قیصر خان۔''

''جی صاب۔'' قیصر خان بولا اور اس نے گاڑی کا رخ اس جانب کر دیا۔ میرا ذہن خیالات میں ڈوبا ہوا تھا۔ کتنا زبردست فائدہ پہنچا مجھے مرشد کے دیئے ہوئے تعویذ سے۔ میرے دل میں مرشد کے لئے بڑی عقیدت پیدا ہو گئی۔

پھر میں نے دادی اماں کے بارے میں سوچا، جو انکشاف تائی جان نے دادی اماں کے بارے میں کیا تھا، وہ بھی انتہائی انوکھا تھا، گویا دادی اماں نے یہ زندگی جان بوجھ کر اپنائی ہے، خیر میرے ساتھ تو ان کا سلوک برا نہیں تھا لیکن ایک طرح سے وہ بھی مجبور تھیں، وہ کھل کر ہمارے سامنے نہیں آ سکتیں۔

پھر ڈاکٹر اشتیاق ان کا کیا علاج کر رہے ہیں۔ ڈاکٹر اشتیاق کی شخصیت کے بارے میں مجھے یہ اندازہ ہو گیا تھا کہ وہ ایک پُراسرار شخصیت کا مالک ہے اور ہو سکتا ہے، وہ بھی ان حالات سے پوری طرح آشنا ہو۔

بہر طور ان سوچوں کے درمیان راستہ طے ہوا اور میں قبرستان پہنچ گیا۔ میں نے قبرستان کے سرے پر بنی ہوئی دکان سے بہت سے پھول اور اگر بتیاں خریدیں، پھر مرشد کی قبر پر جا کر لڑکوں سے پانی منگوایا۔ مرشد کی قبر پر پانی ڈالا، پھول ڈالے، اگر بتیاں جلائیں اور پھر فاتحہ خوانی کرنے لگا۔ اس کے بعد میں نے کہا۔

''مرشد! آپ کی محبت، آپ کی عنایت کا میں تہہ دل سے شکر گزار ہوں۔ اس تعویذ کی کرامت آج صحیح معنوں میں میرے ذہن میں واضح ہوئی ہے۔ آپ نے جس طرح مجھ پر نظرِ عنایت کی اس کا صلہ میں نہیں، اللہ تعالیٰ ہی آپ کو عطا کر سکتا ہے۔ بس اس سے زیادہ میں اور کیا کہوں۔ میری بہن دانیہ ان کا شکار نہ ہو جائے، اس کے لئے دعا فرمایئے اور اگر ممکن ہو سکے تو اس کے لئے کوئی تعویذ وغیرہ دیجئے۔''

نجانے کیوں میں دیر تک وہاں رک کر اس بات کا منتظر رہا کہ ممکن ہے، مرشد کی قبر سے مجھے اور کوئی تعویذ حاصل ہو سکے لیکن ایسا نہیں ہوا۔ میں نے الوداعی الفاظ کہے تو قیصر خان اٹھ کر میرے ساتھ چل دیا۔ پھر اچانک ہی تھوڑا سا فاصلہ طے کرنے کے بعد میرے دل

میں کچھ خیال آیا اور میں نے کہا۔ ''قیصر خان تائی جان کی کوٹھی کی طرف چلنا ہے۔''

قیصر خان نے خاموشی سے گردن ہلا دی تھی۔ سفر جاری رہا اور تھوڑی دیر کے بعد میں تائی جان کی عالیشان کوٹھی میں داخل ہو گیا۔ وہاں میں نے تائی جان کی کار دیکھی۔ اس کا مطلب تھا کہ وہ واپس آ گئی ہیں۔ گاڑی سے اتر کر میں اندر داخل ہوا، ایک ملازمہ میرے پاس آ گئی تھی۔ میں نے اس سے پوچھا کہ کیا تائی جان گھر میں ہیں۔

''ہاں وہ ڈرائنگ روم میں موجود ہیں، آیئے۔''

میں ایک دلچسپ صورت حال کو ذہن میں رکھ کر ڈرائنگ روم میں داخل ہو گیا تو میں نے تائی جان کو ایک میگزین کے مطالعے میں مصروف پایا۔

ان کا چہرہ بالکل شفاف تھا۔ سفید رنگ کی خوبصورت ساڑھی میں ملبوس تھیں۔ ویسے بھی بلند قد و قامت اور دلکش نقوش کی مالک تھیں۔ اس وقت بہت ہی خوبصورت لگ رہی تھیں۔ تھوڑی دیر پہلے میں نے ان کا جو روپ دیکھا تھا، اگر کوئی اجنبی ان دونوں شکلوں کا موازنہ کرتا تو خواب میں بھی نہیں سوچ سکتا تھا کہ تھوڑی دیر پہلے کی وہ مکروہ شکل اس وقت اس خوش شکل میں تبدیل ہو گئی ہے۔ انہوں نے گردن اٹھا کر مجھے دیکھا اور ایک دلآویز مسکراہٹ میرے ہونٹوں پر پھیل گئی۔

''شکر ہے کہ تمہیں اس طرح میرے پاس آنے کا خیال تو آیا۔ آؤ بیٹھو کیسے ہو؟'' تائی اماں کے یہ الفاظ مجھے بہت کچھ سمجھا رہے تھے اور میں نے ان کے سامنے صوفے پر بیٹھتے ہوئے یہ فیصلہ کیا تھا کہ مجھے ان کے ساتھ کس انداز میں پیش آنا ہے۔

''سناؤ، سب لوگ خیریت سے ہیں؟''

''جی تائی جان، بالکل ٹھیک ہیں سب لوگ۔''

''افشاں بیگم نے میرے پاس نہ آنے کی قسم کھا رکھی ہے، ویسے ایک بات کہوں شہاب، تم نے تو زندگی گھر سے باہر گزاری ہے، تم کہاں خاندانی الجھنوں میں پھنس گئے۔ میں نے ہر طرح تمہیں مدد کی پیشکش کی ہے، اس دن میں نے تمہیں جن لوگوں سے ملایا تھا، وہ اس قدر کام کے لوگ ہیں کہ اگر اپنے بزنس کا آغاز کر کے تم ان میں سے کسی کا سہارا طلب کرو گے تو حیران رہ جاؤ گے کہ کیا اس طرح بھی لوگ کسی کی مدد کر سکتے ہیں جبکہ یہ الگ بات ہے کہ تم اس پر کوئی توجہ نہیں دے رہے اور اپنی ہی الجھنوں میں پھنسے ہوئے ہو۔ ایک بات میں تم سے اور کہوں شہاب، دیکھو بہت کچھ ہے تمہارے پاس، اتنا کچھ ہے کہ تم پاکستان کے امیر ترین لوگوں میں شمار کئے جا سکتے ہو، خاندان کے ان جھگڑوں میں نہ پڑو جن سے تمہیں کچھ حاصل نہیں ہو گا، اپنا مستقبل بناؤ، بڑے آدمی کہلاؤ، اپنی نسلوں کا تحفظ کرو۔''

''آپ ٹھیک کہہ رہی تائی جان لیکن ایک بات بتا دیجئے۔ گورنی سے شادی کر کے میری جونسل وجود میں آئے گی، اس کا کیا مقام ہو گا؟'' میں نے تائی جان کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے کہا۔ میرے اس سوال پر ان کی آنکھوں کا جو رنگ بدلا، وہ دیکھنے کے قابل تھا لیکن انہوں نے فوراً ہی اپنی اس کیفیت پر قابو پا لیا۔ کچھ لمحے کے لئے وہ خاموش ہو گئی تھیں، پھر انہوں نے سرد لہجے میں کہا۔ ''بعض امور میں میرا علم ابھی نامکمل ہے، پھر بھی کچھ باتوں کا تجزیہ کر کے میں نتیجہ اخذ کر لیتی ہوں۔ گورنی کے بارے میں، تمہیں جو مشورہ دیا ہے، وہ تمہارے بہترین مفاد میں ہے۔''

''ارشام کی کیا حقیقت ہے؟''

''انسان کی حقیقت کیا ہوتی ہے۔'' انہوں نے الٹا سوال کر ڈالا...... لیکن میں ان کے سوال سے مرعوب نہیں ہوا۔ میں نے فوراً ہی ایک خطرناک سوال کر ڈالا۔ ''تھوڑی دیر پہلے آپ کہاں تھیں؟''

میرے اس سوال پر تائی جان کی بھنویں تن گئیں، پھر انہوں نے کہا۔ ''کیا یہ سوال گستاخی پر محمول نہیں ہے؟''

''اس سوال کا میری زندگی سے گہرا تعلق ہے۔''

''صبح سے میں اپنے گھر میں ہوں۔''

''تائی جان! تھوڑی دیر پہلے آپ ارشام کی پُراسرار کوٹھی کے تہہ خانے میں تھیں، آپ کو یقیناً میری اور ارشام کی پچھلی ملاقات کے بارے میں بھی تفصیل معلوم ہو گی، جب انہوں نے مجھے کھانا پیش کیا تھا اور اس میں لمبے لمبے کیڑے تیر رہے تھے۔''

''آہ...... کیا تم اپنا دماغی توازن کھوتے جا رہے ہو، کیا فضول باتیں کر رہے ہو۔ یہاں میرا ہر ملازم اس بات کی گواہی دے گا کہ میں صبح سے گھر پر موجود ہوں۔''

''مجھے یقین ہے کہ آپ کے سارے ملازم یہی گواہی دیں گے لیکن ابھی تھوڑی دیر پہلے میری آپ کی ملاقات ارشام کی کوٹھی کے تہہ خانے میں ہوئی تھی اور آپ نے مجھے سمن آباد والے گھر کے بارے میں تفصیل بتائی تھی، دادی اماں کے بارے میں بھی آپ نے کچھ بتایا تھا۔''

''اُف...... اس کا مطلب ہے کہ میں اپنے علم میں آگے بڑھتی جا رہی ہوں اور وہ مجھ سے خوفزدہ ہو گئے ہیں۔ سنو میرے بچے جو کچھ میں کہہ رہی ہوں، اسے غور سے سنو، اگر ایسی کوئی بات ہے کہ تم نے مجھے کچھ دیر پہلے کہیں اور دیکھا ہے تو میں وہ نہیں تھی۔ میں جو علم حاصل کر رہی ہوں اور جس علم میں مجھے شدید محنت کے بعد کامیابی حاصل ہوتی جا رہی ہے،

کچھ پُراسرار قوتیں نہیں چاہتیں کہ میں اس علم کی تکمیل کر سکوں۔ وہ طرح طرح سے میرے راستے روک رہی ہیں۔ بے شک میرا کچھ تعلق ان سے ضرور ہے جو گورنی کے ہمدرد ہیں اور انہی کی خواہش پر میں نے تم سے یہ کہا تھا کہ تم گورنی سے شادی کر لو، تمہیں فائدہ ہو گا لیکن جو کچھ ہو رہا ہے، وہ غیر مناسب ہے اور تم نقصان اٹھانے کی کیفیت میں ہو۔''

''تائی جان! آپ جو میری پشت پر ہیں، ویسے سچ کہہ رہا ہوں۔ میں تو خیر ایک انتہائی ناتجربے کار لڑکا ہوں، آپ کا اور میرا کیا مقابلہ، آپ بہت ذہین ہیں، آپ نے جو یہ دہرا روپ اختیار کیا ہے، وہ بے مثال حیثیت کا حامل ہے۔ آپ ایک طرف مجھے حلیہ بدل کر مشورے دیتی ہیں اور دوسری طرف اپنے آپ کو اس کردار سے غیر متعلق ثابت کر دیتی ہیں۔ یہی اس دن بھی آپ کی کوٹھی میں ہوا تھا مگر تائی جان! اتفاق کی بات یہ ہے کہ میں بھی بڑا ضدی ہوں۔ میں کسی چیز سے خوفزدہ نہیں ہوتا۔ میں آپ کو منظر عام پر لے آؤں گا۔ تائی جان میں آپ سے رہنمائی چاہتا تھا، ایک اچھی رہنمائی لیکن میں کیا کروں آپ کسی ایک بات پر ٹکتی ہی نہیں ہیں۔''

''ضرورت سے زیادہ بدتمیزی کر رہے ہو، جاؤ اپنے آپ کو بچا کر یہاں سے نکل جاؤ۔ میں بہت کوشش کر رہی تھی کہ تمہیں اس گھوسٹ ہاؤس سے نکال لوں اور اس گھر کی نحوست ختم ہو لیکن تم نہیں مان رہے، تم طلسم کا شکار ہو، ایک غلط طلسم کا اور میری پیش گوئی ہے کہ تم شدید نقصان اٹھاؤ گے۔''

''آپ کے ہوتے ہوئے بھی؟'' میں نے مسکرا کر کہا۔

''چرب زبان مت بنو، مجھے مجبور مت کرو کہ میں تمہیں نقصان پہنچانے پر اتر آؤں۔''

''آپ نے تو کوئی کسر نہیں چھوڑی ہے تائی جان لیکن بہر حال دیکھتے ہیں کہ وقت کیا فیصلہ کرتا ہے۔ ویسے آپ کا پروگرام اچھا ہے، آپ روپ بدل کر مجھے ساری حقیقتوں سے آگاہ کرتی ہیں اور پیشکش کرتی ہیں کہ میں آپ کے حلقے میں شامل ہو جاؤں جو خراتون کی سرکردگی میں کام کر رہا ہے لیکن تائی جان اب میں کھل کر گیتی آراء بیگم سے یہ فرمائش کروں گا کہ مجھے حاجی صاحب کے حلقے میں شامل کر لیں۔''

''تباہ ہو جاؤ گے، برباد ہو جاؤ گے، کچھ نہیں بچے گا تمہارے پاس۔ میں تمہیں ایک بار پھر آگاہ کرتی ہوں کیونکہ......'' تائی جان نے جملہ ادھورا چھوڑ دیا۔

میں ہنستا ہوا واپس پلٹنے لگا۔ پھر میں نے کہا۔ ''اس تعویذ کا احترام میرے سر آنکھوں پر ہے ورنہ میں ابھی اسے اپنی گردن سے اتار کر آپ کے گلے میں ڈال دیتا اور آپ کو لطف ہی آ جاتا۔ کیا خیال ہے، ایسا کر کے دیکھوں۔'' میں نے تعویذ کی طرف ہاتھ بڑھایا تو تائی

جان غصے سے اٹھ کھڑی ہوئیں۔

''نکل جاؤ مردود اور آج کے بعد میری کوٹھی کے گیٹ کے اندر قدم رکھا تو میں تمہیں خاکستر کر دوں گی، نکل جاؤ۔'' تائی جان حلق پھاڑ کر چیخیں اور میں ہنستا ہوا وہاں سے نکل آیا۔

باہر نکل کر میں نے مرشد کے لئے دعائے مغفرت کی جو میری بھرپور حفاظت کر رہے تھے۔ میرے اندر ایک مستی سی پیدا ہو چلی تھی، جو کچھ ہو رہا تھا وہ بہت ہی دلچسپ تھا اور مجھے اب اس میں مزہ آنے لگا تھا۔

صرف اتنی سی بات تھی کہ میری بہن اور میری ماں کو کوئی نقصان نہیں پہنچنا چاہئے اور اس کے لئے مجھ مرشد ہی سے مدد مانگنی تھی کیونکہ ان کا دیا ہوا تعویذ میرے لئے اکسیر ثابت ہو رہا تھا۔ ان ساری باتوں کو میں نے پہلے بھی گھر والوں سے مخفی رکھا تھا۔ آج بھی واپس آنے کے بعد میں نے کوئی خاص تذکرہ ان سے نہیں کیا۔ ذاتی معاملات اگر ذات تک ہی رہیں تو زیادہ اچھا رہتا ہے۔

گھر کی صورت حال کافی بہتر تھی۔ پھر ایک دو دن اور گزر گئے اور کوئی خاص بات نہیں ہوئی لیکن تیسرے دن ظاہر صاحب نے کہا۔ ''شہاب! وکیل سردار علی بیگ ہمارے ساتھ ایک میٹنگ کرنا چاہتے ہیں، اس کے لئے جگہ متعین کر لو، ویسے انہوں نے اپنے آفس کی پیشکش کی ہے، جہاں تمہیں، بھابی افشاں بیگم اور سرفراز احمد کو پیش ہونا ہے۔''

''کب؟'' میں نے سوال کیا۔

''تم سے وقت لے کر میں سردار علی بیگ سے بات فائنل کر دوں گا۔''

''آپ طے کر لیجئے۔''

''پھر آج دوپہر کو دو بجے کے بعد تم میرے پاس پہنچ جاؤ، بھابی افشاں کو بھی ساتھ لے لینا زیادہ بہتر رہے گا۔''

''سرفراز صاحب سے کہہ دیا ہے آپ نے؟'' میں نے کہا۔

''ہاں انہوں نے یہی کہا ہے کہ جب شہاب وقت نکال سکیں۔''

''ٹھیک ہے، میں پونے دو بجے آپ کے پاس پہنچ جاؤں گا۔''

''میں اپنے آفس میں نیچے ہی انتظار کروں گا۔'' ظاہر صاحب نے کہا۔

ماما کو مختصر طور پر میں نے اس بارے میں بتایا تو ماما نے بھی سرد لہجے میں کہا۔ ''وہ کمینہ بھی آ رہا ہے، جس نے بحرین سے آنے کے بعد ہمیں بالکل ہی نظر انداز کر دیا ہے؟''

''جی ماما سرفراز بھائی بھی آ رہے ہیں لیکن ایک درخواست کروں گا میں آپ سے۔'' وہ یہ

کہ آپ پوری سنجیدگی کے ساتھ اس میٹنگ میں شریک ہوں گی۔ ہم دیکھتے ہیں کہ سرفراز بھائی کا کیا رویہ رہتا ہے۔ ماما اپنا وقار قائم رکھنا ہے ہمیں۔''

ظاہر صاحب کے آفس کی طرف جاتے ہوئے بھی میں ماما کو یہ بات سمجھاتا رہا تھا۔ ظاہر حسین وعدے کے مطابق ہمیں اپنے دفتر سے باہر ہی مل گئے اور ہم نے انہیں اپنے ساتھ کار میں بٹھا لیا۔ تھوڑی دیر کے بعد ہم وکیل سردار علی بیگ کے شاندار آفس پہنچ گئے۔ وکیل سردار علی بیگ ایک پستہ قامت اور شاطر سی شکل کے آدمی تھے لیکن بہر حال انہوں نے خوش اخلاقی سے ہمارا استقبال کیا۔

وہاں ہما خاتون، ان کے تینوں بچے، سرفراز بھائی اور سائرہ خانم موجود تھیں۔ میں ماما کے ساتھ آگے بڑھ کر ایک صوفے پر بیٹھ گیا۔ سرفراز بھائی ہمارے پاس آئے۔

''کیسی ہیں ماما؟''

ماما نے نگاہیں اٹھا کر انہیں دیکھا، پھر سرد لہجے میں بولیں۔ ''تمہاری خواہشوں کے برعکس بالکل ٹھیک ہوں خدا کے فضل سے۔''

سرفراز بھائی کچھ پریشان سے ہو گئے۔ ماما نے انہیں بیٹھنے کے لئے نہیں کہا تھا، وہ واپس سائرہ کے پاس جا بیٹھے۔ وکیل سردار علی نے سب کے لئے کولڈ ڈرنک کا انتظام کیا تھا۔ ملازم نے بوتلیں سرو کر دیں اور اس کے بعد وکیل صاحب نے کہا۔ ''محترمہ افشاں بیگم! میں آپ سے مرحوم امتیاز احمد خاں کے حوالے سے کچھ بات کرنا چاہتا ہوں۔ مرحوم نے جو جائیداد، دولت، زمینیں اور پلازے وغیرہ چھوڑے ہیں، ان میں ایک اور حقدار کی شکل سامنے آئی ہے، محترمہ ہما خاتون۔ یہ امتیاز احمد صاحب کی دوسری بیوہ ہیں اور یہ ان کے تینوں بچے ہیں جو اس جائیداد میں قانون کے مطابق وراثت کے حقدار ہیں۔ میں نے اس سلسلے میں تفصیلات تیار کر لی ہیں۔ میں یہ عرض کرنا چاہتا ہوں کہ ہم عدالت میں پیش ہو کر صرف ان اثاثوں کی تقسیم کی تصدیق کرا لیں یا ایسی کوئی بیچ سامنے آئے گی جس کے لئے ہمیں قانونی امداد حاصل کرنی پڑے گی اور ہم اسے کیس کی شکل میں عدالت میں لے جائیں گے۔ ظاہر صاحب آپ کے وکیل ہیں، میں نے ان سے بھی بات کی ہے اور یہ میٹنگ اسی سلسلے کی بنیادی کڑی ہے۔ آپ ہمیں حکم دیجئے کہ ہم وراثت کے کاغذات عدالت عالیہ میں پیش کر کے آپ کی طرف سے اس کی تقسیم کی تصدیق کرا لیں یا آپ اس پر اعتراض کریں گی؟''

''نہ صرف اعتراض بلکہ ہم اس دعوے کو چیلنج کریں گے کیونکہ یہ جھوٹا دعویٰ ہے۔'' ماما نے غصیلے لہجے میں کہا۔

''یہی معلوم کرنے کے لئے میں نے آپ کو آج اس وقت زحمت دی ہے، البتہ سرفراز احمد صاحب نے جو آپ کے بڑے بھائی اور مرحوم امتیاز احمد صاحب کے بڑے صاحبزادے ہیں، اس حق کو تسلیم کر لیا ہے اور اس جائیداد کو قانون کے مطابق تقسیم کرنے کی اجازت بھی دے دی ہے۔''

''میں زندہ ہوں، اس کی اجازت کوئی حیثیت نہیں رکھتی، وہ بکا ہوا انسان ہے۔'' ماما نے غرائی ہوئی آواز میں کہا۔

''آپ کو اس چیلنج کا پورا پورا حق ہے، بس ہمیں یہی آپ سے معلوم کرنا تھا، اب کیس کو ذرا دوسری شکل میں تیار کیا جائے گا۔ آپ کا اس زحمت فرمانے کا بے حد شکریہ۔'' سردار علی نے کہا۔

ہم اٹھ گئے، ہم نے اجازت لی اور اس کے بعد ان کے آفس سے باہر نکل آئے۔ میں نے دیکھا کہ سرفراز بھائی بھی تیز تیز قدموں سے ہمارے پیچھے چلے آ رہے ہیں۔ ہماری گاڑی کے قریب پہنچ کر انہوں نے کہا۔ ''میں آپ لوگوں کے ساتھ چلنا چاہتا ہوں۔''

''اور وہ آپ کا سایہ کہاں ہے؟'' ماما نے طنزیہ لہجے میں سوال کیا۔

''سائرہ گاڑی لے کر چلی جائے گی۔ میں آپ سے کچھ باتیں کرنا چاہتا ہوں۔''

''یہیں کر لیتے تو بہتر تھا، وہاں تمہارے آنے سے ہمیں شرمندگی ہوتی ہے۔'' ماما نے کہا۔

''ٹھیک ہے ماما، آپ جو بھی رویہ اختیار کریں، میری ماں ہیں۔ آپ سے صرف یہ عرض کرنا چاہتا تھا کہ جو کاغذات وغیرہ میں نے دیکھے ہیں، ان کے تحت ہما خاتون کا دعویٰ بالکل درست ہے۔ ہم عدالت میں رسوا ہوں گے۔ اس سے کیا یہ بہتر نہیں ہے کہ ہم عدالت کے باہر ہی سمجھوتہ کر لیں۔''

ماما کے بجائے میں نے غرائی ہوئی آواز میں کہا۔ ''بھائی جان! ایک حد ہوتی ہے، آپ اس حد کو عبور کر رہے ہیں۔ آپ فوراً یہاں سے واپس چلے جائیں ورنہ اس کے بعد میں یہ بھول جاؤں گا کہ آپ میرے بڑے بھائی ہیں۔ آپ نے تو اپنے آپ کو فروخت کر دیا ہے لیکن میں اپنے باپ کی آبرو کو فروخت نہیں کروں گا۔ دولت اور جائیداد پر میں ہزار بار تھوکتا ہوں۔ مجھے صرف اس بات کا تردد ہے کہ میرے باپ کے کردار پر الزام لگایا گیا ہے۔ آپ دیکھ لیجئے گا، یہ الزام غلط ہو گا۔''

''اور اگر صحیح نکل آیا تو تم خود فیصلہ کر لینا کہ تمہیں اپنی اس بکواس کا کیا صلہ دیا جائے، سمجھے۔'' سرفراز بھائی نے غرائی ہوئی آواز میں کہا اور واپس پلٹ پڑے۔

سائرہ تھوڑے فاصلے پر گاڑی کے قریب کھڑی ہوئی تھی۔ سرفراز بھائی اسی گاڑی کی طرف بڑھ گئے۔ ادھر قیصر خان نے ہماری گاڑی اسٹارٹ کر کے آگے بڑھا دی تھی۔ سردار علی بیگ نے تو خیر اپنی میٹنگ کے دوران جو کچھ کہا تھا، وہ اس کی اپنی قانونی کارروائی تھی لیکن بھائی جان سے جو یہ تھوڑی سی بات ہوئی تھی، اس نے ذہنی طور پر کافی تکدر کا شکار کر دیا تھا اور اسی تکدر میں ڈوبے ہوئے ہم لوگ واپس آ گئے۔

مجھے یہ احساس تھا کہ ماما، سرفراز بھائی کے بارے میں کوئی تبصرہ کرنا چاہتی ہیں لیکن ظاہر ہے بڑی اولاد کیا کہتیں۔ میں نے بھی خاصی ترش روی سے کام لیا تھا لیکن بھائی جان کے چہرے پر شرمندگی کے کوئی آثار نہیں تھے۔ وہ پوری طرح تائی جان کے جال میں جکڑے ہوئے تھے، کتنی ہی بار ماما سے پہلے بھی کہہ چکا تھا اور اس وقت بھی گھر آ کر انہیں تسلی دیتے ہوئے کہا کہ ماما آپ بےفکر رہیں، ہم لوگ کوشش کریں گے اور بھائی جان کو اس جال سے نکال لیں گے۔ دانیہ ہم دونوں کی شکل دیکھ رہی تھی لیکن اس نے اس بارے میں کوئی سوال نہیں کیا۔

رات کے کھانے سے فراغت حاصل ہونے کے بعد ماما نے تایا ابو سے کہا۔ ''ممتاز بھائی! آپ سے کچھ بات کرنی ہے۔''

''ہاں افشاں بھابی بولیں۔''

''جائیداد کے مسئلے میں جو کچھ بھی ہو رہا ہے، سچی بات تو یہ ہے ممتاز بھائی کہ ہم یہ توقع لے کر یہاں نہیں آئے تھے کہ ہمیں کوئی اتنی بڑی جائیداد ملے گی۔ امتیاز احمد نے یہ سب نجانے کیسی کیسی مشکلات سے گزر کر کیا ہوگا۔ میں دولت اور جائیداد پر تھوکتی ہوں، اللہ میرے بچوں کو سلامت رکھے، اس سے زیادہ مجھے اور کچھ نہیں چاہئے، جو کچھ مرحوم امتیاز احمد چھوڑ گئے تھے، ہم تو اسی میں گزارہ کر لیتے لیکن اب جو کچھ سامنے آیا ہے، وہ بڑا غلط ہو رہا ہے۔ وکیل صاحب نے آج ہما خاتون کے بارے میں تفصیلات بتائی ہیں۔ باقی ساری باتیں اپنی جگہ ہیں لیکن یہ بات بڑی مشکل ہے کہ ہم امتیاز احمد کی یہ کمزوری تسلیم کر لیں۔ جہاں تک ان کے کردار کا تعلق ہے، آپ یقین کریں جب سے میری ان سے شادی ہوئی اور ماشاء اللہ، یہ کوئی کم وقت نہیں رہا ہے، میں نے انہیں انتہائی صاحب کردار پایا۔ انہوں نے کبھی کوئی ایسا عمل نہیں کیا، جو مشکوک ہوتا، سوائے اس کے کہ انہوں نے یہاں خفیہ طریقے سے جائیداد بنائی اور اس کی وجہ بھی ہمارے اور آپ کے سامنے ہے۔ طاہرہ خانم کسی کو اپنے آپ سے آگے نہیں دیکھنا چاہتیں۔''

''یہ آپ بالکل ٹھیک کہہ رہی ہیں افشاں بیگم۔'' تایا ابو نے تائید کی۔

''آپ کے خیال میں ممتاز بھائی، کیا امتیاز احمد اس قدر دوغلے انسان ہو سکتے تھے کہ ہم میں سے کسی کو وہ اس شادی کے بارے میں نہ بتاتے۔''

''قیامت تک یقین نہیں کروں گا، میرا بھائی ایسا نہیں تھا۔'' ممتاز احمد خاں کی بھرائی ہوئی آواز ابھری۔

''تو پھر تایا ابو مجھے اس سے کوئی غرض نہیں ہے کہ جائیداد کا کیا ہوتا ہے لیکن میں اپنے پاپا پر یہ الزام برداشت نہیں کر سکتا۔''

''تو یہ معاملہ عدالت میں پیش کیا جا رہا ہے؟''

''ہاں ظاہر ہے وکیل سردار علی بیگ اپنے فرائض پورے ضرور کریں گے۔ پہلے وہ اخبارات میں اس سلسلے میں تفصیل دیں گے اور اس کے بعد باقاعدہ مقدمے کی شکل میں یہ کیس عدالت میں پیش ہوگا۔ تایا ابو، آپ ہماری رہنمائی کرتے رہئے۔''

''جس قابل بھی ہوں، حاضر ہوں۔ میں نے کبھی تمہاری کسی خواہش سے انحراف نہیں کیا۔'' تایا ابو نے جواب دیا۔ یہ بات ذرا اطمینان بخش ہوگئی تھی۔

اس کے بعد دو دن گزرے اور تیسرے دن کے اخبارات خود تایا ابو ہی لے کر آئے تھے۔ اچھی خاصی کوشش کی گئی تھی۔ بڑی تفصیل سے یہ کہانی چھاپی گئی تھی اور ساری باتیں ہما خاتون کے حق میں لکھی گئی تھیں۔ ہم نے یہ تفصیل پڑھی۔ دانیہ کی آنکھوں میں آنسو آ گئے تھے۔

''کتنا کیچڑ اچھال رہے ہیں یہ لوگ میرے پاپا پر؟'' دانیہ کی آواز ابھری تو تایا ابو نے اسے سنبھالا۔

''نہیں بیٹے، کیسی باتیں کر رہی ہیں آپ۔ دنیا ہر بڑے آدمی کے لئے اس طرح کی کہانیاں گھڑتی ہے لیکن، بہر حال اللہ تعالیٰ ہماری مدد کرے گا۔ ہمیں اس کی مدافعت کرنا ہوگی، مقدمات تو عدالت میں چلتے ہی ہیں، کوئی ایسی پریشانی کی بات نہیں ہے۔''

دن کو کوئی ساڑھے بارے بجے کے قریب نادر خان کا فون آیا۔ نادر خان بڑے خوشگوار موڈ میں تھا، کہنے لگا۔ ''مبارک ہو، آپ واقعی بہت بڑے لوگ بن گئے ہو شہاب صاحب۔''

''نادر خان آپ کو ساری تفصیل تو پتہ چل گئی ہوگی۔ آپ یقین کریں، آپ سے ملنے کو بہت دل چاہ رہا تھا، اگر آپ مجھے فون نہ کرتے تو میں خود آپ کو فون کرتا۔''

''میرا خیال ہے کہ جلد ہی یہ کیس عدالت میں پیش کر دیا جائے گا، جیسے ہی آپ کو سمن ملے، آپ مجھے اطلاع دیں اور بےفکر رہیں۔ میں اپنا کام کر رہا ہوں اور میں نے اپنے کام میں کوئی کوتاہی نہیں برتی ہے۔''

"مجھے پتہ ہے۔"

"اور آپ بالکل بے فکر رہیں، انشاء اللہ دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی ہوگا۔"

نادر خان سے گفتگو کر کے مجھے خاصی تسلی ہوئی تھی۔ بہر حال وہی ہوا۔ جلد ہی ہمیں عدالت سے سمن موصول ہو گیا۔

❀

سمن، ماما کے نام تھا اور اس میں ہم دونوں بھائیوں کو بھی طلب کیا گیا تھا۔ تایا ابو ہمارے ساتھ تھے۔ بڑا عجیب سا لگ رہا تھا، عدالت میں کسی کیس کے سلسلے میں پیش ہوتے ہوئے لیکن بہر حال ہم میں سے کوئی غیر مطمئن نہیں تھا۔

سمن موصول ہوتے ہی میں نے سب سے پہلے نادر خان کو فون کرنے کی کوشش کی، لیکن ہر طرح کی کوشش ناکام رہی، نادر خان سے موبائل تک پر بات نہیں ہو سکی تھی۔ اس کا موبائل بند تھا۔

بہر حال یہ تصور تو ذہن میں نہیں آیا تھا کہ وہ غیر مخلص آدمی ہے، لیکن اس کے نہ ملنے سے الجھن ضرور ہو گئی تھی، لیکن کمرۂ عدالت میں پہنچ کر جی خوش ہو گیا۔ نادر خان اور ظاہر حسین سر جوڑے بیٹھے ہوئے تھے اور ان کے درمیان یقینی طور پر کوئی اہم گفتگو ہو رہی تھی۔ دونوں کے چہرے شگفتہ نظر آ رہے تھے۔ ہمیں دیکھا تو فوراً ہی ہمارے پاس پہنچ گئے۔

"آپ کہاں غائب تھے جناب، میں نے فون پر فون کئے، موبائل تک بند تھا۔"

"نہیں موبائل بند نہیں تھا بلکہ ایک حادثے کا شکار ہو کر مرحوم ہو گیا ہے، ہاں تھانے البتہ نہیں جا رہا تھا، آؤٹ آف سٹی تھا، کچھ مصروفیت ہو گئی تھی، آج ہی واپس آیا ہوں۔"

"ہم کمرۂ عدالت تک پہنچ ہی گئے۔" میں، ظاہر حسین سے مخاطب ہوا۔

"ہاں، شہاب! اصل میں یہ سارے کام قدرت کے ہیں، قدرت کسی پر اس طرح انگشت نمائی کیسے قائم رہنے دیتی۔ ذریعہ پیدا ہوتا ہے اور یہ ذریعہ نادر خان صاحب بنے۔ نادر خان صاحب نے اس سلسلے میں جو محنت کی ہے میں انہیں اس محنت کے لئے دس مرتبہ سیلوٹ کر چکا ہوں۔ یہ محنت یہ فرائض کی بجا آوری کے سلسلے میں کی جا سکتی تھی، نہ کسی لالچ کی بنیاد پر، یہ صرف قدرت کا عمل ہے جس نے انہیں اس طرح آپ لوگوں کے لئے موم کیا اور انہوں نے امتیاز احمد مرحوم کی شخصیت کو داغدار نہیں ہونے دیا۔"

میں، ماما اور تایا ابو حیرانی سے ظاہر حسین کو دیکھ رہے تھے جن کا چہرہ جوش سے سرخ ہو گیا

تھا، اس سے پہلے کہ ہم اس بارے میں کچھ اور گفتگو کرتے، جج صاحب چیمبر سے نمودار ہوئے اور عدالت میں موجود تمام لوگوں نے کھڑے ہو کر ان کا استقبال کیا۔

جج صاحب اپنی کرسی پر بیٹھ گئے۔ ہم لوگ بھی خاموش ہو کر بیٹھ گئے تھے۔ دو تین چھوٹے چھوٹے مقدمات پیش ہوئے، جن کے سلسلے میں تاریخیں وغیرہ دے دی گئیں۔ اس کے بعد پیشکار نے ہمارا کیس پیش کیا اور جج صاحب اس کی ابتدائی فائل دیکھنے لگے۔ پھر انہوں نے کیس شروع کرنے کی اجازت دے دی۔ وکیل سردار علی بیگ کھڑے ہو گئے اور انہوں نے کہا۔

''حضور والا، یہ جائیداد کی تقسیم کا تنازع ہے مرحوم امتیاز احمد کا تعلق پاکستان ہی سے تھا۔ وہ زمیندار تھے اور اپنے بھائیوں کے ساتھ زندگی بسر کر رہے تھے۔ پھر کچھ وجوہات کی بناء پر وہ ملک سے باہر چلے گئے۔ کچھ عرصے لندن وغیرہ میں رہے اور اس کے بعد بحرین میں سیٹل ہو گئے۔ انہوں نے باہر رہ کر خوب کمائی کی اور وہیں شادی بھی کر لی۔ ان کی بیگم محترمہ افشاں خاتون سے تین بچے پیدا ہوئے جو ماشاء اللہ اب جوان ہو چکے ہیں۔ مرحوم امتیاز احمد خاں پاکستان آتے جاتے رہے اور یہاں انہوں نے اپنے زبردست اثاثے بنائے۔ کچھ عرصے قبل ان کی موت واقع ہو گئی جو غیر طبعی موت بھی کہی جا سکتی ہے۔ اس سلسلے کی تفتیش ختم ہو چکی ہے اور اس موت کے لئے کسی کو ذمہ دار قرار نہیں دیا جا سکا، چنانچہ یہ فائل بند ہو گئی۔ مرحوم چونکہ پاکستان آتے رہتے تھے، غالباً انہوں نے یہاں قیام کے لئے خفیہ طور پر ایک شادی کر لی۔ یہ شادی محترمہ ہما خاتون سے کی گئی تھی اور تقریباً دس یا گیارہ سال پہلے ہوئی، ان کے بھی تین بچے ہیں، دو بیٹے اور ایک بیٹی اور اب جبکہ جائیداد کی تقسیم کا مسئلہ سامنے آیا تو اس کے لئے ہما خاتون نے بھی اپنے حصے کا مطالبہ کر دیا، جبکہ محترمہ افشاں خاتون اس بات کو تسلیم نہیں کرتیں کہ مرحوم نے یہاں شادی کی تھی، اگر وہ اس بات کو تسلیم کر لیتیں تو جائیداد کی تقسیم کا تنازع مختلف ہوتا، لیکن وہ اس بات کو تسلیم کرنے کے لئے تیار نہیں ہیں اور ان کے وکیل صاحب نے اس بات کو چیلنج کیا ہے کہ مرحوم کی شادی کے سلسلے میں جو ثبوت دیئے جا رہے ہیں وہ جعلی ہیں۔ میں عدالت عالیہ سے درخواست کرتا ہوں کہ محترمہ ہما خاتون کو ان کا جائز حق دلوایا جائے جو ان کاغذات کی روشنی میں مکمل طور سے بنتا ہے۔'' یہ کہہ کر سردار علی بیگ نے ان تمام ثبوتوں کی فائل جج صاحب کو پیش کی اور جج صاحب ان کا مطالعہ کرنے لگے۔

اسی وقت کمرۂ عدالت میں سرفراز بھائی داخل ہوئے۔ انہوں نے ایک نگاہ چاروں طرف ڈالی اور پھر خاموشی سے آ کر ہمارے برابر کرسی پر بیٹھ گئے۔ اس وقت طاہرہ خانم کا

نحوس سایہ ان کے ساتھ نہیں تھا۔ انہوں نے گردن خم کر کے ماما اور ظاہر حسین کو سلام کیا تھا، لیکن اس سلام کا جواب انتہائی سرد مہری سے دیا گیا۔

جج صاحب ان کاغذات کا تجزیہ کر رہے تھے اور کمرۂ عدالت میں خاموشی طاری تھی، جج صاحب نے ایک نگاہ فائل کو دیکھا پھر بولے۔ ''افشاں خاتون کے وکیل صاحب کا کیا مؤقف ہے؟''

ظاہر حسین صاحب کھڑے ہو گئے اور بولے۔

''محترم اعلیٰ! میں مرحوم امتیاز احمد صاحب کے بارے میں یہ صفائی پیش کرنا چاہتا ہوں کہ مرحوم انتہائی اعلیٰ کردار کے مالک، اپنی بیگم اور بچوں سے مخلص انسان تھے۔ محترمہ افشاں خاتون کا مؤقف ہے کہ مرحوم کبھی ان کے اعتماد کو نہیں توڑ سکتے۔ اگر کسی مجبوری کے عالم میں بھی انہوں نے پاکستان میں دوسری شادی کی تھی تو یقیناً وہ اپنی بیگم اور بچوں کو اعتماد میں لئے بغیر ایسا نہ کرتے۔ شادی کے یہ کاغذات جعلی ہیں اور صرف دولت حاصل کرنے کے لئے مرحوم کی موت کے بعد یہ اسکینڈل کھڑا کیا گیا ہے، جو بالکل ناقابل یقین ہے۔''

''نکاح نامہ، دونوں کی ساتھ تصاویر، بچوں کی موجودگی، یہ ساری چیزیں جو ثبوت کے طور پر پیش کی گئی ہیں ان کے بارے میں آپ کا کیا مؤقف ہے وکیل صاحب؟''

''حضور والا! یہ کمپیوٹر ایج ہے اور کمپیوٹر کے ذریعے اس طرح کے جعلی کاغذات بآسانی تیار کرائے جا سکتے ہیں۔ ان کاغذات کو آرام سے جھوٹا ثابت کیا جا سکتا ہے۔''

''وکیل ظاہر حسین صاحب! آپ کے یہ الفاظ صرف محترمہ ہما خاتون کے لئے توہین آمیز ہی نہیں بلکہ آپ کا یہ چیلنج بہت سے لوگوں کو متاثر کرتا ہے اور ان کاغذات کو جھوٹا کہنے پر آپ کے خلاف مشکلات کھڑی ہو سکتی ہیں، آپ جس چیز کو غلط ثابت کر رہے ہیں اس کے لئے آپ کو ثبوت پیش کرنا پڑیں گے۔''

''جناب والا، ہم اس سلسلے میں ثبوت پیش کریں گے، اس مؤقف کو ذہن میں رکھا جائے۔''

''ٹھیک ہے تین دن کے بعد کی تاریخ دی جاتی ہے۔'' جج صاحب اپنی جگہ سے اٹھ گئے۔ کسی اور کیس کے لئے انہیں تیاری کرنے کے لئے چیمبر میں جانا پڑا تھا، لوگ کمرۂ عدالت سے باہر نکل آئے، ظاہر حسین اور نادر خان ہمارے ساتھ تھے، ہم سب خاموش تھے البتہ سرفراز بھائی نے ظاہر حسین سے کہا۔ ''ظاہر حسین صاحب میری خود بھی یہی دلی خواہش ہے کہ جائیداد کے سلسلے میں چاہے کچھ بھی ہو، لیکن میرے بابا کی پوزیشن صاف ہو جائے۔''

''دیکھیں کیا ہوتا ہے؟''

ظاہر حسین کیونکہ ساری باتوں سے واقف تھے اور پھر پاپا سے ان کی دوستی بھی تھی، اس لئے انہوں نے سرفراز بھائی کے ساتھ بہت زیادہ یگانگت کا مظاہرہ نہیں کیا۔ ماما وغیرہ بھی سرفراز بھائی سے روٹھی ہوئی تھیں۔

ہم سب اپنی گاڑی میں آ بیٹھے۔ سرفراز بھائی سے الوداعی الفاظ بھی ادا نہیں کیے گئے تھے۔ نادر خان بھی چلے گئے تھے، میں ان سے باتیں کرنا چاہتا تھا، لیکن بڑی عجیب بات تھی کہ نادر خان سے پھر فون پر ملاقات نہیں ہوئی۔ انہوں نے اپنا فون بند کیا ہوا تھا، میں نے ظاہر حسین کو فون کیا اور نادر خان کے بارے میں پوچھا تو انہوں نے کہا۔ ''وہ آج کل کسی بہت ہی مشکل کیس میں پھنسے ہوئے ہیں، تھوڑی دیر کے لئے عدالت آ گئے تھے۔ اس کے بعد وہیں سے آؤٹ آف سٹی چلے گئے۔''

''ظاہر حسین صاحب کیا آپ گھر آ کر ملاقات کر سکتے ہیں؟''

''شہاب! کچھ ایسی مصروفیات ہیں جن کی وجہ سے میں ابھی حاضری نہیں دے سکوں گا۔'' ظاہر حسین نے معذرت بھرے انداز میں کہا اور خاموش ہو گیا۔

عدالت میں پیشی کے بارے میں تبصرے ہوتے رہے، گھر والوں کو ایک موضوع مل گیا تھا۔ دوسرا دن پرسکون گزرا۔ البتہ رات کے کوئی ساڑھے بارہ بجے تھے، جب مجھے موبائل پر ارجمند کا فون موصول ہوا۔ وہ بری طرح سے گھبرائی ہوئی تھی۔

''خیریت، ارجمند؟''

''وہ، نانا ابو کی حالت بہت زیادہ خراب ہو گئی ہے۔ انہیں فالج کا اٹیک ہوا ہے ہم لوگ بہت پریشان ہیں۔''

''ارے یہ کس وقت کی بات ہے؟''

''کوئی سوا دس بجے کے قریب اچانک گر پڑے اور اس کے بعد......'' ارجمند نے جملہ ادھورا چھوڑ دیا۔ وہ سسکیاں بھرنے لگی تھی۔

''ارجمند آپ نے اتنی دیر کیوں کر دی مجھے فون کرنے کے لئے۔''

''ہم انہیں اسپتال لے گئے تھے ہمیں پتہ نہیں تھا کہ انہیں کیا ہوا ہے، بس یہی سمجھے تھے کہ اچانک طبیعت خراب ہو گئی ہے اور ٹھیک ہو جائے گی، لیکن اب ڈاکٹروں نے بتایا ہے کہ انہیں فالج کا خاصا سیریس اٹیک ہوا ہے۔''

''میں آ رہا ہوں۔''

''اس وقت؟''

''آپ لوگ کہاں ہیں؟''

''اسپتال ہی میں ہیں۔''

''اسپتال کے بارے میں بتائیے۔'' میں نے ارجمند سے کہا اور اس نے مجھے اسپتال کا نام وغیرہ بتا دیا۔

''گھبرانا نہیں ارجمند میں آ رہا ہوں۔'' میں نے کہا اور اس کے بعد میں تیزی سے دوڑا۔ ماما وغیرہ سو گئی تھیں، دانیہ بھی سو رہی تھی، میں نے ماما کو جگایا۔

''ماما اٹھیے سنیے۔''

ماما گھبرا کر اٹھ گئیں۔ ''خیریت، کیا ہوا؟''

''وہ ماما ارجمند کا فون آیا ہے، دادا ابو کو فالج کا اٹیک ہوا ہے۔''

''اوہ، پھر بولو کیا کرو گے؟''

''میں بھی چلتی ہوں۔'' ماما نے کہا اور میں ایک لمحے کے لئے ان کی صورت دیکھتا رہ گیا۔ پھر میں تایا ابو کے پاس پہنچا۔ ماما تیار ہونے لگی تھیں۔ میں نے تایا ابو کو جگا کر تفصیل بتائی تو وہ بھی فکر مند ہو گئے۔

''تم ایک کام کرو انہیں یہاں لے آؤ۔ میں ڈاکٹر اشتیاق سے بات کر کے کہیں ان کے لئے بندوبست کرتا ہوں، تم جاؤ اور انہیں لے کر آ جاؤ۔''

''ٹھیک ہے تایا ابو آپ انتظام رکھیے، میں آتا ہوں۔'' میں نے کہا اور اس کے بعد میں دوڑ کر ماما کے کمرے میں آیا۔ دانیہ بھی جاگ گئی تھی۔

''دانیہ تم حرا اور سلطانہ کو جگا لو۔ آرام سے بیٹھو، تایا ابو ڈاکٹر صاحب سے بات کریں گے میں ماما کو لے کر قیصر خان کے ساتھ جا رہا ہوں۔''

سب سے آخر میں، میں نے قیصر خان کو جگایا تھا۔ میرا وفادار دوست میرے کسی مسئلے پر کبھی پیشانی پر شکن نہیں ڈالتا تھا۔ فوراً ہی منہ ہاتھ دھو کر تیار ہو گیا۔

میں ماما کے ساتھ باہر نکل آیا، ماما راستے میں مجھ سے تفصیل معلوم کرتی رہیں۔ قیصر خان اس وقت اس قدر قیمتی انسان بن گیا تھا میرے لئے کہ میں بیان نہیں کر سکتا۔ وہ زبردست رفتار سے گاڑی چلا رہا تھا اور اس میں کوئی شک نہیں کہ پہلے بھی مجھے اس کی مہارت کا اعتراف تھا، لیکن اس وقت اس نے جو ڈرائیونگ کی، وہ ناقابلِ یقین تھی۔ اس نے میری شاندار قیمتی گاڑی کو ہوائی جہاز بنا رکھا تھا اور یہ گاڑی کی بھی کوالٹی تھی کہ وہ کسی مشکل میں پھنسائے بغیر دوڑ رہی تھی۔

ہم لوگ ساہیوال پہنچ گئے اور کچھ دیر کے بعد اسپتال میں داخل ہو گئے۔ سمن آراء بیگم، نگہت آنٹی اور ارجمند باہر لابی میں موجود تھے۔ ہمیں دیکھ کر دنگ رہ گئے۔ اتنی تیزی سے کسی

کا اتنا فاصلہ سے کر کے پہنچ جانا بھی ناقابل یقین تھا۔ تینوں رو رہی تھیں، میں نے ماما کو ان کے پاس چھوڑا اور ڈیوٹی روم میں پہنچ گیا۔ وہاں میں نے ریاض حسین کے بارے میں بتایا تو ڈاکٹروں نے مجھ سے تعاون کیا۔

''ان کی حالت بہتر نہیں ہے، ہم کوشش کر رہے ہیں، لیکن پُر امید نہیں ہیں۔''

''میں انہیں لاہور لے جانا چاہتا ہوں۔''

''آپ ان کے کون ہیں؟''

''پوتا ہوں، لاہور سے آیا ہوں ابھی ابھی۔''

''ان کی فیملی سے رجوع کر لیا آپ نے؟''

''جی ہاں میری مدران کے پاس موجود ہیں۔''

''ہمارے پاس اتنے بہتر وسائل نہیں ہیں کہ ہم ان کا مؤثر علاج کر سکیں لیکن آپ انہیں اپنے رسک پر لے جائیں گے اور اس کے لئے آپ کو ایک فارم پر دستخط کرنا ہوں گے۔''

''آپ بالکل دیر نہ کیجئے ڈاکٹر صاحب، یہاں اس سلسلے میں ان کے جو چارجز ہیں، میں ان کی ادائیگی کئے دیتا ہوں۔''

''آپ پلیز میرے ساتھ آیئے۔'' ایک نوجوان ڈاکٹر نے میرے ساتھ تعاون کیا اور بہت جلد سارے کام مکمل ہو گئے۔

میں بڑی احتیاط کے ساتھ دادا ابو کو اپنی گاڑی میں منتقل کر کے وہاں سے پلٹا تو سمن آراء بیگم نے مجھے دیکھتے ہوئے کہا۔ ''ہم لوگ کیا کریں بیٹے؟''

''آپ کیسی باتیں کر رہی ہیں، آپ کیا کریں گی فوراً آ کر گاڑی میں بیٹھئے۔''

''لل......لیکن اس حالت میں۔''

''اور کس حالت میں، آپ چلئے پلیز، یہاں میں آپ سے ہاتھ جوڑ کر درخواست کرتا ہوں کہ کسی طرح کے تکلف نہ برتئے۔''

''گھر؟''

''آپ یہاں اسپتال میں آئی ہیں تو آپ نے گھر کا کیا کیا ہے؟''

''پڑوسی ساتھ تھے، سب کے سب گھر کی نگرانی کا وعدہ کر چکے ہیں۔ دو افراد تو ہمارے ساتھ بھی تھے، میں نے انہیں واپس بھیج دیا ہے۔''

''آپ گھر کو اسی طرح رہنے دیجئے۔ کل دن میں، میں کسی کے ساتھ آ کر آپ کا سامان لے جاؤں گا، آپ بالکل بے فکر رہئے۔'' نکہت آراء نے عجیب سی نگاہوں سے مجھے دیکھا۔ غالباً یہ سوچ رہی تھیں کہ اس دور میں اتنا کون کسی کے لئے کرتا ہے، لیکن سمن آراء بیگم نے

آمادگی ظاہر کر دی تھی۔ ارجمند بالکل خاموش تھی اور چپکے چپکے آنسو بہا رہی تھی۔

میں نے قیصر خان سے کہا۔ ''قیصر خان گاڑی کی اسپیڈ وہی رکھو، جس اسپیڈ سے ہم آئے تھے۔''

''آپ بے فکر رہو صاب۔''

تھوڑا فاصلہ طے کرنے کے بعد میں نے تایا ابو سے رابطہ قائم کیا۔ یہ فون میں نے دانیہ کے فون پر کیا تھا۔ دانیہ نے فوراً ہی فون تایا ابو کو دے دیا۔

''ہاں تم بالکل بے فکر ہو کر آ جاؤ۔ کیا حالت ہے ان کی؟''

''حالت بہتر نہیں ہے، آپ نے ڈاکٹر اشتیاق سے رابطہ قائم کر لیا؟''

''ہاں انہوں نے ایک اسپتال میں فوری بندوبست کر دیا ہے۔ تم سیدھے ہی اسپتال پہنچو گے۔''

''آپ مجھے تفصیل بتا دیجئے۔''

''میں بتا رہا ہوں۔''

تایا ابو نے کہا اور مجھے اس اسپتال کے بارے میں تفصیل بتا دی۔ میں نے قیصر خان کو اسپتال کا پتہ بتایا تو قیصر خان نے گردن خم کر کے کہا۔ ''ٹھیک ہے صاب، میں نے وہ اسپتال دیکھا ہے۔''

راستے میں قیصر خان نے جس ڈرائیونگ کا مظاہرہ کیا اس پر تینوں خواتین کے ہوش گم ہو گئے تھے۔ گاڑی جیسے ہوا میں اڑ رہی تھی، لیکن انہوں نے خاموشی اختیار کئے رکھی۔ مجال تھی کہ گاڑی کو ایک بھی ایسا جھٹکا لگے، جس سے کسی کو کوئی نقصان پہنچ سکے۔ یہاں تک کہ دادا ابو جنہیں ایک سیٹ پر لٹایا ہوا تھا وہ بھی آرام سے تھے لیکن ان کی حالت سے اندازہ ہو رہا تھا کہ انہیں فوری طبی امداد ملنا ضروری ہے۔

ہم اسپتال پہنچ گئے، یہاں واقعی ڈاکٹر اشتیاق مرزا نے زبردست انتظام کیا ہوا تھا، جیسے ہی ہماری گاڑی وہاں پہنچی اسٹریچر آ گیا اور دو تین وارڈ بوائے پوری ذمہ داری کے ساتھ دادا ابو کو اس پر ڈال کر اندر لے گئے۔ ڈاکٹر اشتیاق مرزا بھی ساتھ تھے، حالانکہ ان کا تعلق اس اسپتال سے نہیں تھا لیکن انہوں نے اسی کا انتخاب کیا تھا اور شاید اعلیٰ ترین ڈاکٹروں کا انتظام بھی کر لیا تھا۔ انہوں نے مجھ سے کہا۔

''ان خواتین کو اگر آپ چاہیں تو گھر منتقل کر دیں۔ آپ نے جو ہماری ڈیوٹی لگائی ہے ہم اس کی پوری پابندی کریں گے۔ آپ لوگوں کو اس وقت کسی مداخلت کی اجازت نہیں دی جائے گی اور آپ بے فکر رہئے، شہاب سارے انتظامات مکمل ہیں، آپ اگر مضطرب ہیں تو

بس فون پر رابطہ رکھئے گا۔"

"اگر ہم یہاں رک جائیں ڈاکٹر صاحب تو۔"

"یہ آپ کی مرضی پر منحصر ہے۔ میں یہ کرتا ہوں کہ آپ کو ایک کمرہ دیئے دیتا ہوں آپ اس میں آرام کریں، لیکن خواتین کو براہِ کرم واپس بھیج دیجئے۔"

"ٹھیک ہے۔" پھر میں نے سمن آراء بیگم سے کہا۔

"اگر آپ پسند کریں تو نکہت آنٹی کو میرے پاس چھوڑ دیں، کمرہ مل جائے گا، آپ گھر جائیں اور آرام کریں۔"

میں بھی یہیں رہوں گی۔" ارجمند نے کہا۔

"ٹھیک ہے اگر میں بھی رہ جاؤں تو کوئی حرج ہے۔"

"نہیں زیادہ افراد ہو جائیں گے، آپ پلیز بالکل اطمینان رکھیں، سب ٹھیک ہو جائے گا۔" بمشکل تمام میں نے قیصر خان کے ساتھ ماما اور سمن آراء بیگم کو واپس بھیج دیا۔ نکہت آراء بیگم اور ارجمند اسپتال کے کمرے میں میرے ساتھ منتقل ہو گئیں۔ قیصر خان تھوڑی ہی دیر کے بعد ان کو چھوڑ کر واپس آ گیا تھا۔ اس شریف آدمی سے کہنا اس کی توہین تھی کہ وہ بھی گھر جا کر آرام کرے، میں نے اس سے کہا۔ "قیصر خان! رات بے شک بہت زیادہ ہو گئی، لیکن لاہور میں بہت سارے علاقے ایسے ہیں، جو رات بھر کھلے رہتے ہیں، تم کھانے پینے کا انتظام کرو۔"

"جی صاب، کھانا ابھی آتا ہے۔"

"ہم لوگ......" نکہت آنٹی نے کچھ کہنا چاہا۔

نکہت آنٹی پلیز، اب سب کچھ مجھ پر چھوڑ دیجئے آپ۔" میں نے لجاجت سے کہا اور وہ خاموش ہو گئیں۔

کچھ دیر کے بعد میں باہر گیا، ڈاکٹر اشتیاق کچھ دوسرے ڈاکٹروں سے بات کرتے ہوئے مل گئے، مجھے دیکھا تو ان ڈاکٹروں کو چھوڑ کر میرے پاس آ گئے۔

"شہاب! اللہ پر بھروسہ رکھو۔ میں ہر ممکن کوشش کر رہا ہوں، ہم لوگ ابتدائی معاملات پر کنٹرول کر لیں، اس کے بعد تمہیں اطمینان کی خبر دیں گے۔ میں صرف ایک درخواست کرتا ہوں کہ پریشان نہ ہو، کمرے میں آرام سے رہو، بلکہ میں ایک نرس کی ڈیوٹی لگائے دیتا ہوں جو ہر آدھے گھنٹے کے بعد تمہیں خبر دیتی رہے گی، ٹھیک ہے۔"

"ٹھیک ہے ڈاکٹر صاحب، شکریہ بھی نہیں ادا کروں گا آپ کا چونکہ محبتوں کا شکریہ ادا کرنا ناسپاسی ہے۔"

ڈاکٹر اشتیاق نے میرا شانہ تھپتھپایا اور میں واپس چل پڑا۔ نکہت آنٹی اور ارجمند دروازے ہی کی جانب دیکھ رہی تھیں۔ میں نے اندر داخل ہو کر کہا۔ "ڈاکٹر اشتیاق بھرپور دیکھ بھال کر رہے ہیں انہوں نے اچھے ڈاکٹروں کو طلب کر لیا ہے، انشاء اللہ تعالیٰ ہمیں اچھی خبر ہی ملے گی۔"

کوئی پونے گھنٹے کے بعد قیصر خان لدا پھندا آ گیا۔ ہر چیز لے کر آیا تھا، سب سے بڑا کام اس نے یہ کیا تھا کہ چائے اور کافی کا سامان بھی لے آیا تھا۔ یہاں کچن بھی موجود تھا۔ ایک طرح سے گھر کا سماں پیدا ہو گیا تھا، نکہت آنٹی نے تمام سامان یکجا کیا اور اسے دیکھتی ہوئی بولیں۔ "افوہ تم نے تو پوری دعوت کا انتظام کر لیا ہے شہاب؟"

"آپ صرف ایک عنایت کیجئے آنٹی، وہ یہ کہ میری اس حقیر پیشکش کو قبول کر لیجئے۔ مجھے پتہ ہے کہ آپ لوگوں نے کھانا نہیں کھایا ہو گا۔"

"نہیں، کھانا تھوڑا سا کھا لیا تھا۔"

"خیر چلیں آئیں۔" میں بھی ان کے ساتھ کھانے میں شریک ہو گیا۔ حالانکہ میں کھانا کھا چکا تھا، لیکن اس وقت ارجمند کے ساتھ کھانے کا بڑا لطف آیا۔ بس ذرا دادا ابو کی جانب سے فکر تھی، لیکن بہر حال جو کچھ ہو رہا تھا اس سے زیادہ نہیں ہو سکتا تھا۔ آدھے گھنٹے کے بعد نرس آئی۔

"پانچ ڈاکٹر اس وقت بھرپور کوششوں میں لگے ہوئے ہیں اور نا امید نہیں ہیں، آدھے گھنٹے کے بعد میں آپ کو دوبارہ اطلاع دوں گی۔"

ارجمند نے چائے کا پانی رکھ دیا۔ تقریباً ساری رات اسی انداز میں گزر گئی۔ گھر سے دو تین بار خیریت معلوم کرنے کے لئے فون آئے تھے اور میں نے ان لوگوں کو مطمئن کر دیا تھا۔ سمن آراء بیگم سب سے زیادہ پریشان تھیں۔ میں نے انہیں اطمینان دلاتے ہوئے کہا کہ اگر وہ چاہیں تو میں قیصر خان کو بھیج دوں گا، اس کے ساتھ آ جائیں ورنہ یہاں آنے کی ضرورت نہیں ہے کیونکہ ابھی کسی کو دادا ابو سے ملاقات کی اجازت نہیں ہے۔

دوسرے دن کوئی گیارہ بجے کے قریب ہمیں خیریت کی خبر ملی۔ خود ڈاکٹر اشتیاق جو رات بھر یہاں مصروف رہے تھے۔ ہمارے کمرے میں آئے اور ہم نے احتراماً کھڑے ہو کر ان کا استقبال کیا۔

"ہاں بھئی، آپ سب کو مبارک باد پیش کرتا ہوں۔ ریاض حسین مکمل طور پر خطرے سے نکل گئے ہیں اور ان کی حالت بالکل ٹھیک ہے، کچھ گھنٹے کے بعد آپ لوگ ان سے ملاقات بھی کر سکتے ہیں۔ ہوش میں آ گئے ہیں، آپ سب کا پوچھا ہے، تھوڑا سا انتظار ضرور کرنا

پڑے گا اس لئے کہ ہم ان کے ذہن پر بوجھ نہیں ڈالنا چاہتے۔''

سب لوگ خوش ہو گئے تھے، تھوڑی دیر کے بعد سمن آراء بیگم اور تایا ابو پہنچ گئے اور پھر کوئی ڈیڑھ بجے ڈاکٹروں نے ایک ایک دو دو افراد کو دادا ابو سے ملنے کی اجازت دے دی۔ سب لوگ دو دو کر کے ریاض حسین سے ملاقات کے لئے گئے، بالکل اتفاقیہ طور پر میں اور ارجمند بھی ان سے ملنے پہنچے۔

دادا ابو پرسکون نظر آ رہے تھے، ہم دونوں کو دیکھ کر مسکرائے، دیکھتے رہے پھر مدہم لہجے میں بولے۔'' آمین۔''

ان کی یہ آمین اس وقت سمجھ میں نہیں آئی تھی، میں نے اس کے سینے پر ہاتھ رکھا تو انہوں نے اپنا ہاتھ میری کلائی پر رکھ دیا۔

'' اپنے بچوں کا شکریہ ادا نہیں کیا جاتا، میں بھی نہیں کروں گا۔''

'' آپ کا سایہ ہماری ضرورت ہے دادا ابو ہم ابھی آپ کو چھوڑیں گے نہیں، خیال رکھئے گا۔''

دادا ابو کی آنکھوں کی کوروں سے آنسو چھلک پڑے تھے، پھر وہ آنکھیں بند کر کے مسکرائے اور انہوں نے گردن ہلائی۔

'' دادا ابو کیسے ہیں آپ؟'' میں نے پوچھا۔

'' بہت بہتر ہوں بیٹے، جو کچھ میرے ساتھ ہوا ہے میں اسے کبھی نہیں بھول سکوں گا۔ ڈاکٹر اشتیاق سے پہلے تعارف نہیں تھا لیکن میں نے دیکھا ہے وہ شخص میرے بیڈ کے پاس بیٹھ کر رات بھر کلام پاک پڑھتا رہا ہے، ایسے لوگ کم ہی ہوتے ہیں۔''

ہم سب خوش ہو گئے تھے اور پھر میں اور ارجمند باہر نکل آئے، ارجمند بھی دادا ابو کی کیفیت دیکھ کر مسرور ہو گئی تھی۔

'' بہت اچھے نظر آ رہے ہیں نانا ابو، کافی بہتر حالت ہے ان کی۔''

''ہاں، ارجمند انہوں نے ہم دونوں کو دیکھ کر آمین کہا تھا، وجہ بتا سکتی ہو، یہ آمین تمہاری سمجھ میں آئی؟''

ارجمند نے گردن جھکا لی اس کے چہرے پر شرم کے آثار نمودار ہو گئے تھے۔

'' ارے بھئی کچھ بتاؤ تو سہی، میری سمجھ میں تو کچھ نہیں آیا۔''

'' پلیز۔'' وہ شرگیں لجاجت سے بولی۔

'' کیا مطلب، اس پلیز کا، یار آپ بڑے پُراسرار لوگ ہو، انہوں نے آمین کہا آپ نے پلیز کہا، میں ایک بات پوچھ رہا ہوں ان کی آمین آپ کی سمجھ میں آئی ہو تو براہِ کرم مجھے

بھی بتا دیجئے۔''

'' سمجھ میں تو آپ کو بھی آ گئی ہے، مجھ سے کیوں پوچھ رہے ہیں؟''

'' کیا واقعی، جو میری سمجھ میں آیا ہے وہی آپ کی سمجھ میں بھی آیا ہے؟''

'' آپ کی سمجھ میں کیا آیا ہے، مجھے بتائیں گے؟'' ارجمند نے ایک شرگیں مسکراہٹ کے ساتھ کہا۔

''میرا اندازہ ہے کہ انہوں نے ہم دونوں کو ساتھ دیکھ کر غالباً اپنے دل میں کوئی دعا مانگی تھی اور آمین کہا تھا۔''

''ایسا ہی تھا۔'' ارجمند نے جواب دیا۔

ہم اپنے کمرے کے دروازے پر پہنچ گئے تھے، اندر سب لوگ موجود تھے، چنانچہ خود کو سنبھال کر ہم اندر چلے گئے۔

سمن آراء بیگم نے کہا۔''شہاب! ساری رات جاگتے رہے ہو گھر جا کر تھوڑا سا آرام کر لو۔''

'' کر لیں گے ایسی پریشانی کس بات کی ہے، یہاں سب کچھ ٹھیک ہے، دادا ابو کو دیکھ کر تو دل خوش ہو گیا ہے، وہ بالکل ٹھیک ہیں۔''

'' ڈاکٹر اشتیاق سے ملاقات ہوئی؟''

''نہیں شاید چلے گئے ہیں، ویسے دادا ابو بتا رہے تھے کہ ساری رات ان کے بیڈ کے پاس بیٹھ کر کلام پاک پڑھتے رہے ہیں۔''

''ہوتے ہیں، اللہ تعالیٰ نے یہ آسمان کی چھت ایسے ہی تو قائم نہیں رکھی ہوئی، یہ اچھے لوگوں کے سہارے ہی ٹکی ہوئی ہے۔''

بہت ساری باتیں ہوتی رہیں۔ پروگرام بنائے گئے، کون رہے گا، کون نہیں رہے گا، تایا ابو انتہائی مخلص نظر آ رہے تھے۔

اندازہ یہ تھا کہ بہت جلد دادا ابو کی یہاں سے چھٹی ہو جائے گی۔ وہ روبہ صحت تھے، شام کو تقریباً ساڑھے چھ بجے ڈاکٹر اشتیاق ہمارے کمرے میں آئے۔ ہم سب نے بڑے احترام سے ان کا استقبال کیا تھا۔ تایا ابو بھی اس وقت آئے ہوئے تھے۔

سلام دعا کے بعد ڈاکٹر اشتیاق نے کہا۔

'' ریاض حسین صاحب خطرے سے باہر آ گئے ہیں۔ ان کے جسم کا وہی حصہ متاثر ہوا ہے جو پہلے سے خراب تھا۔ لیکن مجھے امید ہے کہ دواؤں کے استعمال اور تھوڑی سی فزیوتھراپی سے کیفیت بحال ہو جائے گی۔''

"ڈاکٹر صاحب! کیا انہیں اسپتال میں رکھا جائے گا؟ میں نے سوال کیا۔

"سو فیصد اور انہیں اسی جنرل وارڈ میں رہنے دیا جائے، آپ لوگ یہ کمرہ اپنے لئے محفوظ رکھیں، جنرل وارڈ میں ان کی بہترین نگہداشت ہو سکے گی، میں خصوصی طور پر متعلقہ ڈاکٹروں کو ہدایات دے دوں گا، اس کے علاوہ تین ڈاکٹر خصوصی طور پر ان کی دیکھ بھال کرتے رہیں گے، یہ لوگ گھر پر نہیں آ سکیں گے اس لئے ریاض حسین صاحب کا یہیں رہنا زیادہ بہتر ہو گا۔ آپ لوگ فکر مند نہ ہوں، یہاں ان کی نگہداشت اسی طرح کی جائے گی، جس طرح آپ لوگ گھر پر کر سکتے ہیں۔"

"ٹھیک ہے ڈاکٹر صاحب۔"

جب ڈاکٹر اشتیاق چلے گئے تو سمن آراء بیگم نے کہا۔ "یہ زیادہ بہتر رہے گا، ہم لوگ بھی آتے جاتے رہیں گے، ممتاز احمد کو ہماری زبردستی کی مہمانداری کرنی پڑے گی۔"

تایا ابو جو بہت سنجیدہ انسان تھے اور کسی معاملے میں بہت کم بولتے تھے۔ پُرخلوص لہجے میں بولے۔

"خالہ جان! اگر کوئی امتحان مقصود ہے تو میں ناچیز بھلا کیا امتحان دے سکوں گا، میری خوش بختی ہے کہ کبھی کوئی ایسا مرحلہ بھی درپیش نہ رہا جس میں میرا وجود داغدار ہوتا، میں نے کبھی آپ لوگوں کے خلاف کوئی ایک لفظ نہیں کہا، کچھ خاندانی معاملات ہوں تو ہوں۔ ان تمام باتوں کے بعد میں ایک خواہش کا اظہار کرنا چاہتا ہوں، اگر میری یہ درخواست قبول ہو جائے تو میں اسے اپنی خوش نصیبی سمجھوں گا۔"

"آپ کہیں، کیسی بات کر رہے ہیں آپ؟"

سمن آراء بیگم نے شرمندہ ہو کر کہا۔

"آپ لوگ ساہیوال چھوڑ دیں، ریاض حسین صاحب ضعیف ہو چکے ہیں میرا ناچیز غریب خانہ حاضر ہے، جگہ تو آپ دیکھ ہی چکے ہیں کہ کتنی زیادہ ہے اور اس کا ایک پورشن بالکل خالی پڑا ہوا ہے۔ یہی میں نے افشاں بھابی کے لئے تیار کرایا تھا، لیکن خدا کے فضل سے ضرورت ہی نہیں پیش آئی۔ یہ چند افراد آرام سے ایڈجسٹ ہو گئے۔ میں صرف یہ عرض کرنا چاہتا ہوں کہ آپ ساہیوال نہ جائیں۔ مُذ کی عطا ہے۔ آپ لوگ کسی طرح ہم پر بھاری نہیں پڑیں گے اور پھر یہ بچے بھی موجود ہیں۔"

سمن آراء بیگم نے احسان مند نگاہوں سے تایا ابو کو دیکھا اور بولیں۔ "ممتاز احمد! آپ یقین کیجئے اب افسوس ہوتا ہے کہ ہم آپ سے کیوں نہ ملتے رہے، لیکن بہر طور کچھ ذریعے ہوتے ہیں جو نجانے کسے کسے ملا دیتے ہیں۔ اگر ریاض حسین کو اعتراض نہ ہوا تو میں ہی

آپ لوگوں کے ساتھ رہ کر خوش رہوں گی۔"

اس طرح کی رسمی باتیں ہوتی رہیں، میں مسکراتی نگاہوں سے ارجمند کو دیکھ رہا تھا جو ان باتوں سے بہت خوش تھی۔ بہر حال اس کے بعد یہ طے ہوا کہ دو دو افراد یہاں کمرے میں رہا کریں گے۔ دن کی ڈیوٹی کسی اور کی ہو گی اور رات کی کسی اور کی۔

حرا، سلطانہ اور دانیہ کو بھی اس سلسلے میں ذمہ داری سونپی جائے گی، دادا ابو کو دیکھنے کے لئے ظاہر حسین بھی آئے، میری ان کی وہیں ملاقات ہوئی تھی۔

"پیشی کے لئے تیار رہیں، انشاء اللہ تعالیٰ اس پیشی سے آپ لوگ کافی مطمئن ہو جائیں گے۔"

"ویسے وکیل صاحب بڑی پُراسرار فضا پیدا کی ہوئی ہے آپ نے۔ نادر خان سے تو فون پر رابطہ ہی نہیں ہو رہا۔"

"میرا خیال ہے انہوں نے کسی الجھے ہوئے معاملے کی وجہ سے اپنا موبائل فون بند کر رکھا ہے۔ ویسے آپ سے کیا چھپانا شہاب، جیسا کہ ان کا خیال ہے کہ طاہرہ خانم ان معاملات میں براہِ راست ملوث ہیں، تو ہو سکتا ہے نادر خان نے اس لئے فون بند کر رکھا ہو کہ کہیں طاہرہ خانم ان سے فون پر رابطہ نہ قائم کریں اور کوئی ہدایات نہ دے دیں، تھانے میں وہ رہتے ہی نہیں ہیں، آپ جب بھی چاہیں انہیں فون کر کے دیکھ لیں۔"

"بڑا سسپنس ہے۔" میں نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"سو فیصد ویسے ایک بات بتائیں، سرفراز آپ کے دادا ابو کو دیکھنے کے لئے آئے؟"

"نہیں۔ صرف ایک عرض کر سکتا ہوں، بہن افشاں سے اور آپ سے، وہ یہ کہ سرفراز کو بالکل ہی الگ نہ کریں۔ اس بات کا خیال رکھیں کہ وہ ایک بہت ہی شاطر اور خطرناک خاتون کے جال میں پھنسے ہوئے ہیں، ہو سکتا ہے ان کی اس کیفیت میں ان کی اپنی ذات کا کوئی دخل نہ ہو بلکہ کچھ اور ہی عوامل کام کر رہے ہوں۔"

ماما نے سر جھکا لیا تھا۔ میرے اندر بھی ایک ہلکی سی تبدیلی رونما ہوئی تھی۔ ممکن ہے ایسا ہو، تائی جان کی شخصیت سے تو میں اچھی طرح واقف ہو چکا تھا۔ ایک طرف وہ شیطانی وجود معلوم ہوتی تھیں اور دوسری طرف انہوں نے اپنی اصلی شکل قائم رکھی تھی، ہو سکتا ہے بھائی جان پر بھی اسی طرح کے اثرات ہوں۔ بہر حال انسان فرشتہ نہیں ہوتا ہمارے دل میں ان کے لئے جو برائی پیدا ہو چکی تھی وہ کافی حد تک موجود تھی۔

❀❀❀

پیشی والے دن میں، ماما اور تایا ابو عدالت کی جانب چل پڑے۔

کمرۂ عدالت میں سب سے پہلی نگاہ نادر خان پر پڑی۔ وردی میں ملبوس بے حد اسمارٹ نظر آ رہا تھا۔ ظاہر حسین بھی موجود تھے۔ سرفراز بھائی پچھلی بار سب سے آخر میں آئے تھے، لیکن اس وقت وہ بھی نظر آ رہے تھے اور ایک کرسی پر تنہا بیٹھے ہوئے تھے۔

ایک اور گوشے میں ہما خاتون تین بچوں کے ساتھ نظر آ رہی تھیں۔ آج ان کے دونوں بیٹے اور بیٹی بھی آئی تھی۔ خوبصورت بچے تھے لیکن ان میں سے کسی کے چہرے پر امتیاز احمد خاں کا کوئی نقش نہیں تھا۔ کسی کا چہرہ ہم تینوں بہن بھائیوں سے نہیں ملتا تھا۔ بالکل ہی الگ چہرے تھے۔

ہما خاتون کے چہرے پر کسی قدر گھبراہٹ تھی۔ ان کے وکیل سردار علی بیگ ان کے پاس موجود تھے اور وہ ان سے باتیں کر رہی تھیں۔ ہم لوگوں کو خاص نگاہوں سے دیکھا گیا، جج صاحب ابھی نہیں آئے تھے، لیکن کمرۂ عدالت میں باقی افراد پہنچ چکے تھے۔ پیشکار فائلیں درست کر رہا تھا، ٹائپسٹ وغیرہ اپنی ڈیوٹی پر الرٹ تھے۔

اچانک ہی ہما خاتون اپنی جگہ سے اٹھیں اور ہماری جانب چل پڑیں۔ کچھ لمحوں کے بعد وہ ہمارے پاس پہنچ گئیں تو میں نے انہیں سلام کیا۔ مجھے جواب دے کر وہ ماما کی طرف متوجہ ہوئیں اور بولیں۔ ''آپ افشاں بیگم ہیں نا؟''

''جی ہاں، دیکھئے کیسا عجیب اتفاق ہے کہ ہم ملے بھی تو کہاں۔''

''جی، میرے خیال میں ہم اس سے پہلے کبھی مل بھی نہیں سکتے تھے۔''

''براہِ کرم، میں آپ سے یہ کہنا چاہتی ہوں کہ مرحوم امتیاز احمد ہم دونوں کے درمیان کا مشترک تھے، اس لئے ان کے جانے کے بعد ہمارے درمیان تھوڑی سی قربت ہونی چاہیے۔''

''محترمہ یہ ہوسکتا ہے لیکن اس شکل میں جب آپ اپنے اس جھوٹے دعوے کو قبول کر کے معافی طلب کر لیں اور اس کا اعتراف کر لیں کہ ہمارے پاپا اس طرح کے انسان نہیں تھے، وہ کوئی بھی بات ہم سے خفیہ نہیں رکھتے تھے، یہ سب آپ کا فریب ہے، جو آپ نے ان کی دولت کو ہتھیانے کے لئے کیا ہے۔'' میں نے انتہائی سخت لہجے میں کہا۔ لیکن بات پوری نہ ہوسکی کیونکہ جج صاحب چیمبر سے باہر نکل کر کرسی عدالت پر آ بیٹھے تھے۔

ہما خاتون اپنی کرسی پر چلی گئیں، سردار علی بیگ صاحب نے اپنی جگہ سنبھال لی اور ظاہر حسین اپنی جگہ جا بیٹھے، آج جج صاحب نے سب سے پہلی فائل ہمارے ہی کیس کی کھولی کچھ لمحے وہ فائل کی ورق گردانی کرتے رہے، پھر انہوں نے سردار علی بیگ کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ ''جی وکیل صاحب! آپ اپنی مؤکلہ کے مؤقف میں اور کیا کہنا چاہتے ہیں؟''

''صرف اتنا جناب والا کہ ان تمام ثبوتوں کی موجودگی میں کسی قسم کا کوئی شبہ نہیں رہ جاتا۔ ایک شخص جس کے بال بچے ملک سے باہر رہتے ہیں لیکن اس کی زیادہ تر مصروفیات پاکستان میں رہتی ہیں۔ اپنی سہولت کے لئے اگر قانونی طور پر ایک اور شادی کر لیتا ہے تو یہ کوئی جرم نہیں ہے۔ اسے اس کا حق حاصل ہے اور پھر اس کے انتقال کے بعد اس کی بیوہ اور بچوں کا بھی پورا پورا حق ہوتا ہے کہ وہ اس کے اثاثوں کے حصے دار ہوں۔ بات بڑی معمولی سی ہے جو بغیر کسی تنازعے کے حل ہو سکتی تھی، لیکن محترمہ افشاں بیگم اس بات کو تسلیم کرنے کے لیے تیار نہیں ہیں کہ ان کے شوہر نے دوسری شادی کی تھی اور یہ ان کے بچے ہیں اور یہ ان کی بیوہ ہیں۔ ہم عدالت عالیہ سے یہی گزارش کرتے ہیں کہ مرحوم امتیاز احمد کی دوسری بیوہ کو ان کا جائز حق دلا دیا جائے اور ان کے جائز ہونے کے تمام ثبوت عدالت میں پیش کر دیئے گئے ہیں۔''

''ٹھیک ہے آپ بیٹھیے، جی وکیل صاحب آپ کا مؤقف کیا ہے'' اس بار جج صاحب نے ظاہر حسین کو مخاطب کر کے کہا۔

ظاہر حسین نے تمام آداب کو ملحوظ رکھتے ہوئے کہا۔

''حضور والا! یہ ایک دلچسپ کیس ہے جس میں ایک شخص کی موت کے بعد یہ معلوم کر کے وہ بے پناہ دولت اور جائیداد کا مالک ہے ایک ایسی خاتون ان کی بیوہ کی حیثیت سے منظر عام پر آئیں جن سے ان کا کبھی کوئی تعلق نہیں تھا۔ جناب والا یہ ایک بڑی دلچسپ روداد ہے اور ایک ایسا جرم ہے، جو قابل دست اندازیٔ پولیس ہے۔ جائیداد اور اس کے حصے بخرے بے شک ایک بڑی حیثیت رکھتے ہیں، لیکن اس سے زیادہ محترمہ افشاں بیگم زوجہ امتیاز احمد مرحوم کو اس بات کا قلق ہے کہ ان کے شوہر کے نام کے ساتھ ایک بے بنیاد اسکینڈل بنایا گیا اور ان کے کردار کو داغدار کیا گیا۔ محترمہ افشاں بیگم کو سب سے بڑا اعتراض نکلا ہے اور ان کا مؤقف ہے کہ ان کے شوہر کی کردار کشی کی سزا ہما خاتون کو دی جائے۔ جناب والا انہوں نے تمام قانونی نکات کو سامنے رکھتے ہوئے پولیس کے ایک افسر اعلیٰ کو اس سلسلے میں تحقیقات کی درخواست دی اور افسر اعلیٰ نادر خان صاحب نے شدید محنت کر کے اس سلسلے کی چھان بین کی اور بہت سے حقائق سامنے لائے۔ میں عدالت عالیہ سے درخواست کرتا ہوں کہ نادر خان کو ان کی تحقیقات کی تفصیل پیش کرنے کی اجازت دی جائے۔''

''اگر نادر خان کمرۂ عدالت میں موجود ہیں تو کٹہرے میں آئیں۔''

جج صاحب نے حکم دیا۔ نادر خان پولیس کی وردی میں اپنی جگہ سے اٹھ کر آ گیا اور اس

نے سلیوٹ کیا۔ پھر وہ کٹہرے میں جا کھڑا ہوا۔ وکیل سردار علی بیگ کے چہرے پر پریشانی کے آثار صاف دیکھے جا سکتے تھے۔

نادر خان کٹہرے میں پہنچا اور اس نے کہا۔

''جناب والا! محترمہ افشاں صاحبہ کی طرف سے مجھے ایک درخواست موصول ہوئی، جس میں انہوں نے پولیس سے اخبارات میں چھپنے والی اس خبر کے بارے میں تفتیش کی خواہش کا اظہار کیا اور میں نے اس سلسلے میں تحقیقات شروع کر دی۔''

''آبجیکشن می لارڈ۔'' سردار علی صاحب نے مداخلت کرتے ہوئے کہا۔

''کیا نادر خان صاحب انسپکٹر جنرل لگے ہوئے تھے یا پولیس کمشنر تھے یا کوئی اور ایسی بڑی حیثیت کے مالک تھے کہ یہ درخواست صرف انہی سے کی گئی۔ آخر یہ درخواست ان سے ہی کیوں کی گئی اور انسپکٹر صاحب نے اتنی آسانی سے اس میں دلچسپی کیوں لی، کیا انسپکٹر نادر خان اس بات کا جواب دیں گے؟''

''جی حضور والا، قانون قیدی نہیں ہے کہ اپنے اختیارات کے دائرے میں رہ کر اچھے عہدے کی شناخت کرتا پھرے۔ ان لوگوں سے میرے ذاتی تعلقات بھی ہیں اور میں قانون کے دائرے میں رہ کر ان کی مدد کرتا رہتا ہوں۔ جنابِ والا ان تعلقات کی بنیاد پر انہوں نے قانون سے درخواست کی تھی کہ اس سلسلے میں ان کی معاونت کی جائے اور میں یہ سمجھتا ہوں کہ یہ کوئی ایسا ناجائز عمل نہیں تھا، میں خود عدالت عالیہ سے یہ سوال کرتا ہوں کہ کیا قانون کے کسی سپاہی سے جبکہ وہ گشت پر نکلا ہوا ہو، کسی مظلوم کی طرف سے مدد طلب کی جائے تو کیا وہ سپاہی اس وقت مظلوم کی مدد کرنے کے بجائے افسران بالا کی طرف دوڑتا پھرے گا کہ وہ کسی مظلوم کی مدد کرے یا نہ کرے۔ میں یہ معلوم کرنا چاہتا ہوں جناب والا کہ کیا میں نے اس درخواست پر اپنے طور پر تحقیق کر کے کوئی غیر قانونی عمل کیا ہے؟''

''نہیں، قانون کا اور اپنے عہدے کا حلف اٹھانے والے ہر شخص کو یہ حق حاصل ہے کہ اگر وہ کسی غیر قانونی عمل کو ہوتا ہوا دیکھے تو فوری طور پر مداخلت کرے۔''

''شکریہ جنابِ والا! تو میں یہ عرض کر رہا تھا کہ میں نے اس سلسلے میں تحقیقات کیں۔ سب سے پہلے جب میں نے خاتون ہما کو دیکھا تو مجھے یوں لگا جیسے یہ چہرہ کسی طور میرا شناسا ہو۔ میرا ذہن اسی کرید میں لگ گیا کہ یہ چہرہ میرا شناسا کیوں ہے۔ اس پر بھی میں نے بہت کام کیا اور آخر کار مجھے اندازہ ہو گیا کہ اس چہرے سے مجھے شناسائی کیوں محسوس ہوئی ہے۔ ہما خاتون کا اصل نام تاجور جہاں ہے۔ یہ خاصے عرصے سے ماڈلنگ کر چکی ہیں۔ اس کے علاوہ اسٹیج آرٹسٹ بھی رہ چکی ہیں۔ محترمہ تاجور جہاں نے ماڈلنگ کی دنیا میں کوئی خاص

نام نہیں کمایا اور نہ ہی یہ اسٹیج آرٹسٹ کی حیثیت سے بہت زیادہ مقبول رہیں، لیکن بہرحال انہوں نے ایک عرصہ اس طرح ضرور گزارا۔ پھر اس کے بعد یہ ایک طائفے کے ساتھ لندن گئیں۔ لندن میں احمد یار خاں نامی ایک پاکستانی کے ساتھ ان کی شادی ہو گئی۔ انہوں نے کچھ عرصہ اس شخص کے ساتھ گزارا اور اس کے بعد احمد یار خاں سے طلاق حاصل کر لی۔ جناب والا اس کے بعد یہ روپوش ہو گئیں۔ خاصا عرصہ انہوں نے گمنامی کی حالت میں بسر کیا اور ہمیں اس سلسلے میں کوئی معلومات نہیں مل سکیں کہ اس کے بعد یہ کہاں غائب ہو گئی تھیں، لیکن پھر اچانک ہی نمودار ہوئیں اور ہما خاتون کی شکل میں نمودار ہوئیں۔ جنابِ والا یہ تمام تفصیلات میں نے محترم ظاہر حسین کو پیش کر دیں۔ وکیل صاحب براہِ کرم عدالت عالیہ کو میری فراہم کردہ معلومات پیش کیجیے۔''

ظاہر حسین نے پہلے تو کچھ فوٹو گراف جج صاحب کے سامنے رکھے، یہ تاجور جہاں یا موجودہ ہما خاتون کے ماڈلنگ کے فوٹو گراف تھے۔ اس کے بعد ان کی اسٹیج پرفارمنس کے بارے میں بھی بہت سی تصویریں جو یقیناً خاصی پرانی تھیں، عدالت کے سامنے پیش کی گئیں۔ پھر احمد یار خاں اور تاجور جہاں کی شادی کی تصویریں جو لندن کے کسی رسالے میں چھپی تھیں اور ان کے نام کے ساتھ چھپی تھیں، عدالت کو پیش کی گئیں اور اس کے بعد اس طلاق نامے کی نقل بھی جو لندن ہی کی ایک عدالت میں ہوئی تھی۔ جج صاحب کے چہرے کے تاثرات بدلتے جا رہے تھے۔ وہ یہ تصویریں دیکھ رہے تھے۔ سردار علی بیگ کا چہرہ دھواں دھواں ہو رہا تھا۔

نادر خان نے کہا۔ ''حضور والا، یہ تینوں بچے ہما خاتون یا تاجور جہاں بیگم کے بچے نہیں ہیں، یہ ان کی بہن راضیہ بیگم کے ہیں جو بیوہ ہیں اور ایک دفتر میں کام کرتی ہیں۔ میں نے تمام چیزوں کو مدنظر رکھا اور ایک شریف خاندان کی بھرپور مدد کرتے ہوئے راضیہ بیگم سے بھی رابطہ قائم کیا جو ایک دوسرے شہر میں رہتی ہیں۔ میں نے ان سے درخواست کی کہ وہ اس سلسلے میں میری مدد کریں۔ معافی چاہتا ہوں میں نے کہا کہ اگر انہوں نے حقیقت عدالت کے سامنے نہیں بیان کی تو ایک جرم کی معاونت میں انہیں گرفتار بھی کیا جا سکتا ہے۔ ''وہ ایک شریف خاتون ہیں اور بڑی شرافت کے ساتھ بیوگی کی زندگی گزار رہی ہیں، میری درخواست پر وہ میرے ساتھ آ گئیں اور اس وقت کمرۂ عدالت کے باہر موجود ہیں، مجھے اجازت دی جائے کہ میں انہیں عدالت کے سامنے پیش کروں۔''

''اجازت ہے۔'' جج صاحب نے کہا۔

جو خاتون برقعے میں اندر آئیں ان کے چہرے کے نقوش ہما خاتون یا تاجور جہاں سے

مکمل طور پر ملتے تھے۔ راضیہ بیگم کو کٹہرے میں لایا گیا۔ حلف اٹھانے کے بعد طاہر حسین نے ان سے سوالات کئے۔

''راضیہ بیگم! کیا یہ تینوں بچے آپ کے ہیں؟''

''ہاں'' راضیہ بیگم کے منہ سے گہری سانس کے ساتھ نکلا۔

''یہ بچے تاجور جہاں بیگم نے آپ سے کیا کہہ کر لئے تھے؟''

''کچھ کہہ کر نہیں، وہ خالہ ہیں انہوں نے محبت سے بچوں کو اپنے پاس بلایاان کے ساتھ اچھا سلوک کیا تو وہ ان کے پاس آ گئے، وہ میرے پاس آتے جاتے رہتے ہیں۔''

''انہوں نے آپ کو یہ نہیں بتایا کہ وہ بچوں کو کس سلسلے میں استعمال کر رہی ہیں؟''

''نہیں اگر ایسا مجھے پتہ چل جاتا تو میں اپنے بچوں کو مجرم بنانا پسند نہ کرتی۔''

''یہ آپ کی بہن تاجور جہاں ہی ہیں؟''

''ہاں یہ تاجور ہی ہے۔''

سب کے چہرے عجیب سے ہو گئے تھے۔ سردار علی بیگ گردن لٹکا کر بیٹھ گئے تھے۔ جج صاحب کے چہرے پر غصے کے تاثرات تھے۔ انہوں نے سخت آواز میں کہا۔ ''اور اب یہ تمام ثبوت دیکھنے کے بعد میں سمجھتا ہوں کہ کیس کو مزید آگے بڑھانے کی ضرورت نہیں ہے، میں حکم دیتا ہوں کہ افشاں بیگم کی جائیداد صرف ان کے بچوں ہی میں رہے اور انہی کے نام رہے۔ اس سلسلے میں کسی کا دعویٰ جرم ہے اور یہ جرم تاجور جہاں نے کیا ہے۔ عدالت حکم دیتی ہے کہ تاجور جہاں کو فوری طور پر گرفتار کیا جائے اور ان کے اس جرم کے سلسلے میں مقدمہ قائم کیا جائے۔ نادرو خان کو ہدایت کی جاتی ہے کہ تاجور جہاں کو اپنی تحویل میں لے کر ان کے خلاف چالان پیش کریں، عدالت برخاست کی جاتی ہے۔''

ہم سب دنگ رہ گئے۔ ہمارے رونگٹے کھڑے ہوئے تھے۔ ماما کی آنکھوں سے آنسو رواں ہو گئے تھے، انہوں نے دونوں ہاتھ اٹھا کر کہا۔ ''اے اللہ شکر گزار ہوں تیری کہ میرے مرحوم شوہر کا بھرم قائم رہا۔ وہ ایک صاحبِ کردار انسان تھے اور ان کے نام پر لگایا ہوا یہ داغ آخر کار دشمنوں کے منہ پر منتقل ہو گیا۔'' انہوں نے نفرت بھری نگاہوں سے سرفراز بھائی کو دیکھا جن کا سر جھکا ہوا تھا۔

نادر خان نے آگے بڑھ کر تاجور جہاں کو اپنی تحویل میں لے لیا۔ تینوں بچے خود دوڑ کر راضیہ بیگم کے پاس چلے گئے تھے۔ سب لوگ کمرۂ عدالت سے باہر نکل آئے۔ تایا ابو وغیرہ ماما کو مبارکباد دے رہے تھے۔

سرفراز بھائی دور کھڑے ہم سب کو دیکھ رہے تھے، لیکن سچی بات یہ ہے کہ ان کے لئے

رے دلوں میں اب کوئی گنجائش نہیں رہی تھی۔ تاجور جہاں کو ایک طرف کھڑا کر دیا گیا تھا نادر خان نے کچھ سپاہیوں کی ڈیوٹی لگا دی تھی۔

راضیہ بیگم نے نادر خان سے درخواست کی۔

''میں اس سے مل سکتی ہوں؟''

''جی ہاں، آپ مل لیجئے ان سے۔'' نادر خان نے اجازت دے دی اور راضیہ بیگم تاجور جہاں کی طرف چل پڑیں۔

میں نے نادر خان سے کہا۔ ''نادر خان اس شریف عورت کو جو شکل ہی سے غریب لگتی ہے تھوڑی سی رقم دے دو۔ یہ میرے پاس کچھ پیسے پڑے ہوئے ہیں۔ بعد میں مجھے تم سے اس کا پتہ درکار ہوگا، میں اس کی مالی مدد کرنا چاہتا ہوں۔''

''بہت غریب ہے۔ نوکری کر کے وقت گزار رہی ہے، لیکن اس وقت ہماری بہترین مددگار ثابت ہوئی۔'' میں نے جیب سے خاصے نوٹ نکال کر نادر خان کو دے دیئے۔

نادر خان نے انہیں اپنی جیب میں رکھ لیا۔ پھر وہ دانت پیستا ہوا بولا۔ ''اب یہ خاتون جائیں گی کہ ہما خاتون کس نے بنایا۔ شہاب صاحب اب آپ نادر خان کا کمال دیکھئے۔ اے اب طاہرہ خانم کا نام لینا ہوگا۔''

ہم سب کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔ تائی جان بہت فتنہ پرور تھیں لیکن انہوں نے نادر خان کی توہین کر کے ایک عذاب مول لے لیا تھا۔ نادر خان انہیں ہر قیمت پر پھانسنا چاہتا تھا۔ میں نے ایک خدشے کی بناء پر نادر خان کو ایک طرف لے جا کر کہا۔ ''آپ بے حد ذہین اور دوررس ہیں نادر خان...... لیکن میں ایک خدشے کا اظہار کرنا چاہتا ہوں۔''

''کیا؟''

''آپ کو چاند خان کی موت یاد ہے۔ چودھری عرفان کو بھی آپ نہیں بھولے ہوں گے۔ آپ کی تحویل میں تاجور جہاں کی موت بھی واقع ہو سکتی ہے۔'' میرے ان الفاظ کا خاطر خواہ ردعمل ہوا۔

نادر خان کا چہرہ پھیکا پڑ گیا تھا۔ کچھ لمحے وہ سوچ میں ڈوبا رہا پھر ایک گہری سانس لے کر بولا۔ ''یار واقعی کبھی کبھی انسان کسی وقتی کامیابی سے اتنا سرشار ہو جاتا ہے کہ سامنے کی باتوں کا خیال بھی نہیں رہتا۔ یہ خدشہ تو پوری طرح موجود ہے کیونکہ مدمقابل پُراسرار قوتوں کا مالک بھی ہے کچھ کرنا ہوگا۔ بلکہ بہت کچھ کرنا ہوگا۔''

''آپ کو فرصت مل جائے تو براہ کرم کچھ وقت ہمیں دیں، بہت سی باتیں کرنی ہیں۔''

''ضرور، مجھے آپ کے دادا ابو کی بیماری کے بارے میں بھی معلوم ہے۔ افسوس ان کی

عیادت کے لئے بھی حاضر نہیں ہو سکا۔ خیر اب ذرا تاجور جہاں سے دو دو ہاتھ کر لوں، اس کے بعد مل بیٹھیں گے۔''

پھر ہم سب واپس چل پڑے تھے۔ سرفراز بھائی اس وقت تک کھڑے ہمیں دیکھتے رہے تھے جب تک ہم واپس نہ چل پڑے۔ نہ جانے وہ کیا چاہتے تھے؟

❁

میرا دل بہت دُکھا تھا۔ سرفراز بھائی ہماری آنکھوں کی ٹھنڈک تھے، وہ ہمارے لئے بہت کچھ تھے لیکن انہوں نے اتنے فاصلے بڑھا لئے تھے کہ سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ کیا کیا جائے۔ میں بہت اداس ہو گیا تھا حالانکہ پچھلے دنوں مجھ پر بڑی وحشت سوار ہوئی تھی اور میں نے دل میں تہیہ کیا تھا کہ اگر پاپا کی بے گناہی ثابت ہو گئی تو سرفراز بھائی کو جی کھول کر ذلیل کروں گا لیکن اب میرے دل میں ایک گداز سا پیدا ہو گیا تھا۔ ان کی اداس شکل دیر تک میری آنکھوں میں ناچتی رہی تھی۔ میں جانتا تھا کہ ماما اور دانیہ بھی سرفراز بھائی کو اس انداز میں دیکھ کر بری طرح دکھی ہو گئی ہوں گی لیکن میں نے جان بوجھ کر ماما سے اس موضوع پر کوئی بات نہیں کی۔

اب دادا ابو ہماری تمام تر توجہ کا محور تھے۔ گھر میں ارجمند کی موجودگی نے ایک حسین ماحول پیدا کر دیا تھا۔ لڑکیاں مسکرا مسکرا کر مجھے اور ارجمند کو دیکھتی تھیں لیکن ارجمند ایک ٹھوس شخصیت کی مالک تھی، اس نے اپنے رویئے میں کسی طرح کی کوئی ایسی کیفیت نہیں پیدا کی جس سے اس کے نروس ہونے کا احساس ہوتا۔

دادا ابو کی حالت بہتر ہوتی جا رہی تھی۔ فزیوتھراپسٹ ان کی فزیوتھراپی کر رہا تھا اور وہ کافی بہتر حالت میں آ گئے تھے۔ جیسے ہی انہوں نے چلنا پھرنا شروع کیا، تقاضے کرنے لگے کہ اب انہیں اسپتال سے نجات دلا دی جائے۔ آخر کار ڈاکٹر اشتیاق کے مشورے سے انہیں اسپتال سے ڈسچارج کر دیا گیا۔ تایا ابو انہیں گھر لے آئے تھے، دادا ابو اور سمن آراء بیگم نے دلی شکریہ ادا کیا۔

''خالہ جان! مجھے خوشی اس وقت زیادہ ہوتی جب آپ لوگ میرا شکریہ نہ ادا کرتے بلکہ پورے اعتماد کے ساتھ یہاں آتے، خیر چھوڑیئے ان باتوں کو، ایک درخواست کرنا چاہتا ہوں کہ اب شہاب آپ کا سامان اٹھا کر یہاں لے آئیں اور آپ اس گھر کو رونق بخشیں۔''

دادا ابو ہنسنے لگے پھر بولے۔ ''بھئی کوئی الٹی سیدھی بات کروں گا تو تم برا مانو گے، میں بالکل نہیں چاہتا ممتاز احمد کہ تمہاری دل شکنی کی کوئی بات کی جائے، اصل میں خاندان میں

فتنہ انگیزی میں بہت آگے ہے، کسی کا نام نہیں لوں گا، اگر تمہارے ہاں آ گیا تو قیامت برپا ہو جائے گی، نجانے کیا کیا افسانہ طرازیاں کی جائیں گی۔"

"بات اصل میں یہ ہے خالو جان کہ اسی خوف نے ہم لوگوں کو منتشر کیا ہوا ہے، خدا کے لئے اب اس خوف کے خول سے باہر نکل آیئے، کوئی کچھ بھی کہے، آپ کو اس سے کیا غرض...... آپ دیکھئے بڑی خوشامد کر کے شہاب اور بھابی جان کو روکا ہے، زندگی دوڑ گئی ہے ہمارے دلوں میں، اگر آپ بھی آ جائیں تو مجھے یوں لگے گا جیسے میرا پرانا گھر پھر سے آباد ہو گیا۔"

"خدا تمہیں خوش رکھے، تمہیں ہر طرح کی خوشی نصیب ہو، بہت دل بڑھا دیا ہے تم نے میرا، چلو مجھے سوچنے کا موقع دو، تھوڑا سا وقت دے دو، تمہاری مہربانی ہو گی۔"

ماما کہنے لگیں۔ "بات یہ ہے ممتاز احمد بھائی کہ میں بھی ابھی خالو جان کو روکنا نہیں چاہتی، اس کی وجہ یہ ہے کہ مجھے ان سے کچھ گفت وشنید کرنی ہے اور یہاں کے اصولوں کے مطابق کرنی ہے یعنی میں ان سے کچھ مانگنے کے لئے ساہیوال جاؤں گی۔"

دادا ابو نے چونک کر ماما کو دیکھا اور بولے۔

"کچھ سمجھا نہیں افشاں بیٹی! میرے پاس ایسی کیا چیز ہے جو تم مجھ سے مانگنا چاہتی ہو۔"

"خالو جان! میری محبت جلد بازی کی متقاضی ہے، میں وقت سے پہلے کچھ کہہ رہی ہوں اس کے لئے اپنا سمجھ کر مجھے معاف کر دیجئے گا، ارجمند کو میں شہاب کے لئے مانگنا چاہتی ہوں، آپ بزرگ ہیں اور اس بات کو دل سے تسلیم کرتے ہیں کہ شہاب، امتیاز احمد کا بیٹا ہے، صاحب کردار اور عزت و محبت کرنے والا، ہمارا حق بنتا ہے کہ ہم آپ سے دل کی ہر بات کہہ دیں، میں ارجمند کا رشتہ شہاب کے لئے مانگنا چاہتی ہوں اور اسی کے لئے آپ کے پاس حاضری دوں گی۔"

نکہت آراء کا چہرہ خوشی سے گلنار ہو گیا تھا لیکن سمن آراء اور دادا ابو سوچ میں ڈوب گئے تھے۔ پھر کچھ دیر کے بعد انہوں نے کہا۔ "دیکھو افشاں بیگم! حقیقتوں کو ہمیشہ نگاہوں کے سامنے رکھنا چاہئے ہم لوگ کبھی بہت زیادہ دولت مند نہیں رہے، ایک چھوٹی سی حیثیت کے مالک ہیں ہم لوگ، سچی بات یہ ہے کہ تم لوگوں کے قابل نہیں ہیں، ہاں اگر اپنے احسانات کو مزید بڑھانا چاہتے ہو تو ارجمند کے لئے ہماری حیثیت کے مطابق رشتہ تلاش کرنے میں ہماری مدد کر دینا۔"

ماما کے چہرے پر کسی قدر برہمی کے تاثرات پیدا ہو گئے تھے۔ کچھ لمحے خاموش رہ کر انہوں نے کہا۔ آپ کے جواب نے ہمیں بہت بددل کیا ہے اور اگر آپ کا یہ جواب برقرار

رہا تو ہمارا دل ٹوٹ جائے گا اور اس کے بعد خدا کی قسم میں بحرین واپس چلی جاؤں گی، کیا ملا ہے ہمیں یہاں، ہمارا ایک بیٹا بھی ہم سے چھن گیا، بڑی اچھی زندگی گزارتے تھے ہم بحرین میں، یہ دولت اور جائیداد جو امتیاز احمد خاں نے بنائی ہے، ہمارے لئے کوئی حیثیت نہیں رکھتی کیونکہ ہم نے بہت اعلیٰ زندگی گزاری ہے، بے شک وہاں سرفراز اور امتیاز احمد ملازمت کرتے تھے اور انہیں اچھی خاصی تنخواہیں ملتی تھیں لیکن اس کے باوجود ہم بس یوں سمجھیں کہ درمیانی زندگی گزارتے رہے تھے اور اب میں محسوس کرتی ہوں کہ وہ زندگی یہاں کی زندگی سے زیادہ اچھی تھی، ٹھیک ہے میں آپ کو اتنا بتا دوں کہ شہاب کے اندر ایسی کوئی برائی نہیں ہے، جس کی وجہ سے آپ انہیں ٹھکرا دیں، میں نے بڑی چاہت سے یہ بات آپ سے کہی تھی، اب آپ کو حق ہے کہ ہمیں ٹھوکر مار دیں۔" ماما کی آواز بھرا گئی۔ "ارے بھئی لیجئے میڈم آپ نے لندن میں پرورش پائی ہے، پاکستان کے ماحول کو بالکل نہیں جانتیں، لڑکی والے اس بات سے بہت خوش ہوتے ہیں کہ ان کی بیٹی کی چاہت کی جائے اور سسرال والوں کی خوب جوتیاں گھسوائی جائیں تب رشتہ منظور کیا جائے، ارے بابا! آپ نے تو ہمیں شرمندہ کر دیا، اب ایک بات آپ سے ہم بھی کہیں، جب ہمیں اپنا سمجھتی ہیں تو ارجمند کو ہم سے مانگ کیوں رہی ہیں، ہاتھ پکڑیں اور اپنے گھر لے آئیں بس......!"

اس بات نے جو مزہ دیا تھا، اسے الفاظ میں بیان نہیں کیا جا سکتا، ایسا لگتا تھا جیسے گھر میں عید آ گئی ہو، سب ایک دوسرے سے گلے مل رہے تھے اور ارجمند، دادی اماں کے کمرے میں جا کر چھپ گئی تھی۔ ہم اسے تلاش کرتے پھرے، دادی اماں کے کمرے کی طرف ذہن نہیں گیا تھا پھر جب حرا، دادی اماں کے کمرے میں گئی تو ارجمند کو دادی اماں کے پیروں کے پاس بیٹھے ہوئے پایا۔

رات کو میں نے ارجمند سے بات کی۔

"جی میڈم! فیصلہ یہ کیا گیا ہے کہ یہیں نکاح ہو جائے، اب آپ کہیں نہیں جا سکتیں، کل سے شاپنگ شروع کر دیجئے۔"

"کیا......؟" ارجمند نے آنکھیں پھاڑ کر کہا۔

"بزرگوں کا فیصلہ ہے، ہم کیا کر سکتے ہیں۔"

"لل......لیکن یہ تو بہت عجیب لگے گا۔"

"اب عجیب لگے یا غریب......! ہم کیا کر سکتے ہیں؟"

"نہیں بھئی، یہ کیا فیصلہ کیا ان لوگوں نے اور پھر اس طرح ہتھیلی پر سرسوں تو نہیں جمائی جاتی۔"

"وہ اصل میں جوتیاں گھسنے والی بات ہے تو مزے کی لیکن ہم نے اس روایت کو فیل کر دیا۔"

"پلیز آپ ایسا نہ کریں اور ابھی جلد بازی بھی نہ کریں۔"

"ہوں، غور کیا جا سکتا ہے لیکن شرط یہی ہے کہ ملاقاتوں میں کمی نہیں آنی چاہئے۔"

"نہیں آئے گی پلیز! مگر اتنی جلدی!"

"ٹھیک ہے، آپ کی درخواست پر غور کیا جائے گا۔"

ابھی دادا ابو کو کچھ دن یہیں گزارنے تھے۔ ڈاکٹر اشتیاق نے یہی ہدایت کی تھی کہ دو چار دن میں جب مطمئن ہو جائیں گے تو دادا ابو ساہیوال واپس جا سکتے ہیں۔

پھر تیسرے دن نادر خان کا فون موصول ہوا۔

"شہاب بول رہے ہیں؟"

"جی نادر خان صاحب! خیریت!"

"ہاں خیریت ہی سمجھیں، وہی ہوا، جو ہونا چاہئے تھا۔ ضمانت کرا لی گئی ہے تاجور جہاں کی۔"

"ضمانت ہو گئی......؟"

"ہاں اور کیس مجھ سے واپس لے لیا گیا ہے، ایک بہت ہی اعلیٰ شخصیت نے بھرپور مداخلت کی ہے، میں نے شدید مزاحمت کی لیکن افسرانِ بالا کے سامنے میری نہیں چل سکی، ضمانت منظور ہوتے ہی اس اعلیٰ شخصیت کی جانب سے کچھ افراد تاجور جہاں کو لینے پہنچ گئے اور اسے اپنے ساتھ لے گئے۔ بہر حال میں زیرِ عتاب ہوں۔" نادر خان کے منہ سے یہ سب کچھ سن کر میں بھی افسردہ ہو گیا تھا۔

"نادر خان! آپ نے جو کچھ کیا ہے ہمارے لئے اس کا شکریہ ادا کر کے ہم آپ کے احسان کی توہین نہیں کرنا چاہتے بہر حال اپنا خیال رکھئے، یہ بہت بڑی بات ہے کہ آپ نے میرے مرحوم پاپا کے چہرے سے غلاظت صاف کر دی۔"

"لیکن میرا چہرہ غلاظت میں بری طرح لتھڑا ہوا ہے، میرا ضمیر اس وقت تک سکون نہیں پا سکتا جب تک کہ طاہرہ خانم میری گرفت میں نہ آ جائیں۔" نادر خان سے سلسلہ گفتگو ختم ہو گیا۔

یہ بات بالکل صاف تھی کہ ہما خاتون یا تاجور جہاں کی ضمانت کرانے میں تائی جان ہی کا ہاتھ ہے۔ انہوں نے اپنے اختیارات کو استعمال کر کے یہ کام کرا لیا بہر حال میں کافی افسردہ تھا۔ مختصر الفاظ میں تایا ابو اور ماما کو نادر خان کے اس فون کے بارے میں بتا دیا۔

دادا ابو تقریباً ٹھیک ہو گئے تھے۔ ڈاکٹر اشتیاق جو بڑی باقاعدگی سے مقررہ دن دادی اماں کا معائنہ کرنے آتے تھے، اس دن انہوں نے دادا ابو کا بھی معائنہ کیا اور دادا ابو نے ان سے واپسی کی اجازت لے لی۔ مجھے ارجمند کے جانے کا بہت دکھ ہوا تھا لیکن ارجمند نے مجھے تسلی دیتے ہوئے کہا۔

"آ جاؤں گی جناب اور پھر واپس نہیں جاؤں گی، یہ چہرہ جو آپ نے بنا لیا ہے، مجھے بے سکون کر دے گا، براہِ کرم اسے ٹھیک کر لیجئے گا۔"

اس دوران جب ارجمند یہاں تھی تو ایسے حسین دن رات گزرتے تھے کہ انسان سوچ بھی نہ سکے۔ رات کو ایک ایک دو دو بجے تک ہم لوگ باہر آ کر بیٹھ جایا کرتے تھے لیکن کسی ایسی نمایاں جگہ جہاں کوئی بھی ہمیں دیکھ لے اور باتیں کرتے رہتے تھے، کسی کو کبھی کوئی اعتراض نہیں ہوا تھا۔

اب ارجمند چلی گئی تو دل پر ایک شدید بوجھ اور اداسی طاری ہو گئی لیکن بہر حال یہ امید تھی کہ جلد ارجمند اور میرے درمیان فاصلے ختم ہو جائیں گے۔ میں نے سوچا تھا کہ ماما سے فرمائش کروں گا کہ جلد از جلد اس مسئلے کو حل کر دیا جائے۔

دوسری رات بڑی تنہا تھی۔ اپنے کمرے میں بستر پر لیٹا ہوا ارجمند کو یاد کر رہا تھا۔ تھوڑی دیر پہلے ہی ٹیلیفون پر اس سے بات ہوئی تھی اور بہت سے ذومعنی جملے ادا کئے گئے تھے۔ میں انہی جملوں پر غور کر رہا تھا۔ دل پر کچھ بوجھ سا سوار ہوا تو میں اپنی جگہ سے اٹھ کر باہر نکل آیا۔

باہر کا ماحول ہمیشہ ہی سنسان ہوا کرتا تھا۔ بے ترتیب درخت اور لمبی جھاڑیاں بھیانک منظر پیش کرتی تھیں، سونے پر سہاگہ وہ خوفناک عمارت جو آتشزدگی کے بعد اور تاریک ہو گئی تھی لیکن روزِ اوّل سے ہی میں اس ماحول سے خوف زدہ نہیں ہوا تھا۔ پتہ نہیں کیوں پے در پے پیش آنے والے ان واقعات نے بھی مجھے دہشت کا شکار نہیں کیا تھا۔ میں اس نادیدہ مخلوق سے براہِ راست برسرِ پیکار رہتا تھا۔ پچھلے دنوں راتوں کو دو دو بجے تک میں اور ارجمند باہر بیٹھے باتیں کرتے رہتے تھے، اکثر جھاڑیوں میں سرسراہٹیں سنائی دیتی تھیں تو ارجمند چونک چونک پڑتی۔

"یہ کیسی آواز ہے؟"

"ہو گی، فکر مند کیوں ہو!"

"ارے یہ سانپ بھی ہو سکتے ہیں۔"

"زمین اللہ کی ہے، اس کی مخلوق کہیں بھی رہ سکتی ہے۔"

"یہ تو ٹھیک ہے لیکن یہ مخلوق خطرناک بھی ہو سکتی ہے، ویسے یہ جگہ اتنی اچھی ہے کہ اگر میرا بس چلے تو میں ہر طرف پھول ہی پھول کھلا دوں۔"

"اس بات کا مجھے یقین ہے۔"

"کس بات کا......؟"

"پھول کھلانے کا، میرے دل کا ویرانہ بھی گلزار بن چکا ہے، اتنے پھول کبھی ہیں کھلے تھے۔"

ارجمند شرما گئی تھی۔

انہی باتوں کو یاد کرتا ہوا ماما کے کمرے کے سامنے سے گزرا تو ایسے ہی انہیں دیکھنے کو دل چاہا۔ دروازہ کھول کر اندر جھانکا اور پھر کمرے میں داخل ہو گیا۔ ماما کی تیز سانسیں ابھر رہی تھیں۔ دوسری طرف اپنے بستر پر دانیہ سو رہی تھی۔

اچانک مجھے کچھ بدبو کا سا احساس ہوا۔ بالکل ویسی ہی بدبو جیسی پہلے محسوس کی تھی اور اس کے بعد دانیہ خطرناک حالات کا شکار ہو گئی تھی۔ میں چونک پڑا اور میرے قدم تیزی سے دانیہ کے بستر کی طرف اٹھ گئے۔ بدبو سو فیصد دانیہ کے بدن سے آ رہی تھی۔ میرا دل دھک سے ہو گیا، میں نے جھک کر قریب سے دانیہ کا چہرہ دیکھنا چاہا تو اچانک اس کی آنکھیں کھل گئیں اور میں نے پورے ہوش و حواس کے عالم میں دیکھا کہ دانیہ کی آنکھوں میں چمکنے والے ستارے گہرے سرخ تھے۔

ابھی میں اس پر غور ہی کر رہا تھا کہ اچانک اس کا داہنا ہاتھ اٹھا اور اس نے میرا گریبان پکڑ لیا۔ میں ایک لمحے کے لیے نروس ہو گیا تھا۔ میں نے اس سے گریبان چھڑانے کی کوشش کی تو اس کے منہ سے ایک خوفناک آواز نکلی جو دانیہ کی آواز بالکل نہیں تھی۔ وہ بولی۔ "کچھ بھی ہو سکتا ہے سمجھے! کچھ بھی ہو سکتا ہے۔"

آواز خاصی زوردار تھی۔ میں نے گھبرا کر ماما کی طرف دیکھا۔ وہ بدستور گہری نیند سو رہی تھی۔ دانیہ نے میرا گریبان نہیں چھوڑا تھا۔ اچانک ہی وہ اٹھ کر بیٹھ گئی اور میں پیچھے ہٹا تو وہ میرے ساتھ ہی کھڑی ہو گئی۔

"سمجھے تم اپنے آپ کو اتنا آگے لے جانے کی کوشش مت کرو ورنہ جو کچھ ہوگا، اس کا نتیجہ تمہیں بھگتنا پڑے گا، تم سوچ بھی نہیں سکتے۔" یہ کہہ کر اس نے مجھے دھکا دیا اور اچانک ہی میرے اندر غصے کا طوفان امڈ پڑا۔

یہ اندازہ تو میں نے لگا لیا تھا کہ دانیہ اس وقت اپنے کنٹرول میں نہیں ہے بلکہ اس کے اندر ایک بدروح داخل ہو چکی ہے۔ میں دانت پیس کر آگے بڑھا۔ بدروحوں سے میں دبنے

بھی خوف زدہ نہیں ہوتا تھا، میں نے دانیہ کی طرف قدم بڑھائے تو اس نے ایک دم سے سامنے چھلانگ لگا دی اور دروازے سے باہر نکل گئی۔ میں اسے چھوڑنا نہیں چاہتا تھا چنانچہ میں بھی تیزی سے دروازے کی جانب دوڑا۔

دانیہ راہداری میں بھاگ رہی تھی۔ میں نے اسے پکارنا مناسب نہیں سمجھا البتہ رفتار تیز کر دی لیکن دانیہ لمبی لمبی چھلانگیں لگا رہی تھیں۔ کچھ لمحوں کے اندر وہ راہداری کے باہر والے دروازے سے باہر کود گئی اور پھر میں نے اس کا رخ اسی ویران عمارت کی جانب دیکھا جو اس وقت بھی تاریک پڑی ہوئی تھی۔

وہ جتنی تیز دوڑ رہی تھی، میں بھی اپنی رفتار بڑھاتا جا رہا تھا پھر اچانک ہی وہ جلی ہوئی عمارت میں داخل ہو گئی۔ میرے اندر اس وقت جنون بیدار ہو گیا تھا۔ میں سوچے سمجھے بغیر خود بھی اس عمارت میں داخل ہو گیا لیکن اندر قدم رکھ کر میں حیران رہ گیا۔ وہی عمارت تھی، بالکل صاف ستھری جبکہ آج دن کی روشنی میں، میں نے اس میں جلے ہوئے جھاڑ جھنکاڑ دیکھے تھے لیکن اس وقت وہ بالکل صاف شفاف پڑی ہوئی تھی اور اس میں مدھم مدھم روشنی ہو رہی تھی۔

دانیہ یہاں نظر نہیں آئی تھی لیکن میں نے کنڈے والا دروازہ کھلا ہوا دیکھا۔ لازمی بات تھی کہ وہ اسی دروازے سے اندر داخل ہوئی تھی چنانچہ میں نے بھی اس طرف چھلانگ لگا دی اور اب میں نے اسے آواز دی۔ "دانیہ! رک جاؤ، سامنے آؤ میرے، تم جو کوئی بھی ہو، میں تمہیں چھوڑوں گا نہیں، میرے سامنے آؤ دانیہ!" یہ کہہ کر میں تہہ خانے میں داخل ہو گیا۔

تہہ خانہ اس وقت پوری طرح روشن تھا اور میرے سامنے ہی ایک قوی ہیکل شخص کھڑا ہوا تھا۔ اس کا چہرہ کھلا ہوا تھا لیکن اس کے نقوش اور ان کی کیفیت انسانی نہیں تھی۔ چڑھی ہوئی بھنویں، لمبی لمبی مونچھیں اور عجیب سا لباس......! اس کی پیشانی پر شکنیں پڑی ہوئی تھیں اور وہ خونی نگاہوں سے مجھے دیکھ رہا تھا پھر اس نے غراتی ہوئی آواز میں کہا۔ "جاؤ بھاگ جاؤ ورنہ میں تمہارے ساتھ بہت برا سلوک کروں گا۔"

میں نے دانت کچکچا کر اسے دیکھا۔ تھوڑے ہی فاصلے پر ایک لمبی اور مضبوط لکڑی پڑی ہوئی تھی۔ میں نے لپک کر وہ لکڑی اٹھا لی اور امکان تھا کہ ایک لمحے کے اندر میں اس لکڑی سے اس شخص پر حملہ کر دیتا کہ اچانک ہی میں نے دیکھا کہ لکڑی کے دونوں سرے لٹک گئے ہیں، اس کا درمیانی حصہ میرے ہاتھ میں تھا لیکن اس کے سرے لٹک گئے تھے پھر میں نے اس درمیانی حصے کو بھی بالکل نرم اور لجلجا پایا۔ دوسرے لمحے اس کا ایک سرا اوپر اٹھا اور چوڑے پھن کی طرح پھیل گیا ساتھ ہی اس کے منہ سے ایک خوفناک پھنکار نکلی تھی اور پھنکار کے

ساتھ ہی کچھ چنگاریاں بھی......! اصولی طور پر مجھے اس سے خوف زدہ ہو جانا چاہئے تھا لیکن اس وقت میں غصے کی آخری حدوں کو چھو رہا تھا۔ میں نے آگے بڑھ کر وہ لکڑی یا وہ سانپ جو میرے ہاتھ میں موجود تھا اور پھنکار رہا تھا، پوری قوت سے دیوار پر دے مارا۔

مجھے ایک ہولناک چیخ سنائی دی جو کسی مرد کی تھی ساتھ ہی اچانک ہی تہہ خانہ روشن ہو گیا۔ روشنی تو پہلے بھی تھی لیکن اس وقت یوں لگ رہا تھا، جیسے ہزاروں بلب روشن ہو گئے ہوں گے اور اس روشنی میں مجھے وہاں لاتعداد افراد کھڑے ہوئے نظر آئے۔ یہ وہی سیاہ لبادہ پوش تھے اور ان کے سامنے خراتون بے نقاب نظر آ رہا تھا۔ خراتون کی آنکھیں اس وقت بھی بلب کی طرح روشن تھیں، اس کے منہ سے خوفناک آواز نکلی۔ ''ہم اسے اس منزل تک پہنچا دیں گے حاجی صاحب کہ آپ سوچ بھی نہیں سکتے، ہمارے آپ کے تعلقات میں دراڑ تو پڑ ہی چکی ہے، اب ہمیں مجبور کر دیا گیا ہے کہ ہم دشمنی شروع کر دیں۔''

میں نے خونخوار نگاہوں سے خراتون کی طرف دیکھا لیکن اس سے پہلے کہ میں کچھ بولتا، اچانک مجھے پیچھے سے آواز سنائی دی۔ ''دیکھ لے خراتون! ہم اس کا دفاع کریں گے، سمجھوتہ ہو سکتا ہے لیکن معاملات اس قدر پیچیدہ ہو گئے ہیں کہ ہم نے صرف ایک بات پر سمجھوتہ کر لیا تو پھر باقی باتوں پر ہماری دشمنی قائم رہے گی اس لئے کوئی ایسا حل تلاش کر جو کارآمد ثابت ہو سکے ورنہ مجبوری ہے کہ ہم بھی اپنا دفاع کریں۔''

''کوئی حل نہیں ہے، ارے کوئی حل ہو تو آپ ہی بتا دو حاجی صاحب! یہ تو ایک کے بعد ایک وار کئے جا رہا ہے، ارے تم لوگ دیکھو اس نے اسے دیوار میں دے مارا ہے، کہیں ایک اور خون تو نہیں کر دیا اس نے!'' خراتون نے پیچھے کھڑے لوگوں کو اشارہ کر کے کہا۔

وہ لکڑی یا سانپ جو میں نے دیوار میں دے مارا تھا، دیوار کے نیچے اکڑا ہوا پڑا تھا حالانکہ ہال میں تیز روشنی تھی لیکن مجھے اس سانپ کی موجودہ کیفیت نہیں معلوم ہو سکی البتہ ان لوگوں نے اسے سانپ ہی کی شکل میں اٹھایا تھا اور اسے اس دروازے کی جانب لے گئے تھے جس سے دو تین بار گورنی برآمد ہوئی تھی اور اس جگہ جہاں وہ گرا تھا، میں نے زمین پر خون کے دھبے دیکھے تھے۔

''دیکھا آپ نے حاجی صاحب! دیکھا آپ نے، اس نے......!''

''ہاں میں نے دیکھا، تمہارے اس آدمی نے اس کے ساتھ بدتمیزی کی تھی اور اسے باہر نکل جانے کے لئے کہا تھا اور اس نے لکڑی کی حیثیت سے اسے اٹھایا تھا، وہ نہیں جانتا کہ تمہارے کیا اسرار ہیں، اس نے لکڑی سمجھ کر اسے اٹھایا تھا اور جب وہ لکڑی سانپ بن گئی تو اس نے اسے دیوار پر دے مارا۔''

''تو یہاں آنے کی کیا ضرورت تھی؟''

''وہی میں تمہیں بتا رہا ہوں، تم دو دفعہ اس بچی کو نشانہ بنا چکے ہو، کان کھول کر سن لو، بات تمہارے اور اس کے درمیان ہے، اگر اس خاندان کے کسی اور فرد کو بال برابر بھی نقصان پہنچا تو پھر ہمارے درمیان جنگ ہو گی۔''

''حالات تو اسی طرف جا رہے ہیں حاجی صاحب کہ ہم آپس میں لڑ پڑیں۔''

''اور وہ ساری پابندیاں ختم کر دیں، جو ہم پر لگائی گئی ہیں۔''

''حاجی صاحب! آپ نے یہ پابندیاں خود ختم کی ہیں۔''

''خراتون اس سے پہلے تو کبھی اس قدر بے باک نہیں تھا اور نہ ہی تیری زبان کبھی اتنی آگے بڑھی، نتیجہ جانتا ہے اس کا......؟''

''چیونٹی بھی پاؤں تلے آ جائے حاجی صاحب تو کاٹ لیتی ہے، ہم کیا کر سکتے ہیں۔''

''تو پھر سوچ لے خراتون! ہم نے ابھی تک مفاہمت کا عمل کیا ہے لیکن اگر تو نے کوئی اور غلط قدم اٹھایا تو مجبوری ہو گی۔''

''جو ہو گا دیکھا جائے گا، آپ اسے سمجھا لیں حاجی صاحب!''

''بچی کہاں ہے؟'' حاجی صاحب نے پوچھا لیکن خراتون نے کوئی جواب نہیں دیا اور اچانک ہی ہال میں گھور تاریکی پھیل گئی لیکن میں اس سفید سائے کو دیکھ سکتا تھا، جو ایک طرف کھڑا ہوا تھا۔

''میں اس عمارت کو کھدوا کر پھنکوا دوں گا، نتیجہ کچھ بھی ہو۔'' میں نے غرائی ہوئی آواز میں کہا۔ لیکن مجھے کوئی جواب نہیں ملا۔

پھر وہ سفید سایہ بھی نگاہوں سے اوجھل ہو گیا اور مجھے یہ اندازہ ہو گیا کہ وہاں اب کوئی ذی روح موجود نہیں ہے۔ میں نے ایک بار پھر دانیہ کو آوازیں دیں۔ ''دانیہ! تو جہاں بھی ہے، مجھے آواز دے۔''

لیکن کوئی سرسراہٹ، کوئی آواز نہیں سنائی دی۔ میں کچھ لمحے سوچتا رہا اور اس کے بعد ان سیڑھیوں کی جانب چل پڑا جو اوپر کی طرف جاتی تھیں۔ دانیہ کے ناخن کو بھی کوئی نقصان پہنچا تو تایا ابو کی باتوں کی پروا کئے بغیر میں اس عمارت کو کھدوا کر پھنکوا دوں گا پھر دیکھوں گا یہ میرا کیا بگاڑتے ہیں۔ میں تیز قدموں سے اوپر پہنچا اور پھر تیزی سے چلتا ہوا واپس عمارت میں آ گیا۔

سب سے پہلے میں نے ماما کے کمرے کی طرف قدم بڑھائے تھے اور یہ دیکھ کر ایک طرح سے مجھے سکون حاصل ہوا کہ دانیہ اپنے بستر پر گہری نیند سو رہی ہے۔ یہی ہونا بھی

چاہئے تھا۔ میں نہیں جانتا تھا کہ اس پورے واقعے میں دانیہ پر کیا اثرات مرتب ہوئے ہیں۔ سب سے پہلے میں نے اسے سونگھ کر دیکھا، اب اس کے بدن میں بدبو کا نام ونشان نہیں تھا۔

اس وقت جو کچھ ہوا تھا، اس نے بہت سی سوچوں کے دروازے کھول دیئے تھے۔ کافی حد تک معلومات مجھے حاصل ہو چکی تھیں۔ اس پُراسرار گھر میں جن آباد تھے اور ان کے دو گروپ تھے، جن میں سے ایک حاجی صاحب کا گروپ تھا اور دوسرا خراتون کا...... گورنی کا تعلق خراتون گروپ سے تھا اور تائی جان یعنی طاہرہ خانم اپنے پُراسرار علوم کے ساتھ خراتون گروپ میں شامل تھیں جبکہ گیتی آراء بیگم، حاجی صاحب کے گروپ میں تھیں۔ ان کے کوما کی کیفیت کے بارے میں میرے دل میں شکوک وشبہات تھے، وہ کسی خاص عمل کے زیر تحت کوما کی حالت میں رہی تھی اور اس کی وجوہات کیا تھیں، یہ بات میرے علم میں نہیں تھی۔ میں اتفاق سے یہاں آ گیا تھا اور سیفونہ کو مجھ سے دلچسپی ہو گئی تھی لیکن وہ بیچاری میرے ہاتھوں سے ماری گئی اور یہ سب کچھ بھی غلط فہمی میں ہی ہوا تھا۔

ادھر تائی جان پہلے تو خاندانی طور پر ہماری طرف متوجہ ہوئی تھیں لیکن بعد میں جب انہیں اس بات کا علم ہوا کہ پاپا نے پاکستان میں دولت کے انبار لگا دیئے ہیں تو وہ اپنی لالچی فطرت کی بناء پر ہماری جانب متوجہ ہو گئیں اور آخر کار سرفراز بھائی ان کے ہتھے چڑھ گئے۔ یہ تمام صورتحال تھی۔ میرے پاس سوچنے کے لئے بہت کچھ تھا۔ میں اپنے کمرے میں آ کر لیٹ گیا اور نجانے کب تک سوچتا رہا۔ نیند بہت مہربان ہوتی ہے، ہر طرح کے انتشار سے نجات دلا دیتی ہے۔ نجانے کون سے پہر میں نیند کی آغوش میں چلا گیا تھا۔

دوسری صبح معمول کے مطابق تھی۔ سب سے پہلے دانیہ کے کمرے میں جھانکا۔ وہ سو رہی تھی جبکہ ماما جاگ گئی تھیں لیکن ماما سے اس وقت ملنا معمول کے خلاف ہوتا اس لئے باہر نکل آیا۔ تھوڑی سی واک کی۔ قیصر خان مجھے دیکھتے ہی چائے کی تیاری شروع کر دیتا تھا، واپس اس کے پاس آ گیا اور اس سے باتیں کرتا رہا۔ رات کے معمولات کے بارے میں قیصر خان کے پاس بیٹھا رہا پھر تایا ابو ادھر آ گئے تو اس کے پاس سے اٹھ گیا۔

دن کو تقریباً بارہ بجے مجھے اپنے موبائل فون پر ایک کال موصول ہوئی۔ نمبر اجنبی تھا لیکن بہر حال میں نے ریسیو کیا تو ایک آواز آئی۔

''شہاب صاحب سے ملنا چاہتی ہوں۔''

''کون ہیں خاتون آپ......؟''

''شہاب! میں ہما خاتون بول رہی ہوں یا پھر میرا بدلا ہوا نام تاجور جہاں ہے۔'' دوسری

رف سے آواز آئی اور میرے دماغ میں ایک چھناکا سا ہوا۔ کچھ لمحوں تک میرے منہ سے واز نہ نکلی تو دوسری طرف سے پھر آواز سنائی دی۔ ''ہیلو......!''

''جی......جی!''

''تمہیں میرے فون پر ضرور حیرت ہوئی ہو گی لیکن تم مجھ سے فوراً مل لو، میں تمہیں انتہائی اہم باتیں بتانا چاہتی ہوں، یہ باتیں جاننے کے بعد تم پر بہت سے انوکھے راز منکشف ہوں گے، پلیز جتنی جلدی ممکن ہو، آ جاؤ بلکہ مجھے بتا دو کتنی دیر میں آ رہے ہو''

''کیا آپ اسی فلیٹ میں ہیں؟''

''نہیں، میرا نیا پتہ نوٹ کر لو'' تاجور جہاں نے کہا اور اس کے بعد مجھے ایک پتہ بتا دیا ایک اچھے پوش علاقے کا پتہ تھا۔

''ٹھیک ہے، میں ایک گھنٹے کے اندر اندر پہنچ رہا ہوں۔''

''میں انتظار کر رہی ہوں، دیر نہ کرنا پلیز۔''

''ٹھیک ہے، میں آ رہا ہوں۔'' فون بند ہو گیا اور میں کچھ دیر سوچ میں ڈوبا رہا۔ جانا برمناسب بات نہیں تھی۔ وہ کیا انکشاف کرنا چاہتی ہے، دیکھوں تو سہی، ہو سکتا ہے اس ے ذریعے مجھے اپنے پاپا کی موت کا کوئی نشان مل جائے۔ یہ بات میرے ذہن میں جڑ ڑنے لگی کہ ضرور تاجور جہاں، پاپا کی موت یا پھر اس سلسلے میں اپنی سرپرست طاہرہ خانم بارے میں کچھ بتانا چاہتی ہے۔

کسی کو رازدار نہیں بنایا تھا بس قیصر خان تھا، جسے کچھ تفصیل بتائی جا سکتی تھی لیکن ابھی اس کی ضرورت محسوس نہیں کی۔ پینٹ اور بش کوٹ پہن کر میں تیار ہو گیا اور اس کے بعد رخان مجھے لے کر چل پڑا۔

قیصر خان نے تھوڑی دیر بعد مجھے مطلوبہ جگہ پہنچا دیا۔

''میں آتا ہوں۔'' میں نے قیصر خان سے کہا اور گاڑی سے اتر کر مکان کی جانب چل تھوڑی دیر کے بعد میں نے بیل بجائی تو ایک عمر رسیدہ عورت نے دروازہ کھولا۔ نوکرانی پ کی عورت تھی، بڑی کرخت نگاہوں سے اس نے مجھے دیکھا تو میں نے کہا۔ ''تاجور ہاسے......!''

''ہاں، آؤ اندر آ جاؤ۔'' اس نے میرا جملہ پورا نہیں ہونے دیا اور میں اندر داخل ہو گیا۔ وہ مجھے لے کر چل پڑی۔ ایک راہداری سے گزرنے کے بعد اس نے ایک دروازے کی اشارہ کیا اور میں ایک عجیب سی کیفیت محسوس کرتا ہوا آخر کار دروازے کے پاس پہنچ میں نے دروازے کو اندر دھکیلا اور اندر قدم رکھ دیا۔ کمرے کا ماحول نیم تاریک تھا

لیکن غالباً یہ تیز دھوپ اور روشنی سے آنے کے بعد زیادہ تاریک لگ رہا تھا۔ ایک لمحے تک مجھے کچھ نظر نہیں آیا، میں نے دروازہ واپس بند کیا تو اچانک ہی دروازے سے لگی کوئی چیز میرے اوپر آرہی اور میں اچھل کر دو قدم پیچھے ہٹ گیا۔

مجھے صاف محسوس ہوا تھا کہ وہ کوئی انسانی جسم ہے لیکن اس کا انداز حملہ آوروں جیسا نہیں تھا بلکہ یوں لگا تھا، جیسے کوئی کھڑے کھڑے میرے اوپر گر پڑا ہو۔ میں نے اسے ہاتھوں سے سنبھالنے کی کوشش کی اور میرے ہاتھوں کو ایک عجیب سی چپچپاہٹ کا احساس ہوا۔

میں نے اس عجیب و غریب وجود کو دیکھا کو میرے اوپر آکر گرا تھا اور ایک لمحے کے اندر اندر میرے پورے رگ و پے میں سنسنی دوڑ گئی۔ یہ تاجور تھی لیکن اس کی گردن کٹی ہوئی تھی اور اس سے ابلنے والا خون اس کے اور میرے لباس پر پھیل گیا تھا۔

میرے حلق سے ایک دہشت زدہ چیخ سی نکلی اور میں ادھر ادھر آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر سوئچ تلاش کرنے لگا۔ سوئچ بورڈ دروازے کے پاس ہی تھا، میں نے دہشت کے عالم میں اس کے سارے بٹن دبا دیئے اور کمرے میں تیز روشنی پھیل گئی۔ وہ تاجور جہاں ہی تھی لیکن اس کی گردن انتہائی بے رحمی سے کاٹ دی گئی تھی اور شاید گردن کٹے کچھ لمحے ہی گزرے تھے کیونکہ خون کی پھواریں باقاعدہ میرے بدن کو بھگو رہی تھیں۔

اچانک ہی باہر راہداری میں قدموں کی آوازیں سنائی دیں۔ یہ بھاری جوتوں کی آوازیں تھیں اور دیکھتے ہی دیکھتے دروازے سے پولیس کے کئی افراد اندر گھس آئے۔ مجھے چکر آرہے تھے، اندر آنے والوں نے ماحول کا جائزہ لیا اور پھر ان میں سے ایک آواز ابھری۔

''اوئے...... اطلاع بالکل ٹھیک تھی، ارے پکڑو اس کو، دیکھو ریوالور نہ ہو اس کی جیب میں۔''

غالباً وہ انسپکٹر تھا۔ دو تین کانسٹیبل مجھ پر لپکے اور انہوں نے مجھے بازوؤں میں جکڑ لیا، باقی میری جیبوں کی تلاشی لینے لگے۔ میرے منہ سے آواز تک نہیں نکل رہی تھی۔ تاجور جہاں کی لاش زمین پر پڑی ہوئی تھی اور لگتا تھا کہ عمارت میں اس کے علاوہ اور کوئی نہیں ہے۔ اس ناقابلِ یقین واقعے نے میرے حواس چھین لئے تھے اور میں بس ایک تماشائی کی طرح یہ سب کچھ دیکھ رہا تھا۔ کچھ ہی لمحوں کے بعد میرے ہاتھوں میں ہتھکڑی ڈال دی گئی۔

''آلۂ قتل تلاش کرو۔''

''یہ چھرا یہاں پڑا ہوا ہے صاب!''

ایک اور پولیس والے نے بتایا۔

''اوئے سنبھال کر، ہاتھ مت ڈال دینا اس پر، کاغذ میں پکڑ کر اٹھاؤ۔''

پولیس اپنی کارروائی کرنے لگی۔ مجھ سے ابھی تک کوئی سوال نہیں کیا گیا تھا البتہ میرے

ہاتھوں میں ہتھکڑیاں پڑی ہوئی تھیں اور میں حیرت سے گنگ تھا۔ ان لوگوں نے میرے لباس سے تمام چیزیں نکال لی تھیں جن میں میرا موبائل فون بھی تھا پھر اس کے بعد ایس آئی نے کہا۔ ''چلو بھئی گل خان! ایس ایچ او صاحب کو خبر دو، بتا دو انہیں، قتل ہو گیا ہے، اسے باہر نکالو۔''

وہ لوگ مجھے گھسیٹتے ہوئے دروازے سے باہر لائے اور پھر راہداری سے گزار کر مجھے صحن تک لے جایا گیا۔ قیصر خان کی گاڑی یہاں سے کچھ فاصلے پر تھی اور مجھے نظر نہیں آرہی تھی لیکن کچھ ہی لمحوں کے بعد قیصر خان گیٹ سے نظر آیا۔ ظاہر ہے پولیس گیٹ سے ہی اندر آئی ہوگی اور قیصر خان کو تعجب ہوا ہوگا پھر شاید اس نے مجھے خون میں ڈوبا ہوا اور ہتھکڑیاں لگے ہوئے دیکھ لیا۔

دوسرے لمحے وہ دروازے دھڑ دھڑاتا ہوا اندر آ گیا۔

دو تین پولیس والے اس کی جانب لپکے۔

''اوئے پکڑو پکڑو اس کو، دیکھو واردات کرنے آیا ہے، پکڑ لو اس کو!''

وہ لوگ قیصر خان کی طرف لپکے تو قیصر خان اچھل کر پیچھے ہٹ گیا اور اس کے بعد اس نے میری طرف چھلانگ لگا دی۔

''اوئے پکڑو، اوئے بچاؤ اس کو۔'' پولیس والے سمجھے کہ قیصر خان مجھ پر حملہ کرنے آرہا ہے۔

قیصر خان نے چیخ کر کہا۔ ''کیا بات ہے، کیا ہو گیا صاب! کیا ہو گیا، میرے کو بتاؤ؟''

پولیس والوں نے قیصر خان کو دونوں طرف سے بازوؤں سے پکڑ لیا تو قیصر خان غرا کر بولا۔

''اوئے دیکھو تم قانون کی وردی میں ہو اس لئے میں تمہارے کو کچھ نہیں بولتا، میرے کو ہمارے مالک سے بات کرنے دو، میں تم کو آخری بار بولتا ہے، میرا کھوپڑی مت گھماؤ۔''

قیصر خان نے کچھ اس طرح کہا کہ ان لوگوں کے انداز میں تھوڑی جھجک پیدا ہو گئی۔ قیصر خان بولا۔

''صاب! آپ ٹھیک ہو؟''

''ہاں قیصر خان...... میں جن خاتون سے ملنے آیا تھا، انہیں قتل کر دیا گیا ہے، یہ خون ان کا ہے، میں زخمی نہیں ہوا، میرے خلاف سازش ہوئی ہے، پہلے مجھے بلایا گیا ہے اور اس کے بعد یہ سب کچھ ہوا ہے۔''

''صاب! میرے کو بولو میں کیا کرے؟''

''ابھی باہر رکو، دیکھو یہ لوگ کیا کرتے ہیں، اگر یہ لوگ مجھے تھانے لے جائیں تو تم میرا

پیچھا کرنا اور اس کے بعد گھر جا کر خبر کرنا۔"
قیصر خان نے اپنا بازو پکڑے کانسٹیبلوں کو دیکھا اور بولا۔ "میرے کو چھوڑ دو۔"
"ایسے نہیں، تم ایک قاتل کے ساتھی ہو، پہلے تمہیں تھانے لے جایا جائیگا، تمہارا بیان لیا جائے گا اس کے بعد دیکھیں گے کہ تمہیں چھوڑا جا سکتا ہے یا نہیں، تمہارے پاس موبائل فون ہے؟"
"نہیں، میرے پاس کچھ نہیں ہے۔"
"تلاشی دینا ہوگی اس لئے کہ تم ایک قاتل کے ساتھی ہو، کوئی بھی واردات کر سکتے ہو۔"
"لے لو تلاشی، میں تمہارے کو بولا میرے پاس موبائل فون نہیں ہے۔" قیصر خان کی غراہٹ ابھری۔
واقعی اگر یہ پولیس والوں کے بجائے عام لوگ ہوتے تو قیصر خان ان سے بھڑ جاتا۔
بہرحال پولیس کی ایک اور گاڑی آ گئی۔ قیصر خان کو بھی ایک طرف بٹھا دیا گیا تھا، اس گاڑی سے ایس ایچ او اترا اور ایس آئی سے معلومات حاصل کرنے لگا پھر فوٹو گرافر وغیرہ اندر چلے گئے۔ ایس ایچ او نے مجھے تھانے لے جانے کے لئے کہا۔ پولیس والے قیصر خان کو بھی پکڑ کر باہر لائے تو قیصر خان نے کہا۔ "میرا گاڑی ادھر کھڑا ہے، میرے کو میرا گاڑی میں لے چلو۔"
"کونسا گاڑی ہے تمہارا؟" سب انسپکٹر نے پوچھا۔ قیصر خان نے گاڑی کی طرف اشارہ کر دیا۔
"یہ تمہاری گاڑی ہے؟"
"میرے مالک کا گاڑی ہے۔"
"ہوں، گاڑی بھی تھانے آ جائے گی، تم بے فکر رہو، چابی دے دو۔"
قیصر خان کے لباس سے چابی پہلے ہی نکال لی گئی تھی۔ ایک کانسٹیبل نے وہ چابی سامنے کی تو سب انسپکٹر بولا۔ "گاڑی لے کر تھانے آ جاؤ۔"
تھوڑی دیر کے بعد مجھے اور قیصر خان کو تھانے کے لاک اپ میں منتقل کر دیا گیا۔ میں آج تک خوف زدہ نہیں ہوا تھا لیکن اس وقت جو افتاد مجھ پر پڑی تھی، اس میں دلیری دکھانے سے کچھ نہیں ہو سکتا تھا۔ میرا لباس خون میں ڈوبا ہوا تھا اور مجھے مقتولہ کے ساتھ گرفتار کیا گیا تھا، خون آلود خنجر بھی موجود تھا۔ ابھی تک ہوش و حواس ساتھ نہیں دے رہے تھے لیکن اب ذرا وقت ملا تو میں نے موجودہ حالت پر غور کیا اور میرے بدن میں چیونٹیاں رینگنے لگیں۔ یہ صورتحال ایسی ہے کہ مجھے کوئی بھی نقصان پہنچ سکتا ہے۔ کچھ لمحوں کے لئے

ہوش و حواس نے ساتھ چھوڑ دیا تھا۔ قتل کے الزام میں گرفتار ہونا کوئی معمولی بات نہیں تھی، کم از کم ان حالات میں میری مدد کرنے والا کوئی بھی نہیں ہوگا۔ میں نے ایک نگاہ قیصر خان پر ڈالی۔ قیصر خان کا چہرہ غصے سے سرخ ہو رہا تھا، وہ انتہائی وفادار انسان تھا اور میں جانتا تھا کہ اس وقت اسے اس بات کا شدید رنج ہوگا کہ میں عام مجرموں کی طرح لاک اپ میں ننگی زمین پر بیٹھا ہوا ہوں۔
میری پرخیال نگاہیں کچھ دیر تک قیصر خان کا جائزہ لیتی رہیں۔ میں سوچ رہا تھا کہ مجھے کیا کرنا چاہئے۔ اس بات پر ذرہ برابر شک نہیں کیا جا سکتا تھا کہ مجھے ایک سازش کے تحت فون کر کے بلوایا گیا اور پھر جیسے ہی میں وہاں پہنچا، تاجور جہاں کو قتل کر دیا گیا اور اس کی لاش اس طرح کھڑی کر دی گئی کہ جیسے ہی میں دروازہ کھولوں، وہ میرے اوپر آ گرے اور میرا لباس خون آلود ہو جائے۔
یہی خون آلود لباس اس وقت بھی میرے جسم پر موجود تھا۔ چہرے وغیرہ پر بھی خون کے چھینٹے تھے اور ہاتھوں پر بھی خون جما ہوا تھا۔ میں نے بے بسی سے ادھر ادھر دیکھا۔ پانی کا کہیں نام و نشان نہیں تھا پھر میں نے اپنے آپ کو سنبھالا اور لاک اپ کے دروازے پر آ کھڑا ہوا۔ باہر سنتری آ جا رہے تھے، میں نے دروازے سے آواز دی۔ "سنو میری بات سنو۔"
سنتری میرے قریب آ گیا اور بولا۔ "کیا بات ہے؟"
"میرا حلیہ دیکھ رہے ہو، میرے ہاتھوں اور چہرے پر خون جما ہوا ہے، میں یہ خون صاف کرنا چاہتا ہوں، مجھے ایک جگ میں پانی دے دو یا پھر یہاں سے نکال کر کہیں غسل خانے میں لے چلو۔"
"صاب! ایس ایچ او صاب کسی سے بات کر رہے ہیں، تھوڑا ٹائم لگے گا۔"
"ایس ایچ او صاحب سے کہو کہ میں کوئی سڑک کا آدمی نہیں ہوں، ارب پتی ہوں، انہیں میرے ساتھ یہ سلوک کرنے پر بھگتنا پڑے گا۔"
کانسٹیبل پر شاید میرے ارب پتی ہونے کا اثر ہوا تھا۔ وہ وہاں سے چلا گیا، کوئی دس منٹ کے بعد ہی وہ سب انسپکٹر میرے پاس آیا جس نے مجھے گرفتار کیا تھا۔ لاک اپ کا دروازہ کھلوا کر وہ مجھے باہر آنے کا اشارہ کرنے لگا۔ میں باہر آیا تو اس نے مجھے بازو سے پکڑ لیا اور بولا۔ "کوئی حرکت مت کرنا، یہ تھانہ ہے، سوائے اس کے اور کچھ نہیں ہوگا کہ تمہاری ٹانگوں میں گولیاں مار دی جائیں گی۔"
میں نے کوئی جواب نہیں دیا۔ سب انسپکٹر مجھے لئے ہوئے ایک بڑے سے کمرے میں

پہنچا۔ یہاں ایس ایچ او وغیرہ بھی موجود تھے لیکن یہ ایس ایچ او کا آفس نہیں تھا۔ ایس ایچ او
نے مجھے غور سے دیکھا اور پھر دو آدمیوں کو اشارہ کیا، ان کے پاس کیمرے تھے، انہوں نے
میری تصویریں بنائیں پھر ایس ایچ او نے کہا۔ ''وہ غسل خانہ ہے، جا کر منہ، ہاتھ وغیرہ دھو
لو۔''

میں خاموشی سے غسل خانے کی جانب بڑھ گیا۔ منہ ہاتھ دھو کر میں باہر آیا تو ایس ایچ او
نے نرم لہجے میں کہا۔ ''بیٹھو...... چائے پیو گے؟''

''نہیں شکریہ۔''

''وہ لینڈ کروز تمہاری ہے؟''

''جی ایس ایچ او صاحب! میں آپ سے اپنا تعارف کرانا چاہتا ہوں۔''

''ہاں بتاؤ۔''

''میرا نام شہاب احمد ہے، اس سے پہلے میں بحرین میں رہتا تھا، اپنے خاندان کے
ساتھ اب میں یہاں منتقل ہو چکا ہوں، مجھے جس عالم میں گرفتار کیا گیا ہے، وہ میرے خلاف
ایک سازش ہے، جس کی تفصیل آپ کو بعد میں معلوم ہو جائے گی، فی الحال میں چاہتا ہوں
کہ آپ میرے ساتھ اتنا تعاون ضرور کریں کہ مجھے یہ لباس وغیرہ تبدیل کرنے میں مدد
دیں۔''

''دیکھو ہمیں ایک نامعلوم فون موصول ہوا تھا، جس میں ہمیں اطلاع دی گئی تھی کہ فلاں
بلڈنگ کے فلاں فلیٹ میں کسی کے قتل ہونے کے امکانات ہیں، فوراً ریڈ کیا جائے ورنہ ایک
بے گناہ عورت قتل کر دی جائے گی اور جب ہم وہاں پہنچے میرا مطلب ہے میرا سب انسپکٹر تو
وہاں قتل ہو چکا تھا اور تم لاش کے پاس موجود تھے۔

''جی انسپکٹر صاحب! ظاہر بات ہے اس کے بعد میری گرفتاری کے سوا چارۂ کار نہیں تھا،
یہ ایک گہری سازش ہے اور مجھے اس میں ملوث کیا گیا ہے، یہ سب کچھ تو تفتیش کے بعد معلوم
ہو جائے گا کہ جو کچھ میں کہہ رہا ہوں، وہ سچ ہے یا غلط...... فی الحال آپ میرے ساتھ ایک
تعاون کیجئے، میرے وکیل ہیں ظاہر حسین صاحب، ان کا پتہ اور ٹیلیفون نمبر میں آپ کو دیئے
دیتا ہوں اس کے علاوہ میرے ایک دوست انسپکٹر ہیں، جن کا نام نادر خان ہے، میں چاہتا
ہوں کہ آپ انہیں اس واقعے کی اطلاع دے دیں، میرے خلاف آپ جو بھی کارروائی
کریں، وہ آپ کا قانونی حق ہے لیکن اگر اتنا تعاون آپ کریں تو میں آپ کا شکرگزار ہوں
گا۔''

انسپکٹر نے کچھ لمحے سوچا پھر بولا۔

''آپ کے گھر کا کوئی ٹیلیفون نمبر وغیرہ ہے؟''

''بے شک ہے لیکن ابھی میں گھر اطلاع نہیں دینا چاہتا، پہلے آپ ان دو افراد کو میرے
ے میں ضرور بتا دیجئے۔''

''ٹھیک ہے، نمبر بتاؤ، میں ابھی فون کرائے دیتا ہوں۔''

''اس کے علاوہ انسپکٹر صاحب! بلکہ رہنے دیجئے یہ لوگ آ جائیں گے تو میرے دوسرے
ہاں کا بھی بندوبست ہو جائے گا۔''

''میں اسی لئے کہہ رہا تھا کہ تم اپنے گھر کا نمبر بتا دو، تمہارے کپڑے وغیرہ منگوا لوں،
ہی تمہیں لاک اپ میں رہنا پڑے گا، ایک لمبا عرصہ تمہیں یہاں گزارنا ہے۔''

''جو کچھ بھی ہو گا، ابھی آپ میرے گھر کا پتہ نہ لیں، ان دو افراد کو اطلاع دے دیں تو
ہرا کام بن جائے گا۔''

''ٹھیک ہے اور کوئی خاص بات!''

''نہیں بس آپ یہ اطلاع دے دیں۔''

''ٹھیک ہے، کسی چیز کی ضرورت ہو تو بتا دینا۔'' انسپکٹر نے کہا اور مجھے واپس لاک اپ
ل منتقل کر دیا گیا۔

لاک اپ میں قیصر خان کسی بھوکے چیتے کی طرح ٹہل رہا تھا۔ اس نے مجھے غور سے
یکھا اور جب سنتریوں نے باہر تالا لگا دیا تو وہ بولا۔

صاب! کوئی بدتمیزی تو نہیں کیا ان لوگوں نے؟''

''نہیں قیصر خان! اچھے ہیں، میرے ساتھ بڑی مہربانی کی ہے انہوں نے۔''

''شکر خدایا، صاب! اگر وہ آپ پر کوئی تشدد کرتے تو خدا کا قسم قیصر خان پر زندگی حرام
و جاتا۔''

''قیصر خان! مجھے قتل کے الزام میں گرفتار کیا گیا ہے، حالات بے شک ایسے تھے کہ
لیس مجھے قاتل ہی سمجھ سکتی تھی لیکن میرے خلاف یہ سازش کی گئی ہے البتہ میں نے ایک
یصلہ کیا ہے، ابھی تک میں نے قتل نہیں کیا لیکن ایک قتل مجھے ضرور کرنا ہے۔''

قیصر خان نے چونک کر مجھے دیکھا مگر میں نے اس سے آگے کوئی بات نہیں کی۔

''ایک بات میں آپ کو بولوں صاب! ہم پٹھان لوگ بہت وفادار ہوتا ہے جس کا نمک
کھا لیا، آپ سمجھ لو زندگی اس کے سامنے کوئی حیثیت نہیں رکھتا، آپ جس کا قتل کرنا چاہتے ہو
ا صاب! میرے کو بتانا، میں نے آپ کو کبھی کوئی قسم نہیں دیا لیکن میں آپ کو آپ کی ماں کا
قسم دیتا ہوں، جس کو قتل کرنا ہے، میرے کو بتانا، وہ اس دنیا میں نہیں رہے گا، میں نے آپ

کو بول دیا ہے۔"

"شکریہ قیصر خان!" میں نے متاثر ہو کر کہا۔ قیصر خان کے جذبوں کا میں پہلے بھی دل سے قائل تھا اور اب مزید وہ میرے لئے بہت بڑی حیثیت اختیار کر گیا تھا۔

تقریباً دو گھنٹے کے بعد پھر مجھے لاک اپ سے نکالا گیا اور اس بار مجھے ایس ایچ او کے کمرے میں لے جایا گیا۔ یہاں نادر خان بھی موجود تھا اور ظاہر حسین بھی...... دونوں بے تابی سے کھڑے ہو گئے۔ نادر خان میرے قریب پہنچا اور بولا۔ "تم زخمی ہو شہاب......؟"

"نہیں یہ اس مقتولہ کا خون ہے، جسے میں نے قتل نہیں کیا بلکہ مجھے سازش کے تحت وہاں بلایا گیا تھا۔"

"تھوڑی سی تفصیل بتاؤ شہاب!" ظاہر حسین نے کہا۔ ایس ایچ او نے کسی بات پر کوئی اعتراض نہیں کیا تھا۔

ظاہر حسین اور نادر خان یقیناً اس کے شناسا تھے۔ میں نے مختصر الفاظ میں ان دونوں کو تفصیل بتا دی اور ظاہر حسین گہری سوچ میں ڈوب گئے۔

نادر خان نے افسوس بھرے انداز میں مجھے دیکھا پھر بولا۔ "میں نے کہا تھا شہاب! بہت زیادہ محتاط رہو، تم پر قاتلانہ حملہ بھی ہو چکا ہے اور میں نے تم سے درخواست کی تھی کہ مجھے تمام صورتحال سے آگاہ رکھا کرو، اگر تم وہاں جانے سے پہلے مجھے اطلاع دے دیتے کہ اس طرح تاجور جہاں نے تمہیں بلایا ہے تو میں تمہیں کوئی صحیح مشورہ دیتا۔"

میں نے خجل نگاہوں سے نادر خان کو دیکھا اور کہا۔ "ہاں میں حد سے آگے بڑھ گیا تھا نادر خان! مجھے اپنی غلطی کا اعتراف ہے۔"

ظاہر حسین اس دوران ایس ایچ او سے باتیں کرتے رہے تھے۔ ایس ایچ او نے پوری تفصیل بتا دی اور غالباً کچھ اور باتیں بھی ہوئیں، جس کے نتیجے میں ایس ایچ او نے کہا۔

"آپ وکیل ہیں ظاہر صاحب! ہم نے انہیں رنگے ہاتھوں پکڑا ہے، ضمانت کیسے ہو سکتی ہے، آپ خود سوچئے لیکن آپ ایک بات کا اطمینان رکھئے گا، پرسوں میں ان کا چالان عدالت میں پیش کر دوں گا، اس کا انتظام میں پہلے ہی کئے دیتا ہوں، آپ تیار رہئے گا، اگر عدالت سے ان کی ضمانت ہو سکے تو میں کوئی رکاوٹ نہیں ڈالوں گا بلکہ آپ سے تعاون کروں گا۔"

ظاہر حسین نے ہونٹ بھینچ کر گردن ہلائی تھی پھر انہوں نے کہا۔ "ویسے قیصر خان کو لاک اپ میں رکھنے کا کوئی جواز نہیں ہے۔"

"میں اسے رہائی دے سکتا ہوں، اس کا بیان لے لوں۔" ایس ایچ او نے کہا۔

اس کے بعد قیصر خان کو بھی آفس بلا لیا گیا۔ وہاں اس سے معلومات حاصل کی گئیں تو قیصر خان نے کہا۔ "میرے کو صرف ایک بات معلوم ہے کہ میرے مالک شہاب کسی انسان کو قتل نہیں کر سکتے، ان پر یہ جھوٹا الزام ہے، ہم لوگ اس طرف گیا تھا، میں باہر تھا اور صاب اندر گیا تھا اور اس کے بعد جب میں نے پولیس کو اندر داخل ہوتے ہوئے دیکھا تو میں ادھر گیا، باقی میرے کو کچھ نہیں معلوم۔"

"ٹھیک ہے آپ قیصر خان کو لے جا سکتے ہیں۔"

"کدھر......؟" قیصر خان نے غرا کر کہا۔

"قیصر خان تمہاری ضمانت ہو جائے گی لیکن شہاب کو ابھی لاک اپ میں رہنا پڑے گا۔"

"لعنت بھیجتا ہے صاب! ضمانت شمانت پر، میں اپنے صاب کے پاس رہے گا۔"

"نہیں قیصر خان! تمہیں جانا ہوگا، تم چلے جاؤ لیکن ایک بات کا خیال رکھنا گھر میں کسی کو ایک لفظ بھی معلوم نہ ہونے پائے، وہ لوگ تم سے پوچھیں کہ میں کہاں ہوں تو تم انہیں بتاؤ گے کہ میں کسی کام سے ایک جگہ رک گیا ہوں اور میں نے تم سے یہ کہا ہے کہ تم واپس جاؤ، جو میں کہہ رہا ہوں، وہ کرو قیصر خان!"

قیصر خان مجھے دیکھتا رہا اور پھر اس نے گردن جھکا دی تھی۔ نادر خان نے ایس ایچ او سے کہا۔

"میں ان کے لئے دوسرا لباس پہنچائے دیتا ہوں، ویسے بھی یہ لباس آپ کو اپنی تحویل میں رکھنا ہوگا۔"

"شکریہ نادر خان! آپ خود جانتے ہیں، ویسے آپ بے فکر رہیں، انہیں یہاں کوئی تکلیف نہیں ہوگی۔" ایس ایچ او نے کہا۔ اب اس کا انداز بدل گیا تھا۔

نادر خان نے میرے لئے بہت سے انتظامات کئے۔ ظاہر حسین بھی کافی دیر تک یہاں رکے اور اس کے بعد جب مجھے لاک اپ میں بھیج دیا گیا تو وہ لاک اپ میں بھی دروازے کے پاس آئے اور انہوں نے کہا۔ "تھوڑی سی غلطی ہو گئی ہے شہاب! ہم جن حالات سے گزر رہے تھے، اس میں تو ہمارا ایک ایک قدم محتاط ہونا چاہئے تھا لیکن تم ذرا سی جلد بازی کر گئے خیر بھرپور کوشش کی جائے گی کہ تمہیں جلد سے جلد ضمانت پر رہا کرا لیا جائے اور اس کے بعد ہم دیکھیں گے کہ ہمیں کیا کرنا ہے، حوصلہ مت ہارنا، تمہاری جنگ چل رہی ہے۔"

"اور مجھے یہ جنگ جیتنی ہے ظاہر حسین صاحب!"

"ہاں اب کوئی ایسا غلط قدم نہ اٹھانا جو تمہیں مزید کوئی نقصان پہنچا دے، میں ایس ایچ او کے آفس جا کر قیصر خان کو لے جانے کے لئے کاغذات کی خانہ پُری کئے دیتا ہوں، فکر مند

نہ ہونا، اللہ تعالیٰ بہتر کرے گا۔"

قیصر خان تھوڑی دیر کے بعد لاک اپ کے دروازے پر آیا۔ اس کی آنکھیں ڈبڈبائی ہوئی تھیں۔ اس نے کہا۔ "صاب! آپ حوصلہ مت ہارنا، میں مرشد کے پاس جا کر ان سے بات کروں گا آپ کے لئے، سب کچھ ٹھیک ہو جائے گا۔"

میں نے گردن ہلا دی۔ نادر خان نے مجھے لباس بھجوا دیا تھا اور یہاں لوگوں کا رویہ میرے ساتھ یکدم تبدیل ہو گیا تھا لیکن یہ کافی نہیں تھا۔ اس بار ایک کاری وار کیا گیا تھا۔ دیکھنا یہ تھا کہ اب کون کس طرح میری مدد کرتا ہے۔

❁

میں بحرین میں پیدا ہوا تھا، وہیں پلا بڑھا تھا، پاکستان کے علاوہ دنیا کے بہت سے ممالک دیکھے تھے، اپنا وطن دیکھنے کی آرزو ہم دونوں بھائیوں کے دل میں شدید تر تھی لیکن پاپا پاکستان آنے سے ہمیشہ منع کرتے رہے۔ پاکستان آنے سے انہوں نے صحیح منع کیا تھا، جس طرح کی بھی تھیں، دشمنیاں تو تھیں یہاں اور انہیں کے نتیجے میں اس وقت میں سلاخوں کے پیچھے تھا، بھائی جان کا ہم سے ناتا ٹوٹ گیا تھا، دانیہ دوبارہ مشکل میں پڑ چکی تھی۔ یہ سب یہاں آ کر ہی ہوا تھا ورنہ بحرین میں ہمیں کوئی تکلیف، کوئی پریشانی نہیں تھی، ہاں اگر یہاں مجھے کچھ ملا تھا تو وہ ارجمند تھی۔

ارجمند کے خیال سے دل ایک دم دھک سے ہو گیا۔ جب ارجمند کو علم ہو گا کہ میں قتل کے الزام میں پکڑا گیا ہوں اور سلاخوں کے پیچھے ہوں تو اس پر کیا بیتے گی؟ اتنا تو مجھے یقین تھا کہ وہ مجھے قاتل کبھی نہیں سمجھے گی۔ قتل کرنے والے کچھ اور ہی لوگ ہوتے ہیں، ہم جیسے لوگ تو قتل ہونے والوں میں سے ہوتے ہیں لیکن وہ کس قدر دکھی ہو جائے گی۔ آہ! کوئی ایسی ترکیب ہو کہ کسی کو مجھ پر پڑنے والی اس افتاد کا کوئی پتہ نہ چلے۔

سورج ڈوب گیا، رات ہو گئی۔ لاک اپ میں مجھے ایک گدا، ایک کھیس اور تکیہ بھجوایا گیا۔ یہاں آنے والوں کو یہ سہولت میسر نہیں تھی۔ یہ بات مجھے سنتری نے بتائی تھی۔ اس نے کہا تھا۔ "صاب! یہ سامان لے لو، آپ کا کھانا آ رہا ہے، آرام سے بستر بچھا کر لیٹ جاؤ، ہمیں ادھر کام کرتے ہوئے چھ سال ہو گئے، آج تک کبھی کسی کے لئے اتنا آرام نہیں مہیا کیا گیا، آپ قسمت والے ہو صاب......!" میں نے اس بات کا کوئی جواب نہیں دیا تھا۔

میں نے بستر بچھا لیا تھا لیکن نیند کا آنکھوں میں نام و نشان نہیں تھا۔ میں دیوار سے ٹیک لگائے بیٹھا سلاخوں سے باہر گھور رہا تھا، نجانے کیسے کیسے خیالات دل میں آ رہے تھے۔ اچانک ہی مجھے لاک اپ کے باہر ایک دھندلا سا سایہ نظر آیا، جو آہستہ آہستہ واضح ہوتا چلا گیا اور جب وہ سلاخوں کے قریب پہنچا تو میں حیرت سے اچھل کر کھڑا ہو گیا، وہ سیفونہ یا بدلے ہوئے روپ والی سنیرا تھی، جو اس وقت بھی بہت خوبصورت لگ رہی تھی۔ اس نے

ایک حسین لباس پہنا ہوا تھا اور اس کے چہرے پر بے پناہ ملاحت نظر آ رہی تھی۔ اس نے دونوں ہاتھوں سے سلاخیں پکڑیں اور پھر اس کے منہ سے ''شی شی'' کی آواز نکلی۔ میں اپنی جگہ سے اٹھا اور اس کے قریب پہنچ گیا۔

''سیفونہ تم......؟''

''سیفونہ نہیں، سیرا۔'' وہ نغمہ بار آواز میں بولی۔

''اور اگر میں تمہیں سیدھا سیدھا گورنی کہوں تو کیا غلط ہو گا؟'' میں نے کہا۔

''تمہارا جو دل چاہے کہہ لینا، یہ بتاؤ چلنا ہے باہر؟'' وہ بولی۔

''کیا مطلب؟''

''آ جاؤ، میرا ہاتھ پکڑو اور باہر نکل آؤ، کسی کے فرشتے بھی تمہیں تلاش نہیں کر سکیں گے، یہ پولیس والے تمہارے قریب سے گزر جائیں گے لیکن سوچ بھی نہیں سکیں گے کہ یہ تم ہو۔''

''وہ کیسے......؟'' میں نے کہا۔

''تجربہ کر لو، میرا ہاتھ پکڑو اور باہر نکل آؤ۔''

''کہاں لے جاؤ گی تم مجھے سیفونہ؟''

''اپنی نگری میں، اپنے گھر جہاں تم شہزادوں کی طرح زندگی بسر کرو گے، تمہیں میرا گھر تو یاد ہو گا، تم وہاں ارشام کے داماد کی حیثیت سے رہو گے، سارے شہر کی پولیس کو بلا لینا کوئی تمہاری طرف شک کی نگاہ سے بھی نہیں دیکھ سکے گا، جو کہہ رہی ہوں، وہی ہو گا، اس میں تبدیلی ہو تو جو سزا چاہو دے لینا۔''

''گورنی! میری بات سنو۔''

''مجھے گورنی مت کہو، کچھ حقیقتیں ایسی ہوتی ہیں، جنہیں منظر عام پر لانا ضروری ہوتا ہے، میں دھوکا دے کر تم سے شادی نہیں کر سکتی کیونکہ اس طرح مجھے میرا مقصد نہیں حاصل ہوتا، سیفونہ کی لاش آج بھی تابوت میں محفوظ ہے، جب تم مجھے اپنی بیوی تسلیم کر لو گے اور ہمارے طریقوں کے مطابق مجھ سے شادی کر لو گے تو سیفونہ اٹھ کھڑی ہو گی اور مجھے اس کے وجود میں سکون مل جائے گا، میں تمہیں کبھی مجبور نہ کرتی، مجھے صرف اپنی بیٹی کی زندگی درکار ہے، وہ تم مجھے دے دو پھر دیکھنا تمہیں کیا زندگی مل جاتی ہے۔''

''اور اگر میں اس سے انکار کر دوں؟''

''تو یقین کرو تمہیں پھانسی کے پھندے تک جانا ہو گا، تم اپنی ماں اور اپنے بہن، بھائی کے دل پر ایسا داغ چھوڑ جاؤ گے کہ وہ جی سکیں گے نہ مر سکیں گے، بالکل میری طرح، جیسے میں اپنی بیٹی کے غم کا شکار رہتی ہوں۔''

میں گورنی کی باتیں سن رہا تھا۔ وہ واقعہ بالکل اتفاقیہ ہوا تھا، جس میں سیفونہ حادثے کا شکار ہو گئی تھی، میں نے جان بوجھ کر ایسا نہیں کیا تھا، سیفونہ نے اگر مجھے پسند کر لیا تھا تو اس میں میرا کیا قصور تھا، سیفونہ اگر بلی بن کر اس طرح میرے راستے میں نہ آتی تو مجھے کیا پڑی تھی کہ میں اسے کوئی نقصان پہنچانے کی کوشش کرتا، میری اس سے کوئی غرض ہی نہیں تھی اور اب مجھے ایک ایسے کام کے لئے مجبور کیا جا رہا تھا، جس کا میں تصور بھی نہیں کر سکتا تھا۔

گورنی نے مجھے خاموش دیکھ کر پھر کہا۔ ''بولو، آتے ہو؟''

''تالا تو کھولو۔'' میں نے کہا۔

وہ ایک دم خوش ہو گئی پھر بولی۔ ''تالا کھولنے کی ضرورت نہیں ہے، لو میرے ہاتھ پکڑو، یہ سلاخیں تمہارا راستہ نہیں روک سکیں گی۔'' یہ کہہ کر اس نے اپنے دونوں ہاتھ سلاخوں کے اندر ڈال دیئے۔ میں اپنے منصوبے کے تحت آگے بڑھا اور اچانک ہی میں نے اس کے دونوں ہاتھ پکڑ کر پوری قوت سے اسے اپنی جانب کھینچا۔ میں نے اتنی طاقت سے اسے اندر کھینچا تھا کہ اس کا جسم اور سر بری طرح سلاخوں سے ٹکرایا لیکن جو ردِعمل ہوا، اس کی مجھے توقع نہیں تھی۔

اچانک ہی اس کا سلاخوں سے ٹکرانے والا سر پیچھے کی جانب مڑا اور پھر کھوپڑی اس کے جسم سے الگ ہو کوئی چار فٹ کے فاصلے پر جا گری۔ اس کا بے گردن کا جسم سلاخوں سے لگا ہوا تھا اور اس کے ہاتھ میرے ہاتھوں میں تھے۔ میں نے پوری قوت سے انہیں پیچھے کی جانب دھکیلا۔

اس کا جسم خاصی دور جا کر گرا۔ مجھے اپنے اس عمل سے خوشی ہوئی تھی۔ گورنی کو نقصان پہنچا کر مجھے یوں لگتا تھا، جیسے میں تائی جان سے انتقام لے رہا ہوں۔ وہ کچھ لمحے تک بے حس و حرکت پڑی رہی، اس کے بعد اس نے کروٹ بدلی اور تھوڑا سا کھسک کر اس نے اپنی کھوپڑی اپنے ہاتھوں میں لے لی اور اٹھ کر بیٹھ گئی پھر اس نے کھوپڑی کو اپنے دھڑ پر جمایا اور اسے درست کرنے لگی۔

جب اس کا رخ بالکل سامنے کی سمت ہو گیا تو اس نے آنکھیں اٹھا کر مجھے دیکھا۔ آنکھیں سرخ ہو رہی تھیں اور اس کے دانت خوفناک انداز میں بھنچے ہوئے تھے۔ دیکھتے ہی دیکھتے اس کی شکل میں تبدیلی رونما ہوئی اور میرے سامنے مکروہ شکل والی گورنی آ گئی۔ اس نے دانت پیستے ہوئے مجھے دیکھا، نفرت بھرے انداز میں سر ہلایا اور اس کے بعد واپسی کے لئے مڑ گئی۔

چند لمحوں کے بعد وہ نگاہوں سے اوجھل ہو گئی۔ میرے ذہن میں تھا کہ شاید پہرہ دینے

والے سنتریوں میں سے کسی کو یہاں ہونے والی اس دھما چوکڑی کا علم ہو گیا ہو گا اور کوئی آنے ہی والا ہو گا لیکن ماحول بالکل سنسان رہا۔

میں واپس آ کر اپنے بستر پر بیٹھ گیا اور پھر میرے خیالات کی رو چل پڑی۔ شکر تھا کہ میں جذباتی نہیں ہوا تھا، اگر میں یہاں سے باہر نکلنے کے لئے اس وقت گورنی کی پیشکش قبول کر لیتا تو یقیناً پوری طرح اس کے جال میں پھنس جاتا، پولیس مجھے ایک مفرور قاتل قرار دیتی اور گورنی صرف اس شرط پر مجھے پولیس سے بچاتی کہ میں اس سے شادی کر لوں۔ خدا کی پناہ کیسے کیسے ہتھکنڈے استعمال کئے جا رہے تھے۔ اس کے پیچھے پتہ نہیں گورنی کا دماغ چل رہا تھا یا پھر تائی جان کی عقل کارفرما تھی لیکن جو کچھ ہو رہا تھا، وہ سنسنی خیز بے شک تھا، پتہ نہیں آگے کیا ہونے والا تھا۔

دوسرے دن ساڑھے آٹھ بجے دو سنتریوں نے لاک اپ کا دروازہ کھولا اور مجھے باہر آنے کا اشارہ کیا میں سنتریوں کے ساتھ ایس ایچ او کے کمرے میں پہنچ گیا۔ ایس ایچ او اپنی سیٹ پر موجود نہیں تھا لیکن وہ ایس آئی، جس نے مجھے گرفتار کیا تھا، وہاں موجود تھا اس کے علاوہ تایا ابو اور نادر خان بھی تھے۔ نادر خان اس وقت انسپکٹر کی وردی میں تھا اور ہمیشہ کی طرح اسمارٹ نظر آ رہا تھا۔ ایس آئی نے کہا۔ ''سر میں چائے کے لئے کہتا ہوں۔''

''نہیں، تم باہر رکو، اگر ایس ایچ او صاحب آ جائیں تو انہیں اندر بھیج دینا، کسی اور کو اندر مت آنے دینا۔'' نادر خان نے کہا اور ایس آئی سلام کر کے واپس چلا گیا۔ تایا ابو عجیب سی نگاہوں سے مجھے دیکھ رہے تھے۔

''کیا ماما اور دانیہ وغیرہ کو بھی ان واقعات کی خبر ہو گئی؟''

''ہاں شہاب! لیکن اس کے ساتھ ہی میں نے انہیں مطمئن کر دیا ہے، بات اصل میں یہ ہے کہ ہمیں وقت اور حالات سے بھرپور جنگ کرنی ہے، ہر چیز کو ہمت کے ساتھ فیس کرنا ہو گا، میں نے آنٹی کو پوری طرح مطمئن کر دیا ہے اور ان سے وعدہ بھی کیا ہے کہ تمہارا بال بیکا نہیں ہونے دوں گا، پہلے تو میں نے تمہارے لئے اپنی وردی کی قربانی دینے کا فیصلہ کیا تھا، میری اس بات کو مذاق مت سمجھنا، اب میں تمہارے لئے زندگی بھی قربان کر دینے کے لئے تیار ہوں۔''

میں نے عقیدت بھری نگاہوں سے نادر خان کو دیکھا لیکن منہ سے کچھ نہیں کہا۔ تایا ابو کہنے لگے۔

''راستے میں میری نادر خان صاحب سے بات ہوئی تھی، میں نے ان سے یہ بات کہہ دی تھی کہ طاہرہ خانم وہ ناگن ہے، جو ڈستے ہوئے اپنوں اور غیروں کا کوئی خیال نہیں کرتی،

اس کا کمزور پہلو سائرہ ہے، اگر سرفراز انسان بن جائے تو طاہرہ خانم کو صرف سائرہ کے ذریعے زیر کیا جا سکتا ہے، کاش میرے پاس اس کا اور کوئی وسیلہ ہوتا۔'' نادر خان نے تایا ابو کا شانہ تھپتھپاتے ہوئے کہا۔

''آپ کے پاس آپ کا وسیلہ میں ہوں تایا ابو! ہمیں اللہ کی ذات پر بھروسہ کرنا چاہئے، میں آپ لوگوں کو کبھی تنہا نہیں چھوڑوں گا۔''

تایا ابو رونے لگے تو میں نے بھی انہیں تسلی دیتے ہوئے کہا۔ ''تایا ابو! آپ بے فکر رہیں، نادر خان اس دیس میں ہمارے لئے اللہ کی رحمت ہے لیکن آپ کو ماما اور دانیہ کو سنبھالنا ہے، اگر ان دونوں کو کوئی تکلیف پہنچی تو تایا ابو! میرے اعصاب میرا ساتھ چھوڑ جائیں گے۔''

''نہیں شہاب بیٹے! ایسا نہیں ہو گا، تم اطمینان رکھو۔''

''اچھا شہاب! اس سے پہلے کہ ایس ایچ او صاحب آ جائیں، تم مجھے بتاؤ کہ آخر یہ سب کیسے ہوا؟''

''بس مجھے تاجور جہاں کا فون موصول ہوا تھا، انہوں نے کہا کہ میں ان سے فوراً ملوں اور میں ان سے ملنے چلا گیا، انہوں نے مجھے اپنے گھر کا پتہ بتایا تھا، جب میں وہاں پہنچا تو ایک بدشکل سی ملازمہ نے دروازہ کھولا اور مجھے اندر جانے کا اشارہ کیا، میں اندر پہنچا، ملازمہ نے مجھے جس کمرے کے اندر جانے کے لئے کہا تھا، میں اس میں داخل ہوا تو اچانک ہی تاجور کی لاش میرے اوپر آ گری، شاید اسے کسی طرح دروازے سے ٹکا کر کھڑا کر دیا گیا تھا لیکن اسے چند ہی لمحے قبل قتل کیا گیا تھا، یہ ایک مسلّم امر ہے کیونکہ اس کے زخم سے خون کی پھواریں جاری تھیں، اس بہتے خون نے میرا لباس اور چہرہ بھگو دیا تھا۔''

''ملازمہ......!'' نادر خان کے حلق سے ایک خوفناک سی غراہٹ نکلی تھی اور میں اور تایا ابو چونک کر اسے دیکھنے لگے۔

''اس کا حلیہ دہراؤ گے؟'' نادر خان نے کہا اور میں نے پوری طرح ملازمہ کا حلیہ دہرا دیا۔

''تمہیں موبائل فون پر تاجور جہاں کی طرف سے جو کال کی گئی تھی، اس کا وقت بتا سکتے ہو؟''

''ہاں کیوں نہیں۔''

''موبائل کہاں ہے؟''

''اسی ایس آئی نے لے لیا تھا۔''

"ٹھیک ہے، موبائل سے وہ کال ٹریس ہو جائے گی، یہ کام میں کرلوں گا، جی تایا ابو! کیا حکم ہے آپ کا؟"

"میں سمجھا نہیں نادر خان! جیسا تم پسند کرو۔"

"آپ چاہیں تو میرے ساتھ یہاں بیٹھیں، میں آپ کو گھر تک چھوڑ دوں یا آپ فرمائیں تو میں آپ کے لئے ایک ٹیکسی منگوا دوں؟"

"کیوں آپ لوگ قیصر خان کے ساتھ نہیں آئے؟" میں نے سوال کیا۔

"وہ اس وقت زخمی شیر بنا ہوا ہے، میں اسے جان بوجھ کر ساتھ نہیں لایا، اگر میں کچھ نام اس کے سامنے لے دوں تو یقین کرو ایک نیا کیس بن جائے۔"

"آپ اسے قابو میں رکھیں، نادر خان صاحب اور تایا ابو آپ بھی۔"

"ہاں وہ بڑا وفادار انسان ہے، ویسے شہاب بیٹے! افشاں اور دانیہ کی طرف سے بے فکر رہو، میں انہیں سنبھالے رکھوں گا اور انہیں یہاں نہیں لاؤں گا۔"

پھر تایا ابو نے کھڑے ہو کر مجھے گلے لگایا۔ ان کی آنکھوں میں آنسو بھرے ہوئے تھے۔ انہوں نے آہستہ سے کہا۔ "اللہ تعالیٰ تمہیں ہر مشکل سے بچائے اور کیا کہوں بیٹا!" یہ کہہ کر وہ واپسی کے لئے مڑ گئے۔

ایس ایچ او ابھی تک نہیں آیا تھا۔ نادر خان نے کلائی پر بندھی ہوئی گھڑی میں وقت دیکھا پھر بولا۔ "ٹھیک ہے شہاب! ہمت کے ساتھ یہ تھوڑا سا وقت گزار لو، انشاء اللہ تعالیٰ میں تمہیں یہاں سے نکال لوں گا۔"

تھوڑی دیر کے بعد مجھے واپس لاک اپ میں پہنچا دیا گیا۔ دن گزر گیا۔ سوچوں کے سوا اور کیا تھا میرے پاس، سب لوگوں کا خیال آ رہا تھا، ظاہر ہے یہ خبر چھپی تو نہ رہی ہوگی۔ ارجمند، دادا ابو، نکہت آنٹی، سمن آراء بیگم پھر ادھر حرا، ماما دانیہ وغیرہ نجانے کیا سوچ رہے ہوں گے میرے بارے میں، البتہ اس بات کا مجھے یقین تھا کہ وہ مجھے مجرم نہیں سمجھ سکتے۔

رات کا خیال بھی تھا۔ پچھلی رات تو بڑی سنسنی خیز گزری تھی۔ گورنی اپنی گردن اٹھا کر باہر نکل گئی تھی۔ کمبخت کتنے گھناؤنے روپ کی مالک تھی، سیرا بن کر آئے یا سیفونہ بن کر..... رہے گی گورنی ہی، ایک مکروہ اور ناپاک وجود.....!

انہی سوچوں میں رات ہو گئی اور میں منتظر رہا کہ کچھ ہو۔ رات کے کسی پہر نیند آ گئی تھی اور پھر صبح کو ہی آنکھ کھلی۔ یہاں تمام لوگوں کا رویہ میرے ساتھ بہت اچھا تھا، ایس ایچ او براہِ راست میرے پاس آ کر مجھ سے میری ضرورتیں پوچھا کرتا تھا۔

تیسرے دن مجھے عدالت میں پیش کیا گیا اور جب میں کمرۂ عدالت میں داخل ہوا تو یہ

دیکھ کر حیران رہ گیا کہ سارا خاندان ہی امڈ آیا تھا۔ جہاں آراء بیگم، پھوپھا جمال الدین، نکہت آنٹی اور سمن آراء بیگم، دادا ابو اپنی بیماری کی وجہ سے نہیں آئے تھے۔ حرا، سلطانہ، تایا ابو، ماما، دانیہ، سرفراز بھائی، نکہت آراء بیگم اور سمن آراء بیگم کے ساتھ بیٹھے ہوئے تھے۔ ان کا چہرہ بدستور شرمندگی کا شکار نظر آ رہا تھا۔ سائرہ یا طاہرہ خانم موجود نہیں تھیں۔ جج صاحب کمرے میں آ کر بیٹھے تو ظاہر حسین اور نادر خان بھی آ گئے اور اس کے بعد میرے کیس کا آغاز ہو گیا۔

ظاہر حسین صاحب نے کہا۔ "جان والا! ہماری بدنصیبی ہے کہ ہمارے ہاں گندے علوم کے حامل افراد اپنے ناپاک علم سے انسانوں کو نقصان پہنچا دیا کرتے ہیں، ان کے سلسلے میں پتہ نہیں کیوں کوئی ایسا مؤثر قدم نہیں اُٹھایا گیا، جس سے ان عناصر کی سرکوبی ہو سکے، میرے مؤکل شہاب احمد بہت عرصے سے اپنی جائیداد کی وجہ سے ان گندے علوم کا شکار ہیں، انہی کے خاندان کے کچھ سرکردہ افراد گندے علوم کا سہارا لے کر انہیں نقصان پہنچانے کے درپے ہیں، یہی نہیں وہ ان کے خلاف سازشیں بھی کر رہے ہیں، اس بار بھی شہاب صاحب کے خلاف ایسی ہی سازش ہوئی ہے، کچھ عرصے پہلے ایک خاتون تاجور جہاں نے ان کے والد امتیاز احمد خان کی بیوہ ہونے کا دعویٰ کیا تھا لیکن خدا کا شکر ہے کہ ان کا وہ دعویٰ باطل قرار پا گیا کیونکہ انہوں نے جس نام اور جس انداز میں اپنے آپ کو پیش کیا تھا، وہ تھیں ہی نہیں اور ان کے بارے میں تمام ثبوت مل گئے تھے کہ وہ ایک اسٹیج آرٹسٹ تھیں، یہ وہی خاتون ہیں، جنہیں قتل کیا گیا ہے، انہیں جج صاحب کی ہدایت پر گرفتار کر لیا گیا تھا کیونکہ انہوں نے جھوٹا دعویٰ کیا تھا لیکن پھر ان کی فوری ضمانت ہو گئی، یہ باقاعدہ سازش چل رہی تھی، اسی سازش کے تحت تاجور جہاں بیگم نے موبائل فون پر شہاب صاحب کو کال کی اور ان سے کہا کہ وہ ایک ضروری بات انہیں بتانا چاہتی ہیں اور جب شہاب صاحب ان کے بتائے پتے پر پہنچے تو فوراً ہی تاجور بیگم کے گلے پر چھری پھیر کر انہیں ہلاک کر دیا گیا اور الزام شہاب صاحب پر آ گیا۔"

وکیل صفائی نے کھڑے ہو کر کہا۔ "مقتول تاجور جہاں اس وقت ہلاک ہوئیں، جب شہاب وہاں داخل ہوئے تھے اور شہاب کو پولیس نے رنگے ہاتھوں پکڑا۔"

"وکیل موصوف نے بالکل ٹھیک کہا، ایسا ہی ہوا لیکن چند شواہد ایسے ہیں، جو قابل غور ہیں مثلاً جیسے شہاب نے تاجور جہاں کی گردن پر چھری پھیری فوراً ہی پولیس پیچھے سے پہنچ گئی، یہاں کمرۂ عدالت میں ایس ایچ او صاحب موجود ہیں، ان سے پوچھئے کہ انہیں اس قتل کی اطلاع کس نے دی؟"

"ایس ایچ او نے بیان دیا کہ ایک گمنام کال انہیں موصول ہوئی تھی جس میں کہا گیا تھا کہ فلاں عمارت کے فلیٹ نمبر فلاں میں ایک خاتون کا قتل کر دیا گیا ہے، قاتل ابھی وہیں موجود ہے، پولیس فوراً پہنچے، ایس ایچ او صاحب کو جس وقت تک اطلاع دی گئی، اس وقت تک قتل نہیں ہوا تھا۔

ظاہر حسین نے آگے کی کارروائی جاری رکھتے ہوئے مزید کہا۔ "یہ ساری منصوبہ بندی تھی جناب کہ جیسے ہی ایس ایچ او صاحب وہاں پہنچیں، تاجور جہاں کا قتل کر دیا جائے ورنہ آپ خود سوچیے کہ ایس ایچ او صاحب کو تھانے سے وہاں تک پہنچنے میں کتنا وقت لگا ہوگا، پوسٹ مارٹم رپورٹ میں موت کا وقت بھی درج ہے اور ایس ایچ او صاحب کو جب فون موصول ہوا، وہ وقت بھی ایس ایچ او صاحب کے ریکارڈ میں موجود ہے۔"

پوسٹ مارٹم رپورٹ عدالت میں پیش کی گئی۔ جج صاحب نے اس پر نگاہ ڈالنے کے بعد کیس کی کارروائی کو آگے بڑھانے کی ہدایت کی۔

"میں موبائل کمپنی کے جدید ترین سسٹم پر وہ کال بھی پیش کرتا ہوں، جو شہاب صاحب کو کی گئی۔"

ظاہر حسین نے نادر خان کی تمام تر کارروائی کو سامنے لاتے ہوئے کہا۔ اس جدید ترین سسٹم پر اس کال کا ریکارڈ موجود تھا، جو عدالت نے سنا۔ جج صاحب اس کیس میں پوری پوری دلچسپی لے رہے تھے۔

"اور آخر میں اصل قاتل کو پیش کرنا چاہتا ہوں۔" ظاہر حسین کے بیان نے شدید سنسنی پھیلا دی تھی۔

عدالت میں جتنے افراد موجود تھے، ان سب کے چہرے تصویرِ حیرت بن گئے تھے، یہاں تک کہ میں بھی شدید تجسس کا شکار ہو گیا تھا۔ ظاہر حسین اتنے اعتماد کے ساتھ اصل قاتل کی بات کیوں کر رہے تھے پھر پولیس کے جوان جسے لے کر کمرے میں داخل ہوئے، یہ وہی ملازمہ تھی، جس نے میرے پہنچنے پر تاجور جہاں کی رہائش گاہ کا دروازہ کھولا تھا۔ اس وقت وہ بری طرح سہمی ہوئی تھی۔

ظاہر حسین نے عدالت کو مخاطب کر کے کہا۔

"جنابِ والا! یہ اصل قاتلہ ہے، آپ کے سامنے یہ اپنے جرم کا اعتراف کرے گی۔"

کمرۂ عدالت میں بہت سی آوازیں ابھری تھیں۔ جج صاحب نے عورت کو کٹہرے میں آنے کے لئے کہا اور وہ لرزتے قدموں سے آگے بڑھ کر کٹہرۂ عدالت میں پہنچ گئی، اس سے حلف لیا گیا اور اس کے بعد ظاہر حسین نے پوچھا۔ "اپنا نام بتاؤ؟"

"نعیمہ ہے سرکار!"

"نعیمہ بیگم! کیا آپ نے پولیس کی تحویل میں تاجور جہاں کے قتل کا اعتراف کیا ہے؟"

"ہاں جی، اللہ کو جان دینی ہے، اس کا قتل ہم نے ہی کیا ہے، ایک تیز چھری سے ہم نے اس کی گردن کاٹی ہے۔"

ظاہر حسین نے اشارہ کیا اور ایک پولیس کانسٹیبل نے وہ چھری ان کے سامنے پیش کی تو انہوں نے ملازمہ سے پوچھا۔ "ہاں نعیمہ! تو اس چھری سے آپ نے تاجور جہاں کی گردن کاٹی تھی؟"

"ہاں جی، یہی ہے۔"

"حضورِ والا! اس عورت کے ہاتھوں کے نشانات کے پرنٹ اور آلۂ قتل پر پائے جانے والے نشانات کے پرنٹ ایکسپرٹس کے پاس سے موصول ہوئے ہیں، یہ پیشِ خدمت ہیں۔"

ظاہر حسین نے پرنٹس کی رپورٹ جج صاحب کے سامنے رکھتے ہوئے کہا اور جج صاحب اس کا معائنہ کرنے کے بعد بولے۔ "نعیمہ بیگم! یہ قتل آپ نے کیوں کیا؟"

"سرکار! ہم نہیں بتا سکتے، ہم بالکل نہیں بتا سکتے۔"

"نعیمہ بیگم! تاجور جہاں کے ہاں آپ کتنے عرصے سے ملازم تھیں؟"

"پانچ دن ہوئے تھے سرکار! پانچ دن پہلے ہم ان کے پاس گئے تھے۔"

"جنابِ والا! اتنے ہی وقت پہلے تاجور جہاں بیگم کو ایس ایچ او صاحب کی تحویل سے نکال لیا گیا تھا، خیر تو یہ ملازمت آپ نے کس طرح حاصل کی نعیمہ بیگم......؟" ظاہر حسین نے سوال کیا۔

"کسی نے ہمیں وہاں بھیجا تھا سرکار!"

"کس نے......؟"

"ہم اس کا جواب نہیں دے سکتے۔"

"آپ کو جواب دینا ہوگا نعیمہ بیگم! آپ نے ایک قتل کیا ہے۔"

"پھانسی دے دو سرکار! ہمیں پھانسی دے دو پر ہم اس کا نام نہیں لے سکتے، جس نے ہمیں یہ کام کرنے کے لیے مجبور کیا تھا۔"

"کیوں......؟"

"بہت بڑی سرکار ہے، ارے ہم کیا، ہماری اوقات کیا، ہمیں ایک بہت بڑی سرکار نے بھیجا تھا، حضور ہمارا بچہ اس کے قبضے میں ہے، وہ اسے مار دے گی سرکار! وہ اسے زندہ نہیں چھوڑے گی، اس نے ہم سے صاف صاف کہہ دیا تھا، بہت بڑی سرکار ہے، بہت بڑی سرکار

ہے وہ......!'' عورت زار و قطار رونے لگی۔

''یہ چھری تمہیں کس نے دی تھی؟''

''وہیں سے ملی تھی سرکار! ارے معاف کر دو، ہمیں مجبور مت کرو، ہمیں زبان کھولنے پر سرکار! ہمیں مجبور مت کرو، ارے وہ بہت بڑی سرکار ہے۔''

''کون ہے وہ ......؟'' ظاہر حسین کی غراہٹ ابھری تو عورت نڈھال ہو گئی اور پھر اچانک ہی اس کے سارے بال اس طرح کھل کر بکھر گئے کہ وہ ایک چڑیل لگنے لگی۔ اس نے اپنے بالوں کو ہاتھ بھی نہیں لگایا تھا لیکن بال اچانک پھیلے تھے اور اس کے ساتھ ہی اس کے بدن میں شدید کپکپی دوڑ گئی تھی۔

تمام لوگ حیرت سے منہ پھاڑے اسے دیکھ رہے تھے۔ کچھ لوگ تو اپنی سیٹوں سے بھی اٹھ کر کھڑے ہو گئے تھے، عورت کا بدن اس طرح پھڑک رہا تھا، جیسے اسے بجلی کے جھٹکے دیئے جا رہے ہوں۔ چند ہی لمحوں میں اس کی زبان باہر نکل آئی اور آنکھیں پھٹ گئیں، پھر اچانک ہی اس کے منہ سے خون کی پھوار نکلی اور کٹہرۂ عدالت میں گر گئی۔

ہر طرف شور مچ گیا تھا، جج صاحب بے اختیار کرسی سے اٹھ کھڑے ہوئے تھے، وہ اسے بغور دیکھ رہے تھے پھر ان کی آواز ابھری۔ ''یہ کیا ہوا؟''

ان کے اشارے پر ایس ایچ او نادر خان اور پولیس کے چند افراد عورت کے قریب پہنچ گئے۔ اسے اٹھا کر کٹہرے سے باہر لایا گیا اور زمین پر لٹا دیا گیا پھر ایس ایچ او نے کہا۔ ''یہ مر چکی ہے جناب والا!''

ایک ہنگامہ سا ہو گیا۔ جج صاحب خود پریشان ہو گئے تھے لیکن انہوں نے کسی خاص جذبے کے تحت مقدمے کا سلسلہ منقطع نہیں کیا اور عورت کو کمرۂ عدالت سے باہر لے جانے کا اشارہ کیا۔ نعیمہ کی لاش کو اٹھایا گیا اور پولیس والے اسے باہر لے گئے۔

جج صاحب کچھ لمحے اپنی کرسی پر خاموش بیٹھے رہے پھر انہوں نے مدھم لہجے میں کہا۔

''مقدمہ جاری رکھا جائے۔''

ظاہر حسین نے گردن خم کی اور بولے۔

''حضور والا! ملزم شہاب بالکل بے گناہ ہے، یہ لوگ اپنی بدنصیبی کا شکار ہوئے ہیں' بیرون ملک سے آئے تھے، بہت بڑے آدمی کے بیٹے ہیں، جائیداد کے لئے چپقلشیں شروع ہو گئیں اور یہ مستقل اسی کا شکار ہیں، حضور والا نے خود اپنی نگاہوں سے دیکھ لیا کہ کچھ پُراسرار قوتیں کس طرح ان کے خلاف کمربستہ ہیں، انہی قوتوں میں سے ایک نے نعیمہ نامی عورت کو تاجور جہاں کے گھر ملازم رکھوایا پھر شہاب کو جیسا کہ میں نے ٹیلیفون کی رپورٹ

پیش کی، فون کر کے تاجور جہاں کی رہائش گاہ پر بلایا گیا اور عین اس وقت جب شہاب وہاں پہنچنے والے تھے، ملازمہ نے اس کی گردن پر چھری پھیری اور پھر اس کی لاش کو کسی طرح دروازے کے ساتھ کھڑا کر کے باہر نکل آئی، دروازہ کھولا اور شہاب کو اس کمرے تک پہنچایا، جب شہاب نے اس کمرے کا دروازہ کھولا تو لاش اس کے اوپر گر پڑی، چونکہ اسے ذبح ہوئے زیادہ دیر نہیں گزری تھی، اس لئے خون کی پھواروں نے شہاب کو بھی بھگو دیا اور پھر پولیس بھی وہاں پہنچ گئی لیکن یہ منصوبہ بندی بے حد کچی تھی، تفتیش کی گئی تو صورتحال سامنے آ گئی اور آپ نے دیکھ لیا کہ جب اس پُراسرار ہستی کا نام منظر عام پر آنے والا تھا تو عورت کو ان پُراسرار قوتوں نے قتل کر دیا۔''

جج صاحب سخت حیران نظر آ رہے تھے، پھر انہوں نے فوری طور پر اس مقدمے کو نمٹاتے ہوئے کہا۔ ''نعیمہ نامی عورت نے کمرۂ عدالت میں اس قتل کا اعتراف کیا ہے، افسوس کہ وہ اس شخصیت کا انکشاف نہیں کر سکی، جس نے اسے قتل پر مجبور کیا، آلۂ قتل پر موجود انگلیوں کے نشانات اور قاتل کے اعتراف کے بعد اس بات کی گنجائش نہیں رہ جاتی کہ شہاب احمد کو زیر حراست رکھا جائے، چنانچہ ان کے اوپر سے یہ کیس ختم کیا جاتا ہے اور انہیں باعزت رہائی دی جاتی ہے، پولیس کو ہدایت کی جاتی ہے کہ ان دونوں اموات کی مزید تفتیش کرے اور اس پُراسرار قوت کے خلاف تحقیقات کر کے رپورٹ پیش کرے۔''

میرے جتنے کرم فرما یہاں آئے تھے، ان کے چہرے خوشی سے کھل اٹھے تھے، البتہ نادر خان، جج صاحب کے اٹھ جانے کے بعد کٹہرۂ عدالت میں جھک کر کچھ تلاش کر رہا تھا پھر اس نے کچھ چیزیں اٹھا کر ایک کاغذ میں رکھیں اور انہیں پڑیا کی شکل میں باندھ لیا۔ میں نے خاص طور پر اس کا یہ عمل دیکھا تھا۔ ظاہر حسین نے بھی اس پر کافی غور کیا تھا۔ مجھے بہت سی باتیں یاد آ رہی تھیں۔ نادر خان نے جب مجھ سے تفصیلات پوچھی تھیں تو میں نے یونہی اس ملازمہ کا ذکر بھی کر دیا تھا جبکہ میرا ہی نہیں کسی کا بھی ذہن اس کی طرف نہیں جا سکا تھا۔

بہرحال مجھے باعزت رہائی ملی۔ تایا ابو نے آگے بڑھ کر مجھے سینے سے لگایا، نگہت آنٹی اور سمن آراء بیگم نے بھی محبت کا اظہار کیا۔ ظاہر حسین نے بھی مجھے مبارکباد دی تھی جبکہ نادر خان ہم سے ملے بغیر چلا گیا تھا۔ اسے تلاش کیا گیا تو ایس ایچ او نے کہا۔ ''ان کی ایک ضروری کال آئی تھی اس لئے وہ چلے گئے۔''

ہم نے ایس ایچ او کا بھی بے حد شکریہ ادا کیا تو وہ بولا۔ ''پتہ نہیں شہاب صاحب! میں نے ذاتی طور پر آپ کے ساتھ آپ کے شایان شان سلوک کیا یا نہیں، اگر مجھ سے کوئی کوتاہی ہو گئی ہو تو براہ کرم آپ مجھے معاف فرما دیجئے گا، میں انشاء اللہ تعالیٰ آپ سے دوبارہ

ضرور ملاقات کروں گا، یہ تفتیش کافی آگے بڑھے گی، میں مزید تفصیلات آپ کو بتاؤں گا۔"

پھر سب لوگ مجھے لے کر سمن آباد چل پڑے۔ تایا ابو کے گھر میں ایک بار پھر جنگل میں منگل ہو گیا تھا۔ میں بے چین تھا کہ جس طرح بھی ممکن ہو سکے، میں ارجمند کو فون کروں، چنانچہ گھر پہنچنے کے بعد جیسے ہی مجھے موقع ملا، میں نے موبائل فون پر ارجمند کو فون کیا۔ کچھ لمحوں کے بعد ارجمند نے فون ریسیو کیا۔

"شہاب بول رہا ہوں ارجمند!" دوسری طرف کچھ لمحات کے لئے بالکل خاموشی طاری رہی، پھر ارجمند کی سسکتی ہوئی آواز ابھری۔ "کیسے ہیں آپ؟"

"بالکل ہٹا کٹا، تندرست توانا، ہر قسم کے الزام سے آزاد، گھر سے بول رہا ہوں۔"

ارجمند کی آواز پھر بند ہو گئی تو میں نے کہا۔ "ہیلو ارجمند!"

"جی......!"

"کیا کر رہی تھیں بھئی؟"

"پڑھ رہی تھی آپ کے لئے، آپ کی رہائی، آپ کی آزادی اور آپ کی بے گناہی کے ثبوت کے لئے۔"

"تو ملانی صاحبہ! آپ کا پڑھنا قبول ہوا، اصل قاتل کا پتہ چل گیا اور عدالت نے مجھے باعزت بری کر دیا ہے۔"

"اللہ کا شکر ہے۔" ارجمند کی خوشی سے بھری آواز ابھری۔

"دادا ابو کو بھی بتا دیجئے گا، اس وقت گھر میں خاصی ہنگامہ آرائی ہے، رات کو آپ سے بات ہو گی۔"

"جی!" ارجمند نے کہا اور میں نے فون بند کر دیا۔

حقیقتاً اس وقت گھر میں بہت سے لوگ موجود تھے۔ تایا ابو نے بے پناہ خوشی کا اظہار کیا تھا اور حمیدہ کو ہدایت کی تھی کہ کئی قسم کے کھانے پکائے۔ حرا اور سلطانہ کے ساتھ دانیہ بھی باورچی خانے میں مصروف تھی۔ نکہت آنٹی اور سمن آراء بیگم نے واپسی کی اجازت مانگی تو تایا ابو نے کہا۔ "نہیں بھئی میں گھر پر فون کئے دیتا ہوں، تم لوگ آج نہیں کل جاؤ گے۔"

"وہاں ارجمند اکیلی ہے اور ریاض صاحب بھی بیمار ہیں، اس لئے اگر یہ تکلیف کر لی جائے تو!" سمن آراء بیگم نے کہا۔

"نہیں خالہ جان! آپ براہِ کرم وہاں ارجمند کو فون کر دیں بلکہ میں تو کہتا ہوں کہ قیصر خان کو بھیج کر میں ان دونوں کو بھی بلوائے لیتا ہوں، آپ لوگ یقین کریں اب آپ سے دوری مجھے بالکل نہیں اچھی لگتی۔"

"اللہ تعالیٰ میری خواہش پورے کرے، میں بہت جلد ان دوریوں کو ختم کر دوں گی۔" ماما نے بڑے خلوص سے کہا۔

بہر حال ماما ہی نے ارجمند کو فون کیا اور پوچھا کہ اگر سمن آراء بیگم اور نکہت آراء آج کے بجائے کل آ جائیں تو کوئی پریشانی تو نہیں ہو گی؟ ارجمند نے فوراً ہی جواب دیا کہ پریشانی کی کیا بات ہے، نانا ابو خوش ہیں اور بالکل تندرست ہیں، اگر نانی اماں اور امی جان ایک ہفتے بھی وہاں رہنا چاہیں تو رہ سکتی ہیں۔

ماما اس بات پر خوب ہنسی تھیں اور انہوں نے ارجمند کا جواب ان لوگوں کو سنا دیا تھا۔ دونوں خواتین خاموش ہو گئیں۔ اس سلسلے میں میرے مہربانوں نے میرے لئے جو تگ و دو کی تھی، میں اس کا الفاظ میں اظہار نہیں کر سکتا تھا۔ میرے پُراسرار محافظ تو میرے لئے کام کر ہی رہے تھے لیکن نادر خان فرشتۂ رحمت بنا ہوا تھا۔ یہ بات اور کوئی جانتا ہو یا نا جانتا ہو میں ضرور جانتا تھا کہ اس وقت نادر خان ہی کی کاوشوں نے صرف دو پیشیوں کے اندر اندر مجھے قتل جیسے خوفناک الزام سے نجات دلوا دی تھی، ورنہ نجانے میرا کیا انجام ہوتا۔

رات کے لذیذ کھانے پر یہ طے ہوا کہ کل ان تمام لوگوں کو کھانے پر بلایا جائے، جن میں نادر خان، ایس ایچ اور ظاہر حسین وغیرہ شامل تھے۔ فوراً ہی تایا ابو نے ان لوگوں سے رابطہ قائم کیا تو نادر خان نے پُرخلوص لہجے میں کہا۔ "چلئے آپ نے بلا لیا اچھا کیا ورنہ کل میں خود آپ لوگوں کے ساتھ ایک میٹنگ کے بارے میں سوچ رہا تھا، رات کو حاضری دینی ہے یا دن میں!"

"ڈنر ہی مناسب رہے گا نادر خان! باقی جیسی آپ کی مرضی۔"

"میری مسز بھی آپ سے ملنا چاہتی ہیں۔"

"انہیں ضرور لائیں، دوسرا جملہ آپ سے یہی کہنے والا تھا میں!" تایا ابو نے فوراً ہی بات اچک لی۔

"ہم آ رہے ہیں۔"

دوسرے دن ایک شاندار ڈنر کا بندوبست کیا گیا تھا۔ بہت سی چیزوں کا انتظام ایک بہت ہی شاندار ہوٹل سے کیا گیا تھا، کچھ خاص چیزیں گھر میں تیار کی گئی تھیں۔ ظاہر حسین اور ان کی فیملی، ایس ایچ او اور ان کی فیملی اور نادر خان مع بیگم کے آئے تھے اور پھر اس ویران عمارت میں بہت ہی خوبصورت پروگرام شروع ہو گیا تھا۔

ڈنر سے فارغ ہونے کے بعد ظاہر حسین نے نادر خان کو خراج تحسین پیش کرتے ہوئے کہا۔

"حقیقت یہ ہے کہ اچھے لوگوں کو اچھے لوگوں کا مل جانا بہت بڑی نعمت ہوتی ہے، نادر خان شروع ہی سے شہاب کے لئے فرشتہ صفت ثابت ہوئے ہیں، انہوں نے اپنے فرض کی ہی ادائیگی نہیں کی بلکہ ایک رشتہ بھی نبھایا ہے، ہر قدم پر وہ سینہ تان کر سامنے آئے ہیں، شہاب صاحب اور ان کے اہل خانہ پر قاتلانہ حملہ ہوا تو نادر خان نے بھرپور طریقے سے اس کی مدافعت کی اور اب بھی یہ ساری کارروائی انہی کی ہے، نادر خان صاحب! براہِ کرم آپ اس بارے میں کچھ کہیں۔"

"شہاب میرا بھائی ہے، میں اپنے دل میں اس کے لئے بھائیوں جیسا ہی جذبہ پاتا ہوں، میں اس کی فطرت کو اچھی طرح جانتا ہوں، سخت ترین انتقامی جذبات کے باوجود کسی کے خلاف اس طرح کی وحشیانہ کارروائی نہیں کر سکتا، میں یہ سوچتا رہا کہ آخر تاجور جہاں کو کس نے قتل کیا، موت تو خیر اسے آنی ہی تھی، میں یہ سوچ کر خوف زدہ تھا کہ کہیں میری تحویل میں ہی اس کا قتل نہ ہو جائے اور یہ کام مشکل نہیں تھا، جس کا مظاہرہ آپ نے کمرۂ عدالت میں دیکھ لیا لیکن اس بار دشمن نے کچھ اور تدبیر سوچی تھی، چنانچہ نعیمہ نامی ملازمہ کو قتل پر آمادہ کیا گیا، اس کے بچے کو قبضے میں کر لیا گیا اور اسے اس قتل کے لئے مجبور کر دیا گیا، میرا ذہن یہ گتھی سلجھا رہا تھا کہ آخر اتنی عمدہ ٹائمنگ کیسے سیٹ کی گئی اور اس کے لئے قاتل کا کیسے انتخاب کیا گیا پھر جب شہاب نے دروازہ کھولنے والی ملازمہ کا تذکرہ کیا تو میرا ذہن اس گتھی کو سلجھانے میں کامیاب ہو گیا۔ میں نے شہاب کو منع کیا کہ ملازمہ کا تذکرہ ایس ایچ او سے نہ کریں اور اس کے بعد میں ملازمہ کی تلاش میں لگ گیا، میری خوش نصیبی تھی کہ مجھے پڑوس کی ایک ایسی خاتون مل گئیں، جن سے نعیمہ نے روتے ہوئے اپنے بچے کے بارے میں بتایا تھا اور اپنی دکھ بھری داستان سنائی تھی، بس میں وہاں پہنچا اور میں نے ملازمہ کو اپنے قبضے میں لے لیا، میں نے جب اس سے اس کی شخصیت کے بارے میں پوچھا تو وہ دہشت سے کانپنے لگی۔ میں نے محسوس کیا کہ اگر میں نے اسے زیادہ مجبور کیا تو اسے کہیں کوئی نقصان نہ پہنچ جائے، میں اسے ہر قیمت پر عدالت میں پیش کرنا چاہتا تھا، چنانچہ میں نے اسے زیادہ مجبور نہیں کیا اور صرف اتنا کہا کہ میں اس کا بچہ بازیاب کرا لوں گا، اس بات پر وہ عدالت میں پیش ہونے پر تیار ہو گئی اور آخر کار بیچاری......!" نادر خان نے احتیاطاً جملہ ادھورا چھوڑ دیا۔

"پتہ نہیں اس کا بچہ کہاں ہو گا اور اب اس کا کیا ہو گا؟" تایا ابو نے افسوس بھرے لہجے میں کہا۔

"میں اپنی کوششوں میں کمی نہیں چھوڑوں گا، دیکھتا ہوں بات کہاں تک جاتی ہے۔"

"ابھی تک تو تم واقعی دشمن کے منصوبے ناکام بناتے رہے ہو، خدا تمہیں بری نگاہ سے محفوظ رکھے، میرے دل میں ایک بات آئی ہے، جو میں کہے بغیر نہیں رہ سکتا، ایک طرح سے تمہاری ذاتی دشمنی ہو گئی ہے، اپنے گھر اور اپنی بیگم کا خیال رکھنا۔"

نادر خان نے پُرسوچ انداز میں گردن ہلائی اور پھر اچانک ہی اس نے کہا۔ "ایک چیز آپ کو دکھاؤں۔"

ہم سب اس کی جانب متوجہ ہو گئے۔ نادر خان نے اپنی جیب سے ایک کاغذ کی پڑیا جیسی چیز نکالی اور پھر اسے کھول کر ہم سب کے سامنے کر دیا۔ میں اچھل پڑا تھا۔ میں نے ان بالوں کو پہچان لیا جو کسی جانور کے بال ہی معلوم ہوتے تھے اور یہ بال پہلے پاپا کی لاش کے پاس، پھر چاند خان کے پاس، اس کے بعد چودھری عرفان کے پاس سے دستیاب ہوئے تھے اور جن کا راز آج تک نہیں معلوم ہو سکا تھا۔ اچانک مجھے یاد آ گیا کہ جج صاحب کے اٹھنے کے بعد نادر خان نے کوئی چیز ملازمہ کی لاش کے پاس سے اٹھائی تھی اور کسی کاغذ میں محفوظ کر لی تھی۔ وہ بات میرے ذہن سے محو نہیں ہوئی تھی۔ میں نے جلدی سے کہا۔ "اور یہ بال تم نے کٹہرے میں اس جگہ سے اٹھائے تھے، جہاں ملازمہ کی موت واقع ہوئی تھی؟"

"ہاں۔" نادر خان نے کہا۔

"ان بالوں کا راز کیا ہے؟" ایس ایچ او نے دلچسپی سے پوچھا اور ظاہر حسین نے اسے تفصیل بتائی۔ ایس ایچ او نے پُرخیال انداز میں کہا۔ "تب تو پھر آپ کا مقابلہ ایک بہت ہی خوفناک دشمن سے ہے، اللہ تعالیٰ آپ کی مدد کرے۔"

❀❀❀

دوسرے دن صبح قیصر خان نے حسب معمول چائے پر میرا استقبال کیا۔ وہ بہت سنجیدہ نظر آ رہا تھا۔ "آپ کا تعویذ آپ کے پاس ہے نا صاب؟"

"ہاں قیصر خان! کیوں؟"

"مرشد نے یہ ایک اور تعویذ دیا ہے، اس کو چھوٹی بی بی صاب کے گلے میں ڈالنا ہے۔"

"دانیہ کے......؟"

"ہاں۔"

"قیصر خان! خدا تمہیں ہمیشہ خوش رکھے، کیا کہوں اور کیا نہ کہوں، مجھے مرشد نے جو تعویذ دیا تھا، اس نے جس طرح میری ہر جگہ حفاظت کی ہے، میں اسے کبھی نہیں بھول سکتا، یہ کام تم ہی کر سکتے تھے قیصر خان! میرے ذہن میں یہ بات نہیں آئی کہ میں مرشد سے دانیہ کے لئے بھی تعویذ مانگوں، کتنا خوش نصیب ہوں میں قیصر خان! کیسے اچھے اچھے دوست اور ساتھی ملے

ہیں، مجھے پاپا کہا کرتے تھے کہ پاکستان میں صرف ہمارے دشمن رہتے ہیں، میں کہتا ہوں پاکستان میں دشمنوں سے زیادہ ہمارے دوست رہتے ہیں، قیصر خان جیسا مخلص دوست، مرشد جیسا بزرگ، سرپرست جس نے ہمارے خاندان کی بقاء کے لئے اپنی زندگی قربان کر دی، نادر خان جیسا مخلص پولیس آفیسر، ظاہر حسین کا نام بھی ضرور لوں گا کیونکہ وہ میرے پاپا کے دوست ہیں اور صرف کاروباری طور پر میرے لئے یہ سب نہیں کر رہے، قیصر خان تمہارا بے حد شکریہ!''

''صاب! مرشد نے مجھے جمعرات کو پھر بلایا ہے، وہ آپ کے لئے کچھ اور بھی دینا چاہتے ہیں۔''

''میں چلوں گا۔''

''نہیں صاب! میں نے پوچھا تھا مرشد سے کہ کیا شہاب صاحب کو بھی لانا ہے تو انہوں نے انکار کر دیا اور کہا کہ نہیں قیصر خان، تم خود ہی آ جانا۔''

''مرشد سے تمہاری بات ہوئی تھی قیصر خان؟''

میں نے سوال کیا تو قیصر خان نے نگاہیں اٹھا کر مجھے دیکھا پھر گردن جھکا لی۔ اس کے چہرے کے تاثرات سے مجھے یہ اندازہ ہو گیا تھا کہ قیصر خان اس موضوع پر کوئی اور بات نہیں کرنا چاہتا، چنانچہ میں بھی خاموش ہو گیا۔

تعویذ میں نے پوری توجہ کے ساتھ تیار کرا کے دانیہ کے گلے میں ڈال دیا تھا چونکہ دو بار دانی کی کیفیت خراب ہو چکی تھی، اس لئے ماما نے بھی بڑی خوش دلی سے یہ کام کیا تھا۔ الغرض زندگی کا ہنگامہ جاری تھا۔ ظاہر حسین نے بٹوارے کے کاغذات پہلے ہی مکمل کر لئے تھے، ہما خاتون کا شوشا اس کام کو رکوانے کا باعث بنا تھا لیکن اب ظاہر حسین پوری تندہی سے اس میں مصروف ہو گئے تھے۔

پھر اس دن تائی جان کا فون موصول ہوا۔ ''تم سب سے زیادہ سمجھدار آدمی ہو شہاب، اس لئے میں دل کی ہر بات تم سے ہی کر لیا کرتی ہوں، خیریت سے ہو؟''

''آپ کی دعاؤں کے ساتھ تائی جان!''

''کاش تم محسوس کر سکو کہ میں تمہیں دعائیں دے سکتی ہوں۔'' تائی جان نے عجیب سا جملہ کہا۔

''میں سمجھا نہیں!''

''جتنے ہنگامے چاہیں تم پر بیت جائیں لیکن تم مجھے کبھی ان میں شریک ہی نہیں کرتے، نجانے کیوں تم لوگوں کو میرے خلوص پر یقین نہیں آتا، تھوڑا بہت رشتہ تو آخر کار ہے تم سے،

میں اپنی طرف سے بہت کچھ کرنے کی کوشش کرتی ہوں لیکن تم لوگ قبول ہی نہیں کرتے، خیر چھوڑو ان باتوں کو، ماما کیسی ہیں تمہاری؟''

''اللہ کا فضل ہے، ٹھیک ہیں۔''

''کیا انہیں لے کر میرے پاس آ سکتے ہو؟''

''نہیں۔'' میں نے کرخت لہجے میں جواب دیا اور دوسری طرف کچھ لمحوں کی خاموشی طاری ہو گئی پھر پوچھا گیا۔ ''وجہ......؟''

''تائی جان! آپ بھی تو یہاں آ سکتی ہیں، آپ نے خود اپنا ایک مقام متعین کر لیا ہے، آپ کا کیا خیال ہے کیا ہر شخص آپ کی وہ جگہ قبول کر سکتا ہے؟''

مجھے اندازہ تھا کہ تائی جان اس وقت کھول رہی ہوں گی لیکن وہ بولیں تو لہجہ بے حد نرم تھا۔ ''وہاں نہ آنا میری ایک مجبوری ہے، تھوڑا بہت تمہیں اس بارے میں بتا چکی ہوں، بار بار یہ کہتے ہو تو مجھے افسوس ہوتا ہے، تم مجھ سے آ کر ملو، میں تم سے ایک اہم بات کرنا چاہتی ہوں۔''

میں نے ایک لمحے کے لئے سوچا پھر میں نے کہا۔ ''جب حکم دیں، حاضر ہو جاؤں گا۔''

''آ سکتے ہو تو ابھی آ جاؤ، میں انتظار کر رہی ہوں۔''

میں نے ان سے آنے کا وعدہ کیا اور انہوں نے ٹیلیفون بند کر دیا، پھر میں تائی جان کے پاس جانے کی تیاریاں کرنے لگا۔ باقی لوگوں سے مشورہ کرنا غیر مناسب تھا، قیصر خان کو ساتھ لے کر چل پڑا اور تھوڑی دیر کے بعد تائی جان کی کوٹھی جا پہنچا۔ ڈرائنگ روم میں تائی جان میرا انتظار کر رہی تھیں، انہوں نے مسکراہٹ کے ساتھ میرا استقبال کیا۔

''بیٹھو تمہارے آنے کا شکریہ، پچھلے دنوں جو حالات ہوئے، سرفراز کے ذریعے ہی میرے علم میں آتے رہے، میرا جو مقام ہے، وہ یہ ہے کہ اگر میں ایک اشارہ کر دیتی تو ایک لمحے کے اندر تمہارے اوپر سے کیس ختم ہو جاتا لیکن بہر حال اصل میں پُراسرار واقعات نے تمہیں اس طرح گھیر لیا ہے کہ تم ان سے نکل ہی نہیں پاتے، میں تمہیں گیتی آراء بیگم کے بارے میں بتا چکی ہوں، مجھ سے دشمنی باندھی تو ایسی باندھی کہ میری ہر اچھی بات کو میرا گناہ بنا دیا اور پھر جن پُراسرار قوتوں نے انہیں جال میں جکڑ رکھا ہے، وہ انہیں میری طرف آنے ہی نہیں دیتیں، میں جو علم جانتی ہوں یا جو سیکھ رہی ہوں، وہ میرے پورے خاندان کی بقاء کے لئے ہے، اگر میرے خاندان کے لوگ چاہتے تو مجھے تسلیم کر کے اتنے فائدے اٹھا سکتے تھے کہ اس خاندان کا نام ہی بلند ہو جاتا لیکن افسوس کچھ لوگوں نے دشمنی برائے دشمنی جاری رکھی ہے۔ شاید تم اس بات پر یقین نہ کرو کہ گیتی آراء بیگم نے اپنے پُراسرار مددگاروں سے

کام لے کر میری شخصیت کو دہرا بنا دیا ہے، ایک اور ایسی شخصیت پیدا کر دی ہے جو میرے آس پاس ہی رہتی ہے اور میرا روپ بدل کر میرے خلاف کام کرتی ہے۔"

"کوئی اور شخصیت ......؟" میں نے سوالیہ انداز میں تائی جان کو دیکھا۔

"ہاں کچھ لوگوں کا کہنا ہے کہ میری ہی شکل اور میری جیسی ایک عورت کو اکثر مختلف جگہوں پر دیکھا گیا ہے بلکہ شاید تم نے بھی مجھے دوسرے روپ میں دیکھا ہے جبکہ میں وہ نہیں ہوتی۔" تائی جان نے مظلوم لہجے میں کہا۔

مجھے ایک دم ہنسی آئی، جسے میں نے بمشکل روکا تھا۔ تائی جان کچھ لمحے خاموش رہیں پھر بولیں۔

"میں نے اپنے بچپن کے شوق کے تحت کچھ پُراسرار علوم سیکھے، جو میرے لئے روگ بن گئے، لوگوں کے لئے کچھ کیا تو شہرت بڑھتی گئی لیکن خود میرے اپنے مجھ سے دور ہوتے گئے خیر ......!" تائی جان جیسے کسی خواب سے چونک پڑیں، پھر غور سے مجھے دیکھنے لگیں اور بولیں۔ "میری زندگی میں سائرہ کے علاوہ کچھ نہیں ہے، میں صرف اس کی خوشی کے لئے جی رہی ہوں، افشاں بیگم سے میں اس بارے میں بات کرنا چاہتی ہوں۔"

"کس بارے میں تائی جان......؟"

"ویسے تو سرفراز اور سائرہ کورٹ میرج بھی کر سکتے ہیں۔ لیکن میں خاندان میں ایک اور کہانی نہیں پھیلانا چاہتی، اس لئے افشاں بیگم سے درخواست کروں گی کہ ہمارے شایانِ شان طریقے سے ان دونوں کی شادی کر دیں۔"

انہوں نے رک کر میری صورت دیکھی لیکن میں نے خود کو سنبھالے رکھا اور صرف سوچنے کا تاثر دیا۔

کچھ لمحوں کے بعد تائی جان نے کہا۔ "تم خود اس بارے میں کیا کہتے ہو؟"

"میں تو خود اس خاندان کو ایک ڈور میں باندھنا چاہتا ہوں، اختلافات کسی کو بھلا کیا دیتے ہیں۔"

تائی جان کے چہرے کا خوشگوار تاثر پوری طرح نمایاں تھا اور میں ایک نیا جال بُننے کی تیاریاں کر رہا تھا۔

تائی جان نے کچھ لمحے خاموشی اختیار کی۔ اس کے بعد کہنے لگیں۔

"یہ رشتہ اگر اس طرح ہو جس طرح ہمارے خاندان میں رشتے ہوتے رہے ہیں تو میں سمجھتی ہوں کہ ایک خوشگوار دور کا آغاز ہو جائے گا لیکن افسوس کچھ کردار ایسے ہیں، جو اس خاندان کو منتشر رکھنا چاہتے ہیں۔ بہرحال میں افشاں بیگم سے یہی بات کرنا پسند کروں گی کہ وہ بالکل روایتی طریقے سے ہمیں اپنے بیٹے کا رشتہ دیں اور پورے خاندان کو شامل کر کے یہ شادی اس طرح کریں کہ برسوں یاد رکھی جائے۔"

"تائی جان! میں پوری طرح آپ سے اتفاق کرتا ہوں۔" میں نے اپنی سوچ کے مطابق کہا۔

تائی جان غور سے مجھے دیکھنے لگیں۔ پھر بولیں۔ "تمہیں میری مدد کرنا ہوگی، یہ بات تم بھی جانتے ہو کہ کچھ لوگ اس بات کی سخت مخالفت کریں گے لیکن تم میرا ساتھ دو گے، افشاں بیگم کو مجھ سے ملاؤ، انہیں یہاں لانا تمہاری ذمہ داری ہے۔"

"آپ بے فکر رہیں، میں یہ ضرور کروں گا۔" میں نے کہا۔

تائی جان بڑی گہری نگاہوں سے مجھے دیکھنے لگیں۔ پھر بولیں۔ "حقیقت یہ ہے کہ میں تمہیں نہیں سمجھ پائی، میں نے تمہیں دہری کیفیت کا شکار محسوس کیا ہے، کبھی تمہاری سوچ نیگیٹو ہوتی ہے اور کبھی مجھے یوں لگتا ہے، جیسے میرے سب سے بڑے مددگار تمہی ہو گے، تم مجھے بھرپور تعاون کرنے والے نظر آتے ہو۔"

میں نے ایک گہری سانس لے کر گردن جھکاتے ہوئے کہا۔ "آپ ٹھیک کہتی ہیں تائی جان! واقعی میں سمجھ نہیں پا رہا کہ میں کیا چاہتا ہوں، میں بہت الجھا ہوا ہوں۔"

"کہتی ہوں نا کہ خود کو میرے حوالے کر دو اس کے بعد فائدے ہی فائدے تمہارے سامنے ہوں گے، اعتماد تو کرو مجھ پر، تم نے گورنی کا کیا حشر کیا ہے، بڑی سادہ اور عام سی بات بتاتی ہوں کہ لوگ کسی جن، بھوت یا چڑیل کو قبضے میں کرنے کے لئے کیا کیا جتن کرتے ہیں، چلّے، وظیفے، زندگی کو خطرے میں ڈال دیتے ہیں، تمہیں یہ موقع اتنی سادگی سے مل رہا

تھا کہ کوئی سوچ بھی نہیں سکتا، تمہیں بہکایا بھی جا سکتا تھا، وہ تمہیں سیرا کے روپ میں ملتی یا کسی اور حسین لڑکی کے روپ میں اور تمہیں پتہ نہ چل پاتا کہ وہ گورنی ہے، تو تم خوشی سے اس سے شادی کر لیتے، یہ ساری باتیں سوچنے والی ہیں، تم اب بھی اس بات کو مان لو، گورنی سے شادی کر لو، تمہاری ایک اپنی قوت ہو گی اور تم خود محسوس کر لو گے کہ تم کیا بن چکے ہو، میری مانو سیرا کے ساتھ کچھ وقت گزار کر دیکھو، تمہیں فیصلہ کرنے میں دقت نہیں ہو گی، وہ بہت دلکش روپ میں تم سے ملے گی اور تمہاری ہر خوشی کا احترام کرے گی، میں تمہیں یہ پیشکش کرتی ہوں کہ تھوڑا سا وقت اس کے ساتھ گزار لو اور اس دوران کوشش کر کے افشاں بیگم کو اس بات پر آمادہ کر لو کہ وہ بخوشی سرفراز سے سائرہ کی شادی کرنے پر تیار ہو جائیں۔"

"مجھے منظور ہے تائی جان! میں آپ کے حکم کے مطابق سب کچھ کروں گا۔"

"ٹھیک ہے، میرا خیال ہے ہماری یہ ملاقات بڑی کارآمد رہی، تم اس سلسلے میں کام شروع کر دو، سیرا کل تمہیں فون کرے گی، وہ تمہیں ایک ماڈرن لڑکی کے روپ میں ملے گی جیسا کہ پہلے بھی مل چکی ہے اور تم اسے یہ احساس مت ہونے دینا کہ اب تمہارے دل میں اس کے لئے کوئی برائی ہے۔"

"ٹھیک ہے تائی جان!"

"تمہارے اس تعاون کا بہت بہت شکریہ!"

پھر میں تائی جان کے پاس سے واپس آ گیا۔ میں ان کی ایک ایک بات پر غور کر رہا تھا اور میرے ذہن میں بہت سے منصوبے بن رہے تھے۔ ماما یا کسی کو میں نے ابھی اس بارے میں کچھ نہیں بتایا تھا۔

دوسرے دن سیرا کا فون موصول ہوا۔ کمبخت بڑی دلکش آواز میں بول رہی تھی۔ "میں سیرا بول رہی ہوں شہاب! تمہارا انتظار کر رہی ہوں۔"

"کہاں......؟"

"تمہارے گھر سے زیادہ فاصلے پر نہیں ہوں، چاہو تو پیدل بھی آ سکتے ہو، میں کار میں موجود ہوں۔"

"میرا انتظار کر لو گی؟" میں نے کہا۔

"زندگی بھر، تم آؤ تو سہی!"

میں نے جلدی جلدی لباس تبدیل کیا اور اس کے بعد پیدل گھر سے باہر چل پڑا۔ سیرا کی خوبصورت اسپورٹس کار زیادہ فاصلے پر نہیں تھی، ڈرائیونگ سیٹ پر وہ خود بیٹھی ہوئی تھی اور آس پاس کئی نوجوان لڑکے اسے دیکھ رہے تھے۔ بہت ہی دلکش لگ رہی تھی کمبخت! میں اس

کے برابر جا بیٹھا تو اس نے کار اسٹارٹ کر کے آگے بڑھا دی۔

"کہاں چلیں؟" اس نے سوال کیا۔

"یہ بات مجھے بتانی پڑے گی سیرا؟" میں نے کہا تو وہ مسکرا دی پھر بولی۔ "اس وقت تمہاری زبان سے اپنا نام سن کر مجھے جتنی خوشی ہوئی ہے، میں تمہیں بتا نہیں سکتی، تم مجھے سیرا ہی کہا کرو اور میں تمہارے لئے سیرا ہی رہوں گی، آؤ کسی اچھے ریسٹوران میں بیٹھ کر باتیں کریں گے۔" سیرا نے کافی فاصلہ طے کرنے کے بعد ایک خوبصورت ریسٹوران کے سامنے گاڑی روک دی اور ہم دونوں اندر جا کر بیٹھ گئے۔

اس وقت ذرہ برابر یہ احساس نہیں ہو رہا تھا کہ وہ کوئی جیتی جاگتی انسان نہیں ہے۔ اس نے ایک عمدہ سا آرڈر دیا اور پھر مسکرا کر مجھے دیکھنے لگی اور بولی۔ "تمہیں میرے اندر کوئی ایسا احساس ہو رہا ہے جس سے کوئی اجنبیت ٹپکتی ہو؟"

"بالکل نہیں!"

"ساری عمر ایسی ہی رہوں گی اور تمہیں کوئی شبہ نہیں ہونے پائے گا، میں تم میں سے ہو جاؤں اور تم ہم میں سے ہو جاؤ، کیا سمجھے؟"

"ٹھیک ہے، میں اس سلسلے میں طاہرہ خانم سے بات کر چکا ہوں۔"

"ہم سب الگ اپنی زندگی گزاریں گے، تم میرا مؤقف سمجھتے ہی ہو۔" اس نے کہا اور پھر پیار بھرے انداز میں میری کلائی پر ہاتھ رکھا لیکن یوں لگا، جیسے اسے کوئی شدید جھٹکا لگا ہو۔ اس نے ایک ہلکی سی چیخ کے ساتھ ہاتھ پیچھے کر لیا اور پھر آہستہ سے بولی۔ "تم نے وہ تعویذ نہیں اتارا، تم دیکھو ہمارے دشمن کس طرح ہم پر حاوی ہو گئے ہیں، انہوں نے تمہیں مجھ سے دور کرنے کی ہر ممکن کوشش کی ہے، وہ ہمیں قریب نہیں ہونے دینا چاہتے، پلیز یہ تعویذ اتار دو۔"

"یہ ایک اچھی بات ہے سیرا! تم اس قدر دلکش لگ رہی ہو کہ میرے ذہن میں تمہارے لئے کوئی بھی برائی آ سکتی ہے، اس وقت تک جب تک ہم مناسب طریقے سے ایک دوسرے کی زندگی میں شریک نہ ہو جائیں، ہمیں فاصلہ رکھنا ہو گا، کم از کم میں اسی نظریئے کا قائل ہوں اور اس کے لئے یہ تعویذ ایک دیوار کی حیثیت رکھتا ہے۔"

"اوہ! ٹھیک ہے، جب تم نے مجھ سے تعاون کیا ہے تو میں تم سے ہر تعاون کے لئے تیار ہوں۔" سیرا نے بیچارگی سے کہا۔ البتہ اس نے اپنی کرسی تھوڑی سی پیچھے سرکا لی تھی۔ میں اس کا بغور جائزہ لے رہا تھا۔ ویٹر نے اس کا منگوایا ہوا آرڈر سرو کر دیا اور وہ بالکل عام انسانوں کی طرح میرے ساتھ کھانے پینے میں مصروف ہو گئی۔

"طاہرہ خانم نے تو ایک اچھی دوست ہونے کا بھرپور ثبوت دیا ہے اور میرے لئے سب کچھ کرتی رہی ہیں لیکن میرے ذہن میں ایک اور تجویز ہے، اتنی عمدہ کہ تم سنو گے تو اچھل پڑو گے۔" سنیرا نے مسکرا کر کہا۔

"دیکھو میں بار بار یہ بات نہیں دہراؤں گی کہ میں سیفونہ نہیں بلکہ گورنی ہوں اور صرف اپنی بچی کے وجود میں زندہ رہنا چاہتی ہوں تاکہ میری محبت قائم رہے، میں جو تجویز دے رہی ہوں، وہ یہ ہے کہ میں تمہاری دونوں بہنوں میں سے کسی ایک کا روپ دھار لوں، میں تمہاری تایا زاد بہنوں کی بات کر رہی ہوں، حرا اور سلطانہ کی...... اگر میں ان میں سے کسی کا روپ دھار لوں اور تم ان میں سے کسی ایک کی حیثیت سے مجھ سے شادی کر لو تو تمہارا پورا خاندان خوش ہو جائے گا اور تمہارے تایا ابو تو جان نچھاور کریں گے لیکن مجھے ایک بہت بڑا فائدہ ہوگا کہ میں گیتی آراء بیگم کو قابو میں کر لوں گی، حرا یا سلطانہ دونوں میں سے ایک کا فیصلہ کر لو کہ کسے اپناؤ گے؟"

"لیکن پھر سیفونہ کے اس بدن کا کیا ہوگا، جو تم نے محفوظ کر رکھا ہے؟"

"وہی ہوگا، جو میں چاہتی ہوں، یہ تو صرف دنیا کے دکھاوے کی بات ہوگی۔"

"مگر اس کے لئے کرنا کیا ہوگا، اگر تم سلطانہ یا حرا کا روپ دھار لوگی تو جس کا روپ دھارو گی، اس کا کیا ہوگا؟"

"تمہیں اسے قتل کرنا پڑے گا۔"

"اوہ! یہ تم ایک ایسا کام بتا رہی ہو مجھے جو میں نہیں کر سکتا، براہِ کرم کوئی سادہ راستہ بتاؤ، پیچیدگیاں مت پیدا کرو۔"

سنیرا کے روپ میں گورنی عجیب سی نگاہوں سے مجھے دیکھنے لگی، پھر مدھم لہجے میں بولی۔

"شکریہ، بہت بہت شکریہ!"

"کس بات کا......؟"

"میں تمہیں آزما رہی تھی کہ تم میرے معاملے میں مخلص ہو یا نہیں، مجھے اب یقین آ گیا ہے کہ تم خلوص سے یہ بات کہہ رہے ہو، مجھے سیفونہ کے بدن کو متحرک کرنا ہے اور اس کے روپ میں زندہ رہنا ہے، ہم اس سلسلے میں آئندہ فیصلہ کر لیں گے کہ ہمیں کیا کرنا ہے۔"

تھوڑی دیر کے بعد ہم وہاں سے اٹھ گئے تھے۔

کمبخت گورنی نے جو تجویز پیش کی تھی، خدانخواستہ اگر اس کے لئے میرے دل میں کوئی ایسی جگہ ہوتی اور میں اس کے مقصد کو پورا کرنے میں تیار ہوتا تو کیا واقعی مجھے حرا یا سلطانہ میں سے کسی کو قتل کرنا پڑتا۔ میرے دل میں ایک درد سا جاگ اٹھا۔ دونوں مجھ سے کتنا پیار

کرتی تھیں، اس کا مجھے بھرپور طریقے سے اندازہ تھا۔

اسی رات قیصر خان میرے پاس آ گیا اور بولا۔

"صاب! آپ میرے پاس تھوڑا باہر آؤ گے؟"

"ہاں قیصر خان! کہیں گئے ہوئے تھے؟"

"جی صاحب! آج جمعرات تھا نہ، میں نے آپ کو بولا تھا کہ مرشد نے میرے کو جمعرات کے دن بلایا ہے۔"

"مجھے بھی لے جاتے!"

"نہیں صاب! مرشد نے میرے کو اکیلا بلایا تھا۔"

"بتاؤ کیا بات ہے، خیریت تو ہے؟"

جواب میں قیصر خان نے اپنے لباس کے اندرونی حصے سے دو تعویذ نکالے اور ان میں سے ایک مجھے دیتے ہوئے بولا۔ "دوسرا میرے پاس ہی رہنے دو صاب! مرشد نے کہا ہے کہ یہ ایک تعویذ آپ کو وہ کام دے گا جو آپ پہلے کرنا چاہتے تھے۔"

"کیا......؟"

"آپ اس تعویذ کو اس کے سامنے جلاؤ گے جو آپ کے پاس آنا چاہتا ہے۔" قیصر خان نے کہا اور میرے ذہن میں ایک چھناکا سا ہوا۔ گورنی......! میں نے دل میں سوچا۔ قیصر خان کو اس بارے میں کچھ نہیں معلوم تھا لیکن میں جانتا تھا کہ یہ بات کس کے لئے کہی گئی ہے۔

"اور دوسرا تعویذ قیصر خان؟" میں نے قیصر خان کے دیئے ہوئے تعویذ کو احتیاط سے اپنے لباس میں سنبھال کر رکھتے ہوئے کہا۔

"مرشد کا حکم ہے کہ دوسرے تعویذ کے لئے مرشد خود میرے کو بتائے گا کہ دوسرا تعویذ مجھے کب آپ کے حوالے کرنا ہے۔"

"ٹھیک ہے، کیا مجھے یہ بھی نشاندہی کی گئی ہے کہ جس کے سامنے مجھے یہ تعویذ جلانا ہے، اسے خود بلاؤں؟"

"خدا کا قسم، میرے کو اس بارے میں کچھ نہیں معلوم۔"

بہر حال میرے دل میں مرشد کے لئے بڑی عقیدت اور بڑا احترام تھا۔ پچھلی بار بھی جب انہوں نے مجھے یہ تعویذ عطا فرمائے تھے تو مجھ سے غلطی ہو گئی تھی، جبکہ مرشد نے میرے لئے زندگی قربان کر دی تھی۔ درحقیقت یہ چند لوگ ایسے تھے، جن کا احسان میں کبھی اتار ہی نہیں سکتا تھا۔ مرشد سے ایک معمولی سی شناسائی ہوئی تھی اور انہوں نے مجھے کتنا بڑا مان دیا

تھا۔ بہر حال اس بارے میں بہت دیر تک سوچتا رہا۔ رات کو ارجمند کا فون آیا۔

"جنابِ عالی! کیا بات ہے، کچھ زیادہ مصروفیت ہے، ہم آواز سننے سے بھی محروم ہیں۔"

"ایسا نہ کہو ارجمند! اب تو تم دل کے گوشے گوشے میں رہتی ہو۔"

"چکر نہیں لگایا؟"

"ابھی میں چکر میں ہوں، ذرا یہ چکر ختم ہو جائیں بس پھر آخری ہی کچھ چکر لگانے پڑیں گے۔"

"ویسے ایک بات ہے شہاب! پاکستان آ کر آپ پتہ نہیں کس کیس کے چکر میں پڑ گئے، بحرین میں تو آپ نے یہ کبھی نہیں سوچا ہوگا۔"

"مجھے یہ سارے چکر پیارے ہیں کیونکہ اسی چک پھیری میں مجھے ارجمند کے مل جانے کی امید ہوگئی ہے۔"

"خوب باتیں بنانا آ گئی ہیں، پہلے تو اتنی باتیں نہیں بنایا کرتے تھے آپ!"

"وقت وقت کی بات ہے، پتہ نہیں یہ عشق کیا کیا سکھا دیتا ہے، ویسے کیا ہو رہا ہے گھر میں؟"

"اللہ تعالیٰ کا احسان ہے، باتیں ہوتی رہتی ہیں آپ لوگوں کے بارے میں۔"

"ارجمند وہاں میری نمائندہ ہے اور نمائندوں سے رپورٹ طلب کی جا سکتی ہے، مس ارجمند! ہمارے بارے میں کیا باتیں ہوتی ہیں؟"

"بس نانا ابو کہتے ہیں کہ بات کچھ سمجھ میں نہیں آتی۔ یہ لوگ فرشتے ہیں کہ ہم جیسے غریب لوگوں کو اتنی عزت اور اہمیت دے رہے ہیں، ورنہ شہاب کے لئے پاکستان میں لڑکیوں کی کیا کمی ہے، ایک سے ایک شاندار لڑکی اس کے قدموں میں آ سکتی ہے۔"

"ٹھیک کہتے ہیں وہ لوگ، ایک سے ایک شاندار لڑکی میرے قدموں میں آ سکتی ہے مگر صرف ایک لڑکی ایسی ہے، جس کی جگہ میرے دل میں بن سکتی ہے اور وہ ہے ارجمند..... اصل میں دیکھنے کا فرق ہے، اگر کوئی ارجمند کو میری نگاہوں سے دیکھے تو شاید میرے پاس جو کچھ ہے، اس سے زیادہ قیمتی ارجمند کے قدموں تلے کی مٹی ہے۔"

"ارے ہار گئے، بھئی ہار گئے، آپ واقعی ہم سے زیادہ شاندار بات کر سکتے ہیں ہم تو اپنے آپ کو ہی تیس مار خان سمجھتے تھے۔"

ارجمند سے بہت دیر تک باتیں ہوتی رہیں اور پھر ٹیلیفون بند ہو گیا لیکن ارجمند سے باتیں کر کے دل کو جس طرح خوشی کا احساس ہوتا تھا، اس کے آگے ساری باتیں ہیچ تھیں۔ رات کو بارہ ساڑھے بارہ بجے تک میں جاگتا رہا اور ارجمند کے بارے میں سوچتا رہا۔

جب وہ میری زندگی میں شامل ہو جائے گی تو شب و روز کس طرح گزریں گے۔ واقعی اس میں شک نہیں کہ پاکستان آ کر کچھ الجھے ہوئے تھے، لیکن ارجمند اگر مل جائے تو زندگی میں ایک خوشگوار سفر کا آغاز ہو سکتا ہے۔ انہی سوچوں میں نیند آ گئی۔

دوسری صبح خود بخود ایک خوشگوار کیفیت کا احساس ہوا تھا۔ قیصر خان کے پاس جا بیٹھا۔ بڑا مخلص انسان تھا اور بہت اچھا دوست...... میرے لئے تو ہمیشہ جان نچھاور کرنے کو تیار رہتا تھا۔ قیصر خان کے پاس بیٹھا چائے پی رہا تھا کہ گیٹ پر ایک گاڑی آ کر رکی۔ میں اور قیصر خان چونک کر ادھر دیکھنے لگے۔ گاڑی سے اتر کر جو شخصیت اندر آئی تھی، اس کا اس وقت آنا انتہائی حیرت ناک تھا۔ یہ وکیل ظاہر حسین تھے۔ میں بری طرح چونک پڑا اور میرے منہ سے نکلا۔

"خدا خیر کرے۔" میں تیزی سے ظاہر حسین کے پاس پہنچا اور بولا۔ "ظاہر حسین صاحب! خیریت ہے؟"

"ہاں سب خیریت ہے، دل میں ایک بے چینی تھی، جس نے مجھے رات بھر سونے نہیں دیا، تمہارے پاس آنا تھا، میں نے سوچا کہ پہنچ جاؤں بعد میں جو کچھ ہوگا، دیکھا جائے گا، میرا مطلب ہے کہ تم لوگ ناگواری سے میری آمد کو دیکھو گے لیکن میں تمہیں سمجھا لوں گا۔"

"آپ کیسی باتیں کر رہے ہیں ظاہر حسین صاحب! آپ میرے انکل ہیں صرف وکیل تو نہیں ہیں، میرے پاپا کے دوست ہیں، آیئے اندر آیئے۔"

"یہ بتاؤ ممتاز احمد اور افشاں بیگم جاگ گئے ہوں گے کیا؟"

"دونوں جاگ گئے ہوں گے۔" میں انہیں لے کر اندر آ گیا۔ تایا ابو کے بارے میں مجھے یقین تھا کہ جاگ رہے ہوں گے، ماما بھی جاگ جاتی تھیں۔ ظاہر حسین صاحب کو دیکھ کر تایا ابو بھی حیران ہو گئے۔ میں نے کہا۔ "آپ بیٹھئے یہاں، میں ماما کو بلا کر لاتا ہوں۔"

پھر میں ماما کو لے کر آ گیا۔ ظاہر حسین ہم دونوں کو دیکھ کر بولے۔ "ممتاز احمد خان صاحب بہت حیران ہیں کہ صبح ہی صبح میں کیسے نازل ہو گیا لیکن میں نے ان سے کہہ دیا کہ ذرا بھابی صاحبہ اور شہاب آ جائیں اس کے بعد ہی میں کچھ بتا سکوں گا، ویسے ایک بری خبر ہے اور اس کا تعلق میری بدنصیبی سے ہے۔"

"کیا ہوا ظاہر حسین صاحب! تمہید نہ باندھیں، آپ کا اس طرح صبح ہی صبح آنا ہمارے لئے بڑا سنسنی خیز ہے۔"

"بٹوارے کے کاغذات کی تفصیلات عدالت میں پیش کر دی گئی تھیں، یہ بات تو آپ کے علم میں ہے، محترم جج صاحب ان کا جائزہ لے رہے ہیں۔"

"ہاں پھر......؟"

"لیکن میرے ریکارڈ کیبنٹ سے دو فائلیں غائب ہوگئی ہیں اور ان کی جگہ دو نئی فائلوں نے لے لی ہے، یہ دونوں فائلیں بالکل بدلی ہوئی ہیں اور ان میں جو کاغذات ہیں، ان کی تحریریں بھی تبدیل ہیں، بڑی ذہانت اور مہارت سے ان کاغذات میں یہ بتایا گیا ہے، اس عظیم الشان جائیداد، زمینوں اور پلازوں میں سے کافی سے زیادہ زمینیں اور پلازے امتیاز احمد خان نے فروخت کر دیئے تھے اور یہ ڈیل محترمہ طاہرہ خانم کے ساتھ کی گئی ہے، یعنی آپ یہ سمجھ لیجئے کہ ان کاغذات کے تحت محترمہ طاہرہ خانم آپ کی کم از کم چھ یا سات ارب کی مالیت کی جائیداد کی مالک بن گئی ہیں، اس سلسلے میں تفصیلات بتائی گئی ہیں اور ان تفصیلات میں یہ بتایا گیا ہے کہ وہ جو نئی جائیداد اور رائس مل وغیرہ خریدی گئی تھی، اس کے لئے رقم طاہرہ خانم سے لی گئی تھی اور اس کے عوض یہ جائیدادیں اور زمینیں انہیں دے دی گئی تھیں، ان کاغذات میں یہ تفصیل موجود ہے، اصل میں اس کا آغاز تب ہوا جب بٹوارے کے سلسلے میں وکیل سردار علی نے مجھے فون کر کے کہا جو کاغذات میں نے عدالت میں پیش کئے ہیں، وہ جعلی ہیں اور اس زمین اور جائیداد کی بہت بڑی حصے دار محترمہ طاہرہ خانم ہیں، وکیل صاحب نے مجھ سے کہا کہ آپ ایک بار پھر ان کاغذات کا تجزیہ کریں، شاید آپ نے انہیں گہری نگاہوں سے نہیں دیکھا، میں تو ششدر رہ گیا، مجھے یوں لگا، جیسے سردار علی کا دماغی توازن خراب ہوگیا ہو، میں نے ان سے کہا نہیں، لیکن ان سے گفتگو اسی انداز میں کی اور انہوں نے بڑے تمسخرانہ انداز میں کہا کہ جعلی کاغذات کی عدالت میں پیشی ایک الگ کھیل شروع کر دے گی، اس لئے میں ہوش وحواس سے کام لوں، کہیں مشکل میں نہ پڑ جاؤں۔ یہ بڑی خوفناک بات ہے اور آپ یقین کرلیں کہ یہ میرے پورے کیریئر کا بھیانک ترین واقعہ ہے، جب میں نے ریکارڈ روم میں ان فائلوں کو دیکھا تو یہ فائلیں مجھے بالکل بدلی ہوئی لگیں، میں دنگ رہ گیا اور ایک اہم بات میں آپ لوگوں کو بتاؤں وہ یہ کہ ان فائلوں کے آس پاس بالکل اسی طرح کے بھورے بال پائے گئے ہیں، جن کے بارے میں آج تک پتہ نہیں چل سکا کہ وہ کون سے جانور کے بال ہیں اور کہاں سے آجاتے ہیں۔"

بڑے سنسنی خیز اور ہوشربا انکشافات تھے۔ ہم سب سکتے میں رہ گئے تھے۔ تھوڑی دیر کے بعد تایا ابو نے پریشانی سے کہا۔ "اور آپ جو کاغذات عدالت میں پیش کر چکے ہیں، ان کا کیا ہوگا؟"

"آپ یقین کریں قانونی لحاظ سے اگر ان کاغذات کو جعلی قرار دے دیا گیا تو ہمیں کافی الجھنوں کا سامنا کرنا پڑے گا، مشکل ہو جائے گی خاصی...... ظاہر ہے ہمارے پاس جو فائلیں

ہیں، وہ نقل ہیں، اصل فائلیں سردار علی بیگ کے پاس ہیں، جن کی انہوں نے نشاندہی کر دی ہے۔"

"ایک بات تو اس بات سے یہ ثابت ہوگئی کہ ہما خاتون یا تاجور جہاں کے وکیل سردار علی بیگ تھے اور ظاہر ہے اب اگر وہ بٹوارے کے سلسلے میں سامنے آئے ہیں تو یہ بھی طاہرہ خانم کی طرف سے ہے۔"

"وہ تو صاف ظاہر ہے، فائلوں میں جو تفصیلات ہیں، ان کے مطابق یہ انتہائی قیمتی جائیداد طاہرہ خانم نے خریدی ہے، ظاہر ہے سردار علی بیگ نے انہی کے لئے یہ تفصیل مجھے بتائی ہے اور بٹوارے کے لئے جو اصل کاغذات عدالت میں پیش کئے گئے ہیں، انہیں جعلی ثابت کیا جائے گا۔"

"اب کیا کریں؟" تایا ابو پریشانی سے بولے۔

"پہلی بات تو یہ کہ ہمیں فوری طور پر کوشش کر کے تاریخ لینی پڑے گی، اس کے علاوہ ایک آخری ترکیب یہ ہے کہ سرفراز احمد صاحب اس بٹوارے سے عدالت میں انکار کر دیں اور وہ کہیں کہ وہ کسی طرح کا کوئی بٹوارہ نہیں چاہتے، جائیداد وغیرہ کی جو تفصیلات ہیں، وہ جوں کی توں رہنے دی جائیں، سرفراز صاحب اگر اس کے لئے تیار ہو جائیں تو فوری طور پر یہ کیس واپس لیا جا سکتا ہے اور اس کے بعد ہم تحقیق اور چھان بین کریں کہ آخر یہ دوسری فائل کہاں تیار ہوئی، آپ یہ بتایئے کیا سرفراز صاحب اس سلسلے میں ہماری مدد کر سکیں گے؟"

ماما کے چہرے پر ایک نفرت کی لکیر کھنچ گئی۔ انہوں نے آہستہ سے کہا۔ "مشکل ہے، سرفراز جس عالم میں نظر آرہا ہے، اس کے بعد ظاہر ہے وہ ہمارے لئے کوئی کام نہیں کرے گا۔"

"پھر بھی اگر آپ کی اجازت ہو تو ایک بار سرفراز صاحب سے ملاقات کر لی جائے، ہو سکتا ہے اس بات کے ظاہر ہونے کے بعد کہ ان کی توقع کے خلاف تاجور جہاں، امتیاز احمد صاحب کی دوسری بیوی نہیں نکلیں، انہیں یہ باور کرایا جائے کہ اس خاندان کے خلاف سازشیں ہو رہی ہیں اور وہ اس سازش کا ایک حصہ بن چکے ہیں، اپنے ماں، باپ اور بہن، بھائیوں کے خلاف انہیں عمل پیرا نہیں ہونا چاہئے، اگر آپ کہیں گی بھابی صاحبہ تو شاید سرفراز صاحب کو تھوڑا سا احساس ہو۔"

"نہیں، ہرگز نہیں، آپ لوگ چاہیں تو بے شک اس سے مل لیں، میں اس سے کسی طرح کی کوئی رعایت نہیں طلب کروں گی، لعنت بھیجئے، میں اب بھی یہی کہتی ہوں کہ جو کچھ ہماری

تقدیر میں ہے، وہ ہمیں مل جائے گا، آخر بحرین میں بھی تو ہم ایک عمدہ زندگی گزار رہے تھے بلکہ سچی بات کہوں کہ اگر حالات کے چرکے اسی طرح لگتے رہے تو ہم بحرین واپسی کے بارے میں بھی سوچ سکتے ہیں۔''

''نہیں، میں تمہیں اس طرح نہیں جانے دوں گا، تم لوگ واپس گئے تو یقین کر لو یہ میرے لئے موت ہوگی، خیر ایسا کرتے ہیں کہ وکیل صاحب، میں، آپ اور شہاب، سرفراز کے پاس چلتے ہیں اور اسے آزما لیتے ہیں، باقی اللہ مالک ہے۔''

''جیسا آپ مناسب سمجھیں۔'' ظاہر حسین نے کہا۔

تایا ابو نے راستے میں بڑے یقین کا اظہار کرتے ہوئے کہا۔ ''اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ سرفراز بری طرح بھٹک گیا ہے، لیکن میرا خیال ہے تاجور جہاں کے واقعے کے بعد اسے تھوڑی بہت عقل ضرور آئی ہوگی، ہمت نہیں پڑی ہوگی کہ ہمارے پاس آ کر اپنی غلطی کا اعتراف کرے لیکن نجانے کیوں مجھے امید ہے کہ اس وقت وہ ہم سے تعاون کرے گا، اصل میں یہ بات میں اس لئے کہہ رہا ہوں کہ جب تاجور کے کیس کے اختتام کے بعد ہم باہر آئے تھے تو وہ عجیب سے انداز میں کھڑا ہمیں دیکھ رہا تھا، اس کی آنکھوں میں تنہائی کا شدید احساس تھا۔''

میں نے یا ظاہر حسین نے اس بات پر کوئی تبصرہ نہیں کیا۔ ہم اس کوٹھی پر پہنچ گئے جہاں سرفراز بھائی نے رہائش اختیار کی تھی، حالانکہ ہم نے انہیں اطلاع نہیں دی تھی کہ ہم آ رہے ہیں لیکن نجانے کیوں ایک اعتماد تھا کہ وہ گھر پر ہی مل جائیں گے اور ایسا ہی ہوا۔ غالباً یہاں کچھ نئے ملازموں کا بھی اضافہ ہوا تھا کیونکہ جس شخص نے دروازہ کھولا، وہ ہمارے لئے اجنبی تھا لیکن بڑی شاطر سی شکل وصورت کا مالک...... ہم سے کچھ سوال جواب کرنے کے بعد اس نے ہمیں ڈرائنگ روم میں پہنچا دیا۔ سرفراز بھائی ڈرائنگ روم میں آئے تو سائرہ ان کے ساتھ تھی۔ سائرہ کو دیکھ کر میرا منہ بن گیا تھا۔ سائرہ نے بھی کچھ چڑانے والے انداز میں مجھے دیکھا تھا اور مسکرائی تھی۔

''کیسے ہیں آپ لوگ؟'' سرفراز بھائی بھاری لہجے میں بولے۔

''ٹھیک ہیں، آپ سے کچھ بات کرنی ہے سرفراز بھائی اور معاف کیجئے گا تنہائی میں کرنی ہے، اگر سائرہ ہمیں تھوڑا سا وقت دے دیں تو ان کی نوازش ہوگی۔''

''بڑے افسوس کی بات ہے کہ آپ لوگ جان بوجھ کر اپنے آپ کو دھوکا دیتے ہیں، آپ کو علم ہے کہ میرے اور آپ کے درمیان جو بھی بات چیت ہوگی، اگر سائرہ کے سامنے نہ ہوئی تب بھی آپ لوگوں کے جانے کے بعد میں سائرہ کو اس بارے میں پوری تفصیل بتاؤں

گا، کچھ ساتھ اور واسطے ہوتے ہیں، جن میں انسان کسی کے لئے بالکل الگ نہیں ہوتا۔''

''بعد میں آپ اپنا شجرۂ نسب بھی بتا دیں، ہمیں اعتراض نہیں ہوگا، لیکن اگر آپ اس وقت تنہائی میں بات سننا پسند کریں تو ٹھیک ہے۔'' میں نے تلخ لہجے میں کہا۔

سرفراز بھائی نے غصیلی نگاہوں سے مجھے دیکھا اور بولے۔ ''ٹھیک ہے، میں جانتا تھا کہ آپ میرے پاس کوئی امن مشن لے کر نہیں آئے ہوں گے بلکہ تلخ باتیں کرنے اور مجھے برا بھلا کہنے ہی آئے ہوں گے۔''

''ارے آپ لوگ بات کیوں بڑھا رہے ہیں، میں چلی جاتی ہوں، بعد میں مجھے بتا دیجئے گا کہ کیا بات ہوئی تھی۔'' سائرہ نے پھر فراخدلی کا مظاہرہ کیا اور کھٹ کھٹ کرتی ہوئی باہر نکل گئیں۔

''میں آپ کو یہ بتانا چاہتا ہوں کہ تائی جان نے پھر وار کیا ہے، آپ کو خود بھی علم ہے کہ یہ جائیداد وغیرہ پاپا نے جس طرح بنائی، اس کا ہمیں تک علم نہیں ہو سکا، آپکو یہ بھی علم ہے بھائی جان کہ تائی جان نے کس طرح ایک خاتون کو اس بات پر آمادہ کیا کہ وہ اپنے آپ کو پاپا کی بیگم کہہ کر روشناس کرائے، بات جائیداد کی نہیں تھی بلکہ پاپا کے وقار کو داغدار کرنے کی تھی۔''

''ایک منٹ...... تائی جان سے میری اس موضوع پر بات ہو چکی ہے، کیا آپ لوگوں میں سے کسی کے پاس ایسا کوئی ثبوت ہے کہ تاجور جہاں کے بارے میں یہ بات ثابت ہو سکے کہ اسے تائی جان نے کسی ایسے عمل پر آمادہ کیا تھا، کہیں سے بھی ایسا کوئی ثبوت ہے کہ تاجور جہاں کے بارے میں یہ بات ثابت ہو سکے کہ اسے تائی جان نے ایسے کسی عمل پر آمادہ کیا تھا، کہیں سے بھی ایسا کوئی ثبوت یا شہادت نہیں ملی، اس کے باوجود اگر تائی جان پر کوئی الزام تراشی کی جا رہی ہے تو کر لیں آپ لوگ، میں ان کا احترام کرتا ہوں، انہیں ایسے کسی عمل کی ضرورت نہیں ہے، کوئی ثبوت لے کر آئے ہیں آپ ظاہر حسین صاحب......؟''

''نن...... نہیں، لیکن اس بار جو اسکینڈل سامنے آیا ہے، وہ پہلے سے زیادہ سنسنی خیز ہے۔''

''کیا......؟''

''آپ کے پاپا کی اربوں روپے کی جائیداد طاہرہ خانم نے اپنی ملکیت قرار دی ہے اور بتایا ہے کہ آپ کے پاپا نے یہاں جو خرید وفروخت کی ہے، وہ محترمہ طاہرہ خانم کے سرمائے سے کی ہے، طاہرہ خانم نے اس سلسلے میں کچھ کاغذات پیش کئے ہیں۔''

''جعلی ہیں؟'' سرفراز بھائی نے طنزیہ انداز میں کہا۔

"اس کی کوئی تصدیق نہیں ہوسکی اور نہ ہم کرانا چاہتے ہیں۔"

"میں کیا خدمت کرسکتا ہوں؟"

"آپ اس بٹوارے سے انکار کر دیجئے۔"

"کیوں......؟"

"تا کہ جائیداد خرید وفروخت کا یہ منصوبہ زیر تحقیق لایا جاسکے اور سکون سے چھان بین کی جاسکے، اگر ابھی تقسیم کی بات ہوئی تو پھر ہم یہ ثابت نہیں کرسکیں گے کہ طاہرہ خانم کے پیش کئے ہوئے کاغذات جعلی ہیں۔"

"جناب ظاہر حسین صاحب! میں نے خود بھی بحرین کی ایک فرم میں ایک اعلیٰ پائے کی ملازمت کی ہے اور میرے پاپا بھی وہیں ملازمت کرتے تھے، میں آپ سے صرف یہ عرض کرنا چاہتا ہوں کہ یہ احمقانہ ہتھکنڈے مجھے متاثر نہیں کر سکتے، آپ کو سوچنا سمجھنا چاہئے، کاغذات عدالت میں پیش کیجئے، اگر غلط ثابت ہوتے ہیں تو دعویٰ خود بخود ختم ہو جائے گا، آپ میرے پاس کیوں چلے آئے ہیں؟"

"اس لئے کہ آپ امتیاز احمد خان صاحب کی اولاد ہیں۔"

"سنئے جناب! میں ایک جذباتی احمق نہیں ہوں، ہر کام سوچ سمجھ کر کرتا ہوں اور پھر ویسے بھی آپ یقین کرلیں کہ سائرہ سے شادی کرنے کے بعد میں اس ملک میں نہیں رہوں گا، ہم لوگ انگلینڈ میں سیٹل ہونے کا پروگرام بنا چکے ہیں، طاہرہ خانم کچھ عرصے کے بعد میری ساس بننے والی ہیں، انہوں نے اپنے تمام اثاثے اور مفادات اپنی بیٹی کے ساتھ مجھے منتقل کرنے کا فیصلہ کیا ہے، آپ خود سوچ لیجئے۔"

"صرف ایک بات کا جواب دے دیجئے، بٹوارے کے سلسلے کو آپ ملتوی کریں گے یا نہیں؟"

"ہرگز نہیں، میں تائی جان کے خلاف کوئی بھی قدم نہیں اٹھا سکتا، کھل کر بتا رہا ہوں آپ کو!"

"چلو بیٹے چلو۔" تایا ابو اٹھ کھڑے ہوئے پھر وہ گردن جھکا کر کمرے سے باہر نکلے تو ہم لوگ بھی ان کے پیچھے چل پڑے۔

ظاہر حسین نے راستے میں کہا۔ "مجھے میرے گھر کے پاس اتار دیں، خاصی مشکل میں پڑ گیا ہوں لیکن اپنے وسائل سے کام لوں گا، جو کاغذات ہم نے پیش کئے ہیں، وہ اگر جعلی قرار پا گئے تو پھر ہمیں خاصی مشکلات کا سامنا کرنا پڑے گا۔" میں نے کوئی جواب نہیں دیا۔

ظاہر حسین کو ان کی مطلوبہ جگہ اتار دیا گیا اور اس کے بعد میں تایا ابو کے ساتھ گھر واپس

آ گیا تایا ابو بھی بہت دکھی تھے لیکن میں نے اپنے طور پر راستے ہی میں بہت کچھ سوچا تھا۔ تایا ابو کو گھر اتارنے کے بعد میں قیصر خان کے ساتھ تائی جان کے گھر کی جانب چل پڑا۔ تائی جان نے میرا پُرتپاک استقبال کیا تھا۔

"تم جب آتے ہو تو نجانے کیوں مجھے بڑی اپنائیت کا احساس ہوتا ہے، کیسے ہو؟"

"آپ کے پاس آنا چاہتا تھا لیکن تائی جان! وقت نے مجھے سکھا دیا ہے کہ ہر انسان دو رُخی چال کر ہی مطمئن رہ سکتا ہے، ہم کسی بھی مسئلے میں کتنے ہی مخلص کیوں نہ ہو جائیں، ہمیں منہ کی کھانی پڑتی ہے۔"

"کیا ہوا کیا بات ہے، کچھ بددل سے نظر آ رہے ہو؟"

"آپ سے کچھ سوالات کرنا چاہتا ہوں۔"

"ہاں بولو!"

"تاجور جہاں کا کیس تو آپ کے علم میں ہے۔"

"ہاں اس فراڈ عورت نے واقعی بہت ہی غلط دعویٰ کیا تھا، تم لوگوں میں ایک بہت بڑی خرابی ہے، جب سب کچھ کر گزرتے ہو تو اس کے بعد میرے پاس آتے ہو، پہلے ہی اگر کہتے تو دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی ہو جاتا، خیر چلو چھوڑو، وہ بات ختم ہوگئی۔"

"آپ کو علم ہے تائی جان کہ آپ کی طرف سے اس جائیداد کے سلسلے میں کچھ دعوے کئے گئے ہیں؟"

"افسوس! تم مجھ سے میرے شایانِ شان بات نہیں کر رہے، دعوے نہیں کئے گئے بلکہ حقیقت کی تھوڑی سی روشنی دکھائی گئی ہے، یہ سچ ہے کہ میرا امتیاز احمد صاحب سے رابطہ تھا، وہ خفیہ طور پر مجھے قابل اعتبار سمجھتے تھے اور کتنی ہی بار انہوں نے اس بات کا اظہار کیا تھا کہ بھابی جان! میں جو کچھ کرنا چاہتا ہوں، اس کے لئے یہ خاندان والے ہمیشہ میرے راستے کی رکاوٹ بنیں گے، آپ براہِ کرام در پردہ میری مدد کریں، بہر حال میں نے انہیں بہت کچھ دیا اور اس بات کا میں اعتراف کرتی ہوں کہ بڑی سوجھ بوجھ تھی ان کے اندر...... جو کچھ انہوں نے کیا اور خریدا، بے شک اس میں سرمایہ کاری میں نے کی لیکن اس سے انہوں نے بھی بڑے بڑے فائدے اٹھائے اور میں نے کبھی ان کے کسی فائدے میں رکاوٹ کا احساس نہیں ہونے دیا بلکہ ان سے بھرپور تعاون کیا، جائیداد کے وہ حصے، جو میری ملکیت بنتے ہیں، بالکل میرے ہیں بلکہ اگر میں یہ کہوں کہ میرے نہیں سرفراز کے ہیں تو غلط نہیں ہو گا۔"

"دیکھیں تائی جان! میں یہ بات اچھی طرح سمجھ گیا ہوں کہ آپ سے اختلاف کر کے

نقصان ہی نقصان اٹھانا پڑے گا، میں آپ سے بھرپور تعاون کرنے کے لئے تیار ہوں، دیکھیں ہر شخص اچھے انداز میں جینا چاہتا ہے، بھائی جان نے اپنا راستہ منتخب کر لیا ہے تو میں ان راستوں میں رکاوٹیں کیوں پیدا کروں، چلئے چھوڑیئے ان باتوں کو، میں آپ سے مشورہ کرنا چاہتا ہوں تائی جان کہ اب میں کیا کروں؟''

''پہلی بات تو یہ ہے کہ تم مجھے مشورہ دو کہ میں سرفراز کے سلسلے میں کیا کروں؟ ان دونوں کی کورٹ میرج کرا دی جائے یا پھر یہ بھی ہو سکتا ہے کہ سرفراز کے گھر والے اس شادی میں شریک ہوں یا نہ ہوں، میں اپنے طور پر اس کی شادی کی تیاریاں کر کے ایک پروگرام بنا لوں اور ان دونوں کو رشتۂ ازدواج میں منسلک کر دوں، جب سرفراز تیار ہیں تو کسی کو کیا اعتراض ہو سکتا ہے، تم سے بھی میں یہی کہوں گی کہ تم مکمل طور پر اپنی مرضی کے مالک ہو، اگر شادی میں خوشی سے شریک ہونا چاہو تو سر آنکھوں پر!''

''تائی جان! معاف کیجئے آپ کے ان الفاظ میں تھوڑی سی اجنبیت محسوس کر رہا ہوں میں!''

''وجہ ہے اس کی!''

''جی......!'' میں نے حیرانی کا مظاہرہ کرتے ہوئے کہا۔

''ہاں وجہ ہے اس کی، تم نے ابھی تک میری ایک بات نہیں مانی۔''

''کون سی بات تائی جان......؟''

''میں نے تم سے کہا ہے کہ جس قدر جلد ہو سکے، گورنی سے شادی کر لو اور یہ شادی کر کے میرے مسلک میں شامل ہو جاؤ، اگر میرے ذریعے یہ کام ہو گیا تو میرا مرتبہ بھی بڑھ جائے گا اور تمہیں اپنے درمیان میں بڑے فخر سے خوش آمدید کہوں گی، اس کے بعد کون میرے راستے میں رہ جاتا ہے، سب ٹھیک ہو جائے گا اور میں تو ہوں ہی سرپرائز دینے کی قائل!''

''ٹھیک ہے تائی جان! میں آپ کی ہدایت پر عمل کرنے کے لئے تیار ہوں، بس چند روز مجھے دے دیں، اس کے بعد میں آپ کی خدمت میں حاضر ہو جاؤں گا۔''

''ٹھیک ہے، تمہارا شکریہ، میرے لائق اور کوئی کام؟''

''نہیں، بس مجھے اجازت دیجئے۔''

تائی جان کی باتوں پر غور کرتا ہوا گھر واپس آ گیا۔ دل میں کچھ تھا لیکن جو کچھ ظاہر کر کے آیا تھا، وہ میرے لئے بڑا اذیت ناک تھا۔ تایا ابو نے یقینی طور پر ماما کو سرفراز بھائی سے ملاقات کے بارے میں بتا دیا ہوگا۔ میں جب گھر پہنچا تو ماما اور دانیہ افسردہ بیٹھے ہوئے

تھے۔

ماما نے مجھے دیکھ کر ایک ٹھنڈی سانس لی اور بولیں۔ ''تمہیں بددل ہونے کی ضرورت نہیں ہے، میں تو اس بدبخت کے لئے بددعا بھی نہیں کر سکتی، جو تقدیر میں لکھا ہے، وہ ہو گا، جائیداد کا جو بھی حصہ حاصل ہو سکے، وہ لے لینا، طاہرہ خانم اگر میرے شوہر کی محنت کو ہڑپ کرنا چاہتی ہیں تو کر لیں، ان کی بھی لے دے کر ایک ہی بیٹی رہ گئی ہے، بددعا میں اسے بھی نہیں دوں گی کیونکہ یہ بددعا میرے بیٹے سرفراز تک جا پہنچتی ہے لیکن باقی سب ٹھیک ہے، تم تیاریاں کرو، میں سمن آراء بیگم کے پاس جانا چاہتی ہوں، بس میرا ذہن بھی خراب ہو گیا ہے۔''

میرا دل ایک دم سے اچھل پڑا۔ ارجمند سے ملاقات کی خوشی سے بڑھ کر اور کوئی خوشی نہیں ہو سکتی تھی۔ ویسے بھی جو تکدر ذہن پر چھا گیا تھا، اسے دور کرنے کے لئے ارجمند سے ملاقات کرنا ضروری تھا۔ میں نے مسکرا کر دانیہ کو دیکھا اور کہا۔ ''کیا اداس شکل بنا رکھی ہے دانیہ! اتنی بڑی خوشخبری سن کر بھی تمہارے ہونٹوں پر مسکراہٹ نہیں آئی؟''

دانیہ بے دلی سے مسکرا دی پھر بولی۔

''بھائی جان کے رویئے کا مجھے دلی دکھ ہے، کیسے ہو گئے وہ؟''

''اب جیسے بھی ہو گئے ہیں، چھوڑو، اپنا موڈ ٹھیک کر لو۔''

''بیٹھو شہاب! ہم کل صبح ساہیوال چل رہے ہیں، کچھ شاپنگ کرنی ہے۔''

''جی ماما! شہاب دل و جان سے حاضر ہے۔'' میں نے کہا اور ماما مسکرا دیں۔

ماما نے بازار جا کر نجانے کیا کیا خرید ڈالا تھا۔ بے شمار جوڑے، سونے کے زیورات کا سیٹ اور اس کے علاوہ نجانے کیا کیا۔ یہ رات میرے لئے بڑی خوشگوار کیفیت کی حامل تھی۔ میں نے ارجمند کو فون کیا تو اس کا فون نکہت آراء بیگم نے اٹھایا اور ان کی آواز سن کر میں گڑبڑا گیا۔

''وہ......آنٹی! میں ارجمند سے......''

''ارجمند کسی کام سے گئی ہوئی ہے، اس سے جو کچھ کہنا ہے، مجھے بتا دو۔'' نکہت آنٹی کے انداز میں شوخی تھی۔

''وہ دراصل کل ہم لوگ آ رہے ہیں، میں ارجمند کو یہ بتانا چاہتا تھا۔''

''میں بتا دوں گی، مجھے افشاں بیگم کا فون موصول ہو گیا ہے اور ہم تم لوگوں کے استقبال کے لئے تیار ہیں۔'' نکہت آراء بیگم نے شوخی سے کہا اور میں نے فون بند کر دیا۔ بہر حال یہ رات خوشگوار احساسات میں گزری تھی۔

ماما نے غالباً حرا، سلطانہ اور تایا ابو سے بھی بات کر لی تھی، کیونکہ صبح جب قیصر خان کے ساتھ چائے پی کر اندر گیا تو سب جاگ چکے تھے اور تیاریوں مین مصروف تھے۔ سرفراز بھائی سے جو باتیں ہوئی تھیں اور ان کی وجہ سے جو بددلی دل و دماغ پر طاری ہوئی تھی یا پھر تائی جان نے جو فضول پیشکشیں کی تھیں، ان کا احساس اس وقت کی خوشیوں سے مٹ گیا تھا۔ آخر کار تیاریاں مکمل ہو گئیں اور ہم سب گاڑی میں جا بیٹھے۔ حرا، سلطانہ اور دانیہ بے پناہ خوش تھیں۔ ماما نے تحفے تحائف سے آدھی گاڑی بھر ڈالی تھی۔ تایا ابو نے کہا تھا کہ کہیں ریاض حسین برا نہ مانیں کہ ہم لوگ اپنی امارت کا مظاہرہ کر رہے ہیں، تو ماما نے کہا میں سب سنبھال لوں گی، میری زندگی میں تو یہ پہلی خوشی ہے۔ ارجمند کے لئے سونے کے تین سیٹ خریدے گئے تھے، اس کے علاوہ نجانے کیا کیا۔

آخر کار ہم ساہیوال پہنچ گئے۔ وہاں ہمارے استقبال کی تیاریاں بڑی سادگی سے کی گئی تھیں۔ تحفے تحائف کے انبار جب ان لوگوں کے سامنے پیش کئے گئے تو ریاض حسین نے ہنس کر کہا۔ ''اعتراض کی کوئی گنجائش نہیں ہے لیکن یہ جملہ ضروری ہے جو میں کہہ رہا ہوں، درخواست گزار ہوں کہ اس جملے کا برا نہ مانا جائے، آپ لوگ جو کچھ کریں، اپنی مرضی سے کریں، میں آپ کی خوشی میں رکاوٹ نہیں بنوں گا، لیکن میری حیثیت تو آپ جانتے ہیں۔''

''اور آپ ہمارے لئے صرف دعائے خیر کریں خالو جان! یہ بات نہ بھولیں کہ یہ میرے مرحوم شوہر کا خاندان ہے اور جو کچھ میں کر رہی ہوں، یہ انہی کی کمائی ہے، آپ اگر اس پر اعتراض نہیں کریں گے تو ہم سب آپ کے احسان مند ہوں گے۔''

''آج کا یہ پروگرام کیا منگنی کا پروگرام سمجھا جائے؟''

''نہیں منگنی یا اور کوئی رسم تو میں بعد میں کروں گی، یہ صرف آپ کے سامنے ایک درخواست گزاری ہے کہ آپ میرے بیٹے شہاب کو اپنے قدموں میں قبول فرمائیں۔''

''اچھا اچھا چلئے جناب فرما لیا، ہمیں یہ رشتہ منظور ہے اور ہماری بیٹی ارجمند آراء اب ہمارے پاس اب آپ کی امانت ہے، آپ جب حکم دیں گی، ہم یہ امانت آپ کے حوالے کر دیں گے۔''

''اللہ تعالیٰ آپ کو ہمارے سروں پر قائم و دائم رکھے۔'' ماما نے پُرخلوص لہجے میں کہا۔

دانیہ، حرا اور سلطانہ اندر گھس گئی تھیں۔ وہ تھوڑی دیر کے بعد ارجمند کو لے کر باہر آ گئیں۔ ان کے اندر جانے پر بھی کسی نے اعتراض نہیں کیا تھا اور ارجمند کو وہ جو انتہائی قیمتی جوڑا پہنا کر تیار کر کے لائیں، اس پر بھی دادا ابو، سمن آراء بیگم اور نکہت آراء مسکرا رہی تھیں۔

ارجمند نے گھبرا کر کہا۔ ''م...... میں، میں تو منع کر رہی تھی لیکن ان لوگوں نے......!''

ارجمند کی اس بدحواسی پر سبھی ہنس پڑے تھے۔

نکہت آراء بیگم نے کہا۔ ''کوئی بات نہیں بیٹا! ان میں سے کون غیر ہے؟''

ان لوگوں نے اچھا خاصا کھانا وغیرہ پکایا تھا۔ نجانے کب سے مصروف ہو گئی تھیں۔ ڈھائی بجے کے قریب کھانا کھایا گیا اور اس کے بعد شام تک خوب چہلیں ہوتی رہیں۔ بڑا خوشگوار دن گزرا تھا۔ کوئی چھ بجے کے قریب ہم نے واپسی کا فیصلہ کیا اور لاہور چل پڑے، حالانکہ دادا ابو نے رات کے کھانے کی پیشکش بھی کی تھی لیکن بڑے احترام کے ساتھ ان سے معذرت کر لی گئی تھی۔

گھر واپس آنے کے بعد بھی سب کے سب خوشیوں میں ڈوبے رہے اور رات گئے تک اس بارے میں باتیں ہوتی رہیں۔ کسی کا سونے کو دل نہیں چاہ رہا تھا لیکن سونا بھی ضروری تھا۔ میں اپنے کمرے میں واپس آ گیا۔ میری خوشیوں کا ٹھکانہ نہیں تھا۔ ایک عجیب سا احساس دل کے گوشے گوشے میں جا گزیں تھا۔ یہ بھی سوچ رہا تھا کہ ابھی اس پروگرام کی بھنک تائی جان کو نہیں ملنی چاہئے۔ ماما اور تایا ابو نے ادھر کہہ بھی دیا تھا کہ یہ رشتہ طے ہو گیا ہے لیکن ابھی ہم کسی کو بتائیں گے نہیں جب تک کہ باقاعدہ منگنی کا اعلان نہ کر دیں۔ دادا ابو نے بھی اس بات سے اتفاق کر لیا تھا۔

رات کا کوئی ڈیڑھ بجا ہو گا جب کمرے میں اکتاہٹ محسوس کر کے میں باہر نکل آیا اور یونہی ٹہلتا ہوا آگے بڑھتا رہا۔ ماحول بالکل سنسان اور خاموش تھا۔ میری نگاہیں چاروں طرف بھٹک رہی تھیں کہ اچانک ہی میں نے کسی کو دوڑتے ہوئے دیکھا اور میں چونک پڑا۔ کوئی بھاگتا ہوا اس دوسرے حصے کی جانب جا رہا تھا اور پھر میں نے اس کے پیچھے کسی اور کو بھی بھاگتے ہوئے دیکھا۔ میرے دل میں خوف کا کوئی احساس تو تھا نہیں، میں نے بھی اسی طرف چھلانگ لگا دی۔ یہ کون تھا، جو آگے بھاگ رہا تھا اور کون تھا، جو اس کا پیچھا کر رہا تھا۔

میں تیزی سے اس دوسرے حصے کے کھلے دروازے سے اندر داخل ہو گیا۔ ایک کمرہ روشن نظر آ رہا تھا، اس کا دروازہ بھی کھلا ہوا تھا اور اندر سے کچھ آوازیں آ رہی تھیں۔ میں دروازے کے اس پار پہنچ گیا، تب مجھے ایک غرائی ہوئی آواز سنائی دی۔

''بتا امتیاز احمد کہاں ہے؟ اسے کس نے فرار کرایا ہے؟ بتا دے فردوس ورنہ میں تیرا وہ حشر کروں گا کہ زندگی بھر یاد رکھے گی۔''

میرے کان جھنجھنا گئے۔ عجیب سا نام لیا گیا تھا، عجیب سے الفاظ تھے، جو میں نے سنے تھے۔ میں نے جھانک کر دیکھا تو مجھے ایک دیوار کے ساتھ فردوس کھڑی ہوئی نظر آئی۔ یہ

وہی پُراسرار عورت تھی جس کا کردار ابھی تک واضح نہیں ہو سکا تھا۔ میں پھٹی پھٹی آنکھوں سے ان دونوں کو دیکھتا رہا۔

خراتون نے پھر کہا۔ ''دیکھ فردوس! بتا دے امتیاز احمد کہاں چلا گیا ہے اور تو نے اسے کہاں چھپا دیا ہے اور کس کے ایماء پر تو نے اسے فرار ہونے میں مدد دی ہے، بتا دے فردوس ورنہ بن موت ماری جائے گی، میں اسی وقت تجھے ختم کر دوں گا، زندہ نہیں چھوڑوں گا میں تجھے، امتیاز احمد میری ذمے داری ہے، اگر وہ میرے قابو سے نکل گیا تو مجھے سخت مصیبت کا سامنا کرنا پڑے گا، بس تو مجھے ایک بار یہ بتا دے کہ......!'' اچانک ہی خراتون کو کوئی احساس ہوا اور اس نے پلٹ کر مجھے دیکھا پھر اس کے چہرے پر ایک خوفناک کرختگی چھا گئی۔

''تو کہاں سے آمرا......! باز نہیں آئے گا تو ایسے، باز نہیں آئے گا، کچھ نہ کچھ ہو کر رہے گا تیرے ساتھ، چلا جا یہاں سے!''

میں بے خوفی سے آگے بڑھا اور میں نے کہا۔ ''خراتون! کس کا نام لیا تھا ابھی تو نے، کون امتیاز احمد، یہ نام تو میرے پاپا کا ہے۔''

''تو یہاں سے چلا جا میں کہتا ہوں چلا جا یہاں سے!'' وہ اچانک ہی میری طرف پلٹا۔ اس کا انداز ایسا تھا، جیسے مجھ پر حملہ کرے گا۔ میں خود بھی غرا کر آگے بڑھا اور میں نے اس پر ہاتھ ڈالنے کی کوشش کی لیکن اچانک ہی اس کی ایک چنگھاڑ ابھری اور وہ کئی قدم پیچھے ہٹ گیا۔

اس نے اِدھر اُدھر دیکھا اور پھر فردوس کی طرف رخ کر کے بولا۔ ''بچ نہیں سکے گی تو میرے ہاتھ سے سمجھی! بچ نہیں سکے گی اور تو......!''

''تو بھاگ کہاں رہا ہے، آ میں دیکھوں تو میرا کیا بگاڑ سکتا ہے؟'' میں نے کہا اور ایک بار پھر میں نے خراتون کی طرف چھلانگ لگائی لیکن وہ کسی چھلاوے کی طرح پیچھے ہٹ کر ایک دیوار سے ٹکرایا اور دوسرے لمحے دیوار سے پار ہو گیا۔

اب اس کا کمرے میں کوئی وجود نہیں تھا۔ میں نے پلٹ کر فردوس کو دیکھا اور دوسرے لمحے میں شدید جھنجھلاہٹ کا شکار ہو گیا کیونکہ فردوس بھی اب وہاں موجود نہیں تھی۔ میں آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر چاروں طرف دیکھنے لگا پھر میں دروازے کی جانب لپکا اور وہاں سے باہر نکل آیا۔ ہر طرف ہو کا عالم طاری تھا۔ میں کچھ دیر تک ادھر ادھر دیکھتا رہا اور پھر میری سماعت سے وہی الفاظ ٹکرائے۔ خراتون، فردوس سے پوچھ رہا تھا کہ امتیاز احمد کہاں ہے اور کس نے اسے فرار کرایا ہے۔ امتیاز احمد خان، امتیاز احمد خان یعنی میرے پاپا...... پاپا! میرا دل کنپٹیوں میں دھڑکنے لگا۔ یہ کیا سوال ہے، یہ کیسا سوال ہے۔ میرا دل چیخ چیخ کر مجھ سے

سوال کر رہا تھا۔

یہاں سے نکلنے کا خیال بھی نہیں آیا حالانکہ اس وقت یہاں کا ماحول بے حد خوفناک ہو رہا تھا۔ دماغ بری طرح چکرا رہا تھا، دل کی دھڑکن عجیب ہو رہی تھی۔ آخر خراتون، فردوس سے یہ کیسا سوال کر رہا تھا، اس کا مطلب کیا تھا۔

میں نے اِدھر اُدھر نگاہیں دوڑائیں اور بیٹھنے کے لئے کوئی جگہ تلاش کرنے لگا، پھر اس کمرے سے باہر نکل آیا اور ایک مناسب جگہ بیٹھ کر دونوں ہاتھوں سے سر پکڑ لیا۔ خوف کا کوئی احساس میرے دل میں نہیں تھا۔ ماضی کا ایک ایک خیال دل میں لا رہا تھا۔ پاپا کی لاش، ان کے لباس کی جیب سے برآمد ہونے والی تصویر، پھر فردوس کا تصویر چرانا، حمیدہ کے نام سے میرے کمرے کی صفائی کرنا، دانیہ سے دوستانہ سلوک کرنا۔ اس کا ہر عمل پازیٹو تھا لیکن اس دن واش روم سے غائب ہو جانا اور اس وقت بھی وہی عمل ......فردوس بھی یقیناً ایک غیر انسانی کردار تھا مگر خراتون اس سے پاپا کے بارے میں کیوں پوچھ رہا تھا۔ میں اس کے الفاظ ذہن میں دہرانے لگا۔

''بتا امتیاز احمد کہاں ہے، اسے کس نے فرار کرایا ہے۔''

''دیکھ فردوس! بتا دے امتیاز احمد کہاں ہے، اسے کس نے فرار کرایا ہے، کس کی ایماء پر تو نے اسے فرار ہونے میں مدد دی ہے۔''

کیا ہیں یہ الفاظ...... کیا...... کیا...... کیا پاپا......!

میں وہاں سے چل پڑا۔ ساری رات پھولوں کی کیاری کے پاس بیٹھے بیٹھے گزار دی۔ اجالے کی کرنیں نمودار ہوئیں تو اس خیال سے واپس کمرے میں آ گیا کہ ابھی کچھ دیر کے بعد قیصر خان جاگ جائے گا اور مجھ سے الٹے سیدھے سوالات کرے گا۔

کمرے میں داخل ہی ہو رہا تھا کہ موبائل فون کی آواز سنائی دی اور میں اچھل پڑا۔ اس وقت کون فون کر سکتا ہے۔ جھپٹ کر فون اٹھایا، دوسری طرف سے ظاہر حسین کی آواز سنائی دی۔

''سوری شہاب! بہت دیر سے فون کر رہا ہوں، اس وقت فون کرنے کی معافی چاہتا ہوں۔''

''خیریت......! ظاہر حسین صاحب!''

''شہاب......! امتیاز احمد زندہ ہیں۔''

یہ ایک اور دھما کا تھا۔ آواز ہی نہ نکل سکی۔ فون کان سے لگائے لرزتا رہا۔ ظاہر حسین صاحب کی آواز پھر ابھری۔ ''شہاب! امتیاز احمد زندہ ہیں، کوئی شبے والی بات نہیں ہیں، میں اپنے دوست کی آواز پہچانتا ہوں۔''

''ظاہر حسین صاحب! براہِ کرم تفصیل بتایئے۔''

نجانے کس طرح میرے حلق سے پھنسی پھنسی آواز نکلی۔

''فون آیا تھا میرے پاس، ان کا فون آیا تھا، پہلے انہوں نے تصدیق کی کہ آپ ظاہر حسین بول رہے ہیں، میرے ہاں کہنے پر وہ بولے۔ ظاہر حسین میں امتیاز احمد ہوں، اتنے عرصے کے بعد میرے فون پر تمہیں حیرانی ہوئی ہو گی، میں نہیں جانتا کہ اس دوران کیا کیا ہو چکا ہے لیکن جو تھوڑی بہت معلومات مجھے حاصل ہوئی ہیں، ان کے تحت یہ پتہ چلا ہے کہ طاہرہ بیگم میرے بچوں کا حق مارنے کی کوشش کر رہی ہیں، یہ ایک لمبا کھیل ہے، تمہیں تفصیل بتاؤں گا فی الحال میری بات سنو، سنا ہے کہ میری جائیداد کے سلسلے میں جو کچھ جعلی کاغذات پیش کئے گئے ہیں، میں تمہیں اصل کاغذات کی نشاندہی کرتا ہوں، کاغذات بینک کے لاکر میں ہیں، اس کی تفصیل تمہیں اس پتے سے مل جائے گی، پتہ نوٹ کرو، شہاب! یہ پتہ اسی فلیٹ کا ہے، جہاں ہمارے خیال کے مطابق امتیاز احمد کی لاش پائی گئی تھی، اب حقیقت کیا ہے، یہ تو بعد میں ہی پتہ چلے گی۔''

''اس کے علاوہ پاپا نے اور کچھ نہیں کہا، وہ کہاں ہیں؟''

''بس انہوں نے اتنا ہی کہا کہ ابھی وہ دشمنوں کے نرغے میں ہیں، بینک کے لاکر میں ا کاغذات موجود ہیں، لاکر سے متعلق تفصیل اسی فلیٹ میں ہے، میں نے ان سے کہا کہ ان ے ملاقات کب ہو گی تو انہوں نے کہا کہ وقت آنے پر ملوں گا۔''

''یہ فون کب آیا تھا؟''

''کوئی بیس منٹ پہلے میرے موبائل پر، کیا تم میرے پاس آ رہے ہو؟ ہم ساتھ ہی

چلیں گے۔''

''میں پہنچ رہا ہوں، کوئی خاص بات ہوئی تو آپ کے فون پر اطلاع دے دوں گا۔'' فون بند کر کے میں نے فوراً ہی نادر خان کو فون کیا اور اسے تفصیل بتا دی۔

نادر خان بولا۔

''ٹھیک ہے، میں تیار ہو رہا ہوں، تم ایسا کرو قیصر خان کے ساتھ آ جاؤ، یہاں سے ظاہر صاحب کو ساتھ لے لیں گے۔''

''ٹھیک ہے۔''

فون بند کر کے میں نے برق رفتاری سے منہ، ہاتھ دھویا، لباس تبدیل کیا اور پھر دوڑتا ہوا قیصر خان کے پاس پہنچ گیا۔ قیصر خان جاگ گیا تھا اور چائے کی تیاری میں مصروف تھا۔ میں نے اس سے کہا۔ ''قیصر خان! آج چائے نہیں پئیں گے، آؤ ذرا بہت ضروری کام ہے۔''

''ٹھیک ہے صاب!''

قیصر خان نے کہا اور تھوڑی دیر کے بعد ہماری گاڑی سڑک پر دوڑ رہی تھی۔

نادر خان اپنے گھر کے دروازے پر تیار ملا تھا پھر ہم ظاہر حسین کو ساتھ لے کر مطلوبہ فلیٹ پر پہنچ گئے۔ نادر خان نے اپنے ہاتھوں سے لاک کھولا۔ ابھی تک وہاں پولیس کی سیل لگی ہوئی تھی لیکن نادر خان نے انتظام کر لیا تھا چنانچہ اندر داخل ہونے میں ہمیں کوئی دقت نہیں ہوئی، ہم اندر پہنچ گئے۔

سب سے پہلے میں نے اسی الماری کی تلاشی لی، جس میں مجھے وہ تصویریں ملی تھیں۔ یہاں ایک خط کے ساتھ لاکر کی چابی موجود تھی۔ خط میں کچھ اس طرح کے کاغذات تھے، جو باقاعدہ حاصل کئے گئے تھے اور جن میں ہمیں بینک کا وہ لاکر کھولنے کی اجازت پاپا کے اصلی دستخطوں کے ساتھ دی گئی تھی۔

نادر خان نے کہا۔ ''بہت بڑی مشکل دور ہو گئی ورنہ بینک میں اتنی آسانی سے لاکر کھولنے کی اجازت نہ ملتی، اس کے لئے باقاعدہ قانونی کارروائی کرنا پڑتی۔''

پھر ہم نے وہ خط پڑھا جو سو فیصد پاپا کی تحریر میں تھا اور جس میں لکھا تھا۔

''بینک کے لاکر میں وہ کاغذات موجود ہیں جو جائیداد پر ہمارا مکمل حق ثابت کرتے ہیں، یہ وہی کاغذات ہیں جو ظاہر حسین کے پاس سے اڑائے گئے تھے اور ان کی جگہ جعلی کاغذات رکھ دیئے گئے تھے چونکہ ان جعلی کاغذات کے ذریعے ایک فراڈ کیا گیا ہے اس لئے تم طاہرہ خانم پر مقدمہ قائم کر سکتے

ہو، میں ٹھیک ہوں اور وقت آنے پر تم سے ملوں گا۔

خدا حافظ ......امتیاز احمد خان"

یہ خط پڑھ کر میرے ہاتھ کانپنے لگے تھے۔ یہ خوشی برداشت نہیں ہو رہی تھی۔ اچانک ہی نادر خان نے پوچھا۔ "ظاہر حسین صاحب! آپ کے پاس کال کس نمبر سے آئی تھی، یقیناً وہ نمبر محفوظ ہوگا؟"

"میں نے فوراً ہی معلوم کیا تھا، پبلک بوتھ سے یہ فون کیا گیا تھا۔"

"آپ براہ کرم پبلک بوتھ نمبر مجھے دے دیجئے، میں معلومات حاصل کرلوں گا۔"

"ٹھیک ہے۔" ظاہر حسین نے کہا اور اپنا موبائل فون نکال کر نادر خان کو نمبر دے دیا۔

اس کے بعد ہم لوگ اس فلیٹ سے نکل آئے اور بینک پہنچ گئے۔ لاکر سے ہمیں کاغذات کا لفافہ دستیاب ہوگیا اور اس کے بعد ہم وہاں سے چل پڑے۔

ظاہر حسین نے راستے میں کہا۔ "بات بہت زیادہ الجھی ہوئی ہے، کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا ہے کہ یہ کیا ہوا ہے، طاہرہ خانم نے یقیناً اپنی پُراسرار قوتوں کے ذریعے یہ کاغذات ہمارے پاس سے اڑائے تھے لیکن یہ امتیاز احمد خان کی تحویل میں کیسے پہنچ گئے اور سب سے بڑی بات یہ ہے کہ امتیاز صاحب زندہ ہیں، خدا کی پناہ! کیا انوکھے اور دلچسپ واقعات ہیں۔"

بہر حال طے پایا کہ ابھی ماما، تایا ابو وغیرہ کو پاپا کی زندگی کے بارے میں کچھ نہ بتایا جائے۔

میں گھر پہنچ گیا۔ بڑی مشکل سے خود پر قابو پا کر ان لوگوں کو مطمئن کیا اور بتایا کہ ایک ضروری فون آ گیا تھا جس کی وجہ سے جانا پڑا۔ بہر حال مجھ سے بہت زیادہ چھان بین نہیں کی گئی تھی۔

پورا دن جس عالم میں گزرا، بیان سے باہر ہے۔ بس دل یہ چاہ رہا تھا کہ کسی بھی طرح پاپا کو میرا فون نمبر معلوم ہو جائے اور وہ مجھے بھی فون کردیں لیکن یہ ظاہر ہے میرے بس کی بات نہیں تھی۔ اگر پاپا واقعی زندہ ہیں اور یہ بھی کوئی ایسا ہی سلسلہ ہے، جیسے اب تک پیش آتے رہے ہیں تو پاپا کی زندگی ہی ہماری سب سے بڑی دولت تھی۔ ایک بار پھر ہمارے دل کی دنیا آباد ہو جائے گی۔

بہر حال صبر کرنا بڑا مشکل تھا لیکن میں نے صبر کیا۔

رات کے کھانے کے بعد کچھ تھکن کا اظہار کر کے میں اپنے کمرے میں آ گیا اور بستر پر لیٹ گیا۔ میری سوچیں نجانے کہاں سے کہاں پہنچ گئی تھیں۔ وقت گزرتا رہا اور پھر نجانے کب مجھے نیند آ گئی۔

اس وقت رات کے سوا دو بجے تھے، جب اچانک میری آنکھ کھل گئی۔ کمرے میں کچھ

آہٹیں محسوس ہوئی تھیں۔ میں نے چونک کر دیکھا۔ اس روایتی ڈریسنگ ٹیبل کے پاس روشنی ہو رہی تھی جس پر پہلی بار میں نے سیفونہ کو دیکھا تھا اور اس وقت بھی یہ دیکھ کر میرے بدن میں ایک سنسناہٹ پھیل گئی کہ سیفونہ ڈریسنگ ٹیبل کے سامنے بیٹھی بال سنوار رہی تھی۔ یہ بات تو مجھے معلوم تھی کہ اب وہ سیفونہ نہیں بلکہ گورنی ہے لیکن بہر حال اس وقت وہ سیفونہ ہی کے روپ میں تھی اور اتنی رات ہونے کے باوجود مدھم روشنی میں بھی بہت دلکش نظر آ رہی تھی۔ میں اٹھ کر بیٹھ گیا تو وہ میری طرف مڑ گئی۔

"جاگ گئے، میں نے جان بوجھ کر آہٹیں کی تھیں کہ تمہاری آنکھ کھل جائے، تمہارے پاس آ کر تو تمہیں جھنجھوڑ نہیں سکتی تھی کیونکہ تم نے، تم نے!"

"کیا بات ہے سنیرا اس وقت!" اچانک ہی میں نے لہجہ بدل لیا۔ وہ سنیرا کے نام سے بہت خوش ہوتی تھی۔

وہ اپنی جگہ سے اٹھی اور چند قدم آگے بڑھ کر میرے پاس آ گئی۔ "جب سے تم نے اپنا رویہ تبدیل کیا ہے، میری نیندیں حرام ہو گئی ہیں۔ بس تمہیں دیکھنے آ گئی تھی، آؤ اب جاگ ہی گئے ہو تو باہر چلیں۔"

"تم یوں کرو سنیرا کہ سامنے والے حصے میں چلو، میں منہ، ہاتھ دھو کر آتا ہوں۔"

"میں تمہارا انتظار کر رہی ہوں۔" اس نے کہا اور کمرے کے دروازے کی جانب بڑھ گئی۔ میرا دل دھک دھک کر رہا تھا۔ میں اب وہ عمل کر ڈالنا چاہتا تھا، جس کے لئے صحیح وقت کا منتظر تھا۔ غسل خانے میں جا کر منہ، ہاتھ دھویا پھر اس تعویذ کو چیک کیا جو قیصر خان نے مجھے دیا تھا۔ دوسرے تعویذ کو سنبھال کر رکھا اور پھر ماچس نکال کر جیب میں محفوظ کی اور اس کے بعد اس حصے کی جانب چل پڑا جو خالی ہوتا تھا اور یہاں بہت سے واقعات پیش آ چکے تھے۔

سنیرا یا گورنی ایک کمرے میں موجود تھی۔ صرف اسی کمرے میں روشنی ہو رہی تھی۔ میں اندر داخل ہوا تو اس نے مسکراتی نگاہوں سے مجھے دیکھا پھر ایک طرف اشارہ کر کے بولی۔ "بیٹھو۔" اور پھر خود بھی میرے سامنے بیٹھ گئی۔ وہ کہنے لگی۔ "شہاب! کتنا وقت لو گے مجھ سے منسوب ہونے کے لئے؟"

"طریق کار کیا ہوگا سنیرا؟ مجھے تو کچھ نہیں معلوم اس بارے میں۔"

"طاہرہ خانم انتظام کریں گی، ارشام کی کوٹھی ہمارا گھر ہوگی، اسے دنیا کی قیمتی چیز سے آراستہ کر دیا جائے گا، ہاں بس تمہیں ایک تکلیف ہوگی، تمہیں وہاں تنہا میرے ساتھ رہنا ہوگا لیکن اس کا بھی طریق کار میں تمہیں بتائے دیتی ہوں، تم اگر یہیں رہنا چاہو گے تو

مجھے کوئی اعتراض نہیں ہوگا، صبح سے لے کر رات تک تم ماما اور گھر کے دوسرے لوگوں کے ساتھ وقت گزار سکو گے، رات کو جب تم بستر پر سونے کے لئے لیٹو گے تو میں تمہیں آواز دے لیا کروں گی اور تم لمحوں میں میرے پاس پہنچ جایا کرو گے، مجھ سے منسوب ہونے کے بعد تمہیں کچھ پُراسرار قوتیں حاصل ہو جائیں گی بس میں تمہیں اسی روپ میں ملا کروں گی۔''

''آہ! تم نے مجھے بے خود کر دیا ہے، کیا میں یہ روشنی بجھا دوں؟''

سنیرا کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی پھر اس نے کہا۔ ''لیکن یہ تعویذ اتارنے کے بعد، اس تعویذ کو تم آج سے ہمیشہ کے لئے اتار پھینکو۔''

میں نے کارنس پر رکھی ہوئی موم بتی کی طرف دیکھا اور اس کی جانب بڑھ گیا۔ روشنی کا سوئچ اسی جگہ تھا۔ میں نے روشنی بجھائی پھر جیب سے ماچس نکال کر موم بتی جلا دی لیکن اس کے ساتھ ہی میں نے وہ تعویذ بھی نکال لیا تھا جو قیصر خان نے مجھے دیا تھا۔ اسے رول کیا اور موم بتی کی روشنی میں سنیرا کی طرف دیکھنے لگا۔

''سنیرا! میں آج یہ تعویذ جلائے دے رہا ہوں تاکہ تمہارے اور میرے درمیان فاصلے ختم ہو جائیں۔'' یہ کہہ کر میں نے ہاتھ میں پکڑے ہوئے تعویذ کو موم بتی سے لگا دیا۔ تعویذ نے فوراً ہی آگ پکڑ لی تھی۔

وہ تھوڑا سا ہی جلا تھا کہ سنیرا حلق سے ایک کرب بھری آواز نکل کر کھڑی ہو گئی۔

''شہاب! یہ...... یہ شہاب!''

میں نے تعویذ کو نیچے جھکایا تاکہ کاغذ ری طرح آگ پکڑ لے اور وہ دھڑا دھڑ جلنے لگا۔

اس بار سنیرا کی چیخ بہت ہی دلخراش تھی، اس نے ادھر ادھر ہاتھ، پاؤں مارے اور دروازے کی طرف بھاگنے کی کوشش کی لیکن اس کے پاؤں نہیں اٹھ رہے تھے۔ میں نے روشنی جلا دی۔ سنیرا اب بھیانک چیخیں مار رہی تھی، وہ برابر چیخ رہی تھی۔ ''یہ کیا کر رہے ہو شہاب؟ آہ! شہاب......!'' اس نے پھر اندھوں کی طرح قدم آگے بڑھائے اور زمین پر گر پڑی، اب وہ زمین پر لوٹتی پھر رہی تھی اور اس کے حلق سے کربناک چیخیں نکل رہی تھیں، اس کا سارا لباس جل چکا تھا اور اس کے بدن پر سیاہی پھیلتی جا رہی تھی۔

پھر اچانک ہی اس نے سکڑنا شروع کر دیا۔ اس کا بدن چھوٹا ہوتا جا رہا تھا اور اب وہ گورنی کی بھیانک شکل میں آ چکی تھی، سنیرا کا روپ ختم ہو گیا تھا، وہ زمین پر پاؤں رگڑ رہی تھی، اٹھنے کی کوشش کرنے میں بار بار گر رہی تھی اور میں بڑی ہمت اور دلیری کے ساتھ یہ منظر دیکھ رہا تھا یہاں تک کہ اس کا قد ایک فٹ کے قریب رہ گیا پھر اور چھوٹا ہوا اور چھوٹا ہوتے ہوتے آخر کار بالکل غائب ہو گیا۔

یہ منظر اس قدر بھیانک تھا کہ دیکھنے والے کے دل کی دھڑکنیں بند ہو جائیں لیکن قدرت نے شاید مجھے کچھ خاص ہی ہمت بخشی تھی۔ میں بڑی بے خوفی سے یہ منظر دیکھ رہا تھا پھر ایک عجیب سا سناٹا پھیل گیا، سارا ماحول سائیں سائیں کر رہا تھا، جلتے ہوئے تعویذ کا آخری سرا جب میری انگلیوں کو چھونے لگا تو میں نے اسے زمین پر ڈال دیا اور پھر میں نے غراتی ہوئی آواز میں کہا۔ ''گورنی! تو اب بھی ختم نہ ہوئی تو پھر شاید میں آگے کچھ بھی نہ کر سکوں۔'' یہ کہہ کر میرے قدم باہر کی جانب اٹھ گئے اور میں باہر کھلی ہوا میں نکل آیا۔

ماحول میں کچھ عجیب سی سنسناہٹیں گونج رہی تھیں۔ مجھے یوں لگا جیسے کچھ سائے ادھر سے ادھر بھاگ رہے ہوں، میں نے بہت اچھی طرح محسوس کیا کہ سایوں کی ہوا میرے جسم کو لگ رہی ہے، ان میں سے کسی کا رخ اس مکان کی جانب نہیں تھا بس وہ ادھر سے ادھر دوڑ رہے تھے، میرے پاس سے نکل رہے تھے۔ میں دانت بھینچے آگے بڑھتا رہا اور راہداری میں آ گیا لیکن راہداری میں بھی میں نے ایسی ہی آہٹیں سنی تھیں جیسے کوئی بغیر آواز کے دوڑنے کی کوشش کر رہا ہو، کئی بار ان کے لباسوں نے میرے جسم کو چھوا تھا لیکن مجھے کوئی نقصان نہیں پہنچایا۔

میں اپنے کمرے میں آ گیا اور اس کے بعد بستر پر پاؤں لٹکا کر بیٹھ گیا۔ مجھے یوں لگا جیسے سامنے والے روشندان سے کچھ آنکھیں اندر جھانک رہی ہوں، ان آنکھوں میں نفرت کا طوفان امڈ رہا تھا، مدھم مدھم آوازیں بھی ابھر رہی تھیں۔

میں نے غراتی ہوئی آواز میں کہا۔ ''میں نے جو کچھ کیا ہے، میں اس پر پشیمان ہوں اور نہ تم سے خوف زدہ، کہو تو باہر تمہارے مسکن میں آ جاؤں، بگاڑ لینا میرا اگر کچھ بگاڑ سکتے ہو تو۔'' میں پلنگ سے اٹھ کھڑا ہوا اور مجھے یوں لگا جیسے باہر بھگدڑ مچ گئی ہو۔ میں دروازے پر آیا پھر چند قدم آگے بڑھا۔ سائے سمٹ گئے تھے۔ میں کچھ دیر تک وہیں کھڑا رہا اور اس کے بعد واپس اندر آ گیا اور میں نے کہا۔ ''میں دروازہ بند نہیں کر رہا، اپنے اور تمہارے درمیان فیصلہ کن جنگ چاہتا ہوں، تم میں سے کسی سے اگر میرا کچھ بگاڑا جائے تو بگاڑ لینا۔'' اس کے بعد میں بستر پر لیٹ گیا۔ میں نہیں جانتا کہ میرے اندر اس قدر ہمت کہاں سے پیدا ہو گئی تھی کہ ان خوفناک ترین واقعات کو میں کوئی اہمیت نہیں دے رہا تھا۔

بہر حال رات کے کسی حصے میں مجھے نیند آ گئی اور صبح کو جاگا تو پُرسکون تھا۔ میں قیصر خان کے پاس پہنچ گیا۔ قیصر خان نے معمول کے مطابق مسکرا کر میرا استقبال کیا تھا۔ میں نے اس کے ساتھ بیٹھ کر چائے پی تو قیصر خان نے اپنے لباس سے تعویذ نکال کر مجھے دیا اور بولا۔

''رات کو مرشد خواب میں آئے تھے اور انہوں نے کہا تھا کہ صبح کو جب شہاب ملے تو میں یہ

تعویذ اسے دے دوں اور اسے یہ بات بتا دوں کہ اس کا استعمال وہ جانتا ہے اور یقیناً یہ استعمال صحیح وقت پر ہونا ضروری ہے۔"

میں نے بڑی عقیدت سے وہ تعویذ لے کر اپنے لباس میں محفوظ کر لیا۔ پہلے تعویذ کا رد عمل میں دیکھ چکا تھا۔ تعویذ تو مجھے اس سے پہلے بھی ملے تھے لیکن خراتون نے انہیں جلانے کی کوششوں کو ناکام بنا دیا تھا۔ خاصی دیر تک قیصر خان کے ساتھ بیٹھا رہا پھر جب وہاں سے اٹھا تو دل میں یہ احساس تھا کہ دوسرا تعویذ مجھے بے مقصد نہیں دیا گیا ہوگا۔

دن کے کوئی گیارہ بجے مجھے تائی جان کا فون موصول ہوا اور میں نمبر دیکھ کر چونک پڑا۔ میں نے جلدی سے موبائل فون کان سے لگایا اور مؤدبانہ لہجے میں بولا۔ "جی تائی جان! شہاب بول رہا ہوں۔"

"کیا کر رہے ہو؟"

"کچھ نہیں تائی جان! حکم کریں؟"

"گھر آ جاؤ، میں انتظار کر رہی ہوں۔"

"میں حاضر ہوتا ہوں۔" میں نے جواب دیا اور فون بند ہو گیا۔ مجھے اپنے بدن میں ایک عجیب سی اینٹھن کا احساس ہو رہا تھا۔ دل اندر سے یہ کہہ رہا تھا کہ کچھ ہونے والا ہے، کیا......؟ اس کا کوئی علم نہیں تھا۔ بہر حال قیصر خان کے ساتھ جب تائی جان کے گھر پر پہنچا تو وہ باہر اپنی اسی لینڈ کروزر میں بیٹھی میرا انتظار کر رہی تھیں۔ ڈرائیونگ سیٹ پر وہ خود تھیں۔ مجھ سے کہنے لگیں۔ "ڈرائیور کو واپس کر دو، تمہیں میرے ساتھ چلنا ہے۔"

"جی تائی جان! جیسا آپ کا حکم!" میں نے پوری بے خوفی کے ساتھ قیصر خان کو واپس جانے کی ہدایت کی اور خود تائی جان کے ساتھ گاڑی میں آ بیٹھا۔

"آپ خود ڈرائیو کریں گی؟"

"ہاں!" تائی جان نے کہا اور لینڈ کروزر اسٹارٹ کر دی۔ وہ خاموشی سے گاڑی ڈرائیو کر رہی تھیں۔ میں نے تعریفی لہجے میں کہا۔ "کمال ہے آپ تو بہت اچھی ڈرائیونگ کر لیتی ہیں۔" تائی جان نے کوئی جواب نہیں دیا۔ تھوڑی دیر کے بعد گاڑی ارشام کی کوٹھی پر جا کر رکی تھی، کچھ نامعلوم ہاتھوں نے گیٹ کھولا تھا اور تائی جان گاڑی کو اندر لے گئی تھیں آج پھر میں یہ دیکھ کر ششدر رہ گیا کہ کوٹھی شاندار فرنیچر سے آراستہ تھی اور اسی طرح سجی ہوئی تھی جس طرح میں نے اسے پہلی بار دیکھا تھا۔ بعض اوقات انسان دنیا کی ہر بات پر غور کرتا ہے، خود اپنے آپ پر غور نہیں کرتا۔ میں جن بھیانک واقعات سے گزر چکا تھا اور جو کچھ میں نے کر ڈالا تھا، اس پر میں نے غور ہی نہیں کیا تھا۔ میرے اندازے کے مطابق گورنی ہلاک ہو چکی

تھی۔ یہ کوئی معمولی واقعہ نہیں تھا۔ میں دیکھ چکا تھا کہ خراتون کس طرح گورنی کی مدد پر آمادہ رہتا ہے، تائی جان بھی گورنی کی ہمدرد تھیں تائی جان کے چہرے پر گورنی کی موت کا تاثر دیکھنا چاہا لیکن یوں لگتا تھا جیسے تائی جان کو ابھی گورنی کی موت کا علم نہیں ہے ورنہ ان کے رویئے میں کوئی خاص بات ضرور ہوتی، البتہ انہوں نے مجھے یہاں کیوں بلایا تھا؟ یہ بات میرے لئے سنسنی خیز تھی۔ میں ان کے ساتھ شاندار ڈرائنگ روم میں داخل ہو گیا۔ میں نے کہا۔ "تائی جان! میں نے اس کوٹھی کے دو روپ دیکھے ہیں، ایک یہ جو اس وقت ہے اور دوسرا وہ جو میں یہاں تنہا آ کر دیکھ چکا ہوں۔"

"ہاں! اس کے اور بھی بہت سے روپ دیکھ سکتے ہو تم لیکن اب یہ سمجھ لو کہ یہ تمہاری ملکیت ہے، تمہیں سنیرا کے ساتھ یہیں رہنا ہے اور آج میں نے فیصلہ کیا ہے کہ تمہیں سنیرا سے منسلک کر دوں۔"

"ایک سوال کروں تائی جان؟"

"ہاں پوچھو!"

"سنیرا کا مذہب کیا ہوگا، کیا اسلامی طریقے سے میرا نکاح اس سے کیا جائے گا یا پھر......!" میں نے دل ہی دل میں خوشی محسوس کرتے ہوئے کہا۔ سنیرا سے نکاح کی بات اس بات کی دلالت کرتی تھی کہ تائی جان کو سنیرا کی موت کے بارے میں معلومات حاصل نہیں ہیں۔

تائی جان کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔ انہوں نے کہا۔ "تم اس طرح کی باتیں سوچنا چھوڑ دو، میں جو کچھ کروں گی، ٹھیک کروں گی، بس تم دیکھتے جاؤ۔"

ابھی میرے اور تائی جان کے درمیان اتنی ہی بات چیت ہوئی تھی کہ باہر کچھ آہٹیں سنائی دیں۔

"دیکھو شاید سنیرا لوگ آ گئے، جو کوئی بھی ہے اندر آ جاؤ۔" تائی جان نے مطمئن لہجے میں کہا لیکن جو کوئی دروازہ کھول کر اندر داخل ہوا تھا، اسے دیکھ کر میرا دماغ بھی بھک سے اڑ گیا تھا۔

وہ نادر خان تھا، جو وردی میں ملبوس تھا، اس کے ساتھ پولیس کے کچھ افراد بھی تھے۔ تائی جان کا منہ حیرت سے کھل گیا۔

"تم......؟"

"جی محترمہ طاہرہ خانم! میں آپ کے گھر سے آپ کا تعاقب کرتا ہوا یہاں تک آیا ہوں۔"

"انسپکٹر! اب میرے لئے یہ سب ناقابلِ برداشت ہو چکا ہے، تیرا کوئی مؤثر بندوبست کرنا ہوگا، مجھے اپنے بیوقوفی پر غصہ ہے کہ میں نے ابھی تک تیرے لئے کوئی ٹھوس قدم کیوں نہیں اٹھایا۔"

"سوری طاہرہ خانم! آپ نے میرے لئے کوئی ٹھوس قدم نہیں اٹھایا لیکن میں نے آپ کے لئے ٹھوس قدم اٹھا لیا ہے، یہ آپ کا وارنٹ گرفتاری ہے، آپ اپنے آپ کو زیرحراست سمجھیں۔"

"کیا بکواس کر رہا ہے؟"

"چلو طاہرہ خانم کے ہاتھوں میں ہتھکڑیاں ڈال دو، آپ نے ایک دن مجھ سے بہت ہی حقیر لہجے میں کچھ باتیں کی تھیں طاہرہ خانم! آج میں آپ کو دھکے دیتا ہوا پولیس اسٹیشن لے جاؤں گا اور اس کے بعد جو ہوگا، وہ آپ سمجھتی ہیں۔"

"وارنٹ دکھاؤ۔" تائی جان کی غراہٹ بے حد خوفناک تھی۔

نادر خان نے وارنٹ ان کے سامنے کر دیا اور تائی جان اسے ہاتھ میں لے کر دیکھنے لگیں پھر انہوں نے خونی نگاہوں سے نادر خان کو دیکھا اور بولیں۔ "وقتی طور پر تو نے یہ وارنٹ کسی نہ کسی طرح حاصل کر لیا ہے، تیری اس کارکردگی کو سراہتی ہوں ورنہ پورے ملک میں کسی کی مجال نہیں تھی کہ طاہرہ خانم کے وارنٹ گرفتاری جاری کرتا لیکن اس طرح میری گرفتاری تیرے لئے ممکن نہیں ہے۔"

یہ کہہ کر اچانک ہی انہوں نے صوفے پر الٹی چھلانگ لگا دی جس پر وہ بیٹھی ہوئی تھیں۔ وہ تیزی سے پیچھے ہٹیں اور پشت کی دیوار سے ٹکرائیں، دوسرے لمحے وہ اس دیوار میں غروب ہو گئی تھیں۔

نادر خان اور اس کے ساتھ آنے والے پولیس والوں کا منہ حیرت سے کھل گیا۔ میں بھی اچھل کر کھڑا ہو گیا تھا۔ تائی جان اگر اس طرح نکل گئیں تو واقعی نادر خان کی شامت آ جائے گی اس کے علاوہ انہیں جب گورنی کی موت کا علم ہوگا تو اس بات کے امکانات ہیں کہ ہمارے پورے خاندان پر ہی تباہی نازل ہو جائے۔

دفعتاً ہی میرے ذہن میں وہ تہہ خانہ آیا جس میں ایک بار تائی جان کو دیکھ چکا تھا اور وہ گورنی کے ساتھ بیٹھی ہوئی غالباً کوئی گندا علم کر رہی تھیں۔

"آؤ نادر خان!" میں نے نادر خان کو اشارہ کیا اور دروازے کی جانب دوڑ پڑا۔ نادر خان بے اختیار میرے پیچھے آیا تھا۔ میں نے دروازے سے باہر قدم رکھ کر کہا۔ "اپنے ساتھیوں کو بھی بلا لو۔" ساتھی خود بخود ہی نادر خان کے پیچھے آ گئے تھے۔

میں اس کی رہنمائی کرتا ہوا اس تہہ خانے تک پہنچا اور میرا اندازہ بالکل ٹھیک نکلا۔ تائی جان جدھر سے بھی یہاں آئی ہوں لیکن اس وقت وہ اس تہہ خانے سے اندر داخل ہوئی تھیں۔ ان کے قدموں کی آہٹیں گونج رہی تھیں۔ دفعتاً ہی تہہ خانہ روشن ہو گیا۔ میں نادر خان اور اس کے ساتھیوں کے ہمراہ تہہ خانے میں اترا تو میں نے اسی سنگھاسن پر تائی جان کو بیٹھے ہوئے دیکھا۔

ابھی تک وہ اپنے اسی لباس میں تھیں لیکن سنگھاسن پر بیٹھے ہوئے اچانک ہی ان کا روپ بدلنے لگا اور کچھ لمحوں کے بعد وہ ایک انتہائی بھیانک شکل اختیار کر گئیں، ان کا چہرہ کالا ہو گیا تھا اور اس پر لمبے لمبے بال اُگ آئے تھے، اس کے ساتھ ہی ان کے ہاتھوں کی کلائیوں اور جسم کے کھلے حصوں پر بھورے رنگ کے بال نظر آ رہے تھے اور میرے ذہن میں ایک چھناکا سا ہوا۔ یہ بالکل ویسے ہی بال تھے، جیسے میں نے مختلف جگہوں پر لاشوں کے آس پاس دیکھے تھے۔ چودھری عرفان کی لاش کے پاس بھی یہ بال ملے تھے، پاپا کی لاش کے پاس بھی یہ بال موجود تھے اور اس عورت کے پاس سے بھی، جسے ہلاک کر دیا گیا تھا۔ تائی جان جلدی جلدی کوئی منتر پڑھ رہی تھیں۔

نادر خان نے اپنے ساتھیوں کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ "لگاؤ ہتھکڑی!" لیکن نادر خان کے ساتھیوں کے پاؤں جیسے جم گئے تھے۔ وہ دہشت بھری نگاہوں سے تائی جان کو دیکھ رہے تھے۔ اچانک ہی مجھے کچھ خیال آیا اور میں نے جلدی سے جیب سے وہ تعویذ نکال لیا جو صبح ہی قیصر خان نے مجھے دیا تھا۔ اب اس تعویذ کی ضرورت پیش آ گئی ہے۔ اچانک ہی میں نے نادر خان سے کہا۔ "ماچس یا لائٹر ہے تمہارے پاس؟"

"ہاں کیوں......؟"

"مجھے دو۔" میں نے کہا اور نادر خان نے جلدی سے ایک لائٹر نکال کر مجھے دیا۔ تائی جان کی آنکھیں بند تھیں اور شاید وہ کوئی بھیانک منتر پڑھ رہی تھیں جس کا ردعمل کچھ ہی لمحوں کے بعد ظاہر ہونے والا تھا۔

میں نے تعویذ کے سرے کو آگ لگا دی تو وہ دھڑا دھڑ جلنے لگا۔ دفعتاً ہی تائی جان نے آنکھیں کھولیں اور اس کے بعد ان کے حلق سے اتنی بھیانک چیخ نکلی کہ پورا تہہ خانہ تھرا کر رہ گیا۔ پولیس والے گھبرا کر واپس بھاگ پڑے تھے صرف نادر خان اور میں تھے جو یہاں کھڑے ہوئے تھے۔ ہم تعویذ جلتا ہوا دیکھ رہے تھے، تعویذ کے ساتھ ہی تائی جان کے سر سے آگ کے شعلے بلند ہو رہے تھے اور وہ بری طرح کپکپا رہی تھیں، انہوں نے اپنے سر کو نوچنے کی کوشش کی لیکن آگ ان کے ہاتھوں کی انگلیوں میں بھی لگ گئی اور پھر یہ آگ ان

کے پورے جسم میں پھیلتی چلی گئی۔

نادر خان چند قدم پیچھے ہٹ کر دیوار سے جا لگا تھا مگر میں بے خوفی سے تائی جان سے چند قدم کے فاصلے پر کھڑا ہوا انہیں جلتا دیکھ رہا تھا۔ وہ عجیب وغریب انداز میں جل رہی تھیں، ان کے جسم سے اب شعلے نہیں بلند ہو رہے تھے بلکہ ایک مدھم مدھم آگ ابھر رہی تھی، گہری سرخ اور ان کا جسم آگ کے ساتھ بھسم ہوتا جا رہا تھا۔ کوئی پانچ منٹ کے اندر اندر ان کا پورا جسم کوئلے کی طرح سیاہ ہو گیا، کچھ ہی لمحوں کے بعد زمین پر ان کی راکھ بکھر گئی۔

میں حیرت سے آنکھیں پھاڑے اس منظر کو دیکھ رہا تھا اور سوچ رہا تھا کہ کیا تائی جان ختم ہو گئیں، لگ تو ایسا ہی رہا تھا۔

میں پیچھے ہٹا اور نادر خان کے پاس پہنچ گیا۔

''میرے خیال میں یہ ختم ہو گئیں نادر خان!''

''ہاں ایسا ہی لگ رہا ہے، مم...... مگر یہ سب کیسے ہوا؟''

''بس ہو گیا۔'' میں مسکرا کر بولا تو نادر خان حیرت سے مجھے دیکھنے لگا۔

''یار! تم بالکل خوف زدہ نہیں ہو؟'' اس نے کہا اور پھسپھسی آواز میں بولا۔ ''اب ہم کیا کریں؟''

''خاموشی سے باہر نکل چلو، تمہارے ساتھی پولیس والوں نے بے شک اس جگہ کو دیکھ لیا ہے لیکن اب یہ تمہاری ڈیوٹی ہے کہ تم انہیں زبان بند رکھنے پر مجبور کرو۔''

''وہ کچھ نہیں بولیں گے لیکن مجھے ایک بات بتا دو کیا یہ واقعی مر چکی ہیں؟''

''میرا تو یہی اندازہ ہے۔'' پھر میں نے چونک کر کہا۔ ''آؤ ذرا باہر کا نظارہ کریں۔'' میرا اندازہ بالکل ٹھیک تھا۔ باہر کا منظر اب وہ تھا ہی نہیں، سب کچھ اجاڑ اور ویران...... فرنیچر کا نام ونشان تک نہیں تھا، باقی چیزیں بھی غائب ہو گئی تھیں۔

پولیس والوں نے غالباً باہر کا منظر دیکھا تھا اور یہاں سے بھی خوف زدہ ہو کر بھاگ گئے تھے۔ پولیس کی گاڑی عمارت کے احاطے سے باہر کھڑی ہوئی نظر آ رہی تھی جبکہ سیاہ رنگ کی لینڈ کروزر جسے تائی جان ڈرائیو کرتی ہوئی یہاں تک لائی تھیں، اپنی جگہ کھڑی ہوئی تھی۔

تھوڑی دیر کے بعد ہم ایک ریستوران میں بیٹھے کافی پی رہے تھے۔ نادر خان کے حواس گم تھے۔

''خدا کی قسم! میری زندگی میں اس سے زیادہ حیرت انگیز واقعات پیش نہیں آئے، کیا واقعی طاہرہ خانم ختم ہو گئیں؟''

میں نے کوئی جواب نہیں دیا تھا۔ کافی پینے کے بعد اس نے کہا۔ ''تم گھر جاؤ، دیکھیں

تقدیر ہمارے لئے کیا فیصلہ کرتی ہے۔''

پھر ایک ٹیکسی کی گئی جس میں، میں نے نادر خان کو تھانے پر اتارا اور خود گھر کی جانب روانہ ہو گیا۔

❀❀❀

گھر کا بیرونی حصہ سنسان پڑا تھا۔ کوئی نہیں نظر آ رہا تھا، اندر راہداری میں قدم رکھا تو حرا کو دادی اماں کے کمرے سے نکلتے ہوئے دیکھا۔ اندھا دھند بھاگتی ہوئی اسی طرف آ رہی تھی۔ مجھے دیکھا تو بری طرح چیخی۔ ''شہاب بھائی...... شہاب بھائی! دادی اماں...... دادی اماں!''

میرا دل دھک سے ہو گیا۔ بمشکل تمام میرے منہ سے آواز نکلی۔ ''کیا ہوا، کیا ہو گیا، کیا ہو گیا حرا......؟''

''ٹھیک ہو گئیں، بالکل ٹھیک ہو گئیں، چائے مانگ رہی ہیں، میں چائے بنانے جا رہی ہوں۔'' یہ کہہ کر حرا بھاگ گئی۔

میں سناٹے میں رہ گیا۔ مجھے یوں لگا، جیسے دادی اماں کے ہوش میں آنے کا تعلق تائی جان کے واقعے سے ہو۔ بہر حال میں آگے بڑھ گیا۔ پورا گھر دادی اماں کے گرد جمع تھا، وہ مسہری سے پشت لگائے بیٹھی تھیں اور بالکل تندرست نظر آ رہی تھیں۔

تایا ابو نے کہا۔ ''اماں بی! یہ شہاب ہیں، امتیاز احمد کے چھوٹے بیٹے!''

دادی اماں مجھے دیکھ کر مسکرائیں۔ ان کی آنکھوں میں شرارت کا انداز تھا، جیسے اس تعارف پر ہنس رہی ہوں لیکن اس کے بعد انہوں نے دونوں ہاتھ پھیلائے تو میں ان کے قریب پہنچ گیا۔

''بتایئے انہیں دادی اماں کہ ہمارا تعارف کب سے ہے؟''

دادی اماں نے میرا سر سینے سے لگا لیا۔ پتہ نہیں ان کے ہونٹ ہلے یا نہیں ہلے لیکن ان کی آواز ضرور ابھری۔ ''سب تیرا کیا دھرا ہے۔''

''تو کیا تائی جان! سچ مچ......'' میرے ہونٹوں سے بڑبڑاہٹ نکلی۔

''ہاں اور مجھے اس کا بھی افسوس ہے کیونکہ وہ میرے خاندان کی ایک فرد تھی لیکن افسوس دولت اور اقتدار کے لئے ایمان کھو بیٹھی تھی۔'' دادی اماں کی آواز پھر میرے کانوں میں ابھری پھر انہوں نے میرا ہاتھ دبا کر کہا۔ ''بس باقی بعد میں!''

کچھ لمحے دادی اماں کے سینے سے لگ کر میں سیدھا ہو گیا۔ یہاں کوئی بھی ایسا نہیں تھا جسے ان ہنگامہ خیز واقعات کی خبر ہو۔ جو مجھ پر بیت رہی تھی، میں ہی جانتا تھا، سارے کے

سارے اصل حالات سے ناواقف تھے۔ بہر حال اب اس بات کا یقین ہو گیا تھا کہ تائی جان اس دنیا سے رخصت ہو گئی ہیں۔

مجھے بالکل افسوس نہیں تھا۔ انہوں نے جتنے وار ہم پر کئے تھے، بس قدرت ہی تھی جس نے ہمیں بچایا تھا اور ان پُراسرار قوتوں کو ہمارا محافظ بنا دیا تھا جن کے بارے میں اب بھی حتمی طور پر کچھ نہیں کہا جا سکتا تھا۔ حرا، دادی اماں کے لئے چائے بنا کر لے آئی اور کچھ لمحوں کی اجازت لے کر میں وہاں سے نکلا اور اپنے کمرے میں آ گیا۔ میں نے کمرے کا دروازہ بند کیا اور اس کے بعد فوراً ہی ارجمند کا نمبر ملایا۔ میری تمام تر چاہتوں کا مرکز ہی ایک تھا۔ ارجمند سے رابطہ قائم ہو گیا تو میں نے کہا۔ ''ارجمند! کچھ پتہ ہے کیا ہو گیا؟''

''اللہ! جو کچھ بھی ہوا ہے، جلدی بتایئے، آپ کی آواز تو بڑی عجیب ہو رہی ہے۔''

''ہاں ارجمند! خوشخبریاں ہی خوشخبریاں ہیں، دادی اماں ہوش میں آ گئیں، بالکل ٹھیک ہیں اور وہ چائے پی رہی ہیں۔''

''کیا؟'' ارجمند کا لہجہ بھی میری توقع کے مطابق ہی تھا۔

''ہاں ارجمند! اور...... اور ایک بات بتاؤں؟''

''آپ یقیناً مجھ سے جھوٹ نہیں بولیں گے، دادی اماں سچ مچ......!''

''میں واقعی تم سے کبھی جھوٹ نہیں بولوں گا ارجمند! دادی اماں ہوش میں آ گئی ہیں۔''

''خدا کی قسم! نانی جان سنیں گی تو خوشی سے دیوانی ہو جائیں گی، آپ کو نہیں معلوم شہاب! ہر نماز میں گیتی آراء بیگم کے ملنے کے لئے بڑی گڑگڑا کر دعائیں مانگتی ہیں اور دوسری بات بتایئے۔''

''طاہرہ خانم کا انتقال ہو گیا۔''

''ایں...... کک...... کون طاہرہ خانم؟''

''تائی جان کا نام بھی بھول گئیں؟''

''شہاب! آپ یقیناً مجھ سے جھوٹ نہیں بولیں گے۔''

''میں یقیناً تم سے جھوٹ نہیں بولوں گا۔''

''تائی جان کا واقعی انتقال ہو گیا، کیسے؟''

''بس زیادہ تفصیل نہیں بتا سکتا، ایک تیسری اور بہت ہی اہم خبر اور بھی سن لو۔''

''اللہ......! آج تو آپ مسلسل دھماکے کر رہے ہیں۔''

''یہ دھماکا سب سے زبردست ہے اور یہ ہے کہ ارجمند کہ پاپا زندہ ہیں، وہ ابھی ہمارے پاس نہیں آئے ہیں لیکن ہمیں ان کی زندگی کی خبر مل گئی ہے، بہت جلد وہ ہمارے

پاس پہنچ جائیں گے۔''

ارجمند پر وہی اثر ہوا تھا، جو ہونا چاہئے تھا۔ بڑی مشکل سے اس نے پھولے ہوئے سانس کے ساتھ کہا۔ ''خدا کی قسم خوشخبریوں کے ڈھیر لگا دیئے آپ نے تو!''

''میں فون بند کر رہا ہوں۔'' میں نے کہا اور اس کے بعد فون بند کر دیا۔ سینہ خوشی سے پھول رہا تھا۔ تبھی ظاہر حسین کا فون موصول ہوا، ان کے لہجے میں بڑی سنسنی تھی۔

''کیا یہ سچ ہے شہاب جو مجھے نادر خان نے بتایا ہے؟''

''ہاں ظاہر صاحب! صرف وہی سچ نہیں ہے بلکہ ایک اور اطلاع ہے آپ کے لئے، وہ یہ کہ دادی اماں ہوش میں آ گئی ہیں اور اب بالکل صحت مند ہیں۔''

''میرے خدا! لیکن طاہرہ خانم کی موت کس طرح منظر عام پر آئے گی، یہ بات میری سمجھ سے باہر ہے، خیر جو ہونا ہے، وہ تو ہو کر رہے گا، ایک اور اہم اطلاع ہے تمہارے لئے!''

''اتنی ہی اہم جتنی نادر خان نے آپ کو دی ہے اور میں نے......؟''

''ہاں اتنی ہی اہم امتیاز احمد صاحب کا فون پھر مجھے موصول ہوا ہے، شام کو سات بجے میرے پاس آ رہے ہیں اور میرے ساتھ ہی تمہارے پاس آئیں گے باقی تفصیل انہی سے پتہ چلے گی۔'' میں گم صم ہو گیا تو ظاہر حسین نے مزید کہا۔ ''میری بات سنو، ایسا کرو اب گھر میں امتیاز صاحب کے مل جانے کی اطلاع بھی دے دو تاکہ ذہنی طور پر سب تیار ہو جائیں، سات بجے جیسے ہی وہ آئیں گے، میں انہیں لے کر تمہارے پاس آ جاؤں گا۔''

''ٹھیک ہے۔'' میں نے پھنسی پھنسی آواز میں کہا۔

سب سے پہلے تایا ابو کو اس بارے میں اطلاع دینے کا فیصلہ کیا۔ میں تایا ابو کے پاس پہنچ گیا۔ ڈاکٹر اشتیاق آ چکے تھے اور اس وقت دادی اماں کے کمرے میں تھے۔ انہوں نے سب سے معذرت کی تھی اور کہا تھا کہ وہ کچھ تھوڑا سا ٹریٹمنٹ کریں گے اس لئے انہیں تنہائی بخش دی جائے۔

میں نے تایا ابو سے کہا۔ ''تایا ابو! آپ کے لئے کچھ انوکھی خبریں ہیں میرے پاس، آپ یقیناً حیران ہوں گے، آیئے پلیز ذرا الگ تھلگ ہو کر بیٹھتے ہیں۔''

''خیریت! کیا خبر ہے؟'' تایا ابو، دادی اماں کی صحت یابی سے بہت خوش نظر آ رہے تھے۔

ہم ایک طرف جا بیٹھے۔ میں نے کہا۔ ''تایا ابو! آپ اس گھر میں برسوں سے رہتے ہیں، میں جب یہاں آیا تھا تو مجھے کچھ پُراسرار سے حالات سے واسطہ پڑا تھا، میں نے حرا

اور سلطانہ سے پوچھا کہ کیا وہ بھی اس گھر کے اس طلسمی ماحول سے آشنا ہیں تو انہوں نے خاموشی اختیار کی اور مجھ سے معذرت کرتے ہوئے کہا کہ اس موضوع پر میں کبھی ان سے بات نہ کروں، میں نے اس دن سے ان سے اس موضوع پر کوئی بات نہیں کی لیکن میں لاتعداد پُراسرار واقعات کا شکار رہا، خیر......! میں یہ کہنا چاہتا تھا کہ آپ کو اس بات کا علم ضرور ہوگا، پہلی خبر آپ کے لئے یہ ہے کہ طاہرہ خانم اس دنیا سے جا چکی ہیں۔''

تایا ابو پر ان الفاظ کا شدید ردعمل ہوا تھا۔ وہ پھٹی پھٹی آنکھوں سے مجھے دیکھنے لگے پھر بولے۔''کک...... کیا کہہ رہے ہو؟''

''جس طرح آپ یہ نہیں چاہتے کہ میں یہاں اس گھر کے موضوع پر کوئی بات نہ کروں، اسی طرح میں بھی اس بات کا خواہشمند ہوں کہ آپ مجھ سے تائی جان کی موت کی تفصیل نہ معلوم کریں، بہرحال جس طرح بھی ہوگا، ان کی موت منظر عام پر آجائے گی، دوسری خبر یہ ہے کہ میرے پاپا زندہ ہیں اور آج سات ساڑھے سات بجے وہ یہاں آجائیں گے۔''

تایا ابو نڈھال ہوگئے تھے۔ ان کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے پھر وہ بولے۔''معبود عالم تو نے جو خوشخبریاں مجھے عطا فرمائی ہیں، انہیں قائم و دائم رکھنا، میرا امتیاز زندہ ہے، خدارا اتنا تو بتا دو کہ کہاں تھا وہ اب تک اور جو لاش دستیاب ہوئی تھی، وہ کس کی تھی؟''

''آپ یقین کریں تایا ابو! مجھے صرف ان کی زندگی کی اطلاع ملی ہے اور پتہ چلا ہے کہ وہ سات ساڑھے سات بجے واپس آرہے ہیں اس سے زیادہ مجھے کچھ نہیں معلوم...... اب میں آپ کو ایک اہم ذمے داری سونپنا چاہتا ہوں وہ یہ کہ ماما اور دانیہ کو اس بارے میں خبر آپ دے دیجئے، میرے اندر ہمت نہیں ہے کہ میں انہیں یہ بتاؤں۔''

تایا ابو، پُرخیال انداز میں گردن ہلانے لگے پھر جلدی سے اٹھ کھڑے ہوئے۔''میں انہیں بتا دوں گا، تم اطمینان رکھو لیکن پورے وثوق سے سب کچھ کہہ رہے ہو نا؟''

''جی ہاں پورے وثوق سے!''

تایا ابو اپنی جگہ سے اٹھ گئے تھے۔ میں اپنے کمرے میں چلا گیا۔ عجیب سی کیفیتوں کا شکار تھا۔ تایا ابو نے ماما اور دانیہ کو کس طرح یہ تفصیل بتائی، یہ مجھے نہیں معلوم لیکن کچھ ہی دیر کے بعد سلطانہ اور حرا دوڑتی ہوئی آئیں اور میرے کمرے میں گھس آئیں۔

''جلدی چلئے شہاب بھائی! چچی جان بے ہوش ہوگئی ہیں، جلدی آئیے پلیز!'' انہوں نے کہا اور تیزی سے واپس دوڑ گئیں۔

میں ماما کے کمرے میں پہنچا تو ایک اور منظر دیکھا۔ دادی جان، ماما کے سرہانے بیٹھی ہوئی تھیں اور ماما کی پیشانی پر ہاتھ پھیر رہی تھیں۔ میں بتا نہیں سکتا کہ میں کس ذہنی کیفیت کا

شکار ہوا۔ دادی اماں کو اس طرح دیکھ کر بس دل پر ایک عجیب سا تاثر قائم ہوا تھا۔

تایا ابو بھی موجود تھے۔ انہوں نے مجھے تسلی دیتے ہوئے کہا۔''کوئی خاص بات نہیں، شدت خوشی سے بے ہوش ہوگئی ہیں، ڈاکٹر اشتیاق انجکشن تیار کر کے لا رہے ہیں۔ قیصر خان کو انجکشن لینے کے لئے بھیجا ہے۔''

میں خاموش ہوگیا۔ یہ ہنگامے تو ہونے ہی تھے اور پھر سب سے بڑا ہنگامہ اس وقت ہوا جب پاپا، ظاہر حسین اور نادر حسین کے ساتھ گھر آئے۔ کیا قیامت برپا ہوئی تھی، بیان سے باہر ہے، پتہ نہیں کسی اور کو خیال آیا ہو یا نہ آیا ہو، لیکن میرے دل میں سرفراز بھائی کا شدید خیال تھا۔ کاش وہ بھی ہمارے درمیان ہوتے۔ پاپا سے ہم اس طرح گلے ملے کہ پاپا کی آنکھیں بھی آنسو برسانے لگیں۔

لامتناہی خوشیاں ہی خوشیاں، جن میں اضافہ ہی ہوتا جا رہا تھا۔ رات کو دس بجے کے قریب ریاض حسین اپنے اہل خاندان کے ساتھ آگئے۔ پاپا اور دادی اماں کے ساتھ یہ محفل نجانے کیا لگ رہی تھی۔ ناقابل یقین سا منظر نگاہوں کے سامنے تھا۔ مجھے صاف لگ رہا تھا کہ دادی اماں خاص طور سے مجھے اپنے قریب محسوس کر رہی ہیں اور تھا بھی ایسا ہی...... یہاں آنے کے بعد دادی اماں کے ساتھ میرا ایک خاموش رابطہ رہا تھا۔ باتیں ہو رہی تھیں۔

تایا ابو نے کہا۔''شہاب! جہاں آراء بیگم اور اپنے پھوپھا جان کو بھی خبر کر دو ورنہ وہ شکایت کریں گے۔''

''جی میں ٹیلیفون کئے دیتا ہوں۔''

تایا ابو نے پاپا سے ان کی گمشدگی کے بارے میں پوچھا تو انہوں نے مسکراتے ہوئے کہا۔''مجھے کچھ وقت دے دیجئے، میں سب کچھ بتا دوں گا۔''

''اور اس فلیٹ سے ملنے والی لاش کس کی تھی؟'' تایا ابو نے سوال کیا۔

''بات اسی زمرے میں آجاتی ہے، بس تھوڑا سا وقت......!''

میں نے فون پر پھوپھی جان کو پاپا کی زندگی اور واپسی کے بارے میں اطلاع دی تو وہ بھی بے اختیار ہوگئیں۔ دادی اماں کے بارے میں بھی انہیں بتایا گیا۔ پھوپھا جمال الدین نے کہا۔''اس وقت ہمیں کوئی سواری تو مل نہیں سکے گی، ہم علی الصبح پہنچیں گے۔''

''جی ٹھیک ہے۔'' میں نے کہا۔

بہرحال رات تقریباً جاگتے ہوئی ہی گزری تھی۔ سب لوگ اپنے اپنے کمروں میں چلے گئے۔ پاپا میرے ساتھ ماما کے کمرے میں آگئے تھے۔ دانیہ سے رہا نہ گیا تو اس نے کہا۔

''پاپا! آپ نے سرفراز بھائی کے بارے میں نہیں پوچھا؟''

"بیٹے! مجھے معلوم ہے سب کچھ، اللہ تعالیٰ نے برا وقت ٹال دیا ہے، سب ٹھیک ہو جائے گا، فکر مت کرو۔"

"پاپا! انہوں نے بہت برا سلوک کیا ہے ہمارے ساتھ، اس طرح دور ہوگئے سرفراز بھائی ہم سے جیسے ہم سے کوئی واسطہ ہی نہیں تھا۔"

"نہیں بیٹے! ایسی بات نہیں ہے، وہ اپنے حواس میں تھا کب......!"

"پاپا! آپ کو ان کے بارے میں سب کچھ معلوم ہے؟"

"ہاں بیٹے! میں تم لوگوں سے بے خبر نہیں تھا لیکن میں قیدی تھا، مجھے زنجیروں میں جکڑا گیا تھا۔"

"کس نے پاپا؟" دانیہ نے پوچھا۔

پاپا نے محبت بھرے انداز میں اس کی ٹھوڑی کے نیچے ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔ "بعض باتیں بیٹا! بڑی مجبوری کی ہوتی ہیں، تم مجھے زندگی کی طرح پیاری ہو مگر کچھ پابندیاں، کچھ بندشیں ہوتی ہیں، محسوس مت کرنا۔"

"نہیں پاپا! آپ آگئے تو ہمیں سب کچھ مل گیا۔"

پھر صبح ساڑھے سات بجے کے قریب جب میں اپنے بہت ہی پیارے دوست قیصر خان کے پاس بیٹھا ہوا تھا، ایک ٹیکسی آ کر رکی۔ جمال الدین اور پھوپھی جہاں آراء بیگم ٹیکسی سے اتر کر اندر آئے تو میں نے آگے بڑھ کر ان کا استقبال کیا۔ جہاں آراء بیگم کا چہرہ سرخ ہو رہا تھا اور آنکھوں پر ورم تھا۔ ظاہر ہے ساری رات جاگتی اور روتی رہی ہوں گی۔

"ساری خبریں سچ ہیں نا بیٹا! کوئی وہم، کوئی دھوکا تو نہیں ہے نا؟"

"نہیں پھوپھی جان! اندر پاپا بھی موجود ہیں اور دادی اماں بھی جاگ رہی ہیں۔"

میں پھوپھی جان کو لے کر اندر پہنچا تو مکمل طور پر سب جاگ گئے۔ تایا ابو بھی آگئے۔ حمیدہ ناشتہ بنانے دوڑ گئی تھی۔ دادی اماں نے جہاں آراء بیگم کو گلے لگایا، وہ ان سے لپٹی روتی رہی۔ دادی اماں کے ہونٹوں پر ایک پُراسرار مسکراہٹ کھیل رہی تھی۔

اس ساری کہانی کی رازدار وہی تھیں لیکن اس کے بعد آج کا سب سے سنسنی خیز دھماکہ اس اخبار نے کیا، جسے قیصر خان اٹھا کر لایا تھا۔

اس نے وہ اخبار ہمارے سامنے کر دیا۔ بڑی جلی سرخی میں لکھا ہوا تھا۔ "شہر کی ایک انتہائی مقبول اور ممتاز سماجی کارکن طاہرہ خانم اچانک دل کا دورہ پڑنے سے انتقال کر گئیں، یہ ایک انتہائی مشہور سماجی اور روحانی شخصیت تھیں۔"

پوری خبر کا لب لباب یہ تھا کہ وہ صبح کو اپنے بستر پر مردہ پائی گئیں، ان کی بیٹی سائرہ خانم

نے سب سے پہلے ان کی لاش دیکھی اور انہیں ہلتے جلتے نہ دیکھ کر ڈاکٹر کو طلب کرلیا، ڈاکٹر نے بتایا کہ ان کی موت دس بارہ گھنٹے پہلے ہو چکی ہے۔

جو کچھ مجھے معلوم تھا، وہ نادر خان کے سوا کسی کو نہیں معلوم تھا۔ میں تجسس میں ڈوب گیا کہ تائی جان کی لاش تو کوئلہ بن کر راکھ کی شکل میں بکھر گئی تھی، کیا واقعی ان کا جسد خاکی بستر پر پایا گیا ہے یا یہ سائرہ خانم کی کوئی کہانی ہے۔ بہرحال اس سارے تجسس کو سینے میں دبائے ہم خبر پر تبصرہ کرتے رہے۔ میں نے چونکہ یہ اطلاع پہلے ہی دے دی تھی اس لئے میں ہی سوالات کا مرکز بنا رہا تھا البتہ دادی اماں نے ہم سب سے کہا۔ "اخبار سے اطلاع ملی ہے، وہ بہرحال ہمارے خاندان کی فرد تھی، تم سب لوگ وہاں پہنچ جاؤ اور اس کی تجہیز و تکفین میں حصہ لو، بس امتیاز احمد اور مجھے یہاں گھر میں رہنے دو، سمن آراء! تم بھی چلی جاؤ۔"

"جی!" سمن آراء بیگم نے کہا۔

اس کے بعد تیاریاں کی گئیں اور ہم سب وہاں پہنچ گئے لیکن وہاں لوگوں کا اتنا ہجوم تھا کہ ہمیں اندر پہنچنے میں بہت دقت پیش آئی۔ ہمارے پہنچتے ہی چند منٹ کے بعد نادر خان بھی آگیا اور اس نے فوراً ہی حالات سنبھالنے کے لئے پولیس کے جوان طلب کر لئے۔ بہرحال شہر کی بڑی بڑی شخصیات اس تدفین میں شریک تھیں اور سب سے بڑی بات یہ جو ہم نے خاص طور سے محسوس کی کہ سرفراز بھائی موجود نہیں تھے۔ یہ ناقابل یقین سی بات تھی، کسی نے خاص طور سے اس کا تذکرہ نہیں کیا۔

تائی جان کے جسم کو ہم نے اپنی آنکھوں سے دیکھا تھا۔ ایک عجیب سی کیفیت ان کے چہرے پر تھی لیکن بہرحال جسم موجود تھا۔ دوپہر کے بعد تدفین کردی گئی۔

رات کو دادی جان نے مجھے اس وقت طلب کیا جب پاپا، دادی اماں کے پاس کمرے میں اکیلے بیٹھے ہوئے تھے۔ وہ باقی لوگوں سے اجازت لے کر وہاں گئے تھے۔ جب میں کمرے میں داخل ہوا تو میں نے فردوس کو دیکھا، جو دادی جان کو پانی پلا رہی تھی۔ میری آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں۔ فردوس نے خاموشی سے دادی جان کو پانی پلایا اور پھر دروازے سے باہر نکل گئی۔

پاپا نے مسکراتے ہوئے مجھے دیکھا اور بولے۔ "میرا بہادر بیٹا جس نے سچی بات ہے کہ مجھے نئی زندگی سے روشناس کیا۔" یہ کہہ کر پاپا نے مجھے گلے لگا لیا۔

میں پریشان نگاہوں سے انہیں دیکھنے لگا تو دادی اماں نے کہا۔ "بیٹے اس طرح کے معاملات پردۂ راز میں ہوتے ہیں اور ان کا انکشاف من و عن نہیں کیا جاسکتا، میں شروع ہی سے طاہرہ خانم کا نشانہ رہی ہوں لیکن خوش بختی سے حاجی صاحب جو یہاں اس گھر کے مکین

ہیں، نے اپنا ہاتھ میرے سر پر رکھ دیا اور مجھے بہن بنا لیا، طاہرہ خانم نے کچھ ایسی قوتوں کا سہارا لیا تھا، جو ایمان کی قوتیں نہیں ہوتیں۔ انہوں نے باقاعدہ ہم سے مقابلہ شروع کر دیا، چنانچہ حاجی صاحب کے مشورے پر مجھے بستر سنبھالنا پڑا، بظاہر میں کوما میں تھی لیکن میرا عمل جاری تھا، طاہرہ خانم نے مجھے بلیک میل کرنے کے لئے امتیاز احمد کو اپنے پُراسرار علوم کے ذریعے قیدی بنا لیا اور ایک جگہ قید کر دیا پھر اور بہت سے واقعات ہوئے، میں اپنے بیٹے کی حفاظت کے لئے مسلسل کوششوں میں مصروف رہی اور شہاب! تمہیں علم ہے کہ بہت سی جگہوں پر میں نے تمہیں تحفظ دیا، میں نے کہا نا بہت سارے عوامل ایسے ہوتے ہیں جن کی تفصیل من وعن بیان نہیں کی جاسکتی بس یہ سارے معاملات چل رہے تھے، اب تم لوگ ایک کام کرو جا کر سرفراز کو اس ڈیفنس والی کوٹھی سے لے آؤ، وہ اکیلا ہے، میں ابھی امتیاز سے یہی کہہ رہی تھی کہ قصور اس کا نہیں ہے، طاہرہ خانم کو دولت کی ہوس لے ڈوبی اور پھر اس مردِ خدا کی لحد پر جا کر فاتحہ خوانی کرو سب لوگ، جس نے اس عذاب سے چھٹکارا دلانے کے لئے اپنی جان کا نذرانہ پیش کر دیا۔ میں سہام احمد عرف مرشد کی بات کر رہی ہوں۔''

میرا دل عقیدت سے بھر گیا۔ ساری تفصیل سننے کے بعد مجھے انداز ہو گیا کہ دادی جان کیا کہنا چاہتی ہیں۔ بہر حال دوسرے دن ہم تمام لوگ مل کر ڈیفنس کی اس کوٹھی میں پہنچ گئے جہاں سرفراز بھائی ایک کمرے میں آنسو بہاتے ہوئے پائے گئے۔ پاپا کو دیکھ وہ بلک بلک کر رو پڑے۔ ماما نے بھی انہیں گلے لگایا، دانیہ بھی ان سے لپٹ گئی۔

میں نے بھی مسکرا کر ان سے کہا ''جناب عالی! وہ آپ کا سایہ کہاں گیا؟''

بھائی جان نے نگاہیں اٹھا کر یاس برے انداز میں مجھے دیکھا اور بولے۔ ''تم لوگ یقین کر لو سائرہ اتنی قصوروار نہیں ہے، وہ خود بھی اپنی ماں کے ٹرانس میں تھی۔''

ہم لوگ سرفراز بھائی کو گھر لے آئے۔ بڑے دلچسپ کردار جمع ہو گئے تھے۔ پاپا جنہیں دیکھ کر آج بھی نکہت آنٹی شرما رہی تھیں۔ پاپا نے میری اور ارجمند کی بات جان کر ارجمند کے سر پر ہاتھ رکھ دیا اور بولے۔ ''بیٹا! فی الحال ہمارے اس ہاتھ کی شفقت کو ہیروں سے زیادہ قیمتی جانو، تمہاری محبت کا نذرانہ ہم تمہیں جلد پیش کریں گے۔''

ریاض الدین نے دو دن کے بعد جانے کی اجازت مانگی تو پاپا نے کہا۔ ''جناب ریاض صاحب! آپ صرف ہمارے ہونے والے سمدھی نہیں ہیں بلکہ میری خالہ جان کے شوہر بھی ہیں یعنی ہمارے خالو صاحب...... ایسے نہیں جانے دیں گے آپ کو، جب تک ہمارا دل نہ بھر جائے۔''

کوئی اور خاص بات نہیں ہوئی۔ صبح، شام انتہائی ہنسی خوشی کے عالم میں گزر رہے تھے

البتہ سرفراز بھائی نے سخت کوشش کی، میں نے بھی لیکن سائرہ خانم کا کہیں پتہ نہیں چلا۔

پھر ایک دن نادر خان ہمارے پاس آیا۔ گاڑی میں سائرہ بھی تھی۔ ہم سب اس کی جانب دوڑ گئے۔ سائرہ کا حلیہ بری طرح خراب ہو رہا تھا، اس نے اجنبی اجنبی نگاہوں سے ہم سب کو دیکھا اور بولی۔ ''میری ماما کھو گئی ہے، آپ کو پتہ ہے کہ میری ماما کہاں گئی؟''

سب کے دل بھر آئے تھے۔ سائرہ کے انداز سے پتہ چلتا تھا کہ اس کا تھوڑا سا ذہنی توازن خراب ہو گیا ہے۔ بہر حال وہ ہماری اپنی تھی، ہمارا خون تھی۔ دادی اماں نے حکم دیا۔ ''سائرہ کی شادی سرفراز سے کی جائے گی، اسے بھرپور سہارے کی ضرورت ہے، سب اس کا خیال رکھیں۔''

یہاں اس کہانی کا اختتام ہوتا ہے۔ سمن آباد کا یہ گھر، جو بہت ہی اجاڑ اور ویران تھا، اب بھی اپنے حلیے میں ویسا ہی ہے لیکن اس کا گوشہ گوشہ آباد کر لیا گیا ہے۔ ہمارے پاس اللہ کا دیا سب کچھ موجود ہے لیکن تایا ابو کی خواہش کے مطابق ہم نے فیصلہ کیا ہے کہ ہم یہاں سے کہیں اور نہیں جائیں گے۔

(ختم شد)